یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

جلد دوم

نُورُ الانوار

اُردو ترجمہ

عَبقاتُ الانوار

بجواب

تحفۂ اثنا عشریہ

موضوع

حدیثِ ثقلین

مؤلف

فردوس مآب علّامہ میر حامد حُسینُ ہندی
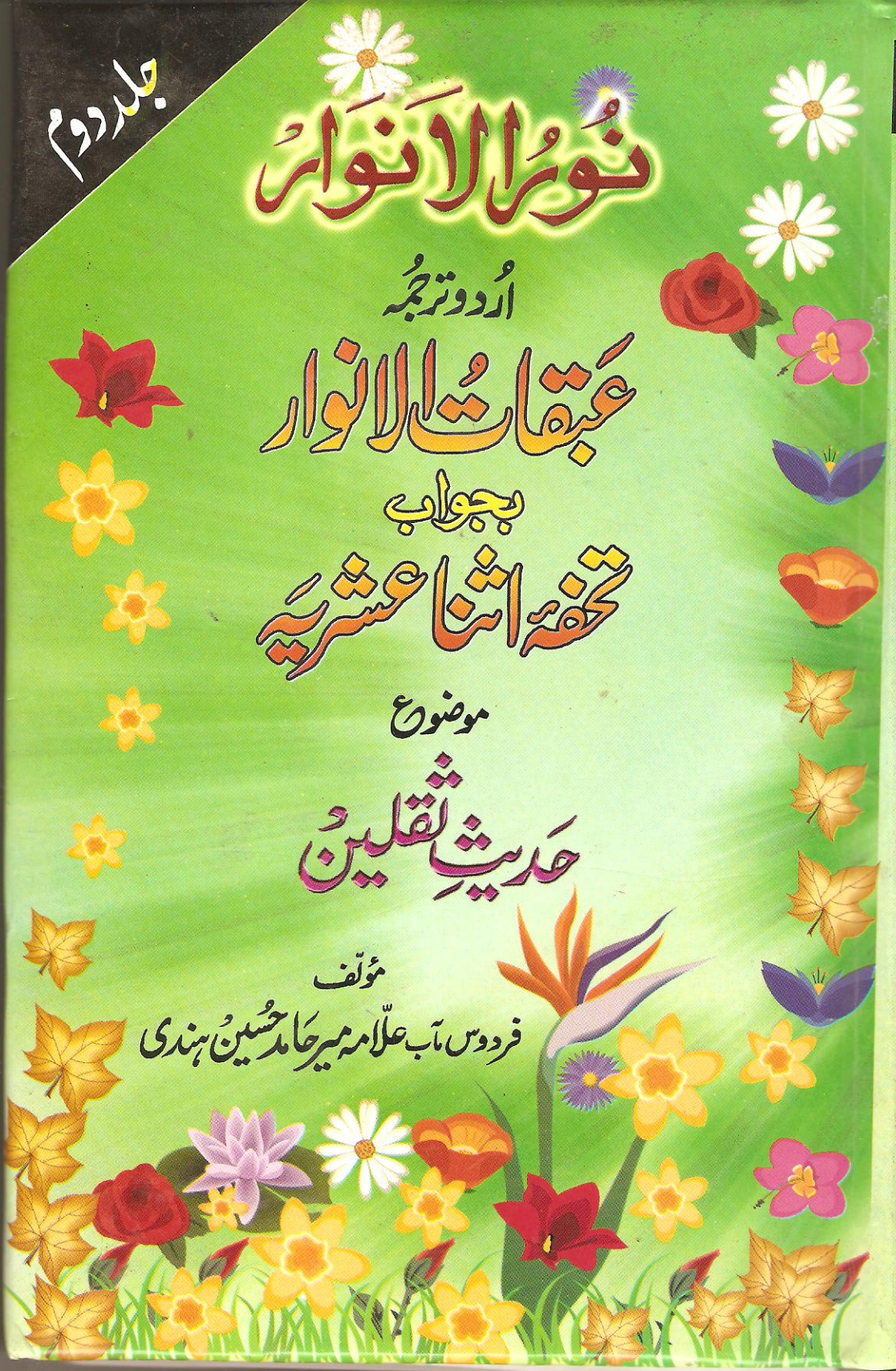
نور الانوار

ترجمۂ

عبقات الانوار

(حدیث ثقلین)

(ج۲)

مؤلف

فردوس مآب

میر حامد حسینؒ ہندی

مترجم

سید شجاعت حسین گوپال پوری

ممتاز الافاضل۔ واعظ

ناشر

مدرسۃ الامام علی بن ابی طالب (ع)

Noor-ul-Anwaar

Tarjuma-Abaqat-ul-Anwar

(Hadith-e-Saqlain) vol.1

By Allama Mir Syed Hamid Husain Musvi

Translated By Shujaat Husain Gopalpuri

Year of Publication-2004

شناسنامه

سلسلۂ مطبوعات الرسول پبلیکیشنز — ۱

نام کتاب : نورالانوار ترجمہ عبقات الانوار (حدیث ثقلین) جلد دوم

مؤلف : فردوس مآب علامہ میر حامد حسین موسوی ھندی

مترجم : سید شجاعت حسین گوپال پوری ممتاز الافاضل واعظ

سن اشاعة : ۲۰۰۴ عیسوی / ۱۴۲۵ ہجری قمری

مطبع : امیر المومنین (ع)

تعداد : ۱۵۰۰

ناشر: مدرسۃ الامام علی بن ابی طالب (ع)

شابک: 964-8139-43-4

شابک دوره: 964-8139-44-x

فہرست جلد دوم

حدیث ثقلین، امامت اہلبیتؑ کی دلیل........................۷

۱۔ حدیث ثقلین، پیروی اہلبیتؑ کی دلیل........................۷

۲۔ اہلبیتؑ کی پیروی قرآن جیسی ہے........................۱۰

۳۔ امت پر اہلبیتؑ کی پیروی واجب ہے........................۱۱

۴۔ لفظ ''ثقلین'' پیروی اہلبیتؑ کی دلیل........................۱۴

۵۔ حکم اعتصام، پیروی اہلبیتؑ کی دلیل........................۱۶

۶۔ حدیث میں لفظ ''اخذ'' پیروی اہلبیتؑ کی دلیل........................۲۲

۷۔ لفظ ''اتباع'' امامت اہلبیتؑ کی دلیل........................۲۴

۸۔ حدیث میں تکرار، پیروی اہلبیتؑ کی دلیل........................۲۵

۹۔ قرآن اور عترت کا جدا نہ ہونا پیروی اہلبیتؑ کی دلیل........................۲۶

۱۰۔ حقوق اہلبیتؑ کی رعایت دستور پیغمبرؐ........................۲۷

۱۱۔قرآن اور اہلبیتؑ جدا نہ ہونے والے دو مصاحب.....۲۸
۱۲۔روایت ابوذر، امامت اہلبیتؑ کی دلیل.....۲۹
۱۳۔حدیث ثقلین کی دلالت بعض آیات کی طرح.....۳۴
۱۴۔حدیث ثقلین، عصمت اہلبیتؑ کی دلیل.....۳۸
✿۔حدیث ثقلین سے عصمتِ اہلبیتؑ کو ثابت کرنے والے علمائے اہلسنت...۴۳
۱۵۔حدیث ثقلین، اعلمیت اہلبیتؑ کی دلیل.....۴۶
۱۶۔حدیث ثقلین، افضلیتِ اہلبیتؑ کی دلیل.....۵۰
۱۷۔حدیث ثقلین اور حدیث ولایت کا بیان ایک ساتھ.....۶۱
۱۸۔حدیث ثقلین، حدیث ولایت اور حدیث منزلت کا بیان ایک ساتھ.....۶۹
۱۹۔حدیث میں لفظ ''خلافت'' امامتِ اہلبیتؑ کی دلیل.....۷۱
۲۰۔اہلبیتؑ پر سبقت گمراہی ہے.....۷۶
۲۱۔نتیجۂ حدیث ثقلین.....۷۸
۲۲۔خود الفاظ حدیث، خلافتِ اہلبیتؑ کی دلیل ہیں.....۸۸
۲۳۔حدیث ثقلین سے حضرت علیؑ کا احتجاج.....۹۱
۲۴۔حدیث ثقلین سے امام حسنؑ کا احتجاج.....۱۰۶
۲۵۔عمرو عاص اور حدیث ثقلین.....۱۱۶
۲۶۔حسن بصری اور حدیث ثقلین.....۱۲۰

حدیث ثقلین کی معارض پیش کی جانے والی حدیثوں کی حقیقت......۱۲۴
پہلی معارض حدیث (علیکم بسنتی ....) کا جواب......۱۲۵
راویان حدیث پر ایک نظر......۱۳۰
خلفاء سے مراد آئمہؑ اطہار ہیں......۱۵۹
لفظ عترت کے بارے میں ایک شبہ کا جواب......۱۸۵
نئی چال......۲۱۱
دوسری معارض حدیث (خذوا شطر.......) کا جواب......۲۱۸
حدیث کو ضعیف کہنے والے علماء اور حفاظِ حدیث......۲۱۹
تیسری معارض حدیث (اهتدوا بهدی عمار) کا جواب......۲۳۶
اس حدیث کے اہم نکات......۲۴۴
چوتھی معارض حدیث (تمسکوا بعهد ابن ام عبد) کا جواب......۳۳۳
پانچویں معارض حدیث (رضيت لكم ما رضى به..) کا جواب......۳۳۸
چھٹی معارض حدیث (اعلمكم با الحلال .....) کا جواب......۳۴۸
ساتویں معارض حدیث (اقتدوا باللذين -.......) کا جواب......۳۶۱
راویان حدیث پر ایک نظر......۳۶۶
شاہ صاحب کی اختراع اور اس کا جواب......۳۸۸
آٹھویں معارض حدیث (اصحابی كالنجوم ......) کا جواب......۴۰۱

حدیث نجوم کی حقیقت.......................................۴۰۱
حدیث نجوم سے ملتی جلتی ایک حدیث کی حقیقت......................۴۹۴
راویان حدیث پر ایک نظر.......................................۴۹۶
معنیٰ حدیث پر ایک نظر.......................................۵۱۵
حدیث میں تحریف.......................................۵۱۷
حدیث نجوم معنی کے اعتبار سے.......................................۵۲۰
نئی چال.......................................۵۲۷
حدیث نجوم کے متعلق مزنی کی بات پر ایک نظر.......................۵۸۱
معنیٰ حدیث نجوم کے متعلق ابن عبدالبر کی بات پر ایک نظر.................۶۳۳
نویں معارض حدیث (انما الشوریٰ ....) کا جواب......................۶۴۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ثقلین، امامتِ اہلبیتؑ کی دلیل

مخاطب (صاحب تحفہ) نے کہا ہے: ''اس حدیث (ثقلین) کا بھی سابقہ حدیثوں کی طرح (شیعوں کے) اصل مدعا سے کوئی ربط نہیں ہے، کیونکہ جس سے تمسک کا حکم دیا جائے اس کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ وہ صاحب ریاست کبریٰ (خلیفہ) ہو''

میں (حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ یہ حدیث (ثقلین) کئی طرح سے شیعوں کے مدعا کو ثابت کرتی ہے ملاحظہ کیجئے:

۱۔ حدیث ثقلین، پیروئ اہلبیتؑ کی دلیل

یہ حدیث، اہلبیتؑ کے سارے اقوال وافعال واحکام کی پیروی کو ثابت کرتی ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ بعد پیغمبرؐ جملہ امور میں کسی کی پیروی اس کے صاحب زعامت کبریٰ اور امامت عظمٰی کی دلیل ہے، لہذا حضرت علیؑ جو اہلبیتؑ کے سید وسردار ہیں، امامت وخلافت ان ہی کا حق ہے۔

گر چہ حدیث ثقلین کی دلالت اہلبیتؑ کی پیروی پر اظہر من الشمس ہے، مگر اتمام حجت اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے جید علمائے اہلسنت کی عبارتیں نقل کر رہا ہوں:

طیبی اپنی کتاب ''کاشف شرح مشکوٰۃ'' میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں:

''قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے اور وہ اس کے اوامر کی اطاعت و پیروی اور اس کے نہی سے اعراض کرنا ہے، اور عترت کے ساتھ تمسک کے معنی یہ ہیں کہ ان سے محبت کی جائے، ان سے ہدایت حاصل کی جائے اور ان کی سیرت کی پیروی کی جائے''

سعد الدین تفتازانی ''شرح مقاصد'' میں حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرتؐ نے اہلبیت کو اس سلسلے میں قرین و مصاحب قرار دیا کہ ان دونوں کے ساتھ تمسک و وابستگی گمراہی سے بچانے والی ہے، اور قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے معنی سوائے اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ اس سے علوم و معارف اور ہدایت حاصل کی جائے، اور یہی معنی عترت کے ساتھ تمسک کرنے کے ہیں''(۱)

ابن حجر مکی ''صواعق محرقہ'' میں حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

''رسولؐ خدا نے قرآن اور عترت کو جو ان کے اہل، نسل اور قریب ترین رشتہ دار ہیں، ''ثقلین'' کہا ہے، کیونکہ ہر نفیس اور محفوظ رکھنے والی شئی کو ''ثقل'' کہتے

۱۔ شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۲۲

سے ہرایک علوم لدنی کا معدن اور اسرار و مخزن حکم علیا اور احکام شرعیہ کا منبع ہے ،اسی وجہ سے حضرتؑ نے لوگوں کو ان کی پیروی ،ان سے تمسک اور ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب وتشویق دی ہے........"(۱)

نورالدین سمہودی، طرق" حدیث ثقلین" کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"چونکہ قرآن اور عترت میں سے ہرایک علوم لدنی کا معدن، اسرار و حکم شرعی کا منبع اور استخراج حقائق کا خزانہ ہے ،اس لئے حضرتؑ نے ان دونوں کو "ثقلین" کہا، اور بعض روایتوں کے مطابق لوگوں کو اپنے اہلبیت کی اقتداء، ان کے ساتھ تمسک اور ان سے حصول علم کی ترغیب وتشویق دی ہے.........."(۲)

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

"قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے معنی اس کے جملہ اوامر پر عمل اور اس کے جملہ نواہی سے اعراض کرنا ہے اور پیغمبرؐ کی عترت کے ساتھ تمسک کا مطلب ان سے محبت اور ان کی سیرت کی پیروی کرنا ہے"(۳)

اسی سے ملتی جلتی باتیں مناوی نے "فیض القدیر" ج ۳ ص ۱۴ پر، عزیزی نے "السراج المنیر" ج ۲ ص ۵۱ پر، شہاب خفاجی نے "نسیم الریاض" ج ۳ ص ۴۱۰ پر، زرقانی نے "شرح المواهب اللدنیه" ج ۷ ص ۷ پر، علی بن سلیمان شاذلی نے "نفع قوت المغتذی" ج ۲ ص ۲۲۰ پر، شہاب الدین دولت آبادی نے "هدایة السعداء" میں، حسین بن علی کاشفی نے "تفسیر حسینی" میں، کمال الدین جہرمی نے "براهین القاطعه ترجمه صواعق

۱۔ الصواعق المحرقۃ ص ۹۰ ۲۔ جواہر العقدین ج ۲ ص ۹۴ ۳۔ شرح الشفاء ج ۳ ص ۴۱۰ مطبوع بر حاشیہ نسیم الریاض

محرقہ‘‘ میں، فضل بن، روزبہان خنجی شیرازی نے ’’شرح رسالہ اعتقادیہ‘‘ میں، مرزا محمد بن معتمد خان بدخشی نے ’’مفتاح النجا‘‘ میں، مولوی ولی اللہ لکھنوی نے ’’مراۃ المومنین‘‘ میں اور مولوی حسن الزمان نے ’’قول مستحسن‘‘ میں کہی ہیں:

۲۔ اہلبیتؑ کی پیروی قرآن جیسی ہے

رسول خداؐ نے اہلبیتؑ کی اقتداء اور پیروی کو قرآن کے اوامر و نواہی کی اطاعت کی طرح واجب قرار دیا ہے، اور حضرتؐ نے اس سلسلے میں واضح لفظوں میں اتمام حجت کیا ہے، پس جس کی پیروی بعد پیغمبرؐ، قرآن کی پیروی جیسی واجب ہو وہ سوائے خلیفہ اور امام کے کچھ اور نہیں ہوگا، لہذا اس حدیث کی روشنی میں آپ کے اہلبیتؑ ہی آپ کے جانشین ہوں گے نہ کہ کوئی اور۔ کیونکہ ان کے علاوہ کسی اور کے لئے کسی مسلمان نے نہیں کہا کہ ان کے احکام کی اطاعت قرآن کی طرح واجب ہے اور نہ ہی انھیں قرآن کا قرین و مصاحب قرار دیا ہے، لہذا جانشین پیغمبرؐ، آپ کے اہلبیتؑ ہوں گے اور ان کی اطاعت و پیروی لوگوں پر واجب ہوگی۔

مولوی محمد مبین ’’وسیلۃ النجاۃ‘‘ میں نقل حدیثِ ثقلین کے بعد اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

’’حضرتؐ نے جو تین مرتبہ فرمایا: میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ خدا سے خوف کھاؤ اور اہلبیت کے حقوق کی رعایت کرو اور ان کی اطاعت و محبت کا جامہ تن کرو۔ اور اعضاء و جوارح سے

اہلبیت کے اوامر کی اطاعت و پیروی اور دل سے ان کی محبت اسی طرح واجب ہے جس طرح کتاب خدا کے احکام کا امتثال''۔

محمد معین سندھی ''دراسات للبیب'' میں ''صحیح ترمذی'' سے حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''جب ہم نے حدیث ثقلین پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس میں اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے کی تصریح ہوئی ہے اور ان کی پیروی، قرآن کی پیروی جیسی ہے اور ان کے متعلق یہ حکم خدا کی جانب سے رسولؐ خدا کے پاس حوض کوثر پر وارد ہونے تک ہے''(۱)

رشید الدین دہلوی ''ایضاح لطافۃ المقال'' میں تحریر کرتے ہیں:

''اہلسنت، ثقلین سے وابستہ ہیں، اور حدیث ''انی تارک فیکم الثقلین'' کے مطابق عترت طاہرہ کے ساتھ تمسک کرنے کو قرآن کے ساتھ تمسک کی طرح واجب قرار دیتے ہیں.....''

۳۔ امت پر اہلبیتؑ کی پیروی واجب ہے

حضرتؐ کے ارشاد ''ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی'' سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اہلبیتؑ کی اطاعت و پیروی واجب ہے، اس لئے کہ امت اسلامی کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے ہی حضرتؐ نے اس پیروی کو واجب قرار دیا تھا، اور اہلبیتؑ کی

۱۔ دراسات اللبیب ص ۲۳۲

پیروی کا واجب ہونا، ان کی امامت وخلافت پر محکم دلیل ہے، چنانچہ امت نے ان کے ہاتھ میں زمام خلافت نہ دے کر خود کو گمراہی میں ڈالا اور ارشاد پیغمبر کی مخالفت کی۔ان سارے تعصبات کے باوجود خود شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے اعتراف کیا ہے کہ ''حدیث ثقلین'' اہلبیت کے ساتھ وابستہ رہنے پر دلالت کرتی ہے۔

اور یہ کہ اس حدیث میں تمسک کے معنی اتباع اور پیروی کے ہیں،تو اس کی مشہور علمائے اہلسنت نے خود تصریح کی ہے،ملاحظہ کیجئے:

ملا علی قاری ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ابن الملک کا کہنا ہے کہ کتاب خدا سے تمسک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے یعنی اس کے اوامر کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کیا جائے اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ساتھ محبت اور ان کی سیرت کی تقلید و پیروی کی جائے ،سید جمال الدین نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ جب ان کی سیرت وہدایت دین کے مخالف نہ ہو،لیکن میں کہتا ہوں کہ حضرتؐ کے ارشاد کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی عترت کی سیرت وہدایت ہمیشہ شریعت وطریقت کے مطابق ہوا کرے گی،لہذا اس اضافی شرط کی ضرورت نہیں ہے''(۱)

مناوی ''فیض القدیر'' میں حدیث کے اس جملے ''لن یفترقا حتی یرد اعلیّ الحوض'' کی توضیح میں لکھتے ہیں:

۱۔المرقاۃ فی شرح المشکوۃ ج۵ص۶۰۰

''اس میں اس بات کی طرف اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہونے والے ہیں اور ان ہی کو حضرتؐ نے اپنا جانشین بنایا اور امت سے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، ان کے حقوق کو اپنے حقوق پر ترجیح دینے اور دینی امور میں ان کے دامن سے وابستہ رہنے کی سفارش کی ہے......''(۱)

زرقانی اسی بات کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں:

''حضرتؐ کی وصیت کو اس جملے سے تقویت ملتی ہے ''دیکھو میرے مرنے کے بعد ان دونوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو'' یعنی ان دونوں کی پیروی کر کے مجھے خوشنود کرو گے یا ان کی پیروی نہ کر کے مجھے ناراض کرو گے''(۲)

ثناء اللہ پانی پتی ''سیف المسلول'' کے خاتمہ میں کشف والہام کے ذریعہ ائمہ اثناعشر کی امامت کو ثابت کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اہلبیت کی امامت کا استنباط کتاب خدا اور حدیث پیغمبرؐ سے بھی کیا جا سکتا ہے، ارشاد الٰہی ہے '' قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ '' جب کہ انبیاء ماسبق نے اپنی امت سے کہا تھا ''ہم تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی اجر نہیں مانگتے اس کا اجر تو خدا کے ذمے ہے'' مگر حضرتؐ اسلوب کلام بدل دیا اور اجر رسالت کا سوال خود امت سے کیا، اس کی حکمت یہ ہے کہ انبیاء ماسبق کی شریعت ان کے مرنے کے بعد منسوخ ہو جاتی تھی، جب کہ حضرتؐ نے کی

۱۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۳ ص ۱۷۴ ۲۔ شرح المواھب اللدنیۃ ج ۷ ص ۵

شریعت ابدی ہے، لہٰذا امت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بعد پیغمبرؐ آپ کے نائب کی طرف رجوع کرے، اسی وجہ سے حضرتؐ نے امت کو اپنی آل کی محبت کا حکم دیا اور ان کے دامن سے وابستہ رہنے کے لئے کہا، کیونکہ وہی وارثان پیغمبرؐ اور آپ کے علوم کے دروازے ہیں، چنانچہ فرمایا: ''ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی'' یعنی میں نے تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑیں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت، نیز فرمایا: ''انا مدینة العلم و علی بابها'' یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے''

۴۔ لفظ ''ثقلین'' پیروئ اہلبیتؑ کی دلیل

رسالتمآبؐ نے اس حدیث میں قرآن اور اہلبیتؑ کو ''ثقلین'' کہا ہے، کہ یہ لفظ خود ہی پیروئی اہلبیتؑ پر واضح دلیل ہے، اس لئے کہ بہت سے جید علماء اہلسنت نے ''ثقلین'' کی یہ وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ ''ان دونوں کا لینا اور ان پر عمل کرنا اور ان کی اطاعت کرنا ثقیل و دشوار ہے'' اور یہ بات واضح ہے کہ احکام قرآن کا حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے، لہٰذا اہلبیتؑ کے دامن سے وابستہ رہنا اور ان کے اوامر پر عمل کرنا بھی واجب ہوگا۔ ہم یہاں بعض ان علماء اہلسنت کے نام ہدیہ قارئین کررہے ہیں جنہوں نے ''ثقلین'' کی مذکورہ وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔

ازھری نے ''تهذیب اللغة'' میں، نووی نے ''المنهاج'' میں، ابن اثیر نے ''جامع الاصول'' اور ''النهاية'' میں، دیلمی نے ''فردوس الاخبار'' میں، طیبی

نے ''الکاشف''میں،شریف جرجانی نے''حاشیہ بر مشکواۃ ''میں ،ابن خلیفہ نے''الاکمال''میں،سنوسی نے''مکمل الاکمال''میں،سیوطی نے''النثیر''میں،دولت آبادی نے''ھدایۃ السعداء''میں، محمد طاہر فتنی نے''مجمع البحار'' میں،ابن حجر مکی نے''اللمعات''اور''اشعۃ اللمعات''میں، زرقانی نے''شرح المواھب اللدنیہ''میں،زبیدی نے ''تاج العروس'' میں ،ابن منظور نے ''لسان العرب''میں،تفتازانی نے''شرح المقاصد''میں، زرندی نے''نظم دررالسمطین ''میں، سخاوی نے''استجلاب ارتقاء الغرف''میں،نورالدین سمہودی نے''جواہرالعقدین''میں،محمد طاہر فتنی نے''مجمع البحار'' میں ، ملا قاری نے ''شرح شفا''میں ،شہاب الدین خفاجی نے''نسیم الریاض''میں،علی عزیزی نے''سراج المنیر شرح جامع الصغیر''میں،احمد بن عبد القادر عجیلی نے''ذخیرۃ المال''میں، ولی اللہ انصاری نے''مراۃ المومنین''میں اور مولوی صدیق حسن خان نے''سراج وھاج''میں،ان سب نے''ثقلین'' کی یہ وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ چونکہ قرآن وعترتؑ کا لینا اوران کے بتائے ہوئے احکام پرعمل کرنا ثقیل ودشوار ہے ،لہذا پیغمبر اسلامؐ نے انھیں ''ثقلین'' سے تعبیر کیا.بحث سند میں ان سب کی عبارتیں نقل ہو چکی ہیں۔

اور چونکہ قرآن کے احکام کا حاصل کرنا اوران پرعمل کرنا واجب ہے لہذا عترت و اہلبیت کی بھی معرفت حاصل کرنا اوران کے بتائے ہوئے اوامر پرعمل کرنا واجب ہے۔

۵۔حکم اعتصام،پیرویٔ اہلبیتؑ کی دلیل

حدیث ثقلین ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے ''انی ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدی ان اعتصمتم به کتاب الله وعترتی'' اور اس کو ابن شیبہ نے ''المصنف'' میں اور خطیب نے ''المفترق والمتفق'' میں نقل کیا ہے، چنانچہ میرزا محمد بدخشانی ''مفتاح النجا'' میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث (ثقلین) کو ابن ابی شیبہ اور خطیب نے ''المفترق والمتفق'' میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے: میں نے تم میں ایسی چیزیں چھوڑیں کہ میرے بعد اگر ان کو پکڑے رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت واہلبیتؑ'' پس یہ حدیث بھی اہلبیتؑ کی پیروی پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ طبری ثعلبی، واحدی، بغوی، رازی، بیضاوی، خازن، نیشاپوری اور سیوطی جیسے بزرگ مفسرین نے ''واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا'' (آل عمران/ ۱۰۳) میں ''واعتصموا'' کے معنی تمسک کے بتائے ہیں اور تمسک، اقتدا اور پیروی کو کہتے ہیں۔

لغویوں نے بھی ''اعتصام'' کے معنی ''استمساک'' (تمسک کرنا) بتایا ہے، ملاحظہ کیجئے راغب اصفہانی کی ''مفردات'' ابن اثیر کی ''النھایۃ'' ابن منظور کی ''لسان العرب'' سیوطی کی ''النثیر'' زبیدی کی ''تاج العروس''

اور جس طرح اس حدیث سے اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنا ثابت ہے اسی طرح قرآن کی اس آیت ''واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولا تفرقوا'' سے بھی اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنا ثابت ہے اس، لئے کہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں رسولؐ خدا اور اہلبیتؑ طاہرین سے منقول ہے کہ ''حبل الله'' سے مراد اہلبیتؑ ہیں. چنانچہ ثعلبی اس آیت کی

تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ہم کو عبداللہ بن محمد بن عبداللہ نے بتایا انہوں نے محمد بن عثمان سے انہوں نے محمد بن عثمان سے انہوں نے محمد بن حسین بن صالح سے اور انہوں نے علی بن عباس مقانعی سے روایت کی ہے کہ جعفر بن محمد (امام جعفر صادقؑ) نے فرمایا: ہم ہی وہ حبل اللہ ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا: واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا''(۱)

ابونعیم اصفہانی ''مانزل من القرآن في علی'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے محمد بن عمر بن سالم نے بیان کیا انہوں نے احمد بن زیاد بن عجلان سے انہوں نے جعفر بن علی نجیح سے اور انہوں نے حسن بن حسین عرنی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمد (امام جعفر صادقؑ) کو اس آیت ''واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا'' کے بارے میں فرماتے سنا کہ ہم ہیں حبل الله''

مفسر و محدث عز الدین عبدالرزاق بن رزق اللہ حنبلی نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے، چنانچہ علامہ اربلی ''کشف الغمہ'' میں تحریر کرتے ہیں:

''واعتصوا بحبل الله جميعاً کی تفسیر میں محدث عز کا کہنا ہے کہ حبل اللہ، علی اور ان کے اہلبیت ہیں''(۱)

۱۔ تفسیر ثعلبی۔ مخطوطہ

ثعلبی سے منقول اس روایت کو حسب ذیل علماء اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ابن حجر مکی نے ''الصواعق المحرقہ'' میں، سمہودی نے جواھر العقدین'' میں، میرزا محمد بدخشانی نے ''مفتاح النجا'' میں، صبان نے ''اسعاف الراغبین'' میں اور محمد مبین لکھنوی نے ''مراۃ المومنین'' میں۔

شیخانی قادری ''الصراط السوی'' میں طرق حدیث ثقلین کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''جعفر بن محمد (امام جعفر صادقؑ) واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ہم ہی حبل اللہ ہیں، لہذا خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے جدا نہ ہو''

شیخ سلیمان قندوزی لکھتے ہیں:

''ثعلبی نے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کی تفسیر میں اپنی اسناد سے ابان بن تغلب سے روایت کی ہے کہ (امام) جعفر صادقؑ نے فرمایا: ہم ہی وہ رسی ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا: واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا، اور صاحب ''المناقب'' نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ہم رسولؐ خدا کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بادیہ نشین آیا اور اس نے کہا یا رسولؐ اللہ: میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے''واعتصموا بحبل اللہ ''پس وہ حبل اللہ کیا ہے جس

۱۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج ا ص ۳۱۱

کے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے؟ رسول خداؐ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ حبل اللہ ہے، اس کے دامن سے وابستہ رہو اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو" (۱)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ (امام) شافعی نے بھی "حبل اللہ" کی تفسیر "ولاء اہلبیتؑ" کی ہے، اور اس کا اظہار اپنے اشعار میں کیا ہے، چنانچہ احمد بن عبد القادر عجیلی نے "ذخیرۃ المال" میں فضیلت اہلبیتؑ کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کی شہادتوں کو نقل کیا ہے، (امام) شافعی کے طولانی قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں، آخری شعر شاہد مثال ہے۔

ولمارئیت الناس قد ذھبت بھم

مذاھبھم فی ابحرالغی والجھل

جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کے مذاہب نے انہیں گمراہی اور جہالت کے سمندر میں پہونچا دیا۔

رکبت علی اسم اللہ فی سفن النجا

وھم اھلبیت المصطفی خاتم الرسل

تو میں اللہ کا نام لے کر کشتی نجات پر کہ وہ خاتم المرسلین محمدؐ مصطفیٰ کے اہلبیتؑ ہیں، سوار ہو گیا۔

وامسکت حبل اللہ وھو ولائھم

۱۔ ینابیع المودۃ ص ۱۱۹

کماقد امرنا بالتمسک بالحبل

اور میں نے اللہ کی رسی کو جو محبت اہلبیتؑ ہے پکڑ لیا، جیسا کہ حبل اللہ سے تمسک کا ہمیں حکم دیا گیا تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض علمائے اہلسنت نے ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً'' میں ''حبل'' کی تفسیر، عترت طاہرہ کی ہے اور اس تفسیر میں حدیث ثقلین سے استناد کیا ہے، اور انہوں نے اس طرح حدیث کو نقل کیا ہے جو بصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہی حضرات وہ رسی (حبل) ہیں جن سے تمسک کا خدا نے حکم دیا ہے۔ ''جامع السلاسل'' میں سید علی ہمدانی کے شرح حال میں مجد الدین بدخشانی کے بقول سید محمد طالقانی، جانشین سید علی ہمدانی نے ''قیافہ نامہ'' میں مذکورہ آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

''بعض کا کہنا ہے کہ حبل اللہ، رسولؐ خدا کی عترت ہیں، جیسا کہ حضرتؐ نے فرمایا: انی تارک فیکم الثقلین کلام اللہ و عترتی، الا فتمسکو ابهما، فانهما حبلان لا ینقطعان الی یوم القیامة، یعنی میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت، آگاہ ہو جاؤ اور ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہو، کیونکہ یہ دونوں ایسی رسی ہیں جو قیامت تک ایک دوسرے سے منقطع نہیں ہوں گی۔''

بدرالدین محمود بن احمد رومی نے ''تاج الدرة'' میں قصیدہ بردہ کے اس شعر دعا الی اللہ فالمسکون به مستمسکون بحبل غیر منفصم کی شرح میں

لکھا ہے: حضرتؑ نے کتاب خدا اور اپنی عترت کو رضاء الٰہی تک پہونچانے کا ذریعہ قرار دیا ہے، اور پھر انھوں نے حدیث ثقلین نقل کر کے حق کو منصہ شہود تک پہونچا دیا ہے۔

یہاں اس بات کا بھی ذکر کر دوں کہ بعض علمائے اہلسنت نے ''واعتصموا بحبل الله'' کے ذیل میں حدیث ثقلین نقل کر کے اہلبیتؑ کے ساتھ وابستہ رہنے کو ثابت کیا ہے، جیسے نورالدین سمہودی نے ''جواھر العقدین'' میں طرق حدیث ثقلین کو ذکر کرنے کے بعد اسی آیت کی تفسیر میں ثعلبی کی روایت نقل کی ہے۔

عبدالقادر عجیلی نے ''ذخیرۃ المآل'' میں اس مصرعہ ''والزم بحبل الله ثم اعتصم'' کے ذیل میں لکھا ہے:

''خداوند عالم نے فرمایا: واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا، اور رسولؐ خدا نے فرمایا: انی تارك فيكم الثقلين، ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الآخر، كتاب الله حبل ممدود من السماء الى الارض وعترتى اهلبيتى.........''

نیز عجیلی ''ذخيرة المآل'' ہی میں اس شعر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

واعتصموا بحبل الله ولا تفرقوا يا ايها الناس جميعاً واتقوا ''ارشاد الٰہی ہے: واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا، اور پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: انی تارك فيكم ،ما ان تمسكتم به لن

تضلوا بعدی، کہ اس سے ان کے اقوال وافعال وسیرت کی پیروی مراد ہے"

۶۔ حدیث میں لفظ ''اخذ'' پیروئ اہلبیتؑ کی دلیل

پیغمبر اسلامؐ سے مروی جن الفاظ میں حدیث ثقلین ہم تک پہونچی ہے، ان میں ایک یہ ہے: ''انی تارک فیکم ما ان اخذ تم بہ لن تضلوا: کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی'' کہ یہ خود اہلبیتؑ کی پیروی پر دلالت کرتی ہے۔

اس حدیث کو ترمذی نے اپنی ''صحیح'' میں، احمد نے اپنی ''مسند'' میں، ابن راہو یہ نے اپنی ''مسند'' میں، ابن سعد نے ''الطبقات'' میں، نسائی نے اپنی ''صحیح'' میں، ابویعلی نے اپنی ''مسند'' میں، طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں، بغوی نے ''مصابیح'' میں، قاضی عیاض نے ''الشفا'' میں، حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں، ابن ابی عاصم نے ''کتاب السنۃ'' میں، محمد جریر طبری نے ''تہذیب الآثار'' میں، محاملی نے اپنی ''امالی'' میں، ثعلبی نے اپنی تفسیر ''الکشف والبیان'' میں، ابن اثیر نے ''جامع الاصول'' میں، ولی الدین خطیب تبریزی نے ''مشکوۃ المصابیح'' میں، ابوالحجاج مزّی نے ''تحفۃ الاشراف'' میں، شمس الدین خلخالی نے ''مفاتیح شرح مصابیح'' میں، جمال الدین زرندی نے ''نظم درر السمطین'' میں، ابن کثیر نے اپنی ''تفسیر'' میں، سعد الدین تفتازانی نے ''شرح مقاصد'' میں، سیوطی نے ''احیاء المیت بفضائل اھل البیت'' اور ''اساس فی مناقب بنی العباس'' اور ''تفسیر در منثور'' اور ''جمع الجوامع'' میں، ان کے علاوہ اور بھی علماء ومحدثین اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، کہ میں نے ان سب کو ان کی عبارتوں کے ساتھ بحث سند میں بیان کیا ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ حدیث میں لفظ ''اخذ'' تمسک واعتصام کی طرح

اقتدا اور پیروی پر دلالت کرتا ہے، بطور نمونہ چند علماء کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

''اخذ سے مراد ان کے ساتھ تمسک کرنا، ان کا احترام کرنا، ان کی روایتوں پر عمل کرنا اور ان کی بات پر اعتماد کرنا ہے''(۱)

شہاب خفاجی کہتے ہیں:

''جس روایت کو ترمذی نے زید بن ارقم اور جابر سے نقل کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے، اس میں حضرتؑ نے فرمایا: ''انی تارك فیكم '' جو اشارہ ہے زمانہ قریب کی طرف، اس میں آپ نے امت کو وصیت کی ہے، اور ''ما اخذ تم به'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمسک کرو، ان کی باتوں پر عمل کرو اور ان کی پیروی کرو''(۲)

اسی معنی کو صدیق حسن خان نے ''السراج الوھاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج'' میں زید بن ارقم کی حدیث کی شرح میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''اہلبیت پر زکوٰۃ کیوں حرام ہے، اس پر بحث کرنے کی یہاں جگہ نہیں ہے، دوسری جگہ اس پر بحث ہوگی، یہاں ہماری غرض ان کی فضیلت بیان کرنی ہے اور وہ تعظیم و اکرام اور ثقیل ہونے میں کتاب خدا کے شریک ہیں لہٰذا ان دونوں کا حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں

۱۔ المرقاۃ ج ۵ ص ۶۰۰

۲۔ نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۱۰

گے یہاں تک کہ رسول خداؐ کے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں''

محمد معین سندھی نے بھی حدیث زید بن ارقم کو مذہب اہلبیتؑ کے اختیار کرنے کی دلیل قرار دیا ہے، وہ ''صحیح مسلم'' میں موجود زید بن ارقم سے منقول حدیث ثقلین کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرتؐ نے تین مرتبہ جو فرمایا: میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، یہ ان کے ساتھ تمسک کرنے کی ترغیب اور ان کے اقوال وافعال اور ان کے مذہب کو اختیار کرنے کی تشویق تھی'' (۱)

۷۔ لفظ ''اتباع'' امامت اہلبیتؑ کی دلیل

پیغمبرؐ اسلام کا فرمانا کہ ''لن تضلوا ان اتبعتموھما'' یہ خود اہلبیتؑ کی پیروی کو ثابت کرتا ہے اور اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کی پیروی قیامت تک گمراہی سے بچانے کی ضامن ہے، کہ یہ خود اہلبیتؑ کی امامت وخلافت پر واضح دلیل ہے. اس جملے (لن تضلوا ان اتبعتموھما) کے ساتھ حسب ذیل محدثین اہلسنت نے حدیث ثقلین نقل کی ہے حاکم نے ''المستدرک علی الصحیحین'' ج ۳ ص ۱۰۹ پر، ابن حجر مکی نے ''الصواعق المحرقہ'' میں آیۃ وقفوھم انھم مسئولون کی تفسیر میں، مخاطب کے والد ماجد شاہ ولی اللہ دہلوی نے ''ازالۃ الخفا'' میں، اور شیخ سلیمان قندوزی نے ''ینابیع المودۃ'' ص ۳، ۳۷، ۲۹۶ پر نقل کیا ہے۔

۱۔ دراسات اللبیب ص ۲۳۲

۸۔ حدیث میں تکرار، پیرویٔ اہلبیتؑ کی دلیل

رسالتمآب کا حدیث ثقلین میں اس جملے کی تکرار (میں تمہیں اہلبیتؑ کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں) کی تکرار کرنا، یہ خود امت کو اہلبیتؑ کی پیروی اور ان کے ساتھ تمسک کرنے کا ایک دستور ہے، بحمد اللہ علمائے اہلسنت نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے، ملاحظہ کیجئے۔

شیخ حسین کاشفی کا بیان ہے:

''اس جملے کی تین بار تکرار اہلبیت کی تعظیم، ان سے محبت اور ان کی متابعت پر واضح دلیل ہے(۱)

شیخ عبدالحق دہلوی اس جملے کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اس جملے کی تکرار مبالغہ اور تاکید کی وجہ سے تھی، اہلبیت کے معنی واضح ہیں اور ان پر یہ سارے معانی درست ہیں، خاص طور سے آخری معنی یعنی ان سے محبت، ان کی تعظیم اور ان کے حقوق کی رعایت تو واضح ہے، اور یہ اشارہ ہے اخذ سنت کی طرف کیونکہ پہلے کتاب پر عمل کرنے کا حکم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے مومنین، اہلبیت نبی اور ان کی آل کے مطیع ہیں'' (۲)

زرقانی اس جملے کی توضیح میں لکھتے ہیں:

''حکیم ترمذی کا کہنا ہے: حضرتؐ نے ان کے ساتھ تمسک کرنے کی ترغیب

۱۔ رسالہ علیہ ص ۳۰ ۲۔ اشعۃ اللمعات فی شرح المشکٰوۃ ج ۴ ص ۶۷۷

وتشویق کی ہے، کیونکہ حکومت ان ہی کا حق ہے''(۱)

۹۔قرآن اور عترتؑ کا جدا نہ ہونا پیرویٔ اہلبیتؑ کی دلیل

رسالتمآبؐ نے''وانهما لن يفترقا حتى يرد اعلىّ الحوض ''(یعنی یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں) فرما کر گویا امت کو اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے، اس بات کی علمائے اہلسنت کی ایک جماعت نے بھی تصریح کی ہے، ملاحظہ کیجئے:

مناوی''فیض القدیر''میں مذکورہ عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

''حدیث کا پہلا جملہ''انی تارك فيكم''کو دیکھتے ہوئے اس جملہ (وانهما لن يفترقا......)میں اس بات کی طرف اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے والے ہیں، جنہیں حضرتؐ نے اپنا جانشین قرار دیا اور امت سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے ،ان کے حقوق کو دوسروں پر ترجیح دینے اور دینی امور میں ان دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے، کتاب خدا سے تمسک کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ یہ علوم دینی اور احکام شرعی کا معدن اور حقائق ودقائق کا گنجینہ ہے، اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ جب کسی کا ریشہ اور جڑ پاک ہو تو یہ پاکی دین فہمی میں کمک کرتی ہے، اس لئے کہ پاکئی طینت سے حسن اخلاق اور محاسن

۱۔شرح المواهب اللدنیہ ج۷ص۵

اخلاق سے صفاء قلب اور دل کی طہارت ہوتی ہے‘‘(۱)

شہاب الدین دولت آبادی ’’ھدایۃ السعداء‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’حضرتؐ نے یہ جملہ (انھما لن یفترقا......) اس لئے ارشاد فرمایا تا کہ دیکھیں کہ ان کا دوست کون تھا اور میرے بعد کس نے ان کے ساتھ تمسک کیا اور کس نے چھوڑ دیا‘‘ یہی بات زرقانی نے ’’شرح مواہب اللدنیہ‘‘ میں اور مولوی محمد مبین لکھنوی نے ’’وسیلہ النجاۃ‘‘ میں کہی ہے۔

۱۰۔ حقوق اہلبیتؑ کی رعایت، دستور پیغمبرؐ

رسالتمآبؐ نے حدیث میں اس جملہ ’’فانظروا کیف تخلفونی فیھما‘‘ (یعنی تم خود ہی سوچو کہ تمہیں ان دونوں کے ساتھ کیا رویہ رکھنا چاہئے) کو فرما کر اپنی امت کو اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنے اور ان کی پیروی پر مامور کیا ہے، اس بات کی بھی علماء اہلسنت کی ایک جماعت نے وضاحت کی ہے. ملاحظہ کیجئے

شہاب خفاجی اس جملہ کی توضیح میں لکھتے ہیں:

’’یعنی میری وفات کے بعد دیکھو کہ تم کس طرح کتاب خدا پر عمل اور اہلبیت کی پیروی، ان کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ نیکی کرتے ہو، اس لئے کہ جس نے انھیں شاد کیا اس نے مجھے شاد کیا اور جس نے انھیں آزردہ کیا اس نے مجھے آزردہ کیا‘‘(۱)

۱۔ فیض القدیر ج ۲ ص ۱۷۴

زرقانی نے بھی ''شرح المواھب اللدنیہ'' میں یہی بات کہی ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی حضرتؐ کے اس جملے کی شرح میں لکھتے ہیں:

''یعنی میرے بعد کس طرح تم ان کے اوامر پر اوران کے ساتھ عمل کرتے ہو''(۲)

حسام الدین سہارنپوری ''مرافض'' میں اس جملے کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یعنی میرے بعد ان کے ساتھ کیسا رویہ رکھتے ہو اوران کے ساتھ کس طرح تمسک کرتے ہو''

دولت آبادی نے ''ھدایۃ السعداء'' میں اور سندھی نے ''دراسات اللبیب'' میں یہی بات کہی ہے۔

۱۱۔قرآن اوراہلبیتؑ جدانہ ہونے والے دومصاحب

بالفرض اگر رسالتمآبؐ اس حدیث میں سوائے اس جملے کے کہ ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہلبیتؑ'' نہ کہتے تو یہی اہلبیتؑ کی امامت کے اثبات کے لئے کافی تھا، کیونکہ اس کلام سے یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ حضرتؐ کا مقصود یہ تھا کہ ان دونوں کو میرے بعد حاکم قرار دینا اور خود کو محکوم، نہ یہ کہ قرآن کو حاکم اوراہلبیت کو محکوم، اس لئے کہ ایسی تفکیک وجدائی کسی کے بھی ذہن میں نہیں آسکتی۔

۱۔نسیم الریاض ج۳ص۴۱۰ ۲۔اشعۃ اللمعات ج۴ص۶۸۱

۱۲۔ روایت ابوذر، امامت اہلبیتؑ کی دلیل

رسالتمآبؐ کے عظیم المرتبت صحابی جناب ابوذر نے اس طرح حدیث ثقلین کی روایت کی ہے جو اہلبیتؑ کی امامت کی وضاحت کرتی ہے، ان کی روایت ''ینابیع المودۃ'' میں اس طرح نقل ہوئی ہے:

''سلیم بن قیس ہلالی کا کہنا ہے کہ میں اور جیش بن معتمر مکہ میں تھے، ابوذر کو دیکھا کہ وہ زنجیر در کعبہ کو پکڑے کہہ رہے ہیں اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں جندب بن جنادہ ابوذر ہوں، لوگوں! میں نے تمہارے نبی کو کہتے ہوے سنا: تم میں میرے اہلبیت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے نوح کا سفینہ کہ جو شخص اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے گریز کیا وہ ہلاک ہوا، اور آپؐ ہی نے فرمایا: تمہارے درمیان میرے اہلبیت کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل کے لئے باب حطہ، کہ جو اس میں داخل ہوا بخش دیا گیا، نیز فرمایا: میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان کے ساتھ تمسک کیے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے ایک کتاب خدا دوسرے میری عترت، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں'' (۱)

ابوذر نے زنجیر در کعبہ کو پکڑے حدیث سفینہ اور حدیث باب حطہ کے بعد ''حدیث ثقلین'' کو نقل کیا جو اس کی اہمیت کو بیان کر رہی ہے، نیز یہ کہ ''حدیث سفینہ'' اور ''حدیث باب حطہ'' کی

۱۔ ینابیع المودہ ص ۲۸

طرح، ''حدیث ثقلین'' بھی اہلبیتؑ کی اطاعت وپیروی کی طرف دعوت دے رہی ہے۔

یہ حدیث جب اہلبیتؑ کی پیروی کو ثابت کررہی ہے تو اس سے حضرت علیؑ کی پیروی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، اس کا خود علماء اہلسنت نے بھی اعتراف کیا ہے۔

سمہودی ''حدیث ثقلین'' کو نقل کرنے کے بعد اپنی تنبیہات میں لکھتے ہیں:

''ائمہ اہلبیت اور عترت طاہرہ کے ساتھ تمسک کرنے کی تشویق وترغیب کا مقصد ان کی ہدایات پر عمل کرانا تھا، کہ ان میں سے سب سے زیادہ اہل وحقدار جن سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے، ان کے امام وعالم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ہیں، کیونکہ ان کا علم ودقائق مستنباط ان سب سے زیادہ ہے، اور دار قطنی کی روایت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کو انہوں نے معقل بن یسار سے نقل کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ میں نے ابوبکر کو کہتے ہوے سنا کہ علی بن ابی طالب عترت رسول ہیں، یعنی یہی وہ ہیں جن کے ساتھ تمسک کرنے کی پیغمبرؐ نے ترغیب وتشویق کی ہے، پس ابوبکر کے عترت پیغمبرؐ کہنے کی وجہ وہی ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا، اسی وجہ سے رسالتمآبؐ نے غدیر خم میں ان کے لئے فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ (یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے بار الہا اس کو دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو اس کو دشمن رکھے) اس حدیث کی صحت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے....''

ابن حجر مکی ''صواعق محرقہ'' میں ''حدیث ثقلین'' اور اس کے مؤیدات کو نقل کرنے کے بعد اپنی تنبیہ میں لکھتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ ان میں سے سب سے زیادہ اہل وحقدار جن سے تمسک کا حکم کیا گیا ہے ان کے امام و عالم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں، کیونکہ ان کا علم ودقائق مستنباط ان سب سے زیادہ ہے، اسی وجہ سے ابوبکر نے کہا تھا علی، عترت رسول ہیں یعنی ان لوگوں میں سے ہیں جن سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے ابوبکر نے علی کو اہلبیت وعترت میں سے مخصوص کر دیا تھا، اسی طرح رسالتمآبؐ نے بھی غدیر خم میں علی کو ان سب میں سے مخصوص کیا تھا''

اسی بات کو ابن باکثیر نے ''وسیلۃ المآل'' میں اور عجیلی نے ''الصوعق المحرقۃ'' کے حوالے سے ''ذخیرۃ المآل'' میں نقل کیا ہے۔

لہذا حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر بہترین اور صریح دلیل یہی ''حدیث ثقلین '' ہے، اس سلسلے میں مزید توضیح آئندہ بیان ہوگی، ام سلمیٰ کی حدیث کی طرف مراجعہ کریں جس کو مشہور علماء نے نقل کیا ہے۔

آئندہ بیان ہوگا کہ شوریٰ میں خود حضرت علیؑ نے ''حدیث ثقلین'' سے احتجاج کیا ہے اور اگر یہ آپ کے مدعیٰ پر دلیل نہ ہوتی تو یقیناً شوریٰ میں موجود افراد آپ کے احتجاج و استدلال کو رد کرتے۔ حدیث ثقلین کی روشنی میں جو امتیازات حضرت علیؑ کو حاصل ہیں، وہ اہلسنت کے مستند محدثین وحفاظ کے نزدیک بھی ثابت ہیں، اسی وجہ سے ''مسلم'' نے

"حدیث ثقلین" کو اپنی "صحیح" کے باب فضائل میں "حدیث خیبر" اور "حدیث تسمیہ بہ ابوتراب" کے درمیان نقل کیا ہے، اسی طرح نووی نے "تہذیب الاسماء واللغات" میں آپ کے شرح حال میں "حدیث شان نزول آیۃ مباہلہ" اور "حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کے درمیان "حدیث ثقلین" درج کیا ہے، نیز سعید الدین فرغانی نے "شرح التائیہ" میں "حدیث منزلت" اور "حدیث مدینۃ العلم" کی طرح "حدیث ثقلین" سے بھی حضرت علی کے وارث پیغمبرؐ ہونے کو ثابت کیا ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

لہذا امامت حضرت علیؑ پر "حدیث ثقلین" کی دلالت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ ابوالائمہ حضرت علیؑ کی امامت کو واضح لفظوں میں بیان کررہی ہے۔

تکمیل بحث

"حدیث ثقلین" جس طرح بارہ اماموں کی امامت اور بعد پیغمبرؐ حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح بارہویں امامؑ کی امامت اور آپ کے وجود پر بھی دلالت کرتی ہے، کیونکہ یہ حدیث، قیامت تک قرآن اور عترت کے جدا نہ ہونے کی تصریح اور حوض کوثر تک ایک ساتھ رہنے کو بیان کررہی ہے، اور چونکہ قیامت تک قرآن مجید موجود ہے لہذا ضروری ہے کہ اس وقت تک اہلبیتؑ کی بھی کوئی ایسی فرد ہو جس سے تمسک کیا جاسکے اور وہ زمانہ کا امام اور وقت کا حجت ہو. بحمد اللہ اس بات کا بھی اعتراف مشاہیر علماء اہلسنت نے کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے۔

سمہودی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہلبیت طاہرہ میں سے وہ لوگ جو تمسک کے اہل ہیں ان کا وجود ہر ایک زمانہ میں تا قیام قیامت رہے گا اور اسی صورت میں اس کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم صادق آئے گا جس طرح قرآن قیامت تک باقی رہے گا ،لہذا یہ لوگ امان ہیں اہل زمین کے لئے کہ اگر یہ دنیا سے اٹھ جائیں تو ان کے ساتھ ہی اہل زمین بھی ختم ہو جائیں گے،،(۱)

ابن حجر مکی ''حدیث ثقلین'' کو ذکر کرنے کے بعد تنبیہ میں لکھتے ہیں:

''ان احادیث سے جن سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے ایسے لوگ جو تمسک کے اہل ہیں تا قیام قیامت باقی رہیں گے جس طرح کتاب خدا قیامت تک باقی رہے گی ،اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ اہلبیت امان ہیں اہل زمین کے لئے ،جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا ،اور اسی پر گزشتہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ ہر زمانے میں میری امت میں میرے اہلبیت کے عادل افراد ہوں گے.......''(۲)

اسی سے ملتی جلتی باتیں علامہ عجیلی نے ''ذخیرۃ المآل'' میں ،دولت آبادی نے ''ھدایۃ السعداء'' میں اور حسن زمان نے ''قول مستحسن'' میں نعیم بن حماد کی ''الفتن'' طبرانی کی ''الاوسط'' ابونعیم کی ''کتاب المھدی'' اور خطیب کی ''تلخیص'' کے حوالے سے کہی ہیں۔

لہذا ''حدیث ثقلین'' کی روشنی میں قیامت تک ہر زمانے میں اہلبیتؑ کی کسی نہ کسی فرد

۱۔ جواہر العقدین ج ۲ ص ۹۴ ۲۔ الصواعق المحرقہ ص ۹۰

کا ہونا ضروری ہے، اور آئندہ بیان ہونے والا رسالتمآب کا خطبہ بہ روایت امام حسنؑ اسی بات کو ثابت کرے گا۔

۱۳۔حدیث ثقلین کی دلالت بعض آیات کی طرح

آیۃ مودۃ (شوریٰ ۴۴) کی طرح ''حدیث ثقلین'' بھی وجوب محبت اہلبیتؑ پر دلالت کرتی ہےاور یہ آیۃ ''وقفوهم انهم مسئولون '' کےشواہد میں سے بھی ہے، میں نے عبقات منہج اول میں ''آیة مودة '' کے سلسلے میں تفصیل سے بحث کی ہےاور ثابت کیا ہے کہ یہ آیت اہلبیتؑ کی امامت وخلافت پر واضح دلیل ہے،لہذا ''حدیث ثقلین'' بھی اسی پر دلالت کرے گی. یہاں صرف چند علماء کے اقوال پر اکتفاء کرر ہے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ''حدیث ثقلین'' اہلبیتؑ کی محبت کے واجب ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

سخاوی ''حدیث ثقلین'' کونقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''یہ حدیث ،اہلبیت کے عظیم افتخار کو بیان کرر ہی ہے، اس لئے کہ حضرتؐ کا یہ فرمانا کہ ''دیکھو ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو'' ''میں تم کو اپنے اہلبیت کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں'' اور ''میں تمہیں اپنے اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں'' یہ اہلبیت کے ساتھ مودت، ان کے ساتھ اچھا سلوک، ان کی حرمت کی رعایت اور ان کے واجبی اور مستحبی حقوق کی ادائیگی کی ترغیب وتشویق ہے، کیونکہ روئے زمین پر حسب ونسب اور عزت وشرف کے

لحاظ سے بہترین گھرانے کی فرد یہ ہیں'' (۱)

جلال الدین سیوطی ''آیۃ مودۃ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو حسن بتایا ہے اور انباری نے ''المصاحف'' میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، اگر ان سے تم وابستہ رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے، ایک کتاب خدا جو ایک مضبوط رسی ہے اور اس کا ایک سرا آسمان پر ہے اور ایک زمین پر اور دوسرے میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، تم خود ہی سوچو کہ تمھیں ان دونوں کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے'' (۲)

عبدالوھاب بخاری نے بھی ''تفسیر انوری'' میں آیۃ مودۃ کی تفسیر میں ابوسعید خدری سے اور اسی آیت کی تفسیر میں خطیب شربینی نے ''السراج المنیر'' میں زید بن ارقم سے ''حدیث ثقلین'' نقل کی ہے. (۳)

قاری، اس حدیث کی توضیح میں کہتے ہیں:

''اس کے یہ معنی ہیں کہ اہلبیت کی محافظت، ان کے اکرام واحترام اوران

۱۔ استجلاب ارتقاء الغرف۔ مخطوط ۲۔ الدر المنثور ج ۷ ص ۶ ۱۔ السراج المنیر ج ۵ ص ۵۳۸

سے مودت ومحبت کے سلسلے میں حق اللہ کی یاددہانی کراتا ہوں'' (۱)

قاری، اس حدیث کی شرح میں طیبی سے نقل کرتے ہیں:

''شاید اس وصیت اور عترت کو قرآن کا قرین ومصاحب قرار دینے کا راز ان کی محبت کو واجب بتانا ہو اور یہ وجوب محبت، آیۃ مودۃ سے آشکار ہے'' (۲)

بدخشانی کہتے ہیں:

''اہلبیت کی محبت ہر مومن ومومنہ پر واجب اور ان سے بغض وکینہ حرام ہے، اس کی دلیل آیۃ مودۃ اور حدیث ثقلین ہے کہ جس حدیث کی زید بن ارقم نے روایت کی ہے کہ............'' (۳)

ایسی ہی باتیں قاری نے ''شرح الشفا'' ج ۳ ص ۴۱۰ مطبوع بر حاشیہ نسیم الریاض میں، مناوی نے ''فیض القدیر'' ج ۳ ص ۱۴ پر، شیخ عبدالحق دہلوی نے ''اللمعات'' ج ۴ ص ۶۷۷ پر، زرقانی نے ''شرح المواھب ج ۷ ص ۷ پر حسام الدین سہارنپوری نے ''مرافض'' میں، شاہ ولی اللہ دہلوی نے ''قرۃ العینین'' میں، عجیلی نے ''ذخیرۃ المآل'' میں، مولوی محمد مبین لکھنوی نے ''وسیلۃ النجاۃ'' میں، فاضل رشید نے رسالہ ''حق مبین'' اور ''ایضاح'' میں، شیخ حمزاوی نے ''مشارق الانوار'' میں اور شہاب الدین دولت آبادی نے ''ھدایۃ السعداء'' میں کہی ہیں۔

دوسری آیت یعنی ''وقفوھم انھم مسئولون'' کے ذیل میں بہت سے علماء

۱۔ المرقاۃ ج ۵ ص ۵۹۴ ۲۔ المرقاۃ ج ۵ ص ۶۰۱ ۳۔ نزل الابرار ص ۶

نے بہ عنوان شاہد ''حدیث ثقلین'' پیش کی ہے ان میں چند یہ ہیں۔

سمہودی تنبیہ چہارم میں طرق ''حدیث ثقلین'' کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''زرندی نے حدیث ''من کنت مولاہ، فعلی مولاہ'' کے بعد کہا ہے کہ امام واحدی کا بیان ہے کہ جس ولایت کو رسولؐ خدا نے ثابت کیا ہے اس کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا، اور آیت ''وقفوھم انھم مسئولون'' کے ذیل میں مروی ہے کہ علی اور اہلبیت کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے گا، اس لئے کہ خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا تھا کہ وہ امت سے کہدیں کہ اجر رسالت صرف قرابتداروں کی محبت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے سوال ہوگا کہ جس طرح نبی نے اہلبیت کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دیا تھا ویسی ان کے ساتھ محبت کی یا آپ کی وصیت پر کان نہیں دھرا، کہ اس صورت میں ان سے پوچھا جائے گا اور پھر وہ اپنے کیفر کردار تک پہونچیں گے، میں کہتا ہوں کہ آیت کے ذیل میں جس روایت کی طرف اشارہ ہوا ہے اس کی دیلمی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ''وقفو انھم مسئولون'' یعنی ان کو روکو تا کہ ولایت علی بن ابی طالب کے متعلق ان سے پوچھا جائے، اور اس کا شاہد ''حدیث ثقلین'' کا وہ جملہ ہے جو بعض طرق میں آیا ہے کہ خدا تم سے سوال کرے گا کہ تم نے قرآن اور میرے اہلبیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا'' (۱)

۱۔ جواھر العقدین ج۲ ص ۱۰۸

نیز مراجعہ کیجئے سمہودی کی اس کتاب (جواھر العقدین) میں آیت مودۃ کے ذیل کی روایتیں۔

واحدی نے دیلمی سے بہ عنوان شاہد ابوسعید خدری کی جو روایت پیش کی ہے اس کو ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقه صفحه نمبر ۸۹۱۹۰" پر، شیخانی نے "الصراط السوی" اور "تحفۃ المحبین" میں اور مولوی ولی اللہ لکھنوی نے "مراۃ المومنین" میں نقل کیا ہے۔

مولوی محمد مبین "وسیلۃ النجاۃ" میں لکھتے ہیں:

"آیۃ "وقفوهم انهم مسئولون" سے معلوم ہوتا ہے کہ بروز حشر سارے انسانوں سے سوال ہوگا کہ انہوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالب صلوات الله علی نبینا و علیه اور اہلبیت خیر البشر کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اور ان کے حق دوستی کو کما حقہ ادا کیا یا نہیں؟ رسولؐ خدا نے ان کے حق کی ادائیگی اور ان کے اوامر کی پیروی کے بارے میں جو دستور دیا تھا سمعاً وطاعتاً امتثال کیا یا نہیں؟ مسلم نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ اسلام مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا تھا خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے..............."

۱۴۔ حدیث ثقلین، عصمت اہلبیتؑ کی دلیل

۱۔ رسالتمآب نے اس حدیث میں اہلبیتؑ کی اتباع و پیروی کا حکم دیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ حضرتؐ کسی ایسے کی پیروی کا حکم نہیں دے سکتے جس سے خطا سرزد ہو اور وہ

کتاب اور سنت کے خلاف عمل کرے کیونکہ یہ علاوہ اس کے کہ عقل وسنت کے خلاف ہے امت کے ساتھ لطف وشفقت اور رحمت ورافت کے بھی منافی ہے اور جب ان کی عصمت ثابت تو پھر ان کی خلافت میں بھی شک نہیں ہونا چاہئے۔

۲۔ اس حدیث میں رسالتمابؐ نے اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کو قرآن کے ساتھ تمسک جیسا کہا ہے جو خود ان کی عصمت کو ثابت کرتا ہے اس لئے کہ جب قرآن آیۃ ''وانہ لکتاب عزیز لا یاتیه الباطل من بین ایدیهم ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید'' کے مطابق ہر خطا سے منزہ ہے تو جو پیروی میں قرآن کا قرین و سہیم ہوگا وہ بھی خطاؤں سے دور اور معصوم ہوگا، کیونکہ کبھی بھی رسالتمابؐ، غیر معصوم کو قرآن کا سہیم قرار نہیں دے سکتے جیسا کہ ابن حجر مکی نے ''منح مکیہ شرح قصیدہ همزیہ'' میں کہا ہے، اور جب ان کی عصمت ثابت تو پھر امامت بھی ثابت ہے۔

۳۔ رسالتمآبؐ نے تصریح کی ہے کہ عترت کے ساتھ تمسک امت کو گمراہی سے بچائے گی اور اس کی توضیح لفظ ''لن'' سے کی ہے ''لن تضلوا بعدی'' پس جس کے ساتھ تمسک کی وجہ سے امت گمراہی سے بچے، وہ بدرجہ اولی گمراہی سے محفوظ اور معصوم ہوگا۔

۴۔ رسالتمابؐ نے اس حدیث میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ ''یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے'' اور عدم افتراق سے مراد یہ ہے کہ اہلبیتؑ کبھی بھی قرآن کی نہ تو مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے خلاف حکم دے سکتے ہیں کیونکہ اگر یہ معاذ اللہ ایک جگہ بھی قرآن کے خلاف عمل کریں یا اس کے خلاف حکم دیں تو اس سے پیغمبرؐ کا کلام جھوٹا ثابت ہوگا

، و نعوذ با الله من ذالك ، اور عمل اور حکم دینے میں قرآن کی مخالفت نہ کرنا اور ان کے اقوال و افعال کا قرآن کے موافق اور کلام ایزدمنان کے مطابق ہونا ہی ''عصمت'' ہے، اور جب ان کی عصمت ثابت تو ان کی خلافت کا ثبوت اظہر من الشمس ہے، کیونکہ معصوم کے ہوتے ہوئے غیر معصوم، خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا۔

۵۔ بعض طرق سے منقول ''حدیث ثقلین'' میں رسالتمآب نے تصریح کی ہے کہ ''یہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں'' یہ تخصیص، تعمیم کے بعد ہے جو عصمت حضرت علی علیہ السلام پر دلیل قاطع ہے اور جب ایسا ہے تو پھر کس طرح کوئی عقلمند حضرت علی علیہ السلام کی خلافت میں شک کرسکتا ہے؟

۶۔ بعض سند ''حدیث ثقلین'' میں ہے کہ رسالتمآبؐ نے حدیث کے آخر میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے دعا کی ''خداوندا حق کو ادھر لے جا جہاں علی جائیں'' ملاحظہ کیجئے ''السیرۃ الحلبیۃ جلد ۳ صفحہ ۳۳۶'' ''مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۰۲'' ''روضۃ الاحباب'' کہ یہ خود حضرت علی علیہ السلام کی عصمت و امامت کو ثابت کر رہی ہے پس کس طرح مخاطب (مؤلف تحفہ) کی بات درست ہوسکتی ہے کہ یہ حدیث اہل حق (شیعوں) کے مدعیٰ کو ثابت نہیں کر رہی ہے؟

۷۔ بعض روایتوں کے مطابق رسالتمآب نے ''حدیث ثقلین'' کے آخر میں فرمایا ''ان دونوں کی نصرت کرنے والا میرا نصرت کرنے والا ہے، ان دونوں کو چھوڑنے والا مجھے

چھوڑنے والا ہے ان دونوں کا دوست میرا دوست ہے اور ان دونوں کا دشمن میرا دشمن ہے" ملاحظہ کیجئے "المناقب صفحہ ۱۸۱" "نظم درر السمطین" "الصراالسوی" وغیرہ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلبیتؑ سچ بولنے والے اور حق قائم کرنے والے ہیں اس لئے کہ رسالتمآبؐ نے کتاب اور عترت کے ناصر کو اپنا ناصر اور ان کے چھوڑنے والے کو اپنا چھوڑنے والا کہا ہے اور چونکہ سارے اسلامی فرقے آنحضرتؐ کی نصرت واجب اور ان کو ترک کرنا حرام کہتے ہیں لہذا اہلبیتؑ کی بھی نصرت واجب اور انہیں ترک کرنا حرام ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان سے خطا ولغزش نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو پھر ان کی نصرت حرام اور (معاذ اللہ) ان کو ترک کرنا واجب ہوتا جب کی آنحضرتؐ نے کسی بھی صورت میں ایسی اجازت نہیں دی ہے۔

۸۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رسالتمآبؐ نے "حدیث ثقلین" کے آخر میں ارشاد فرمایا "یہ تمھیں ہدایت کے دروازے سے خارج نہیں کریں گے اور گمراہی کے دروازے میں داخل نہیں کریں گے" پس حضرت کا یہ ارشاد اہلبیتؑ کی عصمت پر ایک دلیل ہے اس روایت کو ابو نعیم اصفہانی نے "منقبۃ المطھرین" میں براء بن عازب سے نقل کیا ہے۔

۹۔ رسالتمآبؐ نے بعض سیاق "حدیث ثقلین" میں اہلبیتؑ کی عصمت کو واضح لفظوں میں بیان کیا ہے چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن مسلم رازی "الاربعین فی فضائل امیر المومنین" میں لکھتے ہیں...

"رسولؐ خدا نے فرمایا: میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت واہلبیت اور یہی میرے بعد میرے جانشین

ہیں ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے اور یہ ایسا ذریعہ ہیں جو آسمان سے زمین تک متصل ہیں اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کے قیامت کے دن میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں، گفتار میں میرے اہلبیت سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ ہی پیچھے رہ جانا کہ اس صورت میں بھی ہلاک ہو جاؤ گے، تم میں ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے نوح کا سفینہ کے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے گریز کیا وہ ہلاک ہوا اور تم میں ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بنی اسرئیل کے لئے باب حطہ کہ جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بخش دیا گیا۔ آگاہ ہو جاؤ: میرے اہلبیت میری امت کے لئے امان ہیں کہ اگر یہ دنیا سے اٹھ جائیں تو میری امت پر وہ عذاب نازل ہو جس کا وعدہ کیا گیا ہے آگاہ ہو جاؤ: اللہ نے انہیں ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ اور ہر طرح کی برائیوں سے پاک رکھا ہے اور قیامت میں بھی یہی اہل ولایت اور راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ: اللہ نے ان ہی کی اطاعت کو فرض اور جماعت پر واجب قرار دیا ہے پس جو ان سے وابستہ ہوا اس نے راہ ہدایت کی طرف حرکت کیا اور جو ان سے منحرف ہوا وہ ہلاک ہوا۔ آگاہ ہو جاؤ: ہدایت کرنے والے عترت طاھرین، دین کی طرف دعوت دینے والے، متقیوں کے امام، مسلمانوں کے رہبر، مومنین کے زمامدار اور رب العالمین کی طرف سے ساری مخلوق کے امین

ہیں ان ہی نے شک اور یقین میں جدائی کی اور حقیقت کو آشکار کیا۔“

حدیث ثقلین سے عصمت اہلبیتؑ کو ثابت کرنے والے علمائے اہلسنت

عصمت اہلبیتؑ پر ”حدیث ثقلین“ کی دلالت اتنی واضح ہے کہ خود علمائے اہلسنت نے ان کی عصمت پر استدلال کیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

فخر الدین رازی آیۃ ”اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم“ (نساء/۵۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”خداوند عالم نے بطور قطع و جزم اولی الامر کی اطاعت کا اس آیت میں حکم دیا ہے اور جس کی اطاعت کا حکم خدا اس انداز سے دے وہ یقیناً خطاؤں سے محفوظ اور معصوم ہوگا کیونکہ اگر وہ معصوم نہ ہوگا تو خطا کرے گا جس کا لازمہ یہ ہوگا کہ خدا نے اس کی خطا کی پیروی کا حکم دیا جو خود ایک خطا ہے اور چونکہ خطا خطا ہے لہذا اس پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے اس صورت میں امر اور نھی ایک جگہ جمع ہوں گے جب کہ ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے، پس ثابت ہوا کی خدا نے اولی الامر کی اطاعت کا قطعی طور پر حکم دیا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جس کی خدا قطعی طور پر پیروی کا حکم دے اس کے لئے ضروری ہے کہ خطاؤں سے محفوظ اور معصوم ہو لہذا اس آیت کے مطابق اولی الامر یقیناً معصوم ہے“(۱)

اور چونکہ قطعی طور پر رسول خداؐ نے اہلبیتؑ کی اطاعت کا حکم دیا ہے لہذا ان کی

۱۔تفسیر رازی ج۳ ص۳۵۷

''عصمت'' بھی ثابت ہے کیونکہ آیۃ ''وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی'' (نجم/۳) کی رو سے حکم پیغمبرؐ عین حکم خدا ہے۔

ابن حجر مکی ''المنح المکیة فی شرح القصیدة الھمزیه'' میں عصمت اہلبیتؑ کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

''حدیث میں ہے ''انی تارك فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی کتاب الله و عترتی'' لہذا اسی پر غور کرنا چاہیئے کہ عترت کو قرآن کا قرین ومصاحب قرار دیا اور ان دونوں کے ساتھ تمسک کو گمراہی سے محفوظ رہنے کا ذریعہ اور کمال تک پہونچنے کا سبب بتایا''

اس بات کی طرف جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''الاساس'' کے خطبہ میں اشارہ کیا ہے وہ کہتے ہیں:

''ساری تعریف اس ذات کے لئے ہے جس نے امت محمدیہ کو قرآن اور اپنے نبی کی عترت کے ساتھ تمسک کی صورت میں گمراہی سے بچنے کی بشارت دی اور آل نبی کو خاص فضائل ومناقب سے نوازا جنہیں احادیث صحیح بیان کرتی ہیں''

ابن حجر مکی ''حدیث ثقلین'' کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اور منقول ہے کہ ان کو ''ثقلین'' اسی وجہ سے کہا کہ انکے حقوق کی رعایت امت پر واجب ہے اور جن لوگوں کی پیروی کی ترغیب دی گی ہے وہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ خدا سے آگاہ ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جو کتاب خدا سے کبھی جدا نہیں

ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر وارد ہوں اور اس کی تائید سابق روایت کرتی ہے جس میں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں کو سکھانا پڑھانا نہیں کہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں کہ اس سے وہ دیگر تمام علماء امت سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ خدا نے ان سے ناپاکی کو دور اور ان کو ہر ایک رجس سے پاک رکھا ہے اور ان کو کرامات عظیمہ اور الطاف علیہ سے مشرف فرمایا ہے بعض ایسی روایات کا ذکر پہلے کیا گیا ہے"(۱)

یہی بات مولوی ولی اللہ دھلوی نے "مرأة المؤمنین" میں کہی ہے.

سندھی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اہلبیت، قرآن کی طرح بر حق ہیں اور کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ وحی منزل کی طرح ہر طرح کی خطا و لغزش سے یہ محفوظ ہیں"(۲)

شہاب الدین دولت آبادی "ھدایۃ السعداء" میں لکھتے ہیں:

"المصابیح اور مشکوۃ میں زید بن ارقم سے منقول ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به........ یہ قرآن کے ساتھ اہلبیت کے ہونے کی دلیل

۱۔ الصواعق المحرقہ ص۹۰

۲۔ دراسات اللبیب ص۲۳۳

ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نزاع کے وقت تک ان کا ایمان زائل نہیں ہو سکتا‘‘۔

۱۵۔ حدیث ثقلین، اعلمیت اہلبیتؑ کی دلیل

اس حدیث میں رسالتمآبؐ نے قرآن اور اہلبیتؑ کو ’’ثقلین‘‘ سے تعبیر کیا ہے جو درج ذیل وجوہات کی بناء پر اہلبیتؑ کی اعلمیت کی دلیل ہے۔

۱۔ رسالتمآبؐ نے قرآن اور اہلبیتؑ کو ’’ثقلین‘‘ سے یاد کیا ہے اور خود علماء اہلسنت نے اس تعبیر کو اہلبیتؑ کی اعلمیت کی علامت بتایا ہے۔

ابن حجر مکی ’’حدیث ثقلین‘‘ کو نقل کرنے کے بعد اس کی یوں وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں:

’’رسول خداؐ نے قرآن اور اہلبیت کو جو آپ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں ’’ثقلین‘‘ سے یاد کیا ہے کیونکہ ہر نفیس اور محفوظ رکھنے والی شئی کو ’’ثقل‘‘ کہتے ہیں اور یہ دونوں (قرآن اور اہلبیتؑ) ایسے ہی ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک علم لدنی کا معدن اور حکم علیہ اور احکام شرعیہ کا مخزن ہے اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کی پیروی کرنے، ان سے تمسک کرنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: شکر اس خدا کا جس نے ہم اہلبیت میں حکمت کو ودیعت فرمایا اور کہا گیا ہے کہ ان کو ’’ثقلین‘‘ اس وجہ سے فرمایا کہ ان کے حقوق کی رعایت امت پر واجب کر دی.....‘‘(۱)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ چونکہ قرآن اور اہلبیتؑ میں سے ہر ایک علوم لدنی

۱۔ الصواعق المحرقۃ ص ۹۰

کا معدن اور حکم شرعی کا مخزن ہے اس لئے ان پر ''ثقلین'' کا اطلاق ہوا اور جب قرآن کی طرح اہلبیتؑ علوم لدنی کا معدن اور حکم شرعی کا مخزن ہوئے تو یقیناً وہ اپنے ماسوا دوسروں سے اعلم ہوں گے۔

سمہودی نے ''جواھر العقدین'' میں اسی سے ملتی جلتی عبارت میں ''ثقلین'' کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔

زمخشری نے ''الفائق'' ج ۱ ص ۸۰ پر، قاری نے ''المرقاۃ'' ج ۵ ص ۵۹۳ پر، طیبی نے ''الکاشف'' میں، شیخ عبدالحق دہلوی نے ''لمعاۃ شرح مشکوۃ'' میں اور شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی نے ''نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض'' میں ثقلین کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ ''چونکہ دین و دنیا کی اصلاح ان ہی دونوں کی وجہ ہے لہذا یہ ثقلین ہیں'' کہ یہ وجہ تسمیہ بھی اہلبیتؑ کی اعلمیت کی دلیل ہے۔

۲۔ رسالتمآبؐ نے اپنے اہلبیتؑ کو قرآن کا قرین و مصاحب قرار دیا ہے اور یہی انکی اعلمیت کی دلیل ہے، اس لئے کہ قرآن علوم اور معارف الٰہی کا معدن و مخزن ہے لہذا امت پیغمبرؐ میں کوئی بھی قرآن کا مصاحب نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ وہ اعلم الناس ہو، کیونکہ اعلم کے ہوتے ہوئے غیر اعلم کو قرآن کا قرین و مصاحب بنانا ظلم ہے کہ جس صفت سے نبی کا منزہ ہونا واجب ہے۔

۳۔ رسالتمآبؐ نے اس حدیث میں امت کو اہلبیتؑ سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ کا ایسا فرمانا اہلبیتؑ کی اعلمیت کا اعلان ہے، کیونکہ آپ کے اصحاب میں اگر کوئی ان

سے زیادہ جاننے والا ہوتا تو پیغمبرؐ کو چاہیۓ تھا کہ اصحاب سے علم حاصل کرنے کو کہتے کیونکہ اعلم کے ہوتے ہوۓ غیر اعلم کی طرف اخذ علم کے لئے لوگوں کی راہنمائی کرنا ظلم ہے اور ایسا کوئی بھی نہیں کرسکتا ہے چہ جائیکہ خیر الانام۔

جن علمائے اہلسنت نے اہلبیتؑ سے علم حاصل کرنے کی تصریح کی ہے ان میں چند یہ ہیں۔

تفتازانی نے ''شرح المقاصد'' میں، ابن حجر نے ''الصواعق المحرقہ'' میں، سمہودی نے ''جواھر العقدین'' میں، احمد بن عبدالقادر عجیلی نے ''ذخیرۃ المآل'' میں، محمد معین سندھی نے ''دراسات اللبیب'' میں اور ولی اللہ لکھنوی نے ''مرآۃ المومنین'' میں۔

۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم پیغمبرؐ وراثت میں حضرت علی علیہ السلام تک منتقل ہوا تھا، اس بات کی سعید فرقانی نے (شرح قصیدۃ تائیہ فارضیہ) میں بھی تصریح کی ہے جو حضرت علی علیہ السلام کی اعلمیت کی دلیل ہے۔

۵۔ بعض روایتوں میں ''حدیث ثقلین'' کے یہ الفاظ ہیں ''یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، اس کی ان دونوں کے لئے میں نے اپنے رب سے درخواست کی ہے، پس ان سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ ہی پیچھے رہ جانا ورنہ تب بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور انہیں کچھ سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جاننے والے ہیں'' عنقریب ان محدثین کے نام بیان کریں گے جنہوں نے مذکورہ عبارت کے ساتھ حدیث ثقلین کو نقل کیا ہے۔

قندوزی اس جملہ کے ساتھ حدیث ثقلین کو یوں نقل کرتے ہیں:

''مناقب میں احمد بن سلام سے انہوں نے حزیفہ بن یمانی سے روایت کی ہے، حزیفہ کا کہنا ہے کہ ہم نے رسولؐ اللہ کی اقتدا میں نماز ظہر پڑھی نماز کے بعد حضرتؐ نے ہم لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے میرے صحابیوں میں تمہیں تقوائے الٰہی اور اس کی اطاعت کی وصیت کرتا ہوں، میں عنقریب تم سے رخصت ہونے والا ہوں اور تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب خدا اور میری عترت واہلبیت اگر ان دونوں سے وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں گے ان سے تم پڑھنا انہیں پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں''(۱)

اس حدیث کو ان ہی الفاظ میں امام حسین علیہ السلام نے بھی نقل کیا ہے جس کو آئندہ بیان کریں گے۔

۶۔ رسالتمآب نے اہلبیتؑ کی اعلمیت کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے جس کو ابونعیم اصفہانی نے ''منقبۃ المطھرین'' میں نقل کیا ہے:

''میرے اہلبیت سے آگے نہ بڑھنا ورنہ تم بٹ جاؤ گے اور نہ پیچھے رہ جانا کہ اس صورت میں بھی گمراہ ہو جاؤ گے اور انہیں سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں اور یہ تمھیں نہ در ہدایت سے خارج کریں گے اور نہ ہی در ضلالت میں داخل کریں گے یہ بچپنے میں سب سے زیادہ جاننے والے اور بزرگی

۱۔ ینابیع المودۃ ص ۳۵

میں سب سے زیادہ بردبار ہیں۔"

اعلمیت، مستلزم امامت ہے جس کو میں نے (عبقات الانوار) حدیث مدینۃ العلم میں بیان کیا ہے اور اہلبیتؑ کی اعلمیت کی خود علماء اہلسنت نے تصریح کی ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن کی طرح ان سے بھی تمسک کرنا اور ان سے حصول علم کرنا واجب ہے چنانچہ قاری بشرح "حدیث ثقلین" لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ اہلبیت تمام لوگوں سے زیادہ اپنے صاحب خانہ کے احوال سے باخبر ہوتے ہیں، لہذا یہاں اہلبیت سے مراد وہ افراد ہیں جو ان میں سب سے زیادہ آنحضرت کی سیرت سے واقف اور آپ کے طریقہ سے آگاہ اور آپ کے حکم وحکمت کے جاننے والے تھے اسی وجہ سے وہ کتاب خدا کے برابر قرار پائے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے "و یعلمهم الکتاب و الحکمة"(۱)

یہی بات سمہودی نے "جواهر العقدین" میں، ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقہ ص ۹۰" پر مولوی ولی اللہ نے "مرآة المومنین" میں اور عجیلی نے "ذخیرة المآل" میں کہی ہے۔

۱۶ حدیث ثقلین، افضلیت اہلبیتؑ کی دلیل

حدیث ثقلین درج ذیل وجوہات کی بنا پر افضلیت اہلبیتؑ کو بیان کرتی ہے۔

۱۔ رسالتمآب نے اس حدیث میں اپنے اہلبیت کو قرآن کا قرین و مصاحب قرار دیا

۱۔ المرقاة ج ۵ ص ۶۰۰

ہے کہ یہی ان کی افضلیت کو بیان کر رہی ہے، کیونکہ اگر کوئی اور قرآن کا قرین اور مصاحب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہوتا تو حضرت جو "اعدل خلق الله" تھے حتماً اس کو مصاحب قرار دیتے چنانچہ تفتازانی "المقاصد" میں لکھتے ہیں:

"عترت طاہرہ کو اس لئے فضیلت دی کہ وہ پرچم ہدایت اور پیروان رسالت ہیں. اس بات کی طرف حضرتؐ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ گمراہی سے بچنے کے لئے قرآن کے ساتھ ساتھ ان کے بھی دامن سے وابستہ ہونا ضروری ہے"

شہاب الدین دولت آبادی "ہدایۃ السعداء" میں اس بات کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"حضرت نے "کتاب الله و عترتی" میں عترت کو کتاب اللہ پر عطف کیا ہے اور شیخ امام عبدالقاہر جرجانی کے بقول دو چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرنے کا نام عطف ہے اور یہ عموماً "واو" کے ذریعہ ہوتا ہے جو مطلق جمع پر دلالت کرتا ہے یعنی معطوف اور معطوف علیہ کو ایک ہی حکم میں جمع کرتا ہے خواہ وہ حکم اثبات میں ہو یا نفی میں. بلکہ سارے اہل لغت اور امامان فتویٰ کا یہی نظریہ ہے"

۲۔ رسالتمآبؐ نے قرآن اور عترتؑ کو "ثقلین" سے تعبیر کیا ہے کہ یہ تعبیر ہی ان کی عظمت و بزرگی اور علو مقام کو بیان کرتی ہے۔

ابن اثیر "النھایہ" مادہ ثقل میں کہتے ہیں:

"ہر نفیس اور محفوظ رکھنے والی چیز کو ثقل کہتے ہیں حضرتؐ نے ان دونوں (قرآن اور اہلبیت) کی قدر و منزلت بیان کرنے کے لئے انہیں "ثقلین" کہا ہے."

ازہری نے ''تہذیب اللغۃ'' میں، ثعلبی نے ''الکشف البیان'' میں، بغوی ''معالم التنزیل'' ج ۷ ص ۶ پر، ابن اثیر نے ''جامع الاصول'' میں، نووی نے ''المنھاج'' ج ۹ ص ۳۶۶ پر، ابن منظور نے ''لسان العرب'' میں، خازن نے اپنی تفسیر ج ۷ ص ۶ پر، ابو حیان نے ''البحر المحیط'' ج ۸ ص ۱۹۴ پر، فیروز آبادی نے ''القاموس'' میں، سیوطی نے ''النثیر'' میں، ابن خلف نے ''اکمال الاکمال'' میں، سنوسی نے ''مکمل الاکمال'' میں، ''قسطلانی'' نے ''المواہب اللدنیہ'' میں، زرقانی نے ''شرح المواہب'' ج ۷ ص ۶ پر، ابن حجر مکی نے ''الصواعق المحرقۃ'' ص ۹۰ پر، سبط ابن جوزی نے ''تذکرۃ الخواص'' ص ۳۲۳ پر، گنجی نے ''کفایۃ الطالب'' ص ۷۷ پر ان کے علاوہ اوروں نے بھی ثقلین کی یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔

۴۔ رسالتمآبؐ نے جس طرح قرآن کے ساتھ تمسک کا حکم دیا ہے اسی طرح اہلبیتؑ کے ساتھ بھی وابستہ رہنے کو کہا ہے اور دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کو ایک ردیف میں بیان کیا ہے۔ اگر کوئی اہلبیتؑ سے افضل ہوتا تو یقیناً حضرتؐ قرآن کے ساتھ اس سے وابستہ رہنے کو کہتے تاکہ افضل کے ہوتے ہوئے ترجیح مفضول نہ ہونے پائے۔

۵۔ رسالتمآبؐ نے اس حدیث میں قرآن اور اہلبیتؑ کے بارے میں فرمایا: ''لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض'' یعنی یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، اس جملہ کے بارے میں اعاظم علمائے اہلسنت نے تصریح کی ہے کہ قرآن اور اہلبیتؑ فضل وشرف کے لحاظ سے جدا نہیں ہوں گے، ملاحظہ کیجئے

دولت آبادی کی ''ھدایۃ السعداء''

۶۔ مذکورہ بالا فضائل کے علاوہ اس حدیث میں اور بھی دلائل وشواہد موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ رسالتمآبؐ نے اہلبیتؑ کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا ہے چنانچہ کاشفی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حضرتؐ نے فرمایا: اور دوسرے میرے اہلبیت ہیں، میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں اور اس جملہ کی تین بار تکرار اہلبیت کی تعظیم، ان سے محبت اور ان کی متابعتؑ کی واضح دلیل ہے۔(۱)

سمہودی ''حدیث ثقلین'' کو نقل کرنے کے بعد اپنی پانچویں تنبیہ میں لکھتے ہیں:

''مذکورہ حدیثیں اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے اور ان کے احترام کرنے کی ترغیب دلا رہی ہیں اسی وجہ سے اکثر روایتوں کے مطابق غدیر خم میں، صحیح ترمذی میں موجود جناب جابر کی روایت کے مطابق عرفہ کے دن، عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت کے مطابق طائف میں اور ام سلمٰی کی روایت کی رو سے مرض موت میں جب آپ کا حجرہ اصحاب سے بھرا ہوا تھا، اس حدیث کو حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: بلکہ ابن عمر کی سابقہ روایت کے مطابق آنحضرتؐ کا آخری کلام بہ حسب اختلاف الفاظ در روایت یہ تھا، میرے بعد میرے اہلبیت کے ساتھ حسن سلوک کرنا، دیکھو میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو، میں تم لوگوں سے سوال کروں گا کہ کتاب خدا اور میرے اہلبیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا، ان

۱۔ الرسالۃ العلیہ ص ۳۰

دونوں کی نصرت کرنے والا میری نصرت کرنے والا اور ان دونوں کو پیٹھ دیکھانے والا مجھے پیٹھ دیکھانے والا ہے، تم کو اپنی عترت کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں اور عبداللہ بن زید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا: جوان (اہلبیتؑ) کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرے گا اس کی عمر کوتاہ ہوگی اور قیامت کے دن وہ میرے پاس روسیاہ آئے گا، اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن میں تم سے ان (اہلبیتؑ) کی طرف سے مخاصمہ کروں گا، اور جس سے میں مخاصمہ کروں گا اس پر نفرین کروں گا اور جس پر میں نفرین کروں گا وہ داخل جہنم ہوگا، کیا اس سے بھی بڑھ کر ترغیب وتشویق ہوسکتی ہے؟ خدا اپنے نبی کو اپنی امت اور اہلبیت پیغمبر کی طرف سے ایسی بہترین جزا عنایت کرے کہ ویسی کسی نبی اور رسول کو نہ دی ہو" (۱)

فضل ابن روز بہان "شرح رسالۂ اعتقادیہ" میں لکھتے ہیں:

"(متن رسالئہ اعتقادیہ) اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ آل پیغمبرؐ واجب التعظیم اور لازم الاقتداء ہیں، (شرح روز بہان) میں کہتا ہوں کہ حدیث صحیحہ کی روشنی میں ایسا اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ انہی احادیث میں حجۃ الوداع میں حضرتؐ کا وہ خطبہ ہے جس میں آپ نے فرمایا: یا ایها الناس !انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عترتی اهل بیتی ما ان

۱۔ جواهر العقدین ج۲ ص۱۱۶

تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی......... اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:
اذکرکم الله فی اهلبیتی اور اس جملہ کی تین بار تکرار فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت کی تعظیم و محبت واجب اور ان کے حقوق کی رعایت لازم ہے"
اسی سے ملتی جلتی باتیں قاری نے "المرقاۃ" ج ۵ ص ۵۹۴ پر، مناوی نے "فیض القدیر" ج ۲ ص ۱۷۴ پر، خفاجی نے "نسیم الریاض" ج ۳ ص ۴۱۰ پر، عزیزی نے "السراج المنیر" ج ۱ ص ۳۰۲ پر، عبدالحق دہلوی نے "اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ" ج ۴ ص ۶۷۷ پر، زرقانی نے "شرح المواهب اللدنیہ" ج ۷ ص ۵ پر، صدیق حسن نے "السراج الوهاج فی شرح مسلم بن حجاج" میں، ان کے علاوہ دیگر مشاہیر نے اپنی کتابوں میں تحریر کی ہیں۔
۷۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالتمآبؐ نے قرآن اور عترت کو ایک دوسرے کا قرین و مصاحب قرار دیا ہے، اور امت کو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق کو خود امت کے حقوق پر ترجیح دینے کی وصیت کی ہے، کہ یہ بات اہلبیتؑ کی خلافت مطلقہ، امامت کبریٰ اور عصمت کاملہ کی علامت اور بدیہی طور پر ان کی افضلیت قطعیہ کی نشانی ہے، اور اہلبیتؑ کے بارے میں حضرتؐ کی وصیت کا لب و لہجہ ویسا ہی ہے جیسے دلسوز اور شفیق باپ کا بیٹے کے سلسلے میں ہوتا ہے، ملاحظہ کیجئے علمائے اہلسنت کے اعترافات۔
حسن بن محمد بن عبداللہ طیبی "الکاشف شرح المشکوٰۃ" میں زید بن ارقم سے مروی "حدیث ثقلین" کی تشریح میں لکھتے ہیں:
"انی تارک فیکم .... اشارہ ہے اس کی طرف کہ یہ دونوں رسولؐ خدا کی

ایسی امانتیں ہیں جوایک دوسرے کے قرین ومصاحب ہیں، اور حضرتؐ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ویسی ہی وصیت کی ہے جس طرح پدر مہربان اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے، فصل اول میں بیان شدہ حدیث ''میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں'' اس بات کی تائید کرتی ہے، جیسے ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے بارے میں کہتا ہے ''میں تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں خدا کو واسطہ بناتا ہوں''

یہی بات مناوی نے ''فیض القدیر'' ج ۳ ص ۱۵ پر، قاری نے ''المرقاۃ فی شرح المشکوٰہ'' ج ۵ ص ۶۰۰ پر اور زرقانی نے ''شرح المواہب اللدنیہ'' میں کہی ہے۔

۸۔ اس حدیث میں رسالتمآبؐ نے اہلبیتؑ کو اپنا جانشین بتایا ہے، جو ان کی امامت و خلافت اور افضلیت پر واضح دلیل ہے، اس بات کی تصریح خود علمائے اہلسنت نے کی ہے، ملاحظہ کیجئے:

نظام نیشاپوری اپنی تفسیر میں آیۃ ''وکیف تکفرون وانتم تتلیٰ علیکم آیات اللہ و فیکم رسول اللہ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''آیت میں ''کیف تکفرون'' استفہام استنکاری ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کس طرح تم نے کفر اختیار کرلیا جب کہ ہر اہم موقع پر رسولؐ خدا کی زبانی آیات الٰہی کی تلاوت ہوتی ہے اور تمہارے پاس ایسا رسولؐ ہے جو ہر طرح کے شک وشبہ کو بیان کرکے اس کا جواب دیتا ہے اور اس شبہ کو دور کرتا ہے...... میں

کہتا ہوں کہ کتاب خدا تو قیامت تک باقی ہے، لیکن نبی جو ظاہری طور پر ہمارے درمیان تو نہیں ہے، لیکن اس کا نور مومنین کے درمیان باقی ہے، گویا خود نبی، مومنین کے درمیان ہے، اس کے علاوہ خود آپ کی عترت ہے جو آپ کی وارث اور آپ کے قائم مقام ہے اسی لئے حضرت نے فرمایا: انی تارک فیکم الثقلین ...."(۱)

ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقہ" میں اور سمہودی نے "جواہر العقدین" میں اسی سے ملتی جلتی باتیں کہی ہیں۔

عجیلی "ذخیرۃ المآل" میں لکھتے ہیں:

"جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسولؐ خدا آیات الٰہی سے (کہ جن میں قرآن بھی ہے) افضل ہیں، تو پھر اس فضیلت میں آپ کی آل جنہیں اللہ نے منتخب کیا اور انہیں ولایت و وراثت و مقام ابراہیمی عنایت کیا، بھی داخل ہیں، کیونکہ بہت سے امور ہیں جن میں یہ حضرتؐ کے شریک ہیں، اسی بات کی طرف خود آنحضرتؐ نے بھی اس طرح اشارہ کیا ہے کہ "پروردگارا یہ (اہلبیتؑ) مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں" نیز فرمایا: "کوئی بندہ، مومن ہو ہی نہیں سکتا مگر یہ کہ مجھ سے محبت کرے، اور کوئی مجھ سے محبت کر ہی نہیں سکتا مگر یہ کہ میرے نزدیکی رشتہ داروں سے محبت کرے" نیز فرمایا: "انی تارک فیکم" ان سب کے علاوہ واقعۂ مباہلہ، اہلبیت کا حضرتؐ کے ساتھ چادر میں آنا اور پھر حضرتؐ کا اپنے لئے

۱۔ غرائب القرآن ج ۱ ص ۳۴۷

اور اہلبیتؑ کے لئے صلوٰۃ ورحمت وبرکت ومغفرت کی خدا سے دعا مانگنا یہ سب ان کی عزت وتعظیم اور شان وشوکت کی حکایت کرتی ہیں، کیونکہ حضرتؐ نے انہیں بالکل اپنا جیسا کہا ہے، اور حضرت کی اس حدیث ’’فاطمة بضعة منی‘‘ کے بارے میں بیہقی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ جس نے فاطمہ کو برا کہا وہ کافر ہوا، اور جس نے فاطمہ پر صلوٰۃ بھیجی گویا ان کے والد بزرگوار پر صلوٰۃ بھیجی، اسی سے استنباط ہوتا ہے کہ ان کی اولادیں بھی ان ہی جیسی ہیں، کیونکہ وہ سب کی سب فاطمہ ہی کا ٹکڑا ہیں نیز حضرتؐ نے فرمایا: علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، علی مجھ سے ایسے ہی ہے جیسے میں اپنے پروردگار سے ہوں، جس نے علی کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا، جس نے علی کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا، علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں وہ میری طینت سے خلق ہوا اور میں طینت ابراہیم سے خلق ہوا لیکن میں ابراہیم سے افضل ہوں، حسن مجھ سے ہے اور حسین علی سے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو رسالتمآب سے اہلبیت کے ملحق ہونے کی نشاندہی اور ان کے ہم نفس رسول ہونے کو بتاتی ہیں، اور عقل کہتی ہے کہ شاخ کو جڑ سے جدا کرنا شیء کو اصل سے جدا کرنا ہے جو ناممکن بلکہ محال ہے، اور یہ اتصال والحاق مخصوص ہے حضرت کی عترت سے کیونکہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر نسب وسبب منقطع ہو جائے گا، جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا‘‘

۹۔اس حدیث سے اہلبیتؑ کی افضلیت اس طرح آشکار ہے کہ بعض علمائے اہلسنت نے دوسری حدیثوں کی شرح میں اس کی مدد لی ہے، چنانچہ قاضی ابوالمحاسن حنفی اپنی کتاب ''المعتصر من المختصر'' میں حدیث ''فی الستۃ الملعونین'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ طرح کے لوگوں پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں، خدا بھی اور ہر نبی مجاب، قرآن کی آیتوں میں اضافہ کرنے والا، قدر خدا کی تکذیب کرنے والا، جس کو خدا نے عزت دی ہے طاقت کے زور پر اس کو ذلیل کرنے والا اور جس کو اس نے ذلیل کیا ہے اس کو عزت دینے والا، میری سنت کو ترک کرنے والا، حرام خدا کو حلال کرنے والا اور جس چیز کو خدا نے میری عترت کے لئے حرام قرار دیا اس کو حلال کرنے والا....عترت سے مراد آپ کے اہلبیت ہیں جو دین اور ہدایت میں آپ سے وابستہ ہیں، اور مروی ہے کہ حضرتؐ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا تھا خطبہ دیا اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں اپنے پروردگار کے پیامبر (ملک الموت) کا منتظر ہوں کہ وہ آئے اور اسکی آواز پر لبیک کہوں، میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خدا جس میں نور وہدایت ہے لہذا خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ واور اس سے وابستہ رہو، پھر فرمایا: دوسرے میرے اہلبیت، میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، پس جس نے حضرتؐ کی

عترت کو اس مقام سے نیچے اتارا جس کو خدا نے زبان پیغمبر سے بیان کیا، اس نے انہیں ان افراد کی صف میں کھڑا کر دیا جو حضرتؐ کی عترت واہلبیت میں نہیں ہیں اور ایسا شخص ملعون ہے''

صاحب ''معتصر'' کے اس جملہ ''والمستحیل من عترتی ما حرم الله عز و جل '' کی تشریح سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں، ۱۔عترت کے معنی رسالتمآبؐ کے اہلبیت بتائے جو آنحضرتؐ کے دین پر تھے اور آنحضرتؐ کی سیرت سے وابستہ تھے ۲۔اپنی بات کی تائید حدیث ثقلین سے کی ۳۔اہلبیت کو ان کے مرتبے سے گھٹانے والا ملعون ہے، کہ یہ دوسروں پر اہلبیت کی افضلیت کی دلیل ہے۔

۱۰۔عبداللہ ابن عباس جنہیں حضرات اہلسنت جلیل القدر صحابی، مفسر کامل قرآن اور حبر الامۃ کہتے ہیں، ان کی نظر میں ''حدیث ثقلین'' حداقل افضلیت علیؑ پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ جب ان سے حضرت علیؑ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس فضیلت کو دوسرے فضائل پر مقدم رکھا، چنانچہ خوارزمی اپنی سند سے مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ:

''ابن عباس سے کسی نے پوچھا آپ علی بن ابی طالب کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم تم نے ''ثقلین'' میں سے ایک ''ثقل '' کے بارے میں سوال کیا ہے، یہ وہی ہیں جنہوں نے اقرار شہادت میں دوسروں پر سبقت کیا، دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی، دو مرتبہ بیعت کی، دو تلواریں انہیں عطا ہوئیں، سبطین حسن و حسین کے باپ ہیں، ان کے لئے دو مرتبہ سورج

پلٹا، امت میں ان کی مثال ذوالقرنین جیسی ہے.....اور وہ میرے اور تمہارے مولا علی بن ابی طالب ہیں (۱)

اسی روایت کو شیخ سلیمان حنفی قندوزی نے ''ینابیع المودۃ'' باب ۴۷ص ۱۳۹ پر نقل کیا ہے، پس یہ حدیث افضلیت حضرت علیؑ کو ثابت کر رہی ہے اور افضلیت موجب امامت و خلافت ہے، پس کس طرح مخاطب (دہلوی) نے کہدیا کہ یہ حدیث شیعوں کے مدعیٰ کو ثابت نہیں کرتی؟

۱۷۔ حدیث ثقلین اور حدیث ولایت کا بیان ایک ساتھ

رسالتمآبؐ سے مروی بہت سی روایتوں میں ہے کہ حضرتؐ نے غدیر کے دن حدیث ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ '' کے بعد یا اس کے پہلے ''حدیث ثقلین'' بیان فرمائی تھی، اور ''عبقات الانوار'' حدیث غدیر میں ثابت کیا ہے کہ حدیث غدیر حضرت علیؑ کی امامت و خلافت پر واضح دلیل ہے، پس کس طرح مخاطب کی بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ ''حدیث ثقلین'' کا اصل مدعیٰ سے کوئی ربط نہیں ہے؟ میں اپنی بات کی تائید میں چند روایتیں ہدیۂ قارئین کررہا ہوں۔

ملا متقی ھندی نے ''کنز العمال'' میں اس حدیث کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ:

''حضرت علی سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا ''خم'' میں ایک درخت کے پاس قیام پذیر ہوئے پھر علی کا ہاتھ پکڑے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

۱۔ مناقب خوارزمی ص ۲۳۶

اے لوگو! کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ خدا اور اس کا رسولؐ تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں اور خدا اور اس کا رسول تمہارے مولا ہیں؟ سب نے ہم آواز ہو کر کہا بے شک ایسا ہی ہے، فرمایا: جس کا خدا اور اس کا رسول مولا ہیں اس کا یہ (علی) بھی مولا ہے، میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان سے وابستہ رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب خدا جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے اور دوسرے میرے اہلبیت اس حدیث کو ابن جریر، ابن ابی عاصم اور محاملی نے اپنی ''صحیح'' میں نقل کیا ہے، اور اس کو صحیح کہا ہے''

ملا متقی ھندی نے ''کنز العمال'' ج ا ص ۱۶۸ پر اس حدیث کی دوسرے الفاظ میں حکیم اور طبرانی کے حوالے سے ابوالطفیل سے اور انہوں نے حذیفہ بن اسید سے روایت کی ہے، یہی حدیث ''تاریخ ابن کثیر'' ج ۵ ص ۲۰۹ پر موجود ہے، نیز سخاوی نے ''استجلاب ارتقاء الغرف'' میں، سمہودی نے ''جواہر العقدین'' میں، محدث شیرازی نے ''الاربعین'' میں، ابن باکثیر نے ''وسیلۃ المآل'' میں، قادری نے ''الصراط السوی'' میں اور قندوزی نے ''ینابیع المودۃ'' ص ۳۷ پر نقل کیا ہے۔

ابن حجر مکی نے ''الصواعق المحرقہ'' ص ۲۵ پر طبرانی سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے، اسی طرح سہارنپوری نے ''المرافض'' میں، بدخشانی نے ''مفتاح النجا'' میں اور طبرانی نے صحت سند کی تائید کرتے ہوئے اپنی ''المعجم الکبیر'' میں ذکر کیا

ہے، اور طبرانی اور حکیم سے بدخشانی نے ''نزل الابرار میں نقل کیا ہے اور ان دونوں سے محمد صدر عالم نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے اور اس کی سند کو ''صحیح'' بتایا ہے، یہ حدیث ''ذخیرۃ المآل'' اور ''مرأۃ المومنین'' میں بھی موجود ہے۔

حسن زمان نے ''القول المستحسن''، میں طبرانی اور حکیم کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

''اس حدیث میں ''حدیث موالاۃ'' کے بعد ''ثقلین'' کی پیروی کی ترغیب و تشویق ہوئی ہے، نیز ابن راہویہ، ابن جریر، ابن ابی عاصم، محاملی اور طحاوی نے بہ اسناد صحیح اس کی روایت کی ہے''

سمہودی نے ایک ہی جیسی دو حدیثیں عامر بن لیلی بن ضمرہ اور حذیفہ بن اسید سے نقل کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''عامر بن لیلی اور حذیفہ بن اسید کہتے ہیں کہ جب رسولؐ خدا حجۃ الوداع سے واپس ہوئے (کہ پھر کوئی حج نہیں کیا) اور جحفہ پہونچے تو اپنے ہمراہیوں کو درختوں کے نیچے خیمے لگانے سے منع کیا، جب سب درختوں کو چھوڑ کر خیمے لگا چکے تو درختوں کے نیچے کی زمین کو خس و خاشاک سے صاف کرنے کے لئے کچھ لوگ بھیجے اور انہوں نے لوگوں کے سروں کے اوپر سے شاخوں کو چھانٹا، پھر نماز کی منادی کی گئی، آپ نے ظہر کے وقت ان درختوں کے نیچے نماز پڑھی، پھر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ دیا، ''یہ روز غدیر خم'' تھا، ''خم'' جہاں اب مشہور مسجد ہے، جحفہ کے نزدیک ہے، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: بہ تحقیق

مجھے خداوند لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ ہر ایک نبی کی عمر اس کے پہلے نبی کی عمر سے نصف ہوتی ہے، عنقریب ہی مجھے پیغام اجل ملنے والا ہے اور میں اس پر لبیک کہوں گا، مجھ سے سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی کہ کیا میں نے پیغام رسالت پہونچا دیا، تم کیا جواب دو گے، انہوں نے جواب دیا ہم کہیں گے کہ آپ نے پیغام پہونچا دیا، کوشش بلیغ کی اور ہمیں نصیحت کی خدا آپ کو جزاء خیر دے، پھر حضرتؐ نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ خدا ایک ہے، محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے، جنت وجہنم اور نشر بعد الموت حق ہیں، سب نے ہم آواز ہو کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ سب حق ہیں، آپ نے فرمایا: خداوندا گواہ رہنا، پھر فرمایا: لوگو! خوب اچھی طرح سنو، خدا میرا مولا ہے اور میں تمہارا مولا اور تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں، دیکھو جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ (علیؑ) مولا ہے، پھر حضرتؐ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا یہاں تک کہ سبھی نے اچھی طرح دیکھ لیا اور پھر فرمایا: خدایا دوست رکھ اس کو جو اس (علیؑ) کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو اس (علیؑ) کو دشمن رکھے، پھر فرمایا: لوگو! میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہونچوں گا اور تم میرے بعد پہونچو گے، اس حوض کی چوڑائی بصرہ سے صنعاء تک کی ہے، اس کے ارد گرد ستاروں کے مانند چاندی کے کاسے ہیں، جب تم میرے پاس حوض کوثر پر پہونچو گے تو میں تم سے ''ثقلین'' کے بارے میں سوال کروں گا، پس دیکھو ان دونوں کے ساتھ تم کیسا سلوک کرتے ہو اصحاب نے

دریافت کیا یارسول اللہ وہ دو ثقل (ثقلین) کون ہیں؟ جواب دیا: ثقل اکبر کتاب خدا ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تم لوگوں کے ہاتھوں میں ،پس اس کو مضبوطی سے پکڑو تا کہ گمراہ نہ ہو اور اس میں تبدیلی نہ کرنا، آگاہ ہو جاؤ! اور دوسرے میری عترت واہلبیت ہیں، اس لئے کہ خداوند لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں اس حدیث کو ابن عقدہ نے ''الموالاۃ'' میں عبداللہ بن سنان کے طریق سے ابوالطفیل سے نقل کیا ہے، اور ابن عقدہ کے طریق سے ابن موسیٰ مدینی نے ''الصحابہ'' میں اس کو بیان کیا ہے اور اس کو غریب بتایا ہے اور ابوالفتوح عجیلی نے اپنی کتاب ''الموجز فی فضائل الخلفاء'' میں نقل کیا ہے''(۱)

یہ حدیث ''اسد الغابہ'' ج ۳ ص ۹۲ پر، ''استجلاب ارتقاء الغرف'' میں اور ''وسیلۃ النجاۃ'' میں بھی موجود ہے۔

سخاوی نے ''استجلاب ارتقاء الغرف'' میں ''حدیث ثقلین'' کے بارے میں صحابہ سے حضرت علیؑ کے استشہاد کو نقل کیا ہے، جس میں حضرت علیؑ کے استشہاد پر سترہ صحابیوں نے گواہی دی تھی کہ حضرت نے ''حدیث غدیر'' بھی ارشاد فرمائی تھی اور ''حدیث ثقلین'' بھی، جس کو حضرت علیؑ نے سن کر فرمایا تھا ''تم نے صحیح کہا ہے میں بھی اس کی شہادت دیتا ہوں'' ان کی عبارت بحث سند میں بیان ہو چکی ہے، اور اسی روایت کو ابن اثیر نے ''اسد الغابہ'' ج ۵ ص ۲۷۶ پر، ابن حجر

۱۔ جواہر العقدین ج ۲ ص ۸۴۔۸۳

عسقلانی نے ''الاصابہ'' ج۴ص ۱۵۹پر، سمہودی نے ''جواہر العقدین'' میں، سخاوی نے ''استجلاب ارتقاء الغرف'' میں ام سلمیٰ سے، ابن باکثیر نے ''وسیلۃ المآل'' میں، شیخ قندوزی نے ''ینابیع المودۃ'' ص۴۰ پر، قندوزی ہی نے جابر بن عبداللہ انصاری سے ''ینابیع المودۃ'' ص۴۱ پر نقل کیا ہے۔

• حاکم نے اپنی اسناد سے ابوطفیل کے توسط سے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ:

''مکہ اور مدینہ کے درمیان بڑے درختوں کے پاس پیغمبر اسلام ٹھہرے، لوگوں نے درختوں کے نیچے کی جگہ صاف کی تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد حضرتؑ نے نماز پڑھی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد و ثنائے الٰہی اور وعظ و نصیحت کے بعد ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر ان کی پیروی کی تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے، کتاب خدا اور میری عترت و اہلبیت، اس کے بعد آپ نے تین مرتبہ فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں مومنین کے نفوس پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟ سب نے ہم آواز ہو کر کہا بیشک ایسا ہی ہے، تب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے'' (۱)

سیوطی نے اسی روایت کو اختصار کے ساتھ ''جمع الجوامع'' میں حاکم کی ''المستدرک علی الصحیحین'' سے نقل کیا ہے، اور حاکم اور طبرانی سے ملا متقی نے ''کنز العمال'' ج۱ص ۱۶۷ پر زید بن ارقم سے دوسرے الفاظ میں اس کی روایت کی ہے۔

اس حدیث کو اسی سیاق میں طبرانی اور حاکم سے بہت سے علمائے اہلسنت نے اپنی

۱۔ المستدرک علی الصحیحین ج۳ص ۱۱۰

کتابوں میں نقل کیا ہے، جن میں چند یہ ہیں: ابن مغازلی کی ''المناقب'' ص ۱۸۔۱۶، ''تاریخ یعقوبی'' ج ۲ص ۱۰۲، ''سیرۂ حلبیہ'' ج ۳ص ۳۳۶، ابن صباغ کی ''الفصول المہمہ'' ص ۲۳، شیخ عبدالحق دہلوی کی ''مدارج النبوۃ'' ج ۲ص ۵۲۰، جمال الدین محدث کی ''روضۃ الاحباب'' عبدالرحمٰن چشتی کی ''مرأۃ الاسرار'' حسام الدین سہارنپوری کی ''مرافض''

واضح رہے کہ ''حدیث ثقلین'' کا تناسب ''حدیث غدیر'' کے ساتھ اتنا روشن ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی علمائے اہلسنت نے ان دونوں حدیثوں سے حضرت علیؑ کی پیروی پر احتجاج واستدلال کیا ہے۔

ابن حجر مکی ''حدیث ثقلین'' کونقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''جن احادیث میں اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے ایسے لوگ جو تمسک کے اہل ہیں قیامت تک باقی رہیں گے، جس طرح کہ کتاب خدا قیامت تک باقی رہے گی، اسی لئے حدیث میں ہے کہ اہلبیت امان ہیں اہل زمین کے لئے اور اس پر یہ حدیث شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں میری امت میں میرے اہلبیت کے عادل افراد ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ان میں سب سے زیادہ تمسک کے حقدار ان کے امام وعالم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ہیں، کیونکہ ان کا علم ودقائق مستنباط ان سب سے زیادہ ہے، چنانچہ ابوبکر کہتے تھے علی عترت رسول ہیں، یعنی جن لوگوں سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے، ان میں علی کو ابوبکر نے عترت واہلبیت سے مخصوص کیا ہے، اسی طرح

آنحضرتؐ نے غدیر خم میں ان سب میں علی کو مخصوص کیا تھا"(۱)

احمد بن فضل بن محمد مکی "وسیلۃ المآل" میں رقمطراز ہیں:

"دار قطنی نے "کتاب الفضائل" میں معقل بن یسار سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ علی، عترت رسول ہیں، یعنی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے ساتھ تمسک اور جن کی اطاعت کی رسولؐ خدا نے امت کو ہدایت کی ہے، اور امت سے ان کے لئے اقرار لیا ہے، کیونکہ وہ لوگ (عترت رسول) ہدایت کے ستارے ہیں، جس نے ان کی پیروی کی ہدایت پائی، ابوبکر نے علی کو اس سے اس لئے مخصوص کیا کہ وہ اس سلسلے میں امام اور شہر علم و عرفان کے دروازہ ہیں، وہ اماموں کے امام اور امت کے عالم ہیں، اس امر کے لئے رسولؐ خدا نے علی کو روز غدیر مخصوص کیا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ "حدیث غدیر" بالکل صحیح ہے، اس کی صحت میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے، اس حدیث کو صحابہ کی کثیر تعداد نے نقل کیا ہے، اور اس کو حجۃ الوداع کی وجہ سے شہرت ہوگئی ہے"

سمہودی نے "جواہر العقدین" میں، عجیلی نے "ذخیرۃ المآل" میں اس شعر:

وانی الغفار لمن تاب.... قد اھتدی ابی ولا ابی الحسن کی شرح میں "حدیث ثقلین" کے متعلق "صواعق محرقہ" سے ابن حجر مکی کی عبارت نقل کی ہے۔

۱۔ الصواعق المحرقہ ص ۹۰

۱۸۔حدیث ثقلین، حدیث ولایت اور حدیث منزلت کا بیان ایک ساتھ

بعض اکابر علمائے اہلسنت نے اعتراف کیا ہے کہ رسالتمآب نے غدیر کے دن ''حدیث ثقلین'' کے ساتھ حدیث ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ '' اور ''انت منی بمنزلة ھارون من موسی '' ارشاد فرمائی تھی، چنانچہ ابن حجر مکی ''الفتاویٰ الفقھیہ الکبریٰ'' میں تحریر کرتے ہیں:

''آنحضرت مکہ سے مدینہ کی طرف پلٹ رہے تھے کہ غدیر خم کے نزدیک ''رابغ'' پہونچے، حضرتؐ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا اور پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں قرآن اور اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے کی وصیت کی، اور (حضرت) علی کے بارے میں فرمایا ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ '' (یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے) اور علی سے مخاطب ہو کر فرمایا ''انت منی بمنزلة ھارون من موسی الا انه لا نبی بعدی ''یعنی تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے ہے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا'' (۱)

۱۔الفتاوی الفقھیہ الکبری ج۲ص۱۲۲

چونکہ مذکورہ ''حدیث ولایت'' اور ''حدیث منزلت'' حضرت علیؑ کی امامت اور خلافت بلافصل پر دلالت کرتی ہیں، لہذا ''حدیث ثقلین'' بھی حضرت علیؑ کی امامت و خلافت پر دلالت کرے گی، کیونکہ سیاق کلام ایک ہے اور متکلمین و محدثین و مفسرین سیاق کلام سے ایک ہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں، سمہودی نے ''جواہر العقدین'' میں ''آیۃ مودۃ'' کے سلسلے میں اور ثعلبی نے آیۃ ''ولقد آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم '' کی تفسیر میں تناسب اور سیاق کلام ہی سے استدلال کیا ہے۔

بعض تو تناسب اور سیاق کلام سے استدلال کرنے میں اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے صرف سیاق کلام کی وجہ سے تفسیر ہی بدل دی! مثلاً نظام نیشاپوری اپنی تفسیر میں آیۃ ''یا ایھاالذین آمنوا من یر تد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبھم و یحبونه '' کی شان نزول میں کہتے ہیں'' یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے'' جب کہ سبھی جانتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی تھی اور اس کو میں نے اس کتاب (عبقات) کے منہج اول میں ثابت کیا ہے، پھر نیشاپوری نے مذکورہ آیت کے بعد والی آیت یعنی ''انما ولیکم الله و رسوله والّذین آمنوا الّذ ین یقیمون الصلوٰة و یوتون الزکوٰة و ھم راکعون '' کو بھی سیاق کلام کی وجہ سے ابوبکر سے متعلق کردی ہے، جب کہ باتفاق مفسران شیعہ وسنی اس کے مصداق حضرت علیؑ ہیں، نیشاپوری اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''چونکہ قبل والی آیت (یا ایھا الذین آمنوا من یر تد منکم ....)

ابوبکر کے بارے میں ہے کیونکہ انہی نے مرتدوں سے جنگ کی تھی، لہذا مناسب تو یہ ہے کہ یہ آیت (انما ولیکم الله ....) بھی انہی کی شان میں ہے(۱)

نیشاپوری کی تاسی میں مخاطب کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی ''ازالۃ الخفا'' میں اسی مناسبت اور سیاق کلام سے استدلال کرتے ہوئے حضرت علیؑ سے متعلق آیتوں کو دوسروں پر حمل کر دیا ہے۔

۱۹۔ حدیث میں لفظ ''خلافت'' امامت اہلبیتؑ کی دلیل

بعض روایتوں میں آنحضرتؐ نے قرآن اور اہلبیتؑ کو ''خلیفتین'' (دو خلیفے) سے تعبیر کیا ہے جو امامت حضرت علیؑ کے متعلق سارے شبہات کو زائل کر دیتا ہے، امام احمد بن حنبل اپنی ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''اسود بن عامر نے شریک سے انہوں نے رکین سے انہوں نے قاسم بن حسان سے اور انہوں نے زید بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: انی تارك فیکم خلیفتین کتاب الله حبل ممدود بین السماء والارض و عترتی اهلبیتی، انهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض (۲) (یعنی میں تم میں اپنے دو جانشین چھوڑے جا تا ہوں ایک کتاب خدا جو ایک دراز رسی ہے آسمان سے لے کر زمین تک اور دوسرے میری عترت و اہلبیت، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ

۱۔ تفسیر نیشاپوری ج ۲ ص ۲۸

۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۸۱

حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں)

اسی لفظ ''خلیفتین'' کے ساتھ زید بن ثابت سے مروی حدیث ثقلین کو محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے، جن میں چند یہ ہیں: حموئی نے ''فرائد السمطین'' میں، سخاوی نے ''استجلاب ارتقاء الغرف'' میں احمد بن حنبل سے، سیوطی نے ''احیاء المیت'' ص ۳۰ پر احمد اور برانی سے اور ''البدور السافرہ'' میں ابن ابی عاصم سے اور ''الدر المنثور'' ج ۲ ص ۶۰ پر واعتصموا بحبل الله کی تفسیر میں احمد سے اور ''الجامع الصغیر'' (باشرح مناوی) ج ۳ ص ۱۴ پر احمد اور طبرانی سے، سمہودی ''جواہر العقدین'' میں احمد اور عبد بن حمید سے، قاری نے ''شرح مشکوٰۃ'' ج ۵ ص ۶۰۱ پر احمد اور طبرانی سے، شیخانی نے ''الصراط السوی'' میں احمد سے، عزیزی نے ''السراج المنیر فی شرح الجامع الصغیر'' میں ابن ابی عاصم، ابوبکر شیبہ اور طبرانی سے نقل کیا ہے۔ ثعلبی کی تفسیر ''الکشف والبیان عن تفسیر القرآن'' میں بھی آیۃ واعتصموا بحبل الله کے ذیل میں یہ روایت لفظ ''خلیفتین'' کے ساتھ موجود ہے.

ھیثمی لکھتے ہیں:

''رسولؐ خدا نے فرمایا: میں نے تم میں اپنے دو جانشین چھوڑے ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہلبیت، یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، طبرانی نے اس روایت کو ''المعجم الکبیر'' میں نقل کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں'' (۱)

۱۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۶۳

عبدالوھاب بن محمد بن رفیع الدین بخاری اپنی تفسیر ''انوری'' میں آیت مودۃ کے ذیل میں فضائل اہلبیت میں لکھتے ہیں:

''ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا ایھا الناس انی ترکت فیکم الثقلین خلیفتین ان اخذتم بھما لن تضلوا بعدی احدھما اکبر من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی وھم اھل بیتی لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض اوردہ الثعلبی وذکر الامام احمد بن حنبل فی مسندہ '' (اے لوگو میں نے تم میں اپنے دو جانشین دو گرانقدر چیزیں چھوڑیں کہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے ایک کتاب خدا جو آسمان سے زمین تک ایک دراز رسی ہے، اور دوسری میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچے اس کی ثعلبی نے اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہے)

زرقانی نے شرح المواہب اللدنیہ ج ۷ ص ۷ پر ابوسعید سے اور ملا متقی ھندی نے کنز العمال ج ۱ ص ۱۶۶ پر طبرانی کے توسط سے زید بن ارقم سے اس کی روایت کی ہے۔

مناوی لکھتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

''میں تم میں اپنے جانشین چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا جو ایک دراز رسی ہے آسمان سے لے کر زمین تک اور دوسرے میری عترت و اہلبیت (عترتی اهلبیتی) اجمال کے بعد تفصیل ہے جو یا بدل ہے یا بیان اور وہ اہل کساء ہیں جن سے اللہ نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور اس طرح پاک رکھا جو حق تھا پاک رکھنے کا'' (۱)

رضی ابن محمد حسینی ''تنضید العقود السنیه بتمهید الد ولة الحسینیه'' میں احمد آفندی معروف بہ منجمی باشی کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

''پیغمبر اسلام کی حدیث ''انی تارک فیکم خلیفتین ......'' پر تعلیقہ دیکھا جس کو میرے والد دام فضلہ نے احمد رحمہ اللہ کے ہاتھوں لکھے ہوئے سے نقل کیا تھا اور میں اپنے والد کی تحریر سے نقل کر رہا ہوں کیونکہ اس حدیث میں ایسے اسرار و رموز ہیں جن پر ہر صاحب خرد کو غور کرنا چاہئے ا۔ حدیث جملہ اسمیہ سے شروع ہو رہی ہے ۲۔ دونوں خلیفوں سے وابستگی ضروری ہے کسی ایک کی وابستگی کافی نہیں ہے ۳۔ ''خلافت الکتاب'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ احکام شرعی، اعتقادی اور ساری ضروریات دینی کو بیان کرے گی اور ''خلافت العترۃ'' کے متعلق چند احتمالات ہیں (الف) قرآن مجید میں جو احکام الٰہی بیان نہیں ہوئے ہیں انہیں یہ بتائیں گے اور قرآن کے مشکل الفاظ و معانی کی توضیح دیں گے

ا۔ فیض القدیر ج ۳ ص ۱۴

(ب) امت میں احکام الٰہی کو یہ جاری کریں گے (ج) اخلاق محمدیہ اور صفات احمدیہ کو عملی طور پر یہ پیش کریں گے صرف نقل قول پر اکتفا نہیں کریں گے (د) اسرار نبوت اور رموز شریعت کو بیان کریں گے (ز) خالص محبت جو ہر مومن پر واجب ہے۔ اس لئے کہ صحیح ایمان اس وقت ہوگا جب انسان ان چیزوں کی تصدیق کرے جو نبیؐ کے ہمراہ آئی ہیں اور حدیث کی رو سے دین اس وقت کامل ہوگا جب حضرتؑ سے خالص محبت کی جائے۔ پس اس خلیفہ سے محبت گویا خود حضرتؑ سے محبت کرنا ہے ۴۔ قرآن کو حبل (رسی) سے تشبیہ دی گئی ہے جو آسمان سے زمین تک دراز ہے ۵۔ عترت کی اہلبیت سے تاکید کی ہے ۶۔ قرآن وعترت دونوں کے ساتھ تمسک گمراہی سے بچائے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ نجات کے لئے صرف ایک کافی نہیں ہے ورنہ آپ فرماتے "بایھما" یا "او احدھما" (یعنی ان دونوں میں سے کوئی ایک) ۷۔ ان دونوں کے ساتھ رہنے کی آخری منزل حوض کوثر جیسی اہم جگہ بتائی ۸۔ بعض روایتوں کے آخر میں "فاعرفوا" کے ذریعہ تنبیہ کی ہے ۹۔ عترت کے معنی اگر حقیقی لیں جیسا کہ "اھلبیتی" کے ساتھ تاکید اسی معنی کو بتاتی ہے تو پھر حدیث، خلافت اہلبیت کے لئے نص قرار پائے گی جو کہ نظریۂ اہلسنت کے خلاف ہے، لیکن اگر مجازی معنی مراد لیں تو اس صورت میں تاکید لغو ہوگی، کیونکہ اکثر تاکید معنئ حقیقی کے لئے لائی جاتی ہے تاکہ اس سے مجازی معنی ذہن میں نہ آنے پائے اور یہ بات

واضح ہے کہ حضرت کا کلام، لغو نہیں ہوتا تھا، (لہذا یہاں عترت کے حقیقی معنی ہیں)۱۰۔اس حدیث کا مفہوم بہت بڑے خطرے کی اس طرح نشاندہی کرتا ہے کہ ''اگر میرے ان دونوں خلیفوں سے وابستہ نہ رہے یا ایک سے وابستہ رہے اور دوسرے کے دامن کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہو گئے اور پھر نجات نہیں پا سکتے'' اگر چہ اس میں خلیفۂ ثانی (عترت) مشخص نہیں ہے ورنہ اختلاف ہی نہیں ہوتا کہ آیا عترت سے مراد معنی حقیقی ہے کہ (اہلبیت سے) تاکید اسی کی مقتضی ہے یا معنی مجازی جیسا کہ اہلسنت قائل ہیں۔ واللہ اعلم''

۲۰۔اہلبیتؑ پر سبقت گمراہی ہے

حدیث ثقلین میں رسالتمآبؐ نے یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا ہے: ''فلا تسبقوا اهل بیتی فتهلکوا،، یعنی میرے اہلبیتؑ سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے حضرتؐ نے اس جملہ میں واضح لفظوں میں بتا دیا کہ اہلبیتؑ ہی کی خلافت برحق ہے. لہذا جنہوں نے خلافت کے سلسلے میں ان پر کہ جن کے سید و سردار حضرت علیؑ ہیں، سبقت کی راہ ہلاکت اختیار کیا۔

مذکورہ جملہ ''فلا تسبقوا اهل بیتی فتهلکوا،، کے ساتھ حدیث ثقلین کو جنہوں نے نقل کیا ہے ان میں چند یہ ہیں: ابونعیم اصفہانی نے ''منقبۃ المطھرین،، میں، ''ابو حیان نے اپنی تفسیر ''البحر المحیط،، میں، جلال الدین سیوطی نے ''الانافہ،، اور ''الدر المنثور ،، ج ۲ ص ۶۰ پر، ابن حجر نے ''الصواعق المحرقہ،، ص ۱۳۶ پر، سمہودی نے ''جواھر العقدین

،، میں ،سخاوی نے ’’استجلاب ارتقاء الغرف ،، میں اور ملامتقی ھندی نے ’’کنزالعمال،، ج اص ۱۶۶ پر نقل کیا ہے۔

تنبیہ

آئندہ ہم بیان کریں گے کہ خود اکابر علمائے اہلسنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ،خلافت اور دینی امور میں دوسروں پر اہلبیتؑ کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہے ۔قابل ذکر بات یہ ہے کہ فخر الدین رازی نے ’’نھایۃ العقول‘‘ میں امام کے شرائط میں سے ایک شرط ’’قرشی‘‘ ہونا بتایا ہے،اوراس شرط پر انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے ’’قدموا قریشا ولا تقدموھا ‘‘یعنی امامت کے لئے قرشی کو مقدم کرو خودکوان پر مقدم نہ کرو۔امام رازی لکھتے ہیں:

’’امام کے لئے نویں شرط یہ ہے کہ وہ ’’قرشی‘‘ ہو،اس صفت کو میرے علاوہ ابوعلی اور ابو ہاشم نے بھی شرط قرار دیا ہے ۔ ہماری دلیل اجماع اور سنت ہے ۔ (ذکر اجماع کے بعد کہتے ہیں) سنت جس کی ابو بکر اور بہت سے اکابر صحابہ نے روایت کی ہے یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:الائمة من قریش ‘‘(یعنی امام قریش سے ہوں گے)اور ’’الائمہ‘‘ میں الف ولام استغراق کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے ائمہ،قریش سے ہوں گے ۔ یہ عبارت امر ہو یا خبر دونوں صورتوں میں بتاتی ہے کہ غیر قرشی امام نہیں ہوسکتا۔امام اعظم کو چھوڑ کر ہم نے کسی کے سلسلے میں حدیث پر عمل نہیں کیا ۔ نیز حضرتؐ نے فرمایا: قریش ہی ولی

ہوں گے جب تک وہ خدا کی اطاعت کریں اور اس کے اوامر کو انجام دیں، یہ بھی حضرت کا ارشاد ہے: قریش کو مقدم رکھنا اور ان سے آگے نہ بڑھ جانا"

جب مذکورہ حدیث امام کے قرشی ہونے پر دلالت کر رہی ہے تو پھر جو حدیث صحیح اہلبیت سے آگے بڑھ جانے سے منع کر رہی ہے وہ بطریق اولیٰ (بلکہ بہ ہزار اولیت) اہلبیتؑ سے امام کے ہونے پر دلالت کرے گی۔

۲۱۔ نتیجۂ حدیث ثقلین

۱۔ ابونصر عتبی اپنی کتاب "تاریخ یمینی" میں رسالتمآبؐ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اللہ نے آپ کی روح قبض کی اور آپ کی زحمتوں کو سراہا، اور آپ نے اپنی امت میں دو گرانقدر چیزیں یعنی کتاب خدا اور اپنی عترت چھوڑیں، ان دونوں کو قدموں کو لغزش سے بچانے، عقلوں کو گمراہی سے محفوظ رکھنے، دلوں کو بیماری سے اور شک وشبہ کو دور کرنے کے لئے اپنا جانشین بنایا" پس جس نے ان دونوں کے ساتھ تمسک کیا اس نے راستہ طے کیا اور وہ لغزشوں سے محفوظ رہا اور جنہوں نے ان سے روگردانی کی بہت برا سودا کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو گمراہی کو ہدایت سے خریدتے ہیں کہ جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے"۔

شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) خود ہی بتائیں وہ کن میں ہیں؟

۲۔ شمس الدین خلخالی "مفاتیح فی شرح المصابیح" میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں:

"شرح السنۃ میں ہے کہ قرآن اور اہلبیت کو اس لئے "ثقلین" کہا گیا کہ ان

دونوں سے وابستہ رہنا اوران کے فرامین پر عمل کرنا ثقیل ہے، اسی طرح حضرتؐ نے اپنے اہلبیت کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ میرے بعد میرے جانشین ہوں گے تو ان کے شایان شان ان کا احترام کرنا اوران کے بتائے ہوئے احکام کی اطاعت کرنا بھی ثقیل ہے'' جب حضرتؐ کی نظر میں اہلبیتؑ کی خلافت اتنی اہم ہے کہ انہیں ''ثقلین'' سے تعبیر کریں اورامت کو اپنے بعدان کے خلیفہ ہونے کی خبر دیں، تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ''حدیث ثقلین'' کا اصل مدعیٰ یعنی حضرت علیؑ اوراہلبیتؑ کی خلافت سے کوئی ربط نہیں ہے؟!

۳۔شہاب الدین دولت آبادی ''ھدایۃ السعداء'' میں لکھتے ہیں:

''رسالتمآبؐ جب حجۃ الوداع سے پلٹے اوراس جگہ پہونچے جس کو ''خم'' کہتے ہیں تو پالان شتر کا منبر بنوایا اوراس پر تشریف فرما ہوئے، اصحاب نے دریافت کیا: یارسولؐ اللہ! آپ کا قائم مقام کون ہے ہمیں بتایئے؟ فرمایا: قرآن اورمیرے بعد میرے اہلبیت۔ اگران دونوں کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ حدیث تاقیام قیامت اہلبیت کی کسی فرد کے ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہی حق کی طرف راہنمائی کرنے والے اور گمراہی سے بچانے والے ہیں''

دولت آبادی کی عبارت واضح لفظوں میں بتاتی ہے کہ اصحاب نے آنحضرتؐ سے آپ کے خلیفہ کے متعلق دریافت کیا تھا اورحضرتؐ نے اپنا جانشین قرآن اوراہلبیتؑ کو بتایا تھا، پھر

کس طرح کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ ''حدیث ثقلین'' خلافت اہلبیتؑ پر جن کے سید وسردار حضرت علیؑ ہیں، دلالت نہیں کرتی؟

۴۔شہاب الدین دولت آبادی ''ھدایۃ السعداء'' ہی میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرتؐ نے حدیث سابق (حدیث ثقلین) میں ارشاد فرمایا: ''لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض ''یعنی قرآن اور میری اولاد حوض کوثر پر ایک ساتھ آئیں گے تا کہ دیکھیں کون ان کا دوست تھا اور کون دشمن، کس نے میرے بعد میرے حکم تمسک پر عمل کیا اور کس نے چھوڑ دیا،، میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا اور جو قرآن اور میری اولاد سے محبت کرتے ہوں گے وہ وہاں آئیں گے اور انہیں میں دیکھوں گا، اور جو ان سے وابستہ نہ رہے ہوں گے اور انہوں نے ان سے وابستہ نہ رہ کر میرے حکم کی خلاف ورزی کی ہوگی، غضبناک ہو کر فرشتے انہیں حوض کوثر سے اس طرح بھگائیں گے جیسے پاگل اونٹ اور گھوڑے کو بھگایا جاتا ہے، میں فرشتوں سے کہوں گا انہیں میرے پاس لاؤ یہ میرے امتی ہیں، اس وقت آواز آئے گی: اے محمدؐ! تمہیں نہیں معلوم کہ انہوں نے قرآن اور تمہاری اولاد کے بارے میں تمہارے حکم کی خلاف ورزی کی اور ان سے محبت و دوستی کرنے کے بجائے ان سے بغض و دشمنی کی، میں کہوں گا پھر فرشتوں انہیں مجھ سے دور کرو! کیونکہ جس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہو وہ خود ان کی پیروی نہیں کر سکتا اور جس کی امامت کی طرف دعوت دی گئی ہو وہ ماموم نہیں بن سکتا، اور جو نبی کی

مخالفت کرے وہ زندیق وشیطان ہے اور جو قرآن اور فرزندان پیغمبر کے دامن سے وابستہ نہ ہو وہ گرچہ علم اولین وآخرین کا مالک ہو، مثل کتاب کے ہے، اور اگر (ان دونوں کی مخالفت کے بعد) زہد کرے تو راہب ہے اور قیامت کے دن اوندھے منھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا''

مذکورہ عبارت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ دولت آبادی کی نظر میں ''حدیث ثقلین'' امامت اہلبیتؑ کے بارے میں ہے، اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ چونکہ رسالتمآبؐ نے امت کو اہلبیتؑ کی پیروی کا حکم دیا لہذا یہ امت کی پیروی نہیں کر سکتے، اور چونکہ امت کو ان کی امامت کی طرف دعوت دی لہذا یہ حضرات امت کے ماموم نہیں بن سکتے، ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ ''حدیث ثقلین'' کا شیعوں کے اصل مدعیٰ یعنی امامت اہلبیت سے کوئی ربط نہیں ہے؟

قابل ذکر بات یہ ہے کہ دولت آبادی نے اپنی عبارت میں ''حدیث حوض'' کو داخل کیا ہے اور دامن اہلبیتؑ کے چھوڑنے والوں کو ملائکہ کے اس قول کا مصداق بنایا ہے کہ اے محمدؐ! آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں (تارکین دامن اہلبیتؑ) نے آپ کے بعد کیا کیا ہے۔

۵۔ شمس الدین سخاوی ''استجلاب ارتقاء الغرف'' میں ''حدیث ثقلین'' نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اہلبیت کے افتخار کے لئے یہی حدیث کافی ہے، اس لئے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''دیکھو ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو'' اور ''تم کو اپنی عترت کے

ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں'' اور ''تم کو اپنے اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں'' کیونکہ روایتوں میں مختلف الفاظ میں اہلبیت کے ساتھ مودت ومحبت، ان کے ساتھ نیکی کرنے، ان کا ادب واحترام کرنے اور ان کے واجبی اور مستحبی حقوق کی ادائیگی کی حضرتؐ نے ترغیب وتشویق کی ہے، اس لئے کہ روئے زمین پر اشرف ترین گھرانے کی یہ فرد ہیں، جب یہ رسولؐ خدا کی واضح اور روشن سنت کی پیروی کریں جیسے اسلاف میں عباس، ان کے بیٹے، علی کرم اللہ وجہہ، آپ کی ذریت واہلبیت رضی اللہ عنھم تھے، نیز حدیثیں ولایت وزمامداری کے لئے دوسروں پر اہلبیت کے مقدم ہونے کو بتاتی ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: ''ان دونوں (قرآن اور اہلبیتؑ) سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے نہ ہی پیچھے رہ جانا ورنہ تب بھی ہلاک ہو جاؤ گے، اور انہیں کچھ سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں'' یہ سب اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں جس کے بارے میں احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ خلافت قریش کے لئے ہے اور ان چیزوں میں ان کی اطاعت واجب ہے جن کی پیروی کرنے سے معصیت نہ ہو۔

سخاوی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ''حدیث ثقلین'' جہاں اہلبیتؑ سے مودت ومحبت اور ان کے حقوق کی رعایت کی تشویق کرتی ہے وہیں حکومت وزمامداری کے لئے دوسروں پر اہلبیت کے مقدم ہونے کی وضاحت بھی کرتی ہے۔ پس کس طرح شاہ صاحب (مؤلف

تحفہ) نے کہدیا کہ یہ حدیث خلافت کے متعلق نہیں ہے؟

لیکن سخاوی کہ یہ بات کہ حدیث ''ان سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے....'' کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ''خلافت قریش میں محصور ہے'' صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ہر عقلمند جس میں تھوڑا سا بھی انصاف ہوگا وہ اسی نتیجے پر پہونچے گا کہ حضرتؐ نے اس حدیث میں اپنے اہلبیتؑ کا ذکر کیا ہے نہ کہ قریش کا، اور کسی نے بھی نہیں کہا کہ حضرتؐ کی اہلبیت سے مراد سارے قریش ہیں۔ لہذا یہ حدیث امامت وخلافت کو اہلبیت میں محصور کر رہی ہے اور بتا رہی ہے کہ یہ حدیث ''الائمة من قریش'' اگر صحیح ہے تو اس سے مراد ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہیں جو سادات قریش ہیں۔

۶۔ ابن حجر ''الصواعق المحرقہ'' میں سخاوی کی بات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ ''ان سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ....'' اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص بلند مرتبے پر فائز اور دینی امور کو بنحو احسن انجام دیتا ہو وہ دوسروں پر مقدم ہے۔ اور قریش کے متعلق گزشتہ حدیث اسی بات کی تصریح کرتی ہے، اور جب یہ سارے قریش کے لئے ثابت ہے تو اہلبیت پیغمبر جو فضیلتوں کے محور اور مفاخر قریش ہیں اور ان ہی کی وجہ سے قریش کو دوسروں پر امتیاز حاصل ہے، وہ بدرجۂ اولیٰ اس منصب (خلافت) کے لئے سزاوار ہیں'' (۱)

ابن حجر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اہلبیتؑ میں سے جو بھی بلند مرتبے پر فائز اور دینی

۱۔ الصواعق المحرقہ ص ۱۳۶

امور کو بنحو احسن انجام دے وہ دوسروں پر مقدم ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ امامت و خلافت بلند مراتب اور دینی وظائف میں سے ہیں لہذا حضرت علیؑ اور دیگر افراد اہلبیت اس منصب کے لئے بقول پیغمبرؐ دوسروں پر مقدم ہوں گے۔ پس شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) پر تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح انہوں نے کہدیا کہ حدیث ثقلین امامت حضرت علیؑ پر دلالت نہیں کرتی ہے، اور ابن حجر نے قریش کے متعلق سخاوی کی بات کہی ہے جس کا جواب اس سے پہلے دے چکے ہیں۔ البتہ ابن حجر نے سارے قریش پر اہلبیت کی افضلیت کا اعتراف کیا ہے، جو ان کی امامت وخلافت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

۷۔ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی مصری حنفی ''نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض'' میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو ''مسلم'' نے فضائل آل البیت میں ذکر کیا ہے جس کو رسول خداؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت اپنے خطبے میں یوں ارشاد فرمایا تھا: ''اے لوگو! میں ایک بشر ہی تو ہوں، عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے پیغامبر آنے والا ہے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں گا، میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، کتاب خدا جس میں ہدایت ونور ہے، لہذا اس سے وابستہ رہو اور میرے اہلبیت'' اس میں مصنف (مسلم) نے آنحضرتؐ کے اہلبیت کو بیان کیا ہے اور یہ وہی افراد ہیں جن کو لوگوں نے حضرتؐ کے ارشاد کے بعد سمجھا تھا۔ کیونکہ وحی کے ذریعے آنحضرتؐ کو معلوم ہو گیا تھا

کہ آپ کے بعد خلافت کے سلسلے میں کیسا کھیل کھیلا جائے گا، اسی وجہ سے حضرت نے کھل کر ان کے نام بتائے اور ان کے حقوق کی رعایت کرنے کی ترغیب وتشویق فرمائی، کیونکہ اس منصب کا یہی تقاضا تھا''

علامہ خفاجی کی اس توضیح کے بعد کیا کوئی شخص شاہ صاحب کی پیروی کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ حدیث ثقلین کا امامت وخلافت سے کوئی ربط نہیں ہے؟

۸۔ احمد بن عبدالقادر عجیلی شافعی ''ذخیرۃ المآل'' میں حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس حدیث کا نتیجہ وہی ہے جو حدیث سفینہ کا ہے یعنی آنحضرتؐ نے اہلبیت کی عزت واحترام کرنے، ان کے دامن سے وابستہ رہنے، دل سے ان سے محبت کرنے، ان میں جاننے والے افراد کی راہنمائی وہدایت کو حاصل کرنے اور ان کے اخلاق حمیدہ کو اپنانے کی تشویق فرمائی، اسی حدیث سے قیامت تک قرآن وسنت وعترت کے ہونے کا پتہ ملتا ہے، اور جن کے لئے تشویق ہوئی ہے یہ وہی افراد ہیں جو قرآن وسنت کے جاننے والے ہیں کیونکہ یہی حضرات حوض کوثر تک قرآن سے جدا نہیں ہوں گے۔ اس بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے ''اپنی جہالت کو ان سے کسب علم کے ذریعے دور کرنا، خود انہیں سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں'' انہیں ان ہی خصوصیات کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے، اس لئے کہ خدا نے انہیں ہر طرح کے رجس سے دور رکھا ہے اور اس

طرح پاک رکھا ہے جو پاک رکھنے کا حق ہے اور انہیں روشن کرامات اور بہت سے امتیازات سے نوازا ہے۔ البتہ (ائمہ معصومینؑ کے سوا) ان میں کے ناواقف افراد دوسروں کی طرح کسب علم کریں، ان کو دوسروں کے مقابلے یہ سارے امتیازات خلافت ظاہری اور وراثت مقام ابراہیم محمدی کی وجہ سے حاصل تھیں، ورنہ خلافت باطنی تو ان ہی کا حق تھا، اور ہر زمانے میں قطب الاولیاء، ان ہی میں کا ہوگا، ان کی خلافت سے میری مراد ظلم و جور کی حکومت نہیں ہے کیونکہ ان کا ایسی حکومت سے کوئی ربط نہیں ہے، بلکہ میری مراد وہ خلافت ہے جس کو خدا نے قرآن وسنت کی حفاظت کی خاطر ان کے لئے انتخاب کیا ہے اور ان سے حوض کوثر تک وہ جدا نہیں ہوں گے"۔

عجیلی کے بقول حدیث ثقلین کی روشنی میں اہلبیتؑ کو خلافت ظاہری کے لئے سب پر فوقیت حاصل ہے اور خلافت باطنی ان ہی سے مختص ہے۔ اب بھی کیا کسی کو شاہ صاحب کی اس بات کے لغو ہونے میں شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ حدیث ثقلین کا خلافت سے کوئی ربط نہیں ہے؟ اور عجیلی نے جو اہلبیت کے (معاذ اللہ) جاہل افراد کے بارے میں کہا ہے یہ ان کا تجاہل ہے، کیونکہ جن کے بارے میں حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ جیسی حدیثیں ہوں وہ جاہل ہو ہی نہیں سکتے، عجب نہیں کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی تاسی میں ایسی بات کہہ دی ہو کیونکہ وہ اہلبیت کے دائرے کو وسیع مانتے ہیں، جب کہ ہم نے (عبقات منہج اول میں) آیۂ تطہیر میں اہلبیتؑ کے معنی بیان کر دیئے ہیں اور آئندہ اس کتاب میں بھی اس پر بحث کریں گے۔

۹۔ عجیلی ''ذخیرۃ المآل'' ہی میں لکھتے ہیں:

''تعلموا منهم و قدموهم ، تجاوزوا عنهم و عظموهم ،
جہاں تک ان سے کسب علم کی بات ہے تو اس سلسلے میں روایت صحیحہ میں ہے کہ یہ (اہلبیتؑ) حکمت کے خزانے ہیں، اور بہ سند صحیح حدیث ثقلین میں ہے کہ: ان سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ ہی ان کو سکھانے پڑھانے کی کوشش کرنا کیونکہ یہ تم سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں اور ان کو اس لئے مقدم رکھنا کہ وہ اس کے لئے زیادہ سزاوار ہیں مثلاً امامت کبریٰ کے لئے، کسی جگہ آنے جانے کے لئے، چلنے پھرنے اور بولنے چالنے جیسے موارد کے لئے، اور ابن سعد نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوں گے وہ میں، تم اور حسن و حسین ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ اور میرے محبّ؟ فرمایا وہ تمہارے پیچھے آئیں گے، تو جب اس دنیا میں ایسا ہے تو پھر اس دنیا میں بدرجۂ اولی وہ مقدم ہوں گے، اس سلسلے میں بہت کچھ کہا گیا ہے جن کی تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

اور جب ہم کو حضرتؐ نے ان کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے تو ان کو ان کے بلند مرتبے سے گرا دینا شرع اور دیانتداری کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان ہی بلند مرتبے میں اہلبیت کا قرآن کے قرین و مصاحب ہونا، ابتدائے زندگی سے آخر عمر تک بدعتوں اور گناہوں سے پاک و پاکیزہ رہنا، ان کے دامن سے وابستہ رہنا اور

اس بات کا اعتقاد رکھنا ہے کہ وہ کشتیِ نجات ہیں، لہذا جو شخص اس کے برخلاف کہے گویا جس کو خدا اور رسولؐ نے مقدم کیا ہے اس کو اس نے موخر کیا ہے، اور آنحضرتؐ نے فرمایا: امام اس لئے امام ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، ماموم امام کا تابع ہوتا ہے اور اس پر امام کی پیروی واجب اور اس پر تقدم حرام ہے، لہذا جو امام کو پیچھے کردے اس کی نماز باطل ہے، اور جو مقدم رہنے کی اہلیت رکھتا ہو اس کو پیچھے کر دینا حقائق کو چھپانا ہے۔ لہذا اے صاحبان بصیرت عبرت حاصل کرو"۔

ان باتوں کو دیکھنے کے بعد کیسے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حدیث ثقلین شیعوں کے دعوے کو ثابت نہیں کر رہی ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو حدیث ثقلین سے متعلق ان میں کا ہر قول امامت حضرت علیؑ کو ثابت کرتا ہے۔

۲۲۔ خود الفاظ حدیث خلافت اہلبیتؑ کی دلیل ہیں

حضرتؐ نے بعض مواقع پر ایسے الفاظ میں حدیث ثقلین ارشاد فرمائی تھی جو واضح طور پر خلافت اہلبیتؑ کو بیان کرتی ہے، قندوزی "ینابیع المودۃ" میں لکھتے ہیں:

" مناقب میں عبداللہ بن حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ علیہم السلام نے اپنے والد حسن مجتبیٰ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے جد نے ایک دن خطبہ دیا اور خدا کی حمد وثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا: اے لوگو! عنقریب مجھے پیغام اجل ملنے والا ہے اور میں اس پر لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں

چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت واہلبیت ، اگر ان دونوں سے وابستہ رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں پس ان سے کسب علم کرنا اور ان کو سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں ان کے وجود سے کبھی بھی زمین خالی نہیں رہ سکتی ، کہ اگر وہ ان سے خالی ہو جائے تو اسی دن وہ اپنے ساکنین کے ساتھ دھس جائے گی پھر فرمایا: خدایا تو زمین کو اپنی مخلوق کی حجت سے خالی نہ رکھنا تا کہ تیری حجت باطل اور جن اولیاء کی تو نے ہدایت کی ہے وہ گمراہ نہ ہونے پائیں ، وہ تعداد میں بہت کم ہیں مگر اللہ کی نظر میں بڑے قدر والے ہیں میں نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ علم وحکمت کو میرے صلب میں اور میری اولاد کے صلب میں میری اولاد میں اور میری اولاد کی اولاد میں قیامت تک قرار دے، پس اس نے میری یہ دعا قبول فرمائی''

حضرتؐ نے اس حدیث میں ایسے نکات ارشاد فرمائے ہیں کہ ان میں کا ہر ایک خلافت اہلبیتؑ پر بین دلیل ہے۔ ملاحظہ کیجئے

ا۔ حضرتؐ نے امت کو ان سے کسب علم کا حکم دیا ہے جو ان کی اعلمیت کی دلیل ہے، کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور اعلم ہوتا تو حضرتؐ اسی سے کسب علم کا حکم دیتے ، اور اعلمیت دلیل امامت ہے۔

۲۔ حضرتؐ نے امت کو ان کو تعلیم دینے سے منع کیا ہے جو اہلبیتؑ کی اعلمیت اور

دوسروں کی نفی اعلمیت کی دلیل ہے، بلکہ یہ جملہ اہلبیتؑ کی عصمت مطلقہ کو ثابت کرتا ہے، کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور اعلم ہوتا یا معاذ اللہ ان سے خطا و نسیان ممکن ہوتا تو ان کی تعلیم و تنبیہ دوسروں پر واجب ہوتی (جب کہ حضرتؐ انہیں سکھانے پڑھانے سے منع کر رہے ہیں، اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عصمت اور اعلمیت مستلزم امامت اور اس کے اٹوٹ حصے ہیں)

۳۔حدیث میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ اہلبیتؑ، پیغمبرؐ کی امت میں اعلم ہیں ،لہذا ان کی اعلمیت میں شک کرنا حضرت کی نبوت میں شک کرنا ہے. بلکہ قرآن کی اس آیت ''ومایـنـطق عن الهوى ان هوا لا وحى يوحى ،،کی رو سے وحی الٰہی پر شک کرنے کے مترادف ہے۔

۴۔حضرتؐ نے اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ: زمین ان کے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی اور جس دن ان کا وجود زمین پر نہ رہے اس دن اپنے ساکنین کے ساتھ دھس جائے گی، جو ان کے آنحضرت کے قائم مقام ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ جس طرح حضرتؐ کا وجود زمین اور اہل زمین کے لئے باعث امن تھا، اسی طرح ان کا بھی وجود زمین اور اہل زمین کے لئے باعث امن ہے .اور یہ جملہ دو وجہوں سے اہلبیتؑ کی خلافت کو ثابت کرتا ہے۔

ا۔رسالتمآبؐ کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے ۲۔سارے ساکنین زمین سے افضل ہونے کی وجہ سے۔

۵۔حضرتؐ نے فرمایا: ''بارالٰہا! ان کے وجود سے زمین کو خالی نہ رکھ جن کو اپنی مخلوق پر تو

نے حجت قرار دیا ہے تاکہ تیری حجت باطل اور جن کی تو نے ہدایت کی ہے وہ گمراہ نہ ہونے پائیں ،، اس سے تین باتیں سامنے آتی ہیں ا۔ اہلبیتؑ منجانب خدا مخلوق پر حجت ہیں ۲۔ یہ بقائے حجت کا سبب اور ان کے عدم بطلان کی علت ہیں ۳۔ یہی اولیاء خدا کے راہ ہدایت پر رہنے کا سبب ہیں کہ اگر یہ نہیں ہوتے تو اولیاء خدا ہدایت پانے کے بعد گمراہ ہو گئے ہوتے.

اور یہ ایسا بلند مرتبہ ہے جس کے درک کرنے سے عقلیں قاصر ہیں

۶۔ حضرتؐ نے اپنے اہلبیتؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''یہ تعداد کے لحاظ سے تو بہت کم ہیں مگر خدا کی نظر میں ان کی بہت قدر و منزلت ہے،، کہ یہ ان کی افضلیت کی واضح دلیل ہے (اور افضلیت امامت کا لازمہ ہے)

۷۔ حضرتؐ کی یہ دعا کہ خدایا قیامت تک میری نسل میں علم و حکمت کو قرار دے اور خدا کا اس دعا کو قبول کرنا ان کی اعلمیت اور قیامت تک ان کے ہونے کی دلیل ہے

۲۳۔ حدیث ثقلین سے حضرت علیؑ کا احتجاج

ا۔ حضرت علیؑ نے شوریٰ کے دن اپنی حقانیت کے ثبوت میں حدیث ثقلین سے احتجاج و استدلال کیا تھا، چنانچہ ابن مغازلی اپنی کتاب ''المناقب'' میں لکھتے ہیں:

''ہم کو ابو طاہر محمد بن علی بن محمد بیع بغدادی نے بتایا انہوں نے ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید معروف بہ حافظ ابن عقدہ سے انہوں نے جعفر بن محمد بن سعید احمسی سے انہوں نے نصر بن مزاحم سے انہوں نے حکم بن مسکن سے انہوں نے جارود بن طارق سے اور انہوں نے عامر بن واثلہ سے اور ابو ساسان اور ابو حمزہ

نے ابواسحاق سے اور انہوں نے عامر بن واثلہ سے روایت کی ہے، عامر کہتے ہیں کہ میں شوریٰ کے دن علی کے ہمراہ اس گھر کے دروازے پر تھا اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آج میں تمہارے سامنے ایسا احتجاج و استدلال کروں گا جس کو نہ تمہارا اعربی رد کر سکتا ہے نہ ہی عجمی اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم سب کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کوئی ہے جس نے مجھ سے پہلے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا ہو؟ سب نے کہا خدا گواہ ہے کہ نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی کا جعفر طیار جیسا بھائی ہے جو جنت میں ملائکہ کے ہمراہ ہو؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ہے جس کا چچا میرے چچا حمزہ جیسا ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے شیر اور سید الشہداء ہیں؟ سب کہا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کی زوجہ میری زوجہ جنت کی عورتوں کی سردار فاطمہ بنت محمدؐ جیسی ہو؟ سب نے کہا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے جوانان جنت کے سردار حسن و حسین جیسے دو فرزند ہوں؟ سب نے کہا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے

مجھ سے پہلے ہدیہ دے کر رسولؐ اللہ سے بار ہا خلوت میں بات کی ہو؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے فرمایا: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ فیبلغ الشاھد منکم الغائب"؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے یہ دعا کی ہو" خداوندا اس شخص کو میرے پاس بھیج جو تیری اور میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو اور جس کو میں اور تو سب سے زیادہ دوست رکھتے ہوں تا کہ میرے پاس بیٹھ کر یہ طائر (بھنا مرغ) کھائے؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: "کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اس کو اللہ اور اس کا رسول دوست رکھتے ہوں گے اور جب تک خدا اس کو فتح نہیں دے دے پلٹے گا نہیں؟ سب نے کہا بخدا کوئی بھی نہیں ہے!

فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے سوا کوئی اور ہے

جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے بنی لہیعہ سے کہا تھا ''تمہارے پاس ایسے شخص کو بھیج رہا ہوں جو میرا نفس ہے، اس کی اطاعت میری اطاعت اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے وہ تلوار کے ذریعے تمہیں مضبوط کرے گا؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کو رسولؐ خدا کے لئے چاہ بدر سے پانی لاتے وقت ایک گھنٹہ میں تین ہزار فرشتوں نے سلام کہا ہو کہ ان ہی میں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل بھی ہوں؟ !سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے لئے جبرئیل نے کہا ہو ''یہ ہے ہمدردی ومواساۃ'' اور رسولؐ خدا نے فرمایا ہو ''وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں جس پر جبرئیل نے کہا ہو میں تم دونوں سے ہوں''؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کے لئے ہاتف غیبی کی آواز آئی ہو ''لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار''؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے فرمایا ہو ''میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی اور تم اے علی

تاویل قرآن پر جنگ کرو گے''؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کو رسولؐ خدا نے ابوبکر سے سورۂ برائت واپس لینے کا حکم دیا ہو؟ جس پر ابوبکر نے پوچھا کیا میرے خلاف کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے فرمایا ہو''تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے ہے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس سے رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: تجھ کو نہیں دوست رکھے گا مگر مومن اور تجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر کافر؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں یاد ہے کہ رسولؐ خدا نے تم سب کے دروازے (جو مسجد کی طرف کھلتے تھے) بند کروا دیئے تھے سوائے میرے دروازہ کے، جس پر تم میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، تو رسولؐ خدا نے فرمایا: نہ میں نے تمہارے دروازے بند کئے اور نہ اس (علی) کا دروازہ کھلا رکھا بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کئے ہیں اور اس (علی) کا دروازہ کھلا رکھا بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کئے ہیں اور اس (علی) کا دروازہ کھلا رکھا ہے؟ سب نے

کہا بخدا سوائے آپ کے کوئی بھی ایسا نہیں ہے!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس سے طائف کے دن کئی بار رسولؐ خدا نے خلوت میں بات کی اور جب گفتگو طولانی ہوئی تو حضرتؐ سے تم لوگوں نے کہا ان (علی) سے تو خلوت میں بات کی اور ہم لوگوں کو نظر انداز کر دیا! اس پر حضرتؐ نے جواب دیا میں نے اس (علی) سے خلوت میں گفتگو نہیں کی بلکہ خدا نے اس (علی) سے گفتگو کی؟ سب نے کہا ایسا ہی ہے!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس نے رسولؐ خدا کی جگہ سو کر آپ کو مشرکین کے چنگل سے بچایا ہو؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں کوئی ہے جب عمرو بن عبدود نے للکارتے ہوئے جنگ کی دعوت دی تو اس نے اس سے جنگ کی؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کے بارے میں آیت تطہیر یعنی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا نازل ہوئی ہو؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے لیے رسولؐ خدا نے فرمایا ہو"تم عرب کے سردار ہو"؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے علاوہ کیا کوئی ہے جس سے رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: "میں نے خدا سے کوئی چیز نہیں مانگی مگر وہی تمہارے لئے بھی مانگی"؟! سب نے کہا بخدا نہیں!" (۱)

۲۔ شیخ سلیمان بن احمد بلخی حنفی قندوزی نے "ینابیع المودۃ" میں ابوذر سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص سے فرمایا: کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول خدا نے فرمایا تھا "انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اهلبیتی و انهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض و انکم لن تضلوا اتبعتم واستمسکتم بهما ؟" سب نے کہا ہاں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا! (۲)

۳۔ شوریٰ کے دن کے علاوہ خلافت عثمان کے دور میں بھی حضرت علیؑ نے مہاجرین و انصار کے سامنے حدیث ثقلین سے احتجاج و استدلال کیا تھا اور اس میں بہت سی آیات و احادیث بیان فرمائی تھی، جو آپ کی افضلیت و امامت پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ شیخ سلیمان بلخی حنفی "ینابیع المودۃ" میں لکھتے ہیں:

۱۔ مناقب ابن مغازلی ص ۱۱۲ ۲۔ ینابیع المودۃ ص ۳۵

''حموینی نے اپنی سند کے ساتھ سلیم بن قیس ہلالی سے روایت کی ہے، سلیم کا بیان ہے کہ خلافت عثمان کے دور میں مسجد النبی میں علی کو بیٹھے دیکھا، گروہ مہاجرین وانصار تو اپنے اپنے فضائل بیان کرر ہے تھے مگر علی خاموش بیٹھے تھے۔ جب مہاجرین وانصار نے کہا اے ابوالحسن آپ بھی کچھ کہئے تو آپ نے فرمایا: اے گروہ قریش وانصار میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اللہ نے یہ فضیلت تمہیں کس کی وجہ سے عطا کی، تمہاری وجہ سے یا کسی اور کی وجہ سے؟ سب نے کہا اللہ نے ہم پر یہ احسان محمدؐ کی وجہ سے کیا۔

فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: آدم کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل میں اور میرے اہلبیت ایک نور کی شکل میں خدا کے حضور میں تھے، جب آدم کو خدا نے خلق کیا تو اس نور کو ان کے صلب میں رکھا اور انہیں زمین پر بھیجا پھر اس نور کو نوح کے صلب میں رکھ کر سفینۂ نوح میں سوار کیا پھر ابراہیم کے صلب میں رکھ کر اسے آگ میں ڈالا پھر اللہ نے اس نور کو اصلاب طاہرہ سے ارحام مطہرہ میں منتقل کیا، اور ایسا کبھی بھی ناجائز تعلقات کی بناء پر نہیں ہوا؟ ان سب نے کہا ہم نے رسولؐ خدا سے ایسا ہی سنا ہے۔

پھر فرمایا تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے کئی آیتوں میں سابق کو مسبوق پر فضیلت دی ہے اور میں ہی وہ ہوں جس کے پہلے کوئی بھی اللہ اور اس کے رسولؐ قریب نہیں ہوا؟ سب نے کہا کہ ایسا ہی ہے!

فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جب آیت " السابقون السابقون اولئك المقربون " نازل ہوئی تو رسولؐ خدا سے دریافت کیا گیا یہ کس کے بارے میں ہے' آپ نے فرمایا: اللہ نے انبیاء اوران کے اوصیاء کے بارے میں نازل کیا ہے اور میں خدا کی طرف سے بھیجے گئے سارے انبیاء اور رسولوں سے افضل ہوں اور میرا وصی علی تمام اوصیاء سے افضل ہے؟ سب نے کہا بیشک ایسا ہی ہے!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ جب یہ آیتیں" یا ایھاالذین امنوااطیعوالله واطیعواالرسول وا ولی الا مر منکم " اور" انما ولیکم الله ورسوله والّذین آمنواالّذ ین یقیمون الصلاة ویوتون الزکواة وهم راکعون" اور"لم یتخدوا من دون الله ولا رسوله ولاالمومنین ولیجة" نازل ہوئیں تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ ان کے والیان امر کا اعلان کریں اور ان کے لیے ولایت کی اسی طرح تشریح کریں جس طرح ان کی نماز' زکواۃ اور حج کی تفسیر کی ہے چنانچہ آپ نے غدیرخم میں مجھے اپنا خلیفہ بنایا' خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگوں خدا نے مجھے ایسی رسالت کے ساتھ بھیجا ہے جس کے بوجھ سے میرا سینہ تنگ ہو رہا تھا اور مجھے خیال تھا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو میرے پروردگار نے مجھے ڈرایا کہ میں رسالت کو پہونچا دوں ورنہ مستحق عقاب ہوں گا

'پھر آپ نے فرمایا تھا: کیا تم جانتے ہو کہ خدا میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور میں ان کے نفوس پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟' سب نے ہم آواز ہو کر کہا تھا: ایسا ہی ہے یا رسولؐ اللہ! تب حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ ''اس وقت سلمان (فارسی) کھڑے ہوئے اور انھوں نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! علی کی یہ ولایت کیسی ہے؟ فرمایا: اس علی کی ولایت میری ولایت جیسی ہے پس جس طرح میں کسی پر اولی' بالتصرف ہوں اس طرح علی بھی اس کے نفس پر خود سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے تب یہ آیت نازل ہوئی ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔' 'اس وقت حضرتؐ نے تکبیر کہی اور ارشاد فرمایا: اکمال دین؛ اتمام نعمت اور میرے پروردگار کی رضا میری رسالت اور میرے بعد علی کی ولایت ہے۔ اصحاب نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! کیا یہ آیتیں علی سے مخصوص ہیں؟ فرمایا ہاں! اس سے اور قیامت تک آنے والے میرے اوصیاء سے مخصوص ہیں اصحاب نے کہا ان کے نام ہمیں بتا دیجیے! فرمایا ان میں پہلا علی ہے جو میرا بھائی' میرا وارث اور میرا وصی ہے' اور میرے بعد سارے مومنین کا ولی ہے۔ پھر میرے فرزند حسن اور اس کے بعد حسین اور پھر حسین کے نو فرزند یکے بعد دیگرے میرے وصی ہوں گے قرآن ان کے ساتھ ہے اور وہ قرآن کے ساتھ

ہیں نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے نہ ہی قران ان سے جدا ہو گا یہاں تک کی وہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

یہ سن کر بعض تو بولے جیسا آپ نے بیان کیا ہے ویسا ہی ہم نے سنا اور دیکھا ہے مگر بعض بولے جو آپ نے کہا ہے اس کا اکثر حصہ ہمیں یاد ہے پوری باتیں یاد نہیں ہیں۔

پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو جب آیت" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" نازل ہوئی تو آپ نے مجھے فاطمہ، حسن وحسین کو اکٹھا کیا اور ہم پر ایک چادر اوڑھا دی اور فرمایا: بار الٰہا یہ ہیں میرے اہلبیت جو انہیں ملول کرے وہ مجھے ملول کرے جو ان کے دل کو مجروح کرے وہ میرے دل کو مجروح کرے پس ان سے رجس کو دور رکھ اور اس طرح انہیں پاک و پاکیزہ رکھ جو حق ہے پاک و پاکیزہ رکھنے کا' جس پر ام سلمٰی نے کہا تھا یا رسولؐ اللہ اور میں! تو حضرت نے فرمایا تھا: تم خیر پر ہو' یہ سن کر سب کے سب بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ ام سلمٰی نے اسی طرح ہم سے بیان کیا تھا۔

پھر فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو جب یہ آیت' یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونو مع الصادقین' نازل ہوئی تو سلمان نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! یہ حکم عام ہے یا خاص؟ حضرت نے فرمایا عمل کرنے کا حکم تو تمام مومنین کو دیا گیا ہے لیکن "صادقین" خاص افراد ہیں اور وہ

میرا بھائی علی اور اس کے بعد قیامت تک ہونے والے اس کے اوصیاء ہیں ؟سب نے کہا ایسا ہی ہے!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ جب میں نے رسولؐ خدا سے غزوۂ تبوک میں کہا تھا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تھا مدینہ کے لیے مجھ سے یا تم سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا؟ سب نے کہا رسولؐ خدا نے ایسا ہی فرمایا تھا!

فرمایا: بخدا کیا تم جانتے ہو جب اللہ نے سورہ حج کی یہ آیت۔" یاایھا الذین آمنو ارکعواواسجدواواعبدوا ربکم وافعلواالخیر۔" (آیت ۷۷-۷۸) نازل کی تو سلمان نے عرض کی یا رسولؐ اللہ جن پر آپ شاہد ہیں اور خدا نے انہیں چنا ہے اور آئین ابراہیم کی طرح دین میں تنگی و حرج قرار نہیں دیا ہے' کون حضرات ہیں؟ فرمایا وہ تیرہ خاص افراد ہیں۔ سلمان نے کہا یا رسولؐ اللہ وہ تیرہ لوگ کون ہیں! فرمایا: میں' میرا بھائی علی اور گیارہ میرے فرزند؟ مہاجرین وانصار نے کہا ہمیں معلوم ہے!

فرمایا: بخدا تمہیں معلوم ہے کہ رسولؐ خدا نے متعدد مقامات پر خطبے دیئے تھے اور آخری خطبہ جو دیا تھا کہ پھر اس کے بعد کوئی خطبہ نہیں دیا ارشاد فرمایا تھا: "ایھاالناس! انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی

اھلبیتی فتمسکوا بھما لن تضلوا' فان اللطیف الخبیرا خبر نی و عھدالی انھما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض'' ؟یہ سن کر سارے مہاجرین وانصار بول اٹھے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول خداؐ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا۔(۱)

۳۔ سلیمان بن ابراھیم بلخی حنفی قندوزی ''ینابیع المودۃ'' باب ۳۸ میں آیت ''یاایھا الذین آمنوا اطیعوااللہ واطیعواالرسول واولی الامر منکم'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مناقب میں سلیم بن قیس ہلالی سے مذکورہ سند کے ساتھ منقول ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آیا اور اس نے کہا یہ بتایئے سب سے چھوٹی چیز کونسی ہے جسکی وجہ سے بندہ مومن ہوتا ہے اور سب سے چھوٹی چیز کونسی ہے جس کی وجہ سے بندہ کافر ہوتا ہے اور سب سے چھوٹی چیز کونسی ہے جس کی وجہ سے بندہ گمراہ ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: جب تونے پوچھا ہے تو جواب بھی سن لے: جس چیز کی وجہ سے بندہ مومن ہو جاتا ہے یہ ہے کہ اللہ اپنے کو پہچنوائے اور وہ بندہ اس کی اطاعت کا اقرار کرے اپنے نبی کو پہچنوائے اور وہ اس کی اطاعت کا اقرار کرے.

راوی نے کہا یاامیرالمومنین جن چیزوں کو آپ نے بیان کیا ہے ان کے علاوہ اور چیزوں کو وہ نہ جانتا ہو تو کیا کرے؟

۱۔ ینابیع المودۃ ص ۱۱۶۔۱۱۴

فرمایا: جس کام کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہو اس کی اطاعت کرے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہو اس کو انجام نہ دے. اور سب سے چھوٹی چیز جس سے بندہ کافر ہو جاتا ہے یہ ہے کہ جن چیزوں کے انجام دینے سے خدا نے منع کیا ہو اس کو وہ امر خداوندی سمجھ کر دین کا جز قرار دے اور وہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ خدا کی بندگی کر رہا ہے جب کہ وہ درحقیقت شیطان کی بندگی کر رہا ہے. اور سب سے چھوٹی چیز جس سے بندہ گمراہ ہوتا ہے یہ ہے کہ حجت خدا اور اس کی طرف سے بندوں پر شاہد حضرات کو نہ پہچانے جن کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے اور ان کی ولایت کو واجب قرار دیا ہے. میں (سائل) نے کہا یا امیر المومنین ذرا بتایئے وہ کون ہیں، فرمایا: یہ وہی ہیں جن کو خدا نے اپنا اور اپنے رسول کا قرین و مصاحب قرار دیا اور فرمایا: ''یاایھاالذین امنوااطیعوااللہ واطیعواالرسول واو لی الامر منکم '' (نساء/۵۹) میں نے حضرت سے کہا خدا مجھے آپ پر فدا کرے تھوڑی اور وضاحت کیجئے! فرمایا: یہ وہی افراد ہیں جن کے بارے میں رسولؐ خدا نے متعدد مقامات پر اور اس دن جس دن آپ کی قبض روح ہوئی فرمایا: ''میں نے تم میں ایسی چیزیں چھوڑیں کہ اگر تم ان سے وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے. ایک خدائے عزوجل کی کتاب اور دوسرے میری عترت واہلبیت' اس لئے کہ خدائے لطیف خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر اس طرح وارد ہوں جیسے یہ

دونوں انگلیاں یعنی آپ نے دونوں انگشت شہادت کی طرف اشارہ کر کے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا (نہ کہ انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی ملا کر) لہذا ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہو اور ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاو گے"(۱)

مذکورہ بالا حدیث سے درجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں.

۱۔ آئمہ معصومینؑ کی معرفت واجب اور ارکان ایمان میں سے ہے.

۲۔ جو شخص بھی خدا اور رسولؐ کی طرح آئمہؑ کو نہ پہچانے وہ گمراہ ہے

۳۔ آئمہ معصومینؑ زمین پر خدا کی حجت اور خدا کی طرف سے خلق خدا پر شاہد ہیں

۴۔ خدا نے آیت "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" میں آئمہؑ کو اپنا اور اپنے نبی کا قرین و مصاحب قرار دیا ہے اور "اولی الامر" سے مراد آئمہؑ ہی ہیں۔

۵۔ آیت میں "اولی الامر" اور حدیث ثقلین میں "اھلبیت" سے مراد آئمہ معصومینؑ ہیں کیونکہ حضرت علیؑ نے "اولی الامر" کی توضیح میں "حدیث ثقلین" بیان کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "اولی الامر" وہی اہلبیتؑ ہیں اور "اہلبیتؑ" وہی اولی الامر ہیں۔

ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک متدین انسان کیسے کہہ سکتا ہے کہ "حدیث ثقلین" شیعوں کے دعوے کو ثابت نہیں کر رہی ہے اور اس حدیث کا امامت و خلافت سے کوئی ربط نہیں ہے؟

۱۔ ینابیع المودۃ ص ۱۱۶

۲۴۔حدیث ثقلین سے امام حسنؑ کا احتجاج

جب لوگوں نے امام حسنؑ کی بیعت کی اور انہیں اپنا خلیفہ منتخب کیا تو آپ نے اپنے فصیح و بلیغ خطبوں میں ''حدیث ثقلین'' سے احتجاج و استدلال کیا تھا اور دیگر دلیل قاطع کے علاوہ اس حدیث سے بھی امامت و خلافت کے لئے اپنی اہلیت کو ثابت کیا تھا، چنانچہ شیخ سلیمان قندوزی حنفی ''ینابیع المودۃ'' میں لکھتے ہیں:

''مناقب میں ہشام بن حسان سے منقول ہے کہ جب لوگوں نے حسن بن علی علیہما السلام کی بیعت کی اور انہیں اپنا ولی امر منتخب کیا تو آپ نے خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: ہم ہی وہ گروہ ہیں جو کامیاب ہیں! ہم ہی رسولؐ خدا کے نزدیک ترین رشتہ دار ہیں، ہم ہی دو ثقل میں سے ایک ہیں جنہیں میرے جد رسولؐ خدا نے اپنی امت میں اپنا جانشین چھوڑا! ہم ہی ثانیٔ کتاب ہیں جس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور اس میں باطل نہ سامنے سے آسکتا ہے نہ ہی پشت سے، پس قرآن کی تفسیر میں ہم پر اعتماد کرو کیونکہ ہم اس کی تاویل ظن و گمان سے نہیں جانتے بلکہ قطع و یقین سے جانتے ہیں، لہذا ہماری اطاعت کرو اس لئے کہ ہماری اطاعت فرض اور خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے قرین و مصاحب ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے ''یا ایها الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوه الی اللہ والی

الرسول ''نیز ارشاد ہوتا ہے ''ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر لعلمه الذین یستنبطونه منهم ''شیطانی آواز (گانا) سننے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''(۱)

اس خطبے میں امام حسنؑ نے خلافت کے سلسلے میں اپنی حقانیت کو درج ذیل دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

۱۔ حضرتؑ نے فرمایا: یہ آیت ''ومن یتول الله و رسوله والذین آمنوا فان حزب الله هم الغالبون ''اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ہم ہی وہ گروہ خدا ہیں جو غالب ہیں کہ یہ خود ان کی بزرگی، افضلیت اور امامت پر ایک دلیل ہے۔

۲۔ فرمایا: ''ہم رسولؐ خدا کے نزدیک ترین رشتہ دار ہیں'' جس سے اپنی افضلیت کو ثابت کیا نیز یہ کہ جتنی حدیثیں پیغمبرؐ اسلام نے اپنی عترت کے بارے میں ارشاد فرمائی ہیں سب کی سب ہم ہی سے متعلق ہیں۔

۳۔ فرمایا: ''ہم ہی ان دو ثقل میں سے ایک ہیں جنہیں رسولؐ خدا نے امت میں اپنا جانشین چھوڑا ہے'' یہ اشارہ ہے حدیث ثقلین کی طرف۔ نیز آپ بتانا چاہ رہے تھے کہ حدیث ثقلین ہماری امامت پر دلالت کرتی ہے۔

۴۔ فرمایا: ''ہم ہی خدا کی دوسری کتاب ہیں جس میں ساری چیزوں کی تفصیل موجود ہے

۱۔ ینابیع المودة ص۲۱ (اسی خطبہ کو تھوڑے الفاظ کے اختلاف اور بعض جملوں کے اضافے کے ساتھ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے ''مروج الذهب'' (مطبوعہ مؤسسہ اعلمی بیروت) ج۳ ص۱۱ باب ذکر خلافة الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنهما میں نقل کیا ہے، مترجم)

اور اس میں باطل نہ سامنے سے داخل ہو سکتا ہے نہ ہی پشت سے'' اس سے آپ اہلبیتؑ کی اعلمیت اور عصمت کو ثابت کر رہے تھے، اس لئے کہ جس طرح قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اسی طرح قرآن ثانی ہونے کی وجہ سے یہ ہر چیز کو شرح و بسط کے ساتھ جانتے ہیں اور جس میں یہ خصوصیات پائی جائیں یقیناً وہ اعلم ہوگا اور جس طرح قرآن ہر باطل چیز سے محفوظ ہے اسی طرح اہلبیتؑ بھی ہر خطا و لغزش سے محفوظ ہیں کہ یہی ''عصمت'' ہے۔

۵۔ فرمایا: ''قرآن کی تفسیر میں ہم پر بھروسہ کرو'' حقیقت میں یہ اس کے پہلے کے جملہ کا نتیجہ ہے جس میں آپ نے فرمایا: ''خدا کی دوسری کتاب ہم ہیں'' اور یہ جملہ جہاں آپ حضرات کی اعلمیت پر دلالت کرتا ہے وہیں آپ کی پیروی پر بھی دلالت کرتا ہے' اس لیے کہ اگر ان کے علاوہ کوئی اور اعلم ہوتا تو قرآن کی تفسیر میں ان پر بھروسہ کرنا ہوتا نہ ان حضرات پر ، کیونکہ اعلم کے ہوتے ہوئے غیر اعلم پر اعتماد کرنا قبیح ہے. لہذا جو شخص بھی اہلبیتؑ کے علاوہ کسی اور کی طرف قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں مراجعہ کرے گویا اس نے نا اہل کی طرف رجوع کیا اور اس کا جو نتیجہ ہوگا وہ واضح ہے۔

۶۔ فرمایا: ''قرآن کی تاویل ہم ظن و گمان سے نہیں جانتے قطع و یقین سے جانتے ہیں'' یہ اشارہ ہے اغیار کی جہالت اور اپنی اعلمیت و افضلیت کی طرف، کیونکہ قرآن کے حقائق کو یقین سے وہی جان سکتا ہے جو وارث علم رسولؐ ہو یا اس پر منجانب خدا الہام ہوتا ہو، اور اہلبیتؑ کے سوا سبھی ان دونوں سے محروم تھے۔

۷۔ فرمایا: ''ہماری اطاعت کرو کیونکہ ہماری اطاعت واجب ہے اور یہ خدا اور اس کے

رسول کی اطاعت سے ملی ہوئی ہے'' یہ جملہ کئی جہت سے اہلبیتؑ کی امامت اور اطاعت پر دلالت کرتا ہے جو صاحبان خرد پر پوشیدہ نہیں ہے۔

۸۔آپ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں اس آیت کی تلاوت فرمائی ''یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم '' جو اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی تھی لہذا مسلمانوں کے ذہنوں کو منحرف کرنے کے لئے مفسرین نے جو تاویلیں کی ہیں وہ سب کی سب غلط ہیں۔

۹۔خلافت کے لئے اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اس آیت کی بھی تلاوت فرمائی ''ولو ردوہ الی الرسول والی الاولی الامر منھم '' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ آیت کی طرح یہ آیت بھی اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی تھی، اور ''اولی الامر '' سے مراد اہلبیتؑ ہی ہیں۔

امام حسنؑ نے مختلف خطبوں میں اپنی حقانیت میں جن دلیلوں کو پیش کیا ہے ان میں ایک ''حدیث ثقلین'' بھی ہے، چنانچہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی نے ''ینابیع المودۃ'' باب ۹۰ میں اس خطبے کو بھی نقل کیا ہے، حضرتؑ نے خدا کی حمد وثنا اور اپنے جد محمد مصطفیؐ کی رسالت کے ذکر کے بعد فرمایا:

''ہم اہلبیت ہیں جنہیں خدا نے اسلام سے مکرم فرمایا اور ہمیں برگزیدہ اور منتخب کیا اور ہر رجس سے دور رکھا اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھا جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے اور جب لوگ خاندانوں میں بٹے تو خدا نے آدم سے لے

کر میرے جد محمدؐ تک بہترین خاندان میں ہمیں قرار دیا، جب خدا نے انہیں (پیغمبرؐ اسلام کو) نبی بنایا اور رسالت کے لئے ان کا انتخاب کیا اور ان پر اپنی کتاب نازل کی تو میرا باپ پہلا شخص تھا جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔

خداوند عالم نے اپنے نبی مرسل پر نازل کردہ کتاب میں ارشاد فرمایا: ''افمن کان علیٰ بینة من ربه و یتلوه شاہد منه'' پس میرے ہی جد خدا کی طرف سے ''بینة'' ہیں اور میرے ہی باپ جو ان کے بعد آئے ان کے گواہ اور شاہد ہیں۔

میرے جد نے میرے باپ کو جب موسم حج میں سورۂ برائت کی تبلیغ کے لئے مکہ بھیجنا چاہا تو فرمایا: اے علی اس سورۂ (برائت) کو تم لے کر جاؤ اس لئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اس سورہ کی تبلیغ یا خود میں کروں یا وہ جو مجھ سے ہے اور تم مجھ سے ہو، پس میرا باپ میرے نانا سے اور میرا نانا خدا سے ہیں۔

جب میرے نانا نے میرے باپ، میرے چچا جعفر اور ان کے غلام زید بن حارثہ کے درمیان جناب حمزہ کی بیٹی کے سلسلے میں فیصلہ کرنا چاہا تو میرے نانا نے ارشاد فرمایا: اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور تم ہی میرے بعد تمام مومنین و مومنات کے ولی ہو، ہمیشہ میرا باپ میرے نانا کی حفاظت کی خاطر سپر بنا رہتا تھا اعتماد و اطمینان کی وجہ سے میرے باپ ہی کو میرے نانا ہر جگہ بھیجتے تھے۔

ارشادالٰہی ہے "والسابقون السابقون اولئك المقربون" اور میرے ہی باپ نے خدااوررسولؐ پرایمان لانے میں سبقت کی اور خدااوررسولؐ کی نظر میں سب سے زیادہ مقرب آپ ہی تھے اوراس وقت سوائے خدیجہ کے کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا، اور جس طرح خدا نے سابقین کومتاخرین پرفضیلت دی ہے اسی طرح سابقین پراسبق السابقین کوفضیلت دی ہے۔ یہ آیت میرے ہی باپ کی شان میں نازل ہوئی ہے "اجعلتم سقاية الحاج و عمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الآخرة وجاهد فی سبيل الله"۔

دیگر بہت سے اصحاب کی طرح حمزہ اور جعفر بھی شہید ہوئے لیکن اللہ نے میرے نانا سے ان دونوں کی قرابت کی وجہ سے حمزہ کوسیدالشہداء کا درجہ دیا اور جعفر کودوبال وپرعطاکئے تاکہ ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کریں۔

شہدائے احد میں صرف حمزہ پرمیرے نانا نے ستر نمازیں پڑھی تھیں۔

خدا نے اپنے نبی کی بیویوں میں سے نیک اعمال کرنے والیوں کی دوگنی جزا معین کی اور برے اعمال انجام دینے والیوں کی دوگنی سزا، اور یہ امتیاز میرے نانا سے نسبت کی وجہ سے تھا۔

مسجدالحرام کوچھوڑکرساری مسجدوں کے درمیان مسجدالنبی میں پڑھی جانے والی ایک رکعت کوخدا نے ایک ہزار رکعتوں کے برابر قرار دیا اورایسا صرف میرے

نانا کے احترام میں کیا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی "یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" تو اصحاب نے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم کیسے آپ پر صلوٰۃ بھیجیں؟ آپ نے فرمایا: کہو "اللھم صل علی محمد و آل محمد" پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ میرے جد کے ساتھ ہم پر بھی صلوٰۃ بھیجے۔

خدا نے غنائم کا پانچواں حصہ اپنے رسول کے لئے حلال کیا اور اپنی کتاب میں اس (خمس) کو واجب قرار دیا، اور خدا نے جو اپنے نبی کے لئے واجب قرار دیا وہی ہم اہلبیت کے لئے بھی اور اپنے نبی پر بھی صدقہ حرام قرار دیا اور ہم پر بھی، پس خدا کا شکر کہ جن چیزوں سے اپنے نبی کو پاک ومنزہ رکھا ان ہی سے ہم کو بھی پاک ومنزہ رکھا، اور جو چیزیں اپنے نبی کے لئے حلال قرار دیں ان ہی کو ہمارے لئے حلال قرار دیں، جب کفارِ اہل کتاب نے کٹ حجتی کی تب خدا نے میرے نانا کو حکم دیا: "فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم و نسائنا ونسائکم وانفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین" اور میرے نانا "النفس" کی جگہ میرے باپ کو اور "بنین" کی جگہ مجھے اور میرے بھائی حسین کو اور "نساء" کی جگہ میری ماں کو اپنے ہمراہ مباہلہ کے لئے لے کر گئے تھے پس ہم ہی ان کے اہل، ان کے گوشت، ان کے خون اور ان کی جان ہیں، ہم ان (نبی) سے ہیں اور وہ ہم اہلبیت سے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی ''انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا'' تب میرے نانا نے حجرۂ ام سلمی میں مجھے ، میرے بھائی ، میری ماں اور میرے باپ کو چادر کے نیچے جمع کیا اور فرمایا: پروردگارا یہ ہیں میرے اہلبیت اور میرے خواص اوران سے ہر طرح کے رجس کو دور رکھ اوراس طرح انہیں پاک وپاکیزہ رکھ جو حق ہے رکھنے کا ام سلمی نے کہا: یا رسول اللہ میں بھی چادر میں داخل ہو جاؤں؟ فرمایا: تم اپنی جگہ کھڑی رہو، تم خیر پر ہو، یہ آیت صرف میرے اور میرے اہلبیت کے بارے میں ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی ''وأمر اهلك باالصلوٰة واصطبر علیها'' تو میرے نانا ہر روز طلوع فجر کے وقت آتے تھے اور فرماتے تھے : الصلوٰة یا اهل البیت یرحمکم الله انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا

جتنے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے سب کو میرے جد نے بند کروادیا تھا سوائے ہمارے دروازہ کے ، اور جب لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں تو فرمایا: اپنی طرف سے میں نے نہ تمہارے دروازے بند کئے ہیں نہ ہی علی کا دروازہ کھلا رکھا ہے ، مگر کیا کروں کہ میں پابند وحی ہوں تمہارے دروازے بند کرنے کا بھی حکم خدا نے دیا ہے اور در علی کے کھلے رہنے کا بھی حکم اسی نے دیا ہے۔

اس امت نے میرے نانا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب بھی کسی امت نے

اعلم کے ہوتے ہوئے اپنے امور کی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھ میں دی تو وہ پستی میں اس وقت تک گرتی رہی جب تک کہ اس نے اعلم کی طرف رجوع نہیں کرلیا، اور میرے باپ کے لئے آنحضرتؐ کو یہ کہتے سنا ہے ''انت بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي'' (یعنی اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا)

امت نے دیکھا اور سنا ہے کہ میرے نانا نے غدیر خم میں میرے باپ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''من كنت مولاه فعلي مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه'' پھر انہیں حکم دیا کہ جو حاضر ہیں وہ غائب کو اس کی اطلاع دیں۔

پھر حسن بن علی سلام اللہ علیہ نے فرمایا: لوگو! اگر تم ''جابقا'' اور ''جابرصا'' کے درمیان ایسے شخص کو تلاش کرنا چاہو گے جس کا نانا نبی اور اس کا باپ اس نبی کا وصی ہو تو میرے اور میرے بھائی کے علاوہ کسی اور کو نہیں پاؤ گے لہذا خدا سے ڈرو تا کہ گمراہ نہ ہوا ے لوگو! جن چیزوں سے خدا نے ہمیں نوازا ہے اور ہمارے جن فضائل کو خدا نے اپنی کتاب اور اپنے نبی کے ذریعے بیان کیا ہے اگر ان کو میں بیان کروں تو تم ان کو شمار نہیں کر سکتے، میں ہی ابن بشیر ہوں، میں ہی ابن نذیر ہوں اور میں ہی ابن سراج منیر ہوں کہ جس کو کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔

خدا کی قسم اگر لوگ ''ثقلین'' سے وابستہ رہتے تو قیامت تک وہ زمین و

آسمان کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے رہتے۔ارشادالٰہی ہے:"لو انهم اقاموا التوراة والانجيل ......" نیز فرمایا:"ولوان اهل القرىٰ آمنوا ...."ہم ہی خدااوراس کے رسول کی نظر میں بہترین مخلوق ہیں۔

اے لوگو! میری باتوں پر دھیان دو اوران کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلو اور تقوائے الٰہی اختیار کروتم حق کی طرف آنا تو چاہتے ہومگر طغیان اس راہ میں حائل ہے"

امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کرتے وقت اہلبیتؑ کی افضلیت پر دیگر ادلہ کے ساتھ "حدیث ثقلین" سے بھی احتجاج کیا تھا۔علامہ سبط ابن جوزی "تذکرۃ خواص الامۃ" میں لکھتے ہیں:

"جب معاویہ کوفہ آیا تو عمرو عاص نے اس سے حسن بن علی کو خطبہ دینے کے لئے کہا تاکہ آپ کی کوئی کمزوری پکڑے چنانچہ معاویہ نے ایسا ہی کیا اوراس کے کہنے پر حضرت رونق افروز منبر ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! خدا نے ہماری پہلی فرد سے تمہاری ہدایت کی اور ہماری آخری فرد سے تمہارے خون کی محافظت کی ہم ہی تمہارے نبی کے اہلبیت ہیں اور ہم ہی سے خدا نے ہر طرح کی پلیدگی کو دور رکھا اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھا جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق تھا،اور خداوند عالم نے اپنے نبی سے فرمایا:"ان ادری لعله فتنة لكم و متاع الى حين "(میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید یہ (تاخیر عذاب) تمہارے واسطے امتحان

ہواور ایک معین مدت تک تمہارے لئے چین ہو سورۂ انبیاء/۱۱۱) یہ سن کر چیخ مار مار کرلوگ رونے لگے، معاویہ نے عمرو عاص سے کہا دیکھا اپنے مشورے کا نتیجہ؟! معاویہ نے پھر (امام) حسن سے کہا اے ابو محمد اب بس کیجئے! اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ (امام حسنؑ) نے فرمایا: ہم ہیں خدا کے کامیاب گروہ، اس کے رسول کی پاک عترت اور اس کے طیب وطاہر اہلبیت اور ان دو ثقل میں سے ایک ہیں جنہیں رسولؐ خدا نے تم میں اپنا جانشین چھوڑا ہے، اور ہماری اطاعت خدا کی اطاعت سے ملی ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے "یاایہا الذین آمنوا اطیعوالله و اطیعواالرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی الله والرسول "معاویہ مجھے ایسے کام کی طرف دعوت دے رہا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ شرف، اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم اس سے جنگ کریں گے اور اگر ساتھ نہیں دو گے تو اس کی باتوں کو مان لیں گے، یہ سن کر ہر طرف سے آواز آنے لگی کچھ اور کہیں! کچھ اور کہیں!" (۱)

۲۵۔ عمرو عاص اور حدیث ثقلین

اہلسنت کی نظر میں اکابر صحابہ میں عمرو عاص کا شمار ہوتا ہے، عمرو عاص نے معاویہ کے نام اپنے خط میں حضرت علیؑ کی فضیلت میں "حدیث منزلت" "حدیث غدیر" "حدیث خیبر" "حدیث طیر" "حدیث علی امام البررہ" اور "حدیث علی ولیکم من بعدی" کے

۱۔ تذکرۃ خواص الامۃ ص ۱۹۸

ساتھ ''حدیث ثقلین'' بھی لکھی تھی کہ ان میں کی ہر حدیث حضرت علیؑ کی امامت وخلافت پر واضح دلیل ہے، معاویہ کے خط کے جواب میں عمرو عاص نے جو خط لکھا تھا اس کو خوارزمی نے اپنی ''المناقب'' میں یوں نقل کیا ہے۔

''معاویہ تمہارا خط ملا اور اس کو پڑھا، مگر جس چیز کی طرف تم نے مجھے دعوت دی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھوں اور گمراہی میں تمہاری ہمراہی کروں اور غلط کام میں تمہارا ساتھ دوں اور علی بن ابی طالب کے سامنے شمشیر لے کر نکل آؤں جب کہ وہ (حضرت علیؑ) رسول خدا کے بھائی، آپ کے وصی، آپ کے وارث، آپ کے قرض کو ادا کرنے والے، آپ کے وعدے کو پورا کرنے والے، آپ کی بیٹی جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں کے شوہر اور آپ کے نواسے حسن وحسین جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں کے باپ ہیں، اور تم نے اپنے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ عثمان کے تم خلیفہ ہو تو سچ لکھا ہے، لیکن اب تمہارا ان کی جانشینی سے معزول ہونا ثابت ہو گیا ہے اور تمہارے غیر کی؛ بیعت ہو گئی ہے اور تمہاری خلافت ختم ہو گئی ہے اور تم نے جو مجھے رسول خدا کا صحابی اور آنحضرت کے لشکر کا سردار کہا ہے تو میں تمہاری ان تعریفوں سے مغرور ہونے والا نہیں اور نہ ہی اپنے دین سے منحرف ہونے والا ہوں اور تم نے جو رسول خدا کے بھائی اور وصی ابوالحسن پر عثمان کے خلاف بغاوت اور حسد کا الزام لگایا ہے اور صحابیوں کو فاسق کہا ہے اور تمہارا خیال ہے کہ انہوں (علیؑ)

نے ان (صحابیوں) کو قتل عثمان پر اکسایا تھا، تو یہ سب کی سب گمراہ کرنے والی تمہاری باتیں ہیں، وائے ہو تم پر اے معاویہ! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ابوالحسن نے رسول خدا پر جان نثار کی اور ان کے بستر پر سو گئے؟ ان ہی نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی اور رسول خدا نے ان ہی کی شان میں فرمایا: ''ھو منی وانا منه و هو منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی'' (یعنی وہ (علیؑ) مجھ سے ہے اور میں اس (علیؑ) سے ہوں اس کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا) اور ان ہی کی شان میں رسول خدا نے غدیر خم میں ارشاد فرمایا: ''من کنت مولاه فعلی مولاه اللهم وال من والاه و عاد من عاداه و انصر من نصره و اخذل من خزله'' (یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اے خدا تو اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور تو اس کو دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے، تو اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے اور تو اس کو چھوڑ دے جو علی کو چھوڑ دے) ان ہی کی شان میں حضرت نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا: ''لاعطین الرایة غداً رجلاً یحب الله و رسوله ویحبه الله و رسوله'' (یعنی کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں) جب بھنا پرندہ آیا تو ان ہی کے بارے میں فرمایا: ''اللهم ائتنی باحب خلقك الیك ، فلما دخل

علیه قال والیّ والیّ ‘‘(یعنی خداونداس وقت اس شخص کو میرے پاس بھیج جو تیری تمام مخلوق میں تجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہو، جیسے ہی علیؑ حضرت کے پاس آئے فرمایا: علیؑ اور نزدیک آؤ، اور نزدیک آؤ) ان ہی کے بارے میں فرمایا: ’’علی امام البررہ وقاتل الفجرہ، منصور من نصرہ، مخذول من خزلہ، ‘‘(یعنی علیؑ نیک لوگوں کا پیشوا اور بدکاروں کا قاتل ہے، اس کی مدد کرنے والا منصور اور اس کو چھوڑنے والا مخذول ہے) ان ہی کی شان میں فرمایا: ’’علی ولیکم من بعدی ‘‘(یعنی میرے بعد علی تمہارا ولی ہے) حضرت ہی نے تجھ سے، مجھ سے اور سارے مسلمانوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ’’انی مخلف فیکم الثقلین کتا ب اللہ وعز وجل و عترتی ‘‘(یعنی میں تم میں ثقلین کو اپنا جانشین چھوڑے جا رہا ہوں ایک خدائے عزوجل کی کتاب اور دوسرے میری عترت) اور فرمایا: ’’انا مدینۃ العلم و علی بابھا ‘‘(یعنی میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے)

اے معاویہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ خدا نے جو آیتیں ان (علیؑ) کی فضیلت میں نازل کی ہیں ان میں کوئی شریک نہیں ہے جیسے یہ آیتیں ’’یوفون بالنذر‘‘ ’’انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلواۃ و یؤتو ن الزکوٰ ۃ و ھم راکعون ‘‘ ’’فمن کان علی بینۃ من ربہ و یتلوہ شاھد منہ ‘‘ ’’رجال صدقوا ما عاھدو

الـلـه علیه "اور خداوند عالم نے اپنے رسولؐ سے فرمایا:" قـل لا اسئلکم علیـه اجراً الا المودة فی القربی " اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (علیؑ) سے فرمایا:"امـا تـرضـی ان یـکـون سـلمک سلمی ، و حـربك حـربـی ، و تـکون اخی وولی فی الدنیا والآخرة ؟ یا ابالحسن ! من احبك فقد احبنی ومن ابغضك فقد ابغضنی و مـن احبك ادخـلـه الله الجنة و من ابغضك ادخله النار "(یعنی اے علیؑ کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہاری صلح میری صلح، تمہاری جنگ میری جنگ اور دنیا اور آخرت میں تم میرے بھائی اور ولی ہو؟ اے ابوالحسن جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے تجھ سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے عداوت رکھی اور جس نے تجھ سے محبت کی اس کو خدا جنت میں اور جو تجھ سے عداوت رکھے گا اس کو جہنم میں داخل کرے گا)

اے معاویہ تو نے میرے نام جو خط لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے، اور یہ ایسی باتیں نہیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی عقلمند یا دیانتدار دھوکا کھائے۔ والسلام"(۱)

۲۶۔ حسن بصری اور حدیث ثقلین

حسن بصری جو بزرگ تابعی اور اہلسنت کے عظیم المرتبت پیشواؤں میں سے ہیں، انہوں نے حدیث ثقلین کو حضرت علیؑ کی ان فضیلتوں کے ضمن میں بیان کیا ہے جن میں کی ہر ایک حضرت

۱۔ مناقب خوارزمی ص ۱۳۰۔ ۱۲۸

علیؑ کی خلافت پر واضح دلیل ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید ''شرح نہج البلاغہ'' میں لکھتے ہیں:

''واقدی کا کہنا ہے کہ کسی نے حسن (بصری) سے علیؑ کے بارے میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ ان کے بارے میں اچھے نظریئے کا اظہار نہیں کریں گے، سوال کیا، حسن بصری نے جواب دیا کہ میں اس ذات کے بارے میں کیا کہوں جس میں چار فضیلتیں جمع ہوگئی ہیں ا۔ سورۂ برائت کے پہونچانے میں رسولؐ خدا نے انہیں اپنا امین سمجھا ۲۔ وہ بات جو رسولؐ خدا نے ان کے بارے میں فرمائی (یعنی حدیث منزلت) پس اگر نبوت کے علاوہ کوئی چیز علی میں نہ ہوتی تو حضرت اس کو بھی مستثنیٰ کر دیتے ۳۔ رسول خدا نے کتاب خدا اور اپنی عترت کو دو ثقل کہا ہے ۴۔ حضرت نے کسی کو ان (علیؑ) کا امیر نہیں بنایا اور اگر کسی کو بنایا بھی تو ان کے علاوہ اوروں کو امیر بنایا''(۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسن بصری نے حضرت علیؑ کے فضائل میں سے چار فضیلتوں کو اہم سمجھا ہے: ا۔ ابلاغ سورۂ برائت میں حضرت کا آپ کو امین سمجھنا ۲۔ جنگ تبوک میں آپ کے بارے میں حضرت کا ''حدیث منزلت'' ارشاد فرمانا۔ اس کے بعد حسن بصری نے کہا کہ حضرت علیؑ میں نبوت کے علاوہ کوئی اور چیز نہ ہوتی تو حضرت ضرور اس کو بھی مستثنیٰ کرتے (اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ میں نبوت کے علاوہ آنحضرت کے سارے فضائل موجود تھے) ۳۔ حدیث ثقلین کا بیان کرنا ۴۔ حضرت علیؑ پر کسی کا امیر نہ ہونا۔

ظاہری بات ہے کہ حضرت کا ابوبکر کو سورۂ برائت پہونچانے سے روکنا اور اس ذمہ

ا۔ شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۹۵

داری کو حضرت علیؑ کی سپرد کرنا حضرت علیؑ کی خلافت کو ثابت اوراوروں کی خلافت کو باطل کر
ہے، اس بات کو میرے والد ماجد (مفتی محمد قلی) احلہ اللہ دارالسلام نے ''تشئید
المطاعن ''میں اور میں نے ''عبقات الانوار'' حدیث منزلت میں تفصیل سے بیان کر
ہے، اسی طرح آنحضرتؐ کا کسی کو حضرت علیؑ کا امیر نہ بنانا اوراوروں پر دوسروں کو امیر بنانا
آپ کی امارت وخلافت پر بہترین دلیل ہے، حسن بصری نے حضرت علیؑ کی امامت پر
مذکورہ دلائل کے علاوہ ''حدیث ثقلین'' سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر بہت سے ادلہ میں سے یہ تھے چند دلائل جنہیں رسولؐ
خدا کی متواتر اور قطعی الصدور حدیث ''حدیث ثقلین'' کی روشنی میں پیش کیا ہے، اور یہی شا
صاحب (مؤلف تحفہ) کے اس بیان کے غلط ہونے کے لئے کافی ہے کہ ''حدیث ثقلین
امامت سے کوئی ربط نہیں ہے'' جب کہ ''حدیث ثقلین'' کا ربط امامت ہی سے ہے۔

حدیث ثقلین کی معارض پیش کی جانے والی حدیثوں کی حقیقت

پہلی معارض حدیث کا جواب

مخاطب (مؤلف تحفہ) نے کہا ہے "اگر ہم آپ کی بات مان لیں تو یہ حدیث بھی تو صحیح ہے: علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی، تمسکوا بها و عضوا علیها با النواجذ"

میں (حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ حدیث ثقلین کے مقابلے میں پیش کی جانے والی مذکورہ حدیث درج ذیل وجوہات کی بناء پر لغو اور باطل ہے۔

ا۔ یہ حدیث صرف اہلسنت کی ہے لہذا کتنی ہی یہ حدیث صحیح ہو، شیعوں کے مقابلے میں اس سے احتجاج و استدلال کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے، اس بنا پر مخاطب کا اس حدیث کو پیش کرنا آداب مناظرہ کے خلاف ہے (کیونکہ مناظرے میں وہ چیزیں پیش کی جاتی ہیں جنہیں فریقین تسلیم کریں)

۲۔ مخاطب نے اپنے اس احتجاج و استدلال میں خود اپنے ہی وعدے کی خلاف ورزی کی ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی اسی "تحفۂ اثناعشری" کے شروع میں لکھا ہے: "اس رسالے میں میں نے عہد کیا ہے کہ اس میں شیعوں کی صرف معتبر کتابوں سے ان کی باتیں نقل

کروں........"اس کے علاوہ اسی کتاب میں اور جگہوں پر بھی اسی بات کی انہوں نے تکرار کی ہے۔لہذا مذکورہ روایت سے حدیث ثقلین کے ہوتے ہوئے تمسک کرنا صحیح نہیں ہے، اوران کا ایسا کرنا خود اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرنا ہے۔

۳۔مخاطب نے اس حدیث سے احتجاج کر کے خود اپنے والد کی بات کی مخالفت کی ہے جس کو انہوں نے اپنی کتاب "قرۃ العینین" میں کہی ہے، مخاطب کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:"میں نے اس رسالے میں امامیہ اور زیدیہ کا جواب نہیں دیا ہے کیونکہ ان کا جواب "صحیحین" (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کی حدیثوں سے نہیں دیا جاسکتا ہے"تو جب شاہ ولی اللہ دہلوی کی نظر میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود حدیثوں کے ذریعے شیعوں کی باتوں کو رد نہیں کیا جاسکتا ہے،تو پھر کس طرح اس حدیث"علیکم بسنتی ....." سے استدلال کیا جا سکتا ہے جو نہ صحیح بخاری میں ہے اور نہ ہی صحیح مسلم میں اور وہ بھی "حدیث ثقلین" کے مقابلے میں؟!

۴۔مخاطب کے شاگرد، رشید الدین خان دہلوی اپنی کتاب "شوکت عمریہ" میں لکھتے ہیں:"بعض اوقات ایک فرقہ کی روایت خود اس کیلئے معتبر ہوتی ہے جب کہ وہی روایت دوسرے فرقے کی نظر میں غیر معتبر،اسی وجہ سے ہر فرقہ اپنی روایتوں کو صحیح اور دوسرے فرقوں کی روایتوں کو ضعیف مانتا ہے"جب ایسا ہے تو شیعوں کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ بھی مخالفین کی روایتوں کو لائق عمل نہ مانیں، خاص طور سے وہ روایتیں جنہیں تعمیری مقاصد کے بجائے تخریبی مقاصد کے لئے پیش کی جائے۔

۵۔ "علیکم بسنتی و سنة الخلفا ...." ایسی حدیث ہے جس کو بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں نقل نہیں کیا ہے اور بہت سے بزرگ علمائے اہلسنت کی نظر میں ان دونوں کا کسی حدیث کو نقل نہ کرنا اس کے ضعیف ہونے کی علامت ہے، ان علماء کی عبارتوں کو میں نے (عبقات الانوار) حدیث طیر میں "حدیث اقتداء" کی رد میں پیش کیا ہے، پس کس طرح مخاطب نے اس حدیث کو "حدیث ثقلین" کی رد میں پیش کر دیا؟!

۶۔ اگر کوئی محقق، حدیث "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء ....." کے سلسلۂ سند پر غور کرے گا تو وہ اس نتیجے پر پہونچے گا کہ محدثین و ناقدین اہلسنت اور رجال حدیث کی نظر میں اس حدیث کے اکثر راوی ضعیف ہیں لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ پہلے ہم "سنن ابوداؤد"، "سنن ترمذی" اور "سنن ابن ماجہ" سے روایت نقل کر رہے ہیں اور پھر اس کے راویوں کے اصل چہرے پیش کریں گے۔

حدیث اور اس کے روّات

ابوداؤد اپنی "سنن" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے احمد بن حنبل نے بیان کیا انہوں نے ولید بن مسلم سے انہوں نے ثور بن یزید سے انہوں نے خالد بن معدان سے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن عمرو اور حجر بن حجر سے روایت کی ہے، ان دونوں کا کہنا ہے کہ ہم عرباض بن ساریہ (جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم علیه) کے

پاس آئے اور ان کو سلام کیا اور کہا: ہم تم سے ملنے آئے ہیں اور پھر ہم پلٹ جائیں گے چاہتے ہیں کہ تم سے کچھ استفادہ کریں، عرباض نے کہا: ایک دن رسول خدا نے نماز کے بعد ہم لوگوں کی طرف رخ کیا اور ایسا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا کہ سب کی آنکھیں اشکبار اور دل پر خوف خدا طاری ہو گیا۔ کسی نے کہا یا رسولؐ اللہ یہ آپ کا آخری خطبہ ہے آپ ہم سے کس چیز کا عہد لینا چاہتے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا: تمہیں تقوائے الٰہی، اچھی باتوں کے سننے اور اس کی اطاعت کی سفارش کرتا ہوں خواہ وہ بات کسی حبشی غلام کی زبان ہی سے کیوں نہ جاری ہو، اس لئے کہ میرے بعد بہت سارے اختلافات سر اٹھائیں گے لہذا ''فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها و عضوعليها با لنواجذ'' (یعنی تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا، ان سے وابستہ رہنا اور ان کے دامن کو مضبوطی سے اپنے دانتوں سے پکڑے رہنا) نئی چیزوں سے پرہیز کرنا کیونکہ ہر نئی چیز بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے'' (۱)

ترمذی اپنی ''سنن'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے علی بن حجر نے بیان کیا انہوں نے بقیہ بن ولید سے انہوں نے بجیر بن سعید سے انہوں نے خالد بن معدان سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی

۱۔ سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۸۰

سے اور انہوں نے عرباض بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسولؐ خدا نے نماز کے بعد موعظہ بیان کیا....(ترمذی نے روایت سنن ابو داؤد ہی کے لفظوں کا اعادہ کیا ہے) نقل حدیث کے بعد ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور ثور بن یزید نے خالد بن معدان سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی سے انہوں نے عرباض بن ساریہ سے اور انہوں نے رسولؐ خدا سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ اور ایسی ہی حدیث کو ہم سے حسن بن علی خلال اور دیگر افراد نے بیان کیا اور ان سب نے ابو عاصم سے انہوں نے ثور بن یزید سے انہوں نے خالد بن معدان سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی سے انہوں نے عرباض بن ساریہ سے اور انہوں نے رسولؐ خدا سے روایت کی ہے اور عرباض بن ساریہ کی کنیت ابو نجیح تھی، اور اسی طرح کی حدیث کی حجر بن حجر نے عرباض بن ساریہ سے اور انہوں نے رسولؐ خدا سے روایت کی ہے" (۱)

ابن ماجہ اپنی "سنن" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے عبداللہ بن احمد بن بشر بن ذکوان دمشقی نے بیان کیا انہوں نے ولید بن مسلم سے انہوں نے عبداللہ بن علاء یعنی ابن زبر سے اور انہوں نے یحییٰ بن ابی المطاع سے روایت کی ہے، یحییٰ کا کہنا ہے کہ عرباض بن ساریہ کو کہتے ہوئے سنا کہ "ایک دن رسول خداؐ نے نماز کے بعد موعظہ ارشاد فرمایا....." (

۱۔ صحیح ترمذی ج ۵ ص ۴۴

گزشتہ روایتوں کے الفاظ کا اعادہ ہے) پھر اسی روایت کو ابن ماجہ اس سند سے نقل کرتے ہیں: ہم سے اسماعیل بن بشیر بن منصور اور اسحاق بن ابراہیم سواق نے بیان کیا انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے انہوں نے معاویہ بن صالح سے انہوں نے ضمرہ بن حبیب سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی سے اور انہوں نے عرباض بن ساریہ سے سنا کہ ایک دن رسولؐ خدا نے نماز کے بعد موعظہ ارشاد فرمایا...(گزشتہ روایت کے الفاظ کا اعادہ ہے) نیز ابن ماجہ لکھتے ہیں: ہم سے یحییٰ بن حکیم نے بیان کیا انہوں نے عبدالملک بن صباح مسمعی سے انہوں نے ثور بن یزید سے انہوں نے خالد بن معدان سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن عمرو سے اور انہوں نے عرباض بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے نماز صبح ادا کی اور پھر فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا......''(۱) (گزشتہ الفاظ روایت کا اعادہ ہے)

راویانِ حدیث پر ایک نظر

رجال کی کتابوں کا جو شخص بھی مطالعہ کرے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ مذکورہ حدیث کے اکثر راوی ضعیف ہیں ملاحظہ کیجئے۔

الف۔ عرباض بن ساریہ

یہ وہ صحابی ہیں جن کی طرف مذکورہ حدیث کی بازگشت ہوتی ہے اور ان کے جھوٹے ہو

۱۔ سنن ابن ماجہ ج۱ ص ۱۷۔ ۱۵ باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین

نے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے کو" ربع اسلام" (اسلام کا چوتھائی) کہا ہے، جب کہ اس کا حقیقت سے کوئی ربط نہیں ہے اور اسلام قبول کرنے میں پہل کرنے والوں سے متعلق لکھی جانے والی اہلسنت کی کتابیں ان کی بات کے بے بنیاد ہونے کے لئے کافی ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ عمرو بن عبسہ نے بھی اپنے کو" ربع اسلام" سے تعبیر کیا ہے، اسی وجہ سے محمد بن عوف نے کہا ہے" مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں (عرباض اور عمرو بن عبسہ) میں کس نے پہلے اسلام قبول کیا" گویا ان دونوں میں سے ہر ایک کا" ربع اسلام " کا دعویٰ دوسرے کے دعوے کی تکذیب ہے۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"محمد بن عوف کا کہنا ہے کہ عرباض بن ساریہ اور عمرو بن عبسہ دونوں کہتے تھے کہ میں ربع اسلام (اسلام کا چوتھائی) ہوں، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں میں کون پہلے مسلمان ہوا" (۱)

عرباض کے جھوٹے ہونے کو جو باتیں ثابت کرتی ہیں ان میں ایک ان کا یہ کہنا ہے کہ "عقبہ مجھ سے بہتر ہیں وہ مجھ سے ایک سال پہلے پیغمبرؐ کی خدمت میں گئے تھے"

ابن اثیر اور ابن حجر" عتبہ بن عبد" کے شرح حال میں لکھتے ہیں: عبارت ابن اثیر کی ہے۔

"ہم سے ابو یاسر بن ھبۃ اللہ نے اپنی اسناد سے عبداللہ بن احمد کے حوالے

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۷۴

سے بیان کیا ہے، عبداللہ کا کہنا ہے کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا انہوں نے حکم بن نافع سے انہوں نے اسماعیل بن عیاش سے انہوں نے ضمضم بن زرعہ سے اور انہوں نے شریح بن عبد سے روایت کی ہے کہ عتبہ کہتے تھے: عرباض مجھ سے بہتر ہیں اور عرباض کہتے تھے کہ عتبہ مجھ سے بہتر کیونکہ وہ مجھ سے ایک سال پہلے رسول خداؐ کے حضور میں گئے تھے'' (۱)

واضح رہے کہ عرباض کی یہ بات ''میں ربع اسلام ہوں'' اگر صحیح ہو تو عتبہ بن عبد جو عرباض کے بقول ان سے ایک سال قبل مسلمان ہوئے تھے ''ثلث اسلام'' (اسلام کا ایک تہائی) ہوں گے!! جب کہ اس بات کی جہاں بہت سی حدیثیں تکذیب کرتی ہیں، کسی نے بھی ان کو ''ثلث اسلام'' سے یاد نہیں کیا ہے۔ لہذا عرباض کا یہ کہنا کہ میں ''ربع اسلام'' ہوں، لغو ہے۔

عرباض کی غلط بیانی کو جو چیزیں ثابت کرتی ہیں ان میں ایک خود عتبہ بن عبد کا بیان ہے جس کو ابن اثیر نے یوں نقل کیا ہے:

''اسماعیل بن عیاش نے ضمضم بن زرعہ سے اور انہوں نے شریح بن عبد سے روایت کی ہے، عتبہ بن عبد سلمی کا کہنا ہے کہ جب بھی کوئی شخص رسولؐ خدا کی خدمت میں آتا تھا اور آپ کو اس کا نام اچھا نہیں لگتا تھا تو آپ اس کا نام بدل دیتے تھے، حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے والے بنی سلیم سے ہم سات

۱۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۶۲، الاصابہ ج ۲ ص ۴۴۷

آدمی تھے ہم میں سب سے بڑے عرباض بن ساریہ تھے ہم سبھی نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی'' (۱)

اس روایت نے جہاں ان کے اس دعوے کو غلط ثابت کیا کہ ''میں ربع اسلام'' ہوں وہیں عتبہ کے بارے میں ان کی یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی کہ ''عتبہ مجھ سے بہتر ہیں وہ مجھ سے ایک سال پہلے پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے''

ب۔عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی

یہ حدیثِ عرباض کے پہلے راوی ہیں اور ابن قطان کے بقول مجہول اور ناشناختہ ہیں تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

ج۔حجر بن حجر

یہ حدیثِ عرباض کے دوسرے راوی ہیں ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حجر بن حجر کلاعی سے صرف خالد بن معدان نے ایک آدمی کے ہمراہ حدیث عرباض کی روایت کی ہے، کسی اور نے ان سے حدیث نقل نہیں کی ہے'' (۲)

حدیث عرباض سے مراد یہی حدیث (علیکم بسنتی ......) ہے جس پر ہم جرح و بحث کر رہے ہیں اور ذہبی کے بقول خالد بن معدان نے حجر بن حجر کے ساتھ جس دوسرے شخص سے روایت کی ہے وہ عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی ہیں جن کے ضعیف ہونے کو ابھی

۱۔اسد الغابہ ج۳ص ۴۶۲ ۲۔میزان الاعتدال ج۱ص ۴۶۶

ہم نے بیان کیا ہے اور آئندہ بھی بیان کریں گے۔

ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ابن قطان کے بقول یہ مجہول الحال ہیں''(۱)

حجر بن حجر کی بات اس لئے بھی قابل اعتماد نہیں ہے کہ وہ ''حمص'' کے رہنے والے تھے اور حضرت علیؑ کے ساتھ حمصیوں کی دشمنی مشہور ہے۔ اس بات کو ہم نے عبقات الانوار ''حديث مدينة العلم'' میں تفصیل سے ثابت کیا۔

د۔ خالد بن معدان

ان کے غیر معتبر ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ''حمص'' کے رہنے والے تھے، جیسا کہ ابن حجر ''تہذیب التہذیب'' میں لکھتے ہیں: ''ابو عبداللہ خالد بن معدان بن ابی کریب شامی حمصی''(۲) اور حمصیوں کے ناصبی اور دشمن علیؑ ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس بات کو ''حدیث مدینۃ'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور پھر جو یزید بن معاویہ کا ہمنشین اور اس کی پولس کا انچارج ہو اس کے دشمن اہلبیت ہونے میں کیسے شک کیا جاسکتا ہے، چنانچہ طبری لکھتے ہیں:

''حارث نے حجاج سے انہوں نے ابو جعفر حمدانی سے اور انہوں نے محمد بن داؤد سے روایت کی ہے، ابن داؤد کا کہنا ہے کہ میں نے عیسی بن یونس کو کہتے ہوئے سنا کہ خالد بن معدان، یزید بن معاویہ کی پولس کا انچارج تھا اور نقل

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۱۴ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۸

روایت وحدیث میں وہ بھروسے کے لائق ہے (۱)

عیسی ابن یونس کا خالد کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نقل روایت میں قابل اطمینان اور بھروسے کے لائق ہیں، غلط ہے کس طرح وہ شخص لائق اعتبار ہوسکتا ہے جو یزید جیسے زندیق و ملحد کی پولس کا انچارج ہو۔

۵۔ثور بن یزید

مذکورہ حدیث کی انہوں نے خالد بن معدان سے روایت کی ہے اور وہ بھی بھروسے کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ یہ ''حمص'' کے رہنے والے تھے جیسا کہ ذہبی نے کہا ہے ''ابو خالد ثور بن یزید حمصی'' (۲) اور اہلسنت کے نزدیک حضرت علیؑ کے ساتھ حمصیوں کی دشمنی مشہور ہے ، اور یہ خود حضرت علیؑ کا نام سنتے ہی چراغ پا ہو جاتے تھے اور آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جس نے میرے جد کو قتل کیا اس کو میں دوست نہیں رکھ سکتا، چنانچہ ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں لکھتے ہیں:

''اس کا دادا جنگ صفین میں (حضرت علیؑ کے ہاتھوں) مارا گیا تھا اسی وجہ سے جب ثور کے سامنے علیؑ کا نام آتا تھا تو وہ کہتا کہ جس نے میرے جد (عباس دوری) کو قتل کیا اس کو دوست نہیں رکھ سکتا''

نیز اس لئے بھی یہ قابل اعتماد نہیں ہیں کہ ان کے یہاں دشمنان علیؑ کی رفت وآمد رہتی تھی اور وہ لوگ حضرت علیؑ کو ناسزا کہتے تھے مگر یہ ان کو منع نہیں کرتے تھے، چنانچہ

۱۔طبری کی ذیل المذیل ۲۔میزان الاعتدال ج۱ص ۳۷۴

''عسقلانی'' اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ازھر حرازی، اسد و داعہ اور ایک جماعت اکھٹا ہو کر علی کی شان میں نازیبا کلمات کہتے تھے اور جب ثور کچھ نہیں کہتے تھے تو وہ ان کے پیر کھینچتے تھے'' (۱)

ثور پر ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ ''قدری'' تھے ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ وہ ''قدری'' تھے، حمص کے رہنے والوں نے انہیں شہر بدر کر دیا تھا، ابو مسہر نے عبداللہ بن سالم سے نقل کیا ہے کہ اہل حمص کو دیکھا کہ وہ ثور کو شہر سے بھگا کر اس کے گھر کو نذر آتش کر رہے ہیں کیونکہ اس نے ''قدر'' کے بارے میں اپنے عقیدے کا اظہار کیا تھا''

ابن حجر ''تہذیب التہذیب'' میں اسی بات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ابن معین کا کہنا ہے کہ ''مکحول'' قدری مسلک کا تھا مگر بعد میں اس عقیدے سے پھر گیا تھا، لیکن ''ثور بن یزید'' قدری مذہب پر رہا''

عینی، صحیح بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں حدیث ''ما اکل احد طعاماً قط .....'' کی تشریح میں اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ''ثور'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''وہ قدری مسلک کا تھا'' (۲)

اسی طرح صفی خزرجی نے ''تذھیب تہذیب الکمال'' میں ان کے شرح حال میں لکھا

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴ ۲۔ عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۸۷

ہے:

''احمد کا بیان ہے کہ وہ قدری عقیدے کا حامل تھا اسی وجہ سے ناقدین نے اس کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے'' (۱)

ان پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ''مالک'' نے جو اہلسنت کے چار اماموں میں سے ایک ہیں، ان کی مذمت کی ہے، ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''جب وہ مدینہ آئے تو (امام) مالک نے لوگوں کو ان کی ہمنشینی سے منع کر دیا اور ان کی کوئی روایت نہ مالک کی کتاب ''الموطا'' میں ہے نہ ''صحاح ستہ'' میں اور نہ ہی دار قطنی کی ''غرائب مالک'' میں۔ نہیں معلوم ان ساری مذمتوں کے باوجود کس طرح ان کی روایت نقل ہوگئی'' (۲)

آئمہ اہلسنت کے مشہور امام ''اوزاعی'' ان کے بارے میں اچھا نظریہ نہیں رکھتے تھے اور ان کی ہجو کیا کرتے تھے، ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں ثور کے حالات لکھتے ہیں۔

سلمۃ بن معیار کا بیان ہے کہ ثور، ابن اسحاق اور زرعہ بن ابراہیم کو ''اوزاعی'' برا کہتے تھے'' (۳)

ابن حجر لکھتے ہیں:

''ابو مسہر وغیرہ کا کہنا ہے کہ ثور پر اوزاعی اعتراض اور ان کی ہجو کرتے تھے'' (۴)

۱۔ خلاصۃ تذھیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۴
۲۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴
۳۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۷۴
۴۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴

ثور کے غیر معتبر ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اہلسنت کے مشہور امام عبداللہ بن مبارک طلاب علوم دینی کو ان کے پاس جانے سے روکتے تھے اور ان کو ''فاسد العقیدہ'' کہتے تھے ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں لکھتے ہیں:

''نعیم بن حماد کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے کہا:

ایها الطالب علماً ائت حماد بن زید

فاطلبن العلم منه ثم قیده بقید

لا کثور و کجهم و کعمرو بن عبید''

یعنی اے طالبان علم اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہے تو حماد بن زید کے پاس جاؤ اور جو کہیں انہیں لکھ لو، ثور، جہم اور عمرو بن عبید جیسوں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ابن حجر ''تہذیب التہذیب'' میں یحییٰ قطان سے جو اکابر علمائے اہلسنت میں سے ہیں نقل کرتے ہیں کہ:

''عبداللہ بن احمد نے اپنے والد سے اور انہوں نے یحییٰ قطان سے نقل کیا ہے کہ جب ثور مجھ (یحییٰ قطان) سے کسی ایسے کی حدیث نقل کرتے تھے جسے میں نہیں پہچانتا تھا تو میں ان سے پوچھتا تھا کہ یہ حدیث تم سے بڑے کی ہے یا چھوٹے کی، اگر وہ اس کو اپنے سے بڑا بتاتے تھے تو میں لکھتا تھا لیکن اگر کہا کہ وہ (راوی) مجھ سے چھوٹا ہے تو اس کی حدیث نقل نہیں کرتا تھا''

گویا ثور کی روایت اگر ان کے چھوٹے کی ہوتی تھی تو اس کو یحییٰ قطان اعتبار کے لائق

نہیں جانتے تھے۔''

و۔ ولید بن مسلم

انہوں نے ثور سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور یہ ابو داؤد کے سلسلۂ سند میں ہیں اور یہ بھی اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ دوسروں کی طرف حدیث کی غلط نسبت دیتا تھا اور اکثر جھوٹوں سے نقل روایت کرتا تھا (۱)''

ذہبی ''میزان الاعتدال'' ہی میں ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

''ابو عبداللہ آجری کا کہنا ہے کہ میں نے ابو داؤد سے صدقہ بن خالد کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے جواب دیا وہ ولید بن مسلم سے ''اثبت'' ہیں، کیونکہ ولید نے مالک سے دس ایسی حدیثوں کی روایت کی ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے، ان ہی احادیث میں نافع کی چار حدیثیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی منکر ترین حدیث حفظ قرآن کے متعلق ہے جس کی ترمذی نے روایت کی ہے اور ان ہی کی یہ حدیث ہے جس کی انہوں نے ابولہیعہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن جعفر سے انہوں نے عبداللہ بن ابو قیادہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: جو شخص کسی کی عدم موجودگی میں اس کے بستر پر بیٹھے قیامت کے دن خدا اس کے لئے دو اژدھے خلق کرے گا، اس

۱۔ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۳۴۷

حدیث کوابو حاتم نے غلط بتایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ولید کہے''ابن جریج''یا ''اوزاعی'' سے مروی ہے تو قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ جھوٹوں سے نقل کرتے تھےلیکن اگر کہے ''حدثنا ''(ہم سے بیان کیا) تو وہ حجت ہے۔ابومسہر کا بیان ہے کہ ولید، حدیث اوزاعی کوابن السفر ہ سے لیتا تھااور ابن السفر ہ کذاب تھا۔اور وہ اوزاعی کی طرف حدیث کی نسبت دیتا تھا، صالح جزرہ کا کہنا ہے کہ میں نے ہشیم بن خارجہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ولید بن مسلم سے کہا کہ تم نے اوزاعی کی حدیث کوغیر معتبر بتایا ہے!ولید نے کہا کس طرح ؟ میں نے کہا تم نافع ،زہری اور یحییٰ کی روایت کوان سے نقل کرتے ہو جب کہ دوسرے اوزاعی اور نافع کے درمیان اوراوزاعی اور زہری کے وسط میں''قرہ'' کو لاتے ہیں،تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ جواب دیا ہم اس طرح اوزاعی کو بزرگ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایسوں سے روایت کرتے ہیں، میں نے کہا کہ جن کی روایتوں کوتم اوزاعی کے توسط سے نقل کرتے ہو وہ سب کے سب ضعیف ہیں ، اس طرح اوزاعی بھی ضعیف کہلائیں گے؟اس کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔''

ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب،، میں ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

''اسماعیلی کا بیان ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن احمد (بن حنبل) نے اپنے والد سے نقل کیا کہ ولید مرفوع حدیثوں کوزیادہ نقل کرتا تھا.احمد مروزی کا بیان ہے کہ ولید سے غلطیاں بہت زیادہ ہوتی تھیں ،حنبل نے ابن معین سے نقل کیا کہ

انھوں نے ابومسہر سے سنا کہ حدیث اوزاعی کو ابن السفر ہ سے لیتا تھا اور ابن السفر ہ کذّاب (بہت جھوٹ بولنے والا) تھا مؤمل بن اھاب نے ابومسہر سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مسلم حدیث اوزاعی کو دروغگو یوں سے لیتا تھا اور اس حدیث کو بغیر کسی واسطے کے اوزاعی کی طرف نسبت دیتا تھا، اور ہشیم بن خارجہ سے سنا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔(ان کی عبارت چند سطر قبل میزان الاعتدال سے نقل کی ہے) دارقطنی کا بیان ہے کہ ولید مرسل روایتوں کو نقل کرتا تھا اور اوزاعی سے ان حدیثوں کی روایت کرتا تھا جنہیں اوزاعی نے ضعیف شیوخ سے ملاقات کے دوران حاصل کیا تھا۔ اور یہ (ولید) ان ضعفاء کے ناموں کو حذف کر کے اوزاعی کے توسط سے نافع اور عطا سے نقل کرتا تھا،،

ابن حجر ''تہذیب،، میں ان ہی کے حالات میں لکھتے ہیں:

''آجری کا کہنا ہے کہ میں نے ابوداؤد سے صدقہ بن خالد کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ولید سے ''اثبت،، ہے، ولید نے مالک سے دس حدیثیں نقل کیں مگر ان میں کسی ایک کا بھی حقیقت سے کوئی ربط نہیں ہے ان میں چار حدیثیں نافع سے نقل کی ہیں۔ ان باتوں کو صدقہ بن خالد کے شرح حال میں بیان کیا ہے۔ مہنا کا کہنا ہے کہ احمد سے ولید کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ولید نے سنی اور نہ سنی ہوئی حدیثوں کو مخلوط کر دیا تھا، اس کے پاس منکر حدیثیں بھی تھیں ان ہی میں عمرو بن عاص کی یہ حدیث ہے کہ ''ہمارے

دین کو ہم پر چھپاؤ نہیں،، جب کہ اس سلسلے میں رسولؐ خدا کی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ،اور عبداللہ بن احمد (بن حنبل) کا کہنا ہے کہ میرے باپ سے ولید کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ مرفوع حدیثوں کو بہت نقل کرتا تھا،،(۱)

ز۔ابو عاصم

انہوں نے ثور سے مذکورہ حدیث کی روایت کی ہے اور یہ ترمذی کے سلسلۂ سند میں ہیں اوران کا بھی دامن داغدار ہے ۔کیونکہ ان پر یحییٰ بن سعید قطان نے جو اکابر علمائے اہلسنت میں سے ہیں سخت تنقید کی ہے اوراس کو علامہ ذہبی نے یوں بیان کیا ہے۔

''نباتی کا بیان ہے کہ ابو عاصم سے جب کہا گیا کہ یحییٰ بن سعید تم پر نکتہ چینی کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر میرا نام درمیان میں نہ آئے تو میں نہ زندہ ہوں اور نہ ہی مردہ (۲)

ح۔حسن بن علی خلال حلوانی

انہوں نے اس حدیث کوابو عاصم سے نقل کیا ہے اور یہ ''ترمذی'' کے سلسلۂ سند میں ہیں اور یہ بھی نقد وتنقید سے نہیں بچ پائے ہیں۔ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''یہ راویوں کی شناخت رکھتے تھے مگراس کو عملی جامہ نہیں پہناتے تھے نیز

۱۔تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۱۵۴ ۲۔میزان الاعتدال ج ۲ص ۳۲۵

کہتے ہیں کہ یہ راویوں کے بارے میں اپنی نظر نہیں دیتے تھے''(۱)

ابن حجر عسقلانی ''تہذیب'' میں ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

''داؤد بن حسین بیہقی کا کہنا ہے کہ حلوانی کے متعلق مجھے خبر ملی کہ وہ قرآن کے بارے میں توقف کرنے والے کو کافر نہیں سمجھتے تھے، داؤد کا بیان ہے کہ میں نے سلمہ بن شبیب سے حلوانی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا اس کو کوڑے میں ڈال دینا چاہئے، جو کافر کے کفر پر گواہی نہ دے وہ کافر ہے۔ امام احمد کا کہنا ہے کہ میں انہیں طالب حدیث نہیں کہتا ہوں کیونکہ وہ نہ تو حدیثوں کے حصول میں تگ ودو کرتے تھے نہ ہی ان کی ستائش کرتے تھے، پھر احمد نے کہا کہ ان کے بارے میں کچھ ایسی باتیں سنیں جن سے کوفت ہوئی ہے اور ایک مرتبہ احمد نے کہا کہ ان سے سرحد کے لوگ خوش نہیں ہیں''

ط۔ بحیر بن سعید

خالد بن معدان سے اس حدیث کے یہ دوسرے راوی ہیں اور ترمذی کے سلسلۂ سند میں ہیں اور ان کے غیر معتبر ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وہ ''حمص'' کے رہنے والے تھے اور حضرت علیؑ کے ساتھ حمصیوں کی دشمنی اظہر من الشمس ہے جیسا کہ اس کا ثبوت گزشتہ صفحات میں دیا گیا ہے، ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''ابو خالد بحیر بن سعید حمصی نے خالد بن معدان اور مکحول سے اور بحیر سے

۱۔ تہذیب التہذیب ج۲ ص ۳۰۲

sabeelesakina@gmail.com 03333589401

اسماعیل بن عیاش، بقیہ بن ولید، ثور بن یزید (یہ سب ان کے ہم عصر اور ہم ردیف تھے) اور معاویہ بن صالح وغیرہ نے روایت کی ہے" (۱)

صفی خزرجی نے بھی "مختصر تذھیب تہذیب الکمال" ج ۱ ص ۱۴۲ پر ایسی باتیں لکھی ہیں۔

ی۔ بقیہ (۲) بن ولید

مذکورہ حدیث کی انہوں نے بحیر بن سعید سے روایت کی ہے اور یہ ترمذی کے سلسلۂ سند میں ہیں اور یہ اعتبار کے کسی خانے میں نہیں آتے ہیں، معتبر ناقدین حدیث نے ان کی بھرپور مذمت کی ہے، ان کے غیر معتبر ہونے کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ "حمصی" ہیں چہ جائیکہ معتبر ناقدین نے ان کے بہت سے معایب بیان کئے ہیں۔ ابن جوزی لکھتے ہیں:

"میں نے کہا ہے کہ بقیہ (بن ولید) مجہول الحال اور ضعیف لوگوں سے روایت کرتا تھا اور وہ ایسا بھی کرتا تھا کہ ان ضعفاء کے نام حذف کر کے ان لوگوں سے اس حدیث کو منسوب کرتا تھا جن سے روایتیں لی جاتی ہیں"۔ (۳)

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۲۱

۲۔ حاتم رازی جو قدما اور کبار حفاظ میں سے ہیں انہوں نے اپنی کتاب "العلل" میں کئی جگہوں پر بقیہ بن ولید کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اس کے حدیث کی غلط نسبت دینے اور اس کے جعل کرنے کے بارے میں پوری وضاحت سے لکھا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تخریج احادیث رافعی کبیر" میں اور دار قطنی اور بیہقی نے ولید کے استاد سعید بن ابو سعید زبیدی کو ضعیف اور مجہول الحال کہا ہے کہ اور بقیہ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ مجہول الحال لوگوں سے الٹی سیدھی حدیثیں نقل کرتا تھا، حافظ جلال الدین سیوطی نے "جمع الجوامع" میں بعض حدیثوں کی سند میں بقیہ بن ولید کے ہونے کی وجہ سے ان کو غیر معتبر قرار دیا ہے اور ان ہی کی عبارت کو ملا متقی ھندی نے "کنز العمال" میں نقل کیا ہے (مترجم)

۳۔ الموضوعات ج ۱ ص ۱۰۹

نیز لکھتے ہیں:

''ابن حبّان کا کہنا ہے کہ بقیہ (بن ولید) کی روایتوں سے احتجاج و استدلال نہیں کیا جاسکتا (۱)

ابن جوزی ہی لکھتے ہیں:

''بقیہ، تدلیس حدیث اور ضعفاء سے روایت کرتا تھا اور اس کے شاگرد اس کی حدیثوں کو وقفہ وقفہ سے نقل کرتے تھے اور سلسلۂ سند میں جو ضعیف ہوتے تھے ان کو حذف کر دیتے تھے'' (۲)

ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں ''بقیہ'' کے حالات میں لکھتے ہیں:

''بہت سوں نے کہا ہے کہ وہ حدیثوں کی غلط نسبت دیتا تھا، جب وہ کہے ''فلاں سے مروی ہے'' تو وہ حجت نہیں ہے، ابن حبان کا کہنا ہے میں نے شعبہ اور مالک وغیرہ سے صحیح حدیثیں سنیں اور پھر جھوٹ بولنے والوں سے ان دونوں کی حدیثیں سنیں جنہیں انہوں نے غلط نسبت دے کر بیان کیں، اور جن حدیثوں کو انہوں نے ضعیف لوگوں سے لیا تھا ان کو موثق اور معتبر افراد کی طرف منسوب کر دیا، ابو حاتم کا بیان ہے کہ بقیہ بن ولید کی روایتوں سے احتجاج و استدلال نہیں کیا جاسکتا، ابو مسہر کا کہنا ہے کہ بقیہ کی حدیثیں ملاوٹ سے پاک و صاف نہیں ہیں ان سے احتجاج کرنے کے بجائے انہیں چھوڑ دینا چاہئے،

۱۔ الموضوعات ج ۱ ص ۱۵۱ ۲۔ الموضوعات ج ۱ ص ۱۸

حیات بن شریح کا کہنا ہے کہ میں نے بقیہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جب میں نے شعبہ سے بحیر بن سعید کی حدیثیں سنائیں تو انہوں نے کہا: اے ابو محمد! اگر ان حدیثوں کو تم سے نہیں سنتا تو بال و پر لگا کر پرواز کرنے لگتا، ابو اسحاق جوز جانی کا کہنا ہے کہ خدا بقیہ پر رحمت نازل کرے جس سے بھی کوئی روایت ملتی تھی وہ لے لیتا تھا یہ سوچے بغیر کہ کس سے لی ہے، اگر ثقہ اور بھروسے والوں سے نقل روایت کرے تو اس کے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے"

ذہبی "میزان الاعتدال" ہی میں لکھتے ہیں:

"ابو التقی یزنی کا بیان ہے کہ جو شخص بھی کہے کہ بقیہ نے کہا "ہم سے بیان کیا" تو اس نے غلط بیانی سے کام لیا، کیونکہ جب بھی اس نے کہا یہی کہا کہ "مجھ سے فلاں نے بیان کیا" اور حجاج بن شاعر کا کہنا ہے کہ ابن عینیہ سے چند چٹ پٹی اور جذب کرنے والی حدیثوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کو ہم سے ابو العجب نے بیان کیا اور انہوں نے بقیہ بن ولید سے اور ابن خزیمہ کا کہنا ہے کہ میں بقیہ کی روایتوں سے احتجاج نہیں کرتا۔ ہم سے احمد بن حسن ترمذی نے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا کہ میں تو سمجھتا ہوں کہ "بقیہ" حدیث منکر کو مجہول الحال افراد سے نقل کرتا ہے مگر جب دھیان دیا تو دیکھا کہ وہ منکر حدیثوں کو مشہور افراد سے منسوب کرکے نقل کرتا ہے پس میں سمجھ گیا کہ وہ کس دروازے سے داخل ہوا ہے"

ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں ابن حبان سے نقل کرتے ہیں۔

''ہم سے سلیمان بن محمد خزاعی نے دمشق میں بیان کیا انہوں نے ہشام بن خالد سے انہوں نے بقیہ سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے عطا سے اور انہوں نے مرفوعاً ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ''جو بھی برابر اپنے ابروؤں پر کنگھی کرے گا وہ وباؤں سے محفوظ رہے گا'' میں نے ایک نسخہ سے اس سند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور یہ سب خیالی ڈھانچے ہیں، لگتا ہے کہ ''بقیہ'' نے اس حدیث کو ایک ضعیف راوی کو حذف کر کے اپنے کو ''ابن جریج'' سے متصل کر دیا ''(گویا بقیہ نے خود ابن جریج سے روایت کو سنا)

ذہبی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

''عقیلی کا بیان ہے کہ ہم سے محمد بن سعید نے بیان کیا انہوں نے عبدالرحمٰن بن حکم سے اور انہوں نے وکیع سے نقل کیا ہے، وکیع کا کہنا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: کہنے میں بقیہ سے زیادہ کسی کو جری نہیں پایا''

ذہبی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

''مسلم کا کہنا ہے کہ ہم سے ابن راہویہ نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ کے بعض شاگردوں سے سنا کہ ابن مبارک کا کہنا تھا کہ ''بقیہ'' اگر نام کی جگہ کنیت اور کنیت کی جگہ نام نہ لائے تو وہ اچھا آدمی ہے، سالہا اس نے مجھ سے ابو سعید وحاظی کی حدیثیں بیان کیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ وہی عبدالقدوس ہے۔ ابو

داؤد کا بیان ہے کہ ہم سے احمد نے کہا کہ بقیہ منکر حدیثیں عبداللہ سے نقل کرتا تھا
"

ذہبی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"عباس نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ بقیہ جب اپنے استاد کا نام نہ لے بلکہ ان کی کنیت بیان کرے تو اس حدیث کی کوئی اہمیت نہیں ہے"

ذہبی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"یعقوب فسوی کا بیان ہے کہ بقیہ نے چونکہ حدیثیں حفظ کی تھیں لہذا اس کا نام لیا جاتا ہے مگر وہ زیادہ تر چٹ پٹی اور جذب کرنے والی حدیثوں کی تلاش میں رہتا تھا، اسی لئے وہ ضعیف راویوں سے روایتیں لیتا تھا"

ذہبی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"عمرو بن سنان نے عبدالوھاب بن ضحاک سے اور انہوں نے شعبہ سے روایت کی ہے کہ بقیہ عجیب وغریب اور منکر حدیثیں بیان کرتا تھا......عبدالحق نے بقیہ کی کئی حدیثوں کی بابت کہا ہے کہ اس کی حدیثوں سے احتجاج نہیں ہو سکتا ہے، اس نے ان سے بھی چند حدیثیں بیان کیں اور ان کے غیر معتبر کہنے سے وہ کترایا تھا، ابوالحسن ابن قطان کا کہنا ہے کہ بقیہ ضعیف راویوں کی روایت کو ثقہ راوی کی طرف منسوب کرکے بیان کرتا تھا اور اس فعل کو وہ جائز سمجھتا تھا اگر ایسا ہے تو اس کی عدالت ساقط ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ بخدا یہ بات سچ

ہے اور وہ ایسا کرتا تھا اور اسی کام کو ولید بن مسلم اور دیگر بزرگ محدثین بھی انجام دیتے تھے اور یہی ان کے لئے دردسر بن گیا تھا، لیکن ولید بن مسلم وغیرہ اس کام کو اجتہاد کی رو سے انجام دیتے تھے اور جن کے نام حذف کرتے تھے ان کے بارے میں کہتے تھے کہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولے ہوں گے، میں ان کے اس عمل کے بارے میں اس سے بہتر توجیہ نہیں کرسکتا'' (۱)

میں کہتا ہوں کہ ذہبی نے بڑی رکیک توجیہ کی ہے، کیونکہ بقیہ اور ان جیسوں کو اگر خدا کا خوف اور اس کی مخلوق کا شرم ہوتا تو وہ حدیث بیان کرتے وقت اس ضعیف راوی کا نام لیتے جس کو انہوں نے حذف کردیا تھا اور پھر اس کے ضعیف ہونے کی تصریح کرتے تا کہ جنہیں علم رجال وحدیث سے واقفیت نہیں ہے وہ گمراہ نہ ہونے پائیں،

مجد فیروزآبادی ''قاموس'' میں لکھتے ہیں ''بقیہ'' ضعیف محدث ہے'' (۲)

ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں ان کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

''یحییٰ بن معین کا کہنا ہے کہ وہ موثق راویوں سے ایک حدیث نقل کرنے سے پہلے ضعیف راویوں سے سو حدیثیں بیان کرتا تھا''

نیز عسقلانی لکھتے ہیں:

''ابوحاتم کا بیان ہے کہ ان کی حدیث لکھی تو جاتی ہے مگر اس سے احتجاج و استدلال نہیں کیا جاتا ہے، اسماعیل بن عیاش سے وہ بہتر تھا'' (۳)

۱۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۲ ۲۔ القاموس، مادہ ''بقی'' ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۷۵

عسقلانی ہی لکھتے ہیں:

''ابن عدی نے بقیہ سے نقل کیا ہے کہ شعبہ نے مجھ (بقیہ) سے کہا اے ابو یحمد تمہاری حدیثیں کتنی اچھی ہیں مگر ان کی کوئی اساس نہیں ہے! بقیہ ہی کا کہنا ہے کہ میں نے حماد بن زید سے چند حدیثوں کے متعلق مباحثہ کیا انہوں نے کہا تمہاری حدیثیں اچھی تو ہیں مگر ان میں دم نہیں ہے!'' (۱)

عسقلانی ہی کا کہنا ہے

''ابو یحمد بقیہ بن ولید بن صاعد بن کعب الکلاعی صدوق اور ضعیف راویوں سے بہت زیادہ حدیثیں لے کر ثقہ افراد کی طرف ان کی نسبت دے کر بیان کرتا تھا، وہ طبقہ ہشتم میں ہے اور ۱۷ھ میں انتقال کیا'' (۲)

عبدالرؤوف بن تاج العارفین مناوی ''فیض القدیر شرح جامع الصغیر'' میں اس حدیث ''اتحب ان یلین قلبك'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''منذری کا بیان ہے کہ طبرانی نے اس کو بقیہ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں لیا، ہیثمی نے اپنے استاد زین عراقی کی پیروی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے سلسلۂ سند میں راوی ہے جس کا نام نہیں بتایا ہے اور ''بقیہ'' تو حدیثوں کی الٹی سیدھی نسبت دیا ہی کرتا تھا'' (۳)

زبیدی لکھتے ہیں:

۱۔تہذیب التہذیب ج۱ص ۴۷۷ ۲۔تقریب التہذیب ج۱ص ۱۰۴ ۳۔فیض القدیر ج۱ص ۱۰۹

م۔ضمرہ بن حبیب

انہوں نے عبدالرحمٰن بن عمر سلمی سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ابن ماجہ کے سلسلۂ سند میں ہیں اور یہ بھی غیر معتبر ہیں اس لئے کہ یہ حمصی ہیں جس کی تصریح ابن حجر عسقلانی نے ''تہذیب التہذیب'' اور ''تقریب التہذیب'' میں کی ہے۔ نیز یہ زمانۂ بنی امیہ میں دمشق کے جامع مسجد کے مؤذن تھے، ابن حجر ''تقریب التہذیب'' میں ابن حبان سے نقل کرتے ہیں:

یہ دمشق کی جامع مسجد کے مؤذن تھے ۱۳۰ھ میں انتقال کیا'' (۱)

ن۔معاویہ بن صالح

ضمرہ سے انہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ابن ماجہ کے سلسلۂ سند میں ہیں، یہ بھی اعتراض سے نہیں بچ سکے ہیں۔ ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

''ابن حاتم کا کہنا ہے کہ ان کی روایتوں سے احتجاج واستدلال نہیں کیا جاسکتا ، بخاری نے ان کی روایتیں نقل نہیں کی ہیں، ابن معین نے انہیں ضعیف بتایا ہے''

نیز ذہبی لکھتے ہیں:

''لیث بن عبدہ کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ابن مہدی جب بھی معاویہ بن صالح کی حدیث بیان کرتے تو یحییٰ بن سعید اس کو بیان کرنے سے منع

۱۔تقریب التہذیب ج۴ص۴۵۹

کرتے تھے لیکن ابن مہدی ان کی بات پر کان نہیں دھرتے تھے"(۱)

ذہبی نے "المغنی فی الضعفاء" میں انہیں ضعیف بتایا ہے وہ لکھتے ہیں:

"ابو حاتم کا کہنا ہے کہ ان کی روایتوں سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا اور یحییٰ قطان ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے"(۲)

ابن حجر عسقلانی "تہذیب التہذیب" میں ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

"ابن ابوخیثمہ اور دوری نے اپنی تاریخوں میں ابن معین سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن سعید انہین اچھا نہیں کہتے تھے"

عسقلانی "تہذیب التہذیب" میں ان کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

"دوری نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں (ابن معین) ان کی تائید نہیں کرتا، ایسا ہی ابن ابو حاتم نے دوری سے نقل کیا ہے لیکن یہ بات ان کی تاریخ میں نہیں ملتی، لیث بن عبدہ کا کہنا ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ابن مہدی جب بھی معاویہ بن صالح کی حدیث بیان کرتے تھے تو یحییٰ بن سعید اظہار ناراضگی کرتے اور انہیں حدیث بیان کرنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ علی بن معاینی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا کہ ہم نے ان سے حدیثیں نہیں لی ہیں"

نیز "تہذیب التہذیب" میں ان کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

۱۔ میزان الاعتدال ج۴ ص۱۳۵ ۲۔ المغنی فی الضعفاء ج۲ ص۱۶۶

''بقیہ بن ولید ضعیف محدث ہے وہ جھوٹوں سے روایت لے کر اس کی دوسروں کی طرف غلط نسبت دیتا تھا، اس بات کو ذہبی نے ''میزان الاعتدال ''میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ خود تو حافظ اور اچھا آدمی تھا مگر ہر طرح کے لوگوں سے روایت کرتا تھا، بہت سی منکر اور عجیب روایتیں اس کی حدیثوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ابن خزیمہ کا کہنا ہے کہ میں ''بقیہ'' کی روایتوں سے استدلال نہیں کرتا احمد کا کہنا ہے کہ وہ ضعیف روایتوں کو موثق افراد کی طرف نسبت دے کر بیان کرتا تھا، ابن عدی کا کہنا ہے کہ ''بقیہ'' کے پاس اچھی حدیثیں تھیں مگر وہ ثقات کی مخالفت کرتا تھا اور جب شامیوں کے علاوہ اوروں سے روایت کرتا تھا تو اسماعیل بن عیاش کی طرح خلط ملط کر دیتا تھا' (۱)

ک۔ یحییٰ بن ابو المطاع

یہ ابن ماجہ کے سلسلۂ سند میں ہیں، انہوں نے عرباض بن ساریہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ ابن القطان کے نزدیک یہ مجہول الحال ہیں اور اکابر علمائے اہلسنت نے ان کی عرباض سے ملاقات کو دور از امکان بتایا ہے۔

ذہبی لکھتے ہیں:

''دحیم نے عرباض سے اس کی ملاقات کو بعید جانا ہے، شاید اس نے عرباض سے مرسل روایت کی ہو اور شامیوں میں بہت زیادہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جس

۱۔ تاج العروس۔ مادہ ''بقی''

سے ملاقات نہیں ہوئی اس سے انہوں نے روایت کردی''(۱)

ابن حجر لکھتے ہیں:

''ابوزرعہ نے جو ولید بن سلیمان کی اس بات پر تعجب کر رہے تھے کہ ''میں نے یحییٰ بن ابو المطاع سے ملاقات کی'' دحیم سے کہا کہ کیسے عبداللہ بن علاء بن زبر نے یحییٰ بن ابو المطاع کے توسط سے عرباض سے روایت کی جب کہ یحییٰ کا دور حیات نزدیک ہے اور عرباض کی موت بہت پہلے ہو چکی ہے؟ دحیم نے کہا میں خود اس بات کو نہیں مانتا، میں کہتا ہوں کہ ابن قطان کو تو ہم ہوا ہے کہ ان کی ذات جانی پہچانی نہیں ہے''(۲)

ابن حجر ''تقریب التہذیب'' میں لکھتے ہیں:

''دحیم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عرباض بن ساریہ سے ان کی روایت مرسل ہے''(۳)

ل۔ عبداللہ بن علاء

انہوں نے یحییٰ بن ابو المطاع سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ابن ماجہ کے سلسلہ سند میں ہیں اور یہ بھی اشکال واعتراض سے نہیں بچ پائے ہیں: ذہبی لکھتے ہیں:

''یحییٰ (بن معین) اور دیگر ناقدین حدیث نے ان کو ضعیف کہا ہے''(۴)

۱۔ میزان الاعتدال ج ۴ص ۴۱۰
۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۲۸۰
۳۔ تقریب التہذیب ج ۲ص ۳۵۸
۴۔ میزان الاعتدال ج ۲ص ۴۶۳

''ابو صالح فراء نے ابو اسحاق فزاری سے نقل کیا کہ وہ اس لائق نہیں کہ ان کی روایتیں لی جائیں۔ (نیز عسقلانی لکھتے ہیں) محدثین ان کی روایتیں لینے سے کتراتے تھے، بعض ناقدین کہتے تھے کہ وہ نہ معتبر تھے نہ ہی ضعیف اور بعض انہیں ضعیف کہتے تھے''

عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' ہی میں لکھتے ہیں:

''ابن عمار کا کہنا ہے کہ محدثین معتقد تھے کہ وہ حدیث کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے''(۱)

ان سب باتوں کے علاوہ وہ ''حمص'' کے رہنے والے تھے اور بنی امیہ کی حکومت میں اندلس کے قاضی تھے، جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے ''تہذیب التہذیب'' ج ۱۰ ص ۲۰۹ پر لکھا ہے۔

نیز ابن حجر لکھتے ہیں:

''ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ ۱۲۵ھ میں مصر آئے پھر اندلس چلے گئے، جب عبدالرحمٰن بن معاویہ اندلس کا حاکم بنا تو یہ اس سے جا ملے، اس نے انہیں اپنے کسی کام کے سلسلے میں شام بھیجا اور جب وہاں سے پلٹے تو انہیں اندلس کا قاضی منصوب کر دیا اور ۱۵۲ھ میں انتقال کیا، سعید بن ابو مریم کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے ماموں موسی بن سلمہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں معاویہ بن صالح کے پاس

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۰

حدیث لکھنے کے لئے گیا پس دیکھا کہ غالباً (تردید سعید بن ابو مریم کو ہوا) آلات لہو ہے۔ میں نے (معاویہ بن صالح سے) کہا یہ کیا ہے؟ معاویہ بن صالح نے جواب دیا، اس کو والئی اندلس نے میرے لئے ہدیہ بھیجا ہے، موسیٰ بن سلمہ کا کہنا ہے کہ میں پلٹ آیا اور ان سے کچھ بھی نہیں لکھا'' (۱)

س۔ اسماعیل بن بشر بن منصور

یہ ابن ماجہ کے استاد اور ان کی دوسری روایت کے سلسلۂ سند میں ہیں اور یہ بھی قابل اعتبار نہیں ہیں کیونکہ یہ قدری مسلک کے حامل تھے، جیسا کہ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' ج ۱ ص ۲۸۴ پر لکھا ہے، اور صفی الدین خزرجی نے ''مختصر تہذیب التہذیب'' ج ۱ ص ۸۴ پر تحریر کیا ہے کہ ''ان پر اعتراض ہوا ہے''

ع۔ عبدالملک بن صباح

انہوں نے ثور سے اس حدیث کی روایت کی ہے، یہ ابن ماجہ کی تیسری روایت کے سلسلۂ سند میں ہیں اور سرقت حدیث سے یہ متہم ہیں، ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں لکھتے ہیں: ''یہ حدیثیں چراتے تھے'' (۲) (جس حدیث کے راویوں کا کردار اور ان کی شخصیت اتنی کمزور ہو اس میں کیا دم رہے گا)

۷۔ ابن قطان جیسے بزرگ محدث نے مذکورہ حدیث (علیکم بسنتی .....) کو غیر صحیح بتایا ہے۔

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۱۱ ۲۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۸۴

sabeelesakina@gmail.com 03333589401

ابن حجر عسقلانی، عبدالرحمٰن سلمی کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

''کتب حدیث میں موعظہ میں ان کی صرف ایک حدیث ہے جس کو ترمذی نے صحیح کہا ہے اور میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ ابن حبان اور حاکم نے بھی ''المستدرک'' میں اس کو صحیح بتایا ہے، لیکن ابن قطان فاسی کا کہنا ہے کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ مجہول الحال ہیں''

واضح رہے کہ عبدالرحمٰن سلمی کی ایک حدیث سے مراد یہی مورد بحث حدیث ''علیکم بسنتی ....'' ہے کیونکہ اس کے شروع میں ہے ''رسولؐ خدا نے ایک دن نماز ظہر کے بعد موعظہ ارشاد فرمایا....'' ان ساری چھان بین سے قطع نظر یہ عبارت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث جو موعظہ سے متعلق ہو صحاح ستہ یا حدیث کی دوسری کتابوں میں نہیں ہے۔

احوال و آثار

ابن القطان فاسی (متوفی ۶۲۸ھ) جنہوں نے مذکورہ حدیث کو غیر معتبر بتایا ہے، اہلسنت کے بڑے پائے کے عالم اور ناقد حدیث ہیں، رجال و تذکرہ کی کتابیں ان کی مدح و ثنا سے بھری پڑی ہیں، ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھتے ہیں:

''ابن قطان حافظ، علامہ، ناقد حدیث اور قاضی جماعت تھے'' آبار'' ان کے شرح حال میں لکھتے ہیں کہ وہ علم حدیث میں گہری نظر رکھنے والے، حافظ اور

راویان حدیث کو اچھی طرح پہچانتے تھے، حدیث سے ان کی خاص دلچسپی تھی ......ابن مسدی کا بیان ہے کہ وہ حفظ و اتقان کے امام تھے، اصل وطن مصر تھا مگر مراکش میں مقیم تھے اور حکومت مومنیہ میں استاذ الاساتذہ تھے"(۱)

سیوطی لکھتے ہیں:

"ابن قطان حافظ، ناقد حدیث، علامہ، قاضی جماعت، علم حدیث کے سب سے بڑے عالم اور اس کے راویوں کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے تھے علم حدیث سے ان کی شدید وابستگی تھی اور حفظ و اتقان میں ان کا چہرہ شناختہ شدہ تھا۔۔۔۔۔۔"(۲)

مولوی صدیق حسن خان نے "اتحاف النبلاء" میں ان کے حفظ و اتقان کی بڑی تجلیل کی ہے اور اپنی بات کے ثبوت میں ان کی کتاب "الوھم والا بھام" کو پیش کیا ہے

۸۔ بالفرض اگر یہ حدیث (علیکم بسنتی ....) صحیح ہے تو اس میں اتنا دم نہیں حدیث ثقلین کے مقابلے میں اس کو پیش کیا جا سکے، کیونکہ بزرگ محدثین و علمائے اہلسنت کے بقول حدیث ثقلین متواتر اور اس کا پیغمبرؐ اسلام سے صادر ہونا یقینی ہے اور حدیث ثقلین کو ان محدثین نے کئی طرق و اسناد سے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے بلکہ اس کے تواتر کو ثابت کیا ہے، جب کہ "علیکم بسنتی ......" اس پائے کی حدیث نہیں ہے اور اہلسنت کی بعض کتابوں میں دیکھنے میں آتی ہے اور بس، پس کس طرح ایسی حدیث، حدیث ثقلین

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۰۷ ۲۔ طبقات الحفاظ ص ۴۹۴

جیسی متواتر اور قطعی الصدور حدیث کی معارض بن سکتی ہے؟

۹۔ خلفاء سے مراد ائمہؑ اطہار ہیں

بالفرض اگر "علیکم بسنتی ......" ، حدیث صحیح ہے تو کس دلیل سے ثابت ہے کہ اس سے مراد اہلسنت کے خلفائے راشدین ہیں، بلکہ میں تو کہوں گا کہ درج ذیل دلیلوں کی روشنی میں اس حدیث میں "خلفاء" ، سے مراد ائمہ اطہار علیہم السلام ہیں۔

دلیل اول۔ حدیث پیغمبرؐ "اثناعشر خلیفہ" ، میں ائمہ اطہار پر خلیفہ کا اطلاق ہوا ہے، چنانچہ شیخ سلیمان بلخی قندوزی "ینابیع المودۃ" ، باب ۷۷ میں لکھتے ہیں:

"بعض محققین نے کہا ہے کہ وہ حدیثیں جو پیغمبرؐ اسلام کے بعد ہونے والے بارہ خلفاء پر دلالت کرتی ہیں اور وہ کئی طرق واسناد سے وارد ہونے کی وجہ سے شہرت کی حامل ہیں، مطابقت کی بنیاد پر حدیث میں پیغمبرؐ اسلام کی مراد یہی بارہ امام ہیں جو آپ کے اہلبیت اور آپ کی عترت ہیں، آپ کے اصحاب میں بننے والے خلفاء پر یہ حدیث منطبق نہیں ہوتی، اس لئے کہ ان کی تعداد بارہ سے کم ہے اور نہ ہی اموی سلاطین پر صادق آتی ہے کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے زیادہ بھی ہے اور عمر بن عبدالعزیز کو چھوڑ کر سبھی کے کردار بڑے گھنونے ہیں اور وہ سب کے سب غیر بنی ہاشم ہیں۔ جب کہ آنحضرتؐ نے بہ روایت عبدالملک جناب جابر سے دھیمی آواز میں فرمایا تھا "کلھم من بنی ھاشم" ، وہ سب کے سب بنی ہاشم سے ہوں گے۔ اور حضرتؐ کے اس انداز کے اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ

وہ لوگ بنی ہاشم کی خلافت کو نہیں چاہتے تھے. نیز اس حدیث کو بنی عباس کے بادشاہوں پر بھی حمل نہیں کر سکتے اس لئے کہ ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے اور وہ آیۃ'' قل لا اسئلکم علیه اجرا الاالمودۃفی القربیٰ '' اور حدیث کساء کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے. لہذا ہم مجبور ہیں کہ اس حدیث کو حضرتؐ کی عترت واہلبیت ائمہ اثناعشر (بارہ اماموںؑ) پر حمل کریں. کیونکہ وہی اپنے زمانے میں سب سے زیادہ جاننے والے (اعلم) سب سے زیادہ معزز و مکرم، سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار، حسب ونسب میں سب سے بہتر اور اللہ کے نزدیک سب سے بڑا مقام رکھتے تھے، ان کو علوم لدنی آباواجداد کے توسط سے پیغمبرؐ اسلام سے وراثت میں ملا تھا اہل علم اور اہل تحقیق انہی خصوصیات سے انہیں پہچانتے ہیں، اور یہ کہ'' خلفا'' سے مراد حضرت کے اہلبیتؑ '' ائمہ اثناعشر '' ہیں اس کی مؤید'' حدیث ثقلین'' اور دیگر بہت ساری حدیثیں ہیں، اور روایت جابر بن سمرہ میں حضرت کا یہ فرمانا کہ'' ان میں سبھی پر امت کا اجماع واتفاق ہوگا '' اس سے مراد یہ ہے کہ قائم آل محمد (عجل) کے ظہور کے وقت امت ان سبھی کی امامت پر اجماع واتفاق کرے گی'' (۱)

دلیل دوم۔ پیغمبر اسلام نے دوسری حدیث میں ائمہ اطہار کو'' خلفاء'' سے تعبیر کیا ہے، اس حدیث کو سید علی ہمدانی نے'' مودة القربیٰ'' مودة نمبر ۱۰ میں حضرت علیؑ سے نقل کیا

۱۔ ینابیع المودة ص ۴۴۶

ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: جو شخص کشتی نجات پر سوار ہونا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ عروۃ الوثقی سے وابستہ رہے اور حبل اللہ کو پکڑے رہے تو میرے بعد علی سے محبت اور اس کے دشمن سے دشمنی کرے اور اس کی نسل سے ہونے والے ہدایت کرنے والے اماموں کی اقتدا کرے کیونکہ وہی میرے خلیفہ و جانشین ہیں، وہی میرے بعد خدا کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجت ہیں اور وہی میری امت کے سید و سردار اور متقیوں کی جنت کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں ان کا گروہ میرا گروہ اور میرا گروہ خدا کا گروہ ہے اور ان کے دشمنوں کا گروہ شیطان کا گروہ ہے''

اسی روایت کو ان ہی الفاظ میں شیخ سلیمان بلخی قندوزی نے ''ینابیع المودۃ'' باب ۵۶ ص ۲۵۸ پر نیز باب ۷۶ میں نقل کیا ہے،

دلیل سوم: پیغمبرؐ اسلام کی حدیث جس کی ابن عباس نے رسولؐ خدا سے روایت کی ہے اور اس میں حضرت نے ائمہ اثناعشر کو ''خلفا'' سے تعبیر کیا ہے، اس کو حموئی نے ''فرائد السمطین فی فضائل المرتضی والبتول و السبطین'' میں نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''سعید بن جبیر نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: میرے خلفاء اور میرے اوصیاء اور میرے بعد مخلوق خدا پر خدا کی حجت بارہ

ہیں، ان میں کا پہلا میرا بھائی اور آخری میرا فرزند ہے، اصحاب نے دریافت کیا آپ کا بھائی کون ہے؟ فرمایا علی بن ابی طالب ہے، اصحاب نے پوچھا آپ کا فرزند کون ہے؟ فرمایا مہدی جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی''

اسی روایت کو جمال الدین محدث نے ''روضۃ الاحباب'' میں بارہویں امام کے حالات میں اور قندوزی نے حموئی سے ''ینابیع المودۃ'' ص ۴۴۷ پر نقل کیا ہے۔

دلیل چہارم: جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے پیغمبرؐ اسلام سے جس حدیث کی روایت کی ہے اس میں آنحضرتؐ نے ائمہ اثنا عشر (بارہ اماموںؑ) کو اپنے خلفاء سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ عطاء اللہ بن فضل اللہ شیرازی معروف بہ جمال الدین محدث ''روضۃ الاحباب'' میں بارہویں امام کے حالات میں تحریر کرتے ہیں:

''جابر بن یزید جعفی سے مروی ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ انصاری کو کہتے ہوئے سنا کہ جب اللہ نے پیغمبرؐ اسلام پر یہ آیت نازل کی 'یا ایہا الذین آمنو اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم' تو میں نے حضرتؐ سے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ ہم خدا اور اس کے رسول کو تو جانتے ہیں لیکن اولوالامر کون ہیں جن کی اطاعت کو آپ کی اطاعت کے ساتھ بیان کیا ہے؟ حضرتؐ نے جواب دیا اے جابر وہ میرے بعد میرے خلفاء اور میرے بعد ہدایت کرنے والے ائمہ ہیں ان میں کا پہلا علی بن ابی طالب، پھر حسن پھر حسین

پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی پھر محمد بن علی جس کا توریت میں باقر نام ہے اور اے جابر تم اس سے ملو گے اور جب اس سے تم ملنا تو میرا سلام کہد ینا پھر جعفر صادق بن محمد پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی بن موسیٰ پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد پھر حسن بن علی پھر میرا اہم نام اور ہم کنیت حجة الله فی ارضه و بقیته فی عباده محمد بن حسن بن علی ہیں اسی کے ہاتھوں خدا مشرق و مغرب کو فتح کرے گا اور یہی اپنے شیعوں کی نظروں سے غائب رہے گا اور اس کی امامت پر باقی نہیں رہے گا مگر وہ جس کے دل کا امتحان خدا نے لے لیا ہو، جابر کہتے ہیں میں نے کہا یا رسولؐ اللہ امام کی غیبت میں شیعہ ان سے کسب فیض کریں گے؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے مجھے مبعوث بہ رسالت کیا وہ اس کے نور سے روشنی اور اس کی ولایت سے اسی طرح کسب فیض کریں گے جس طرح لوگ بادل میں سورج کے چھپ جانے کے بعد اس سے کسب فیض کرتے ہیں اے جابر یہ خدا کے چھپے راز میں سے ہے اس کو نہ بیان کرنا مگر اس سے جو اس کا اہل ہے''

دلیل پنجم: جناب جابر نے پیغمبرؐ اسلام سے ایک اور حدیث کی روایت کی ہے جس میں حضرتؐ نے ائمہ اطہار کو ''خلفاء'' سے تعبیر کیا ہے اور یہ ایسی قاطع دلیل ہے کہ اگر ''علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین'' کو صحیح مانیں تو اس سے مراد ائمہ اطہار ہی ہوں گے نہ کہ کوئی چنانچہ حافظ جلیل ابو منصور شہر دار بن شیرویہ دیلمی اپنی کتاب ''مسند الفردوس'' (حدیث ۶۷۱۰) میں لکھتے ہیں:

''جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جنت پر مکتوب ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس کا بھائی علی ولی اللہ میں نے اس کی ولایت کا اقرار عالم ذر میں آسمان و زمین کی خلقت سے ایک ہزار سال قبل لیا پس جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ سے ملاقات کرے اس حال میں کہ وہ اس سے راضی ہو تو وہ علی اور اس کی عترت کو اپنا ولی مانے، کیونکہ وہی میرے اولیاء، برگزیدگان، دوست اور خلفاء ہیں''

دلیل ششم: ایک اور روایت میں رسولؐ خدا نے ائمہؑ اطہار کو ''خلفاء'' سے تعبیر کیا ہے اور اس روایت کو شیخ الاسلام عزالدین دمشقی شافعی نے ''رسالہ فضائل الخلفاء'' میں نقل کیا ہے وہ ایک طولانی حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''جب فاطمہ شکم مادر میں تھیں تو وہ خدیجہ سے تنہائی میں گفتگو کرتی تھیں، خدیجہ نے اس بات کو رسولؐ خدا سے مخفی رکھا، ایک دن رسولؐ خدا داخل خانہ ہوئے اور خدیجہ رضی اللہ عنھا کو فاطمہ سے گفتگو کرتے دیکھا، آپ نے فرمایا: اے خدیجہ! تم کس سے گفتگو کر رہی تھی؟ خدیجہ نے جواب دیا اس بچے سے جو میرے بطن میں ہے، یہی مجھ سے گفتگو کرتا ہے اور یہی میرا مونس و ہمدم ہے۔ فرمایا: اے خدیجہ میں تمہیں پاک و پاکیزہ بیٹی کی خوشخبری دیتا ہوں خدا نے اس کو میری نسل میں قرار دیا ہے اور جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا (یعنی میری وفات ہو جائے گی) تو اسی کی نسل سے زمین کے خلیفہ ہوں گے''

شیخ الاسلام عزالدین دمشقی شافعی جنہوں نے اس حدیث کو اپنے ''رسالہ فضائل الخلفاء'' میں نقل کیا ہے ان کی شخصیت کسی پر ڈھکی چھپی نہیں ہے، ان کی تعریف وتمجید اور تصدیق وتوثیق کے لئے مراجعہ کیجئے ذہبی کی ''العبر'' ج ۵ ص ۲۶۰، یافعی کی ''مرآۃ الجنان '' ج ۴ ص ۱۵۸۔۱۵۳، سبکی کی ''طبقات الشافعیہ'' ج ۵ ص ۱۰۲، اسنوی کی ''طبقات الشافعیہ '' ج ۲ ص ۱۹۷، اسدی کی ''طبقات الشافعیہ'' حافظ جلال الدین سیوطی کی ''حسن المحاضرہ '' ج ۱ ص ۳۱۶۔۳۱۴.

دلیل ہفتم: حضرت علیؑ نے بھی ائمہ اثنا عشر کو رسولؐ خدا کا خلیفہ کہا ہے اور آپ نے یہ بات اس طرح ہارونی یہودی سے کہی کہ وہ بھی دائرہ کفر وگمراہی سے خارج اور دائرۂ اسلام و ایمان میں داخل ہوگیا۔ چنانچہ جوینی حموئی ''فرائد السمطین ''میں ایک طولانی روایت نقل کرتے ہیں، اس میں راوی (ہارونی) نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا:

''مجھے تین باتوں کے متعلق بتایئے محمد کے بعد کتنے امام عادل ہیں؟ محمد کس جنت میں ہیں؟ اور آپ کے ساتھ جنت میں کون لوگ ہیں؟ فرمایا: اے ہارونی! محمدؐ کے خلفاء بارہ امام ہیں جنہیں رسوا کرنے والا ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور نہ ہی ان کی مخالفت کرنے والا انہیں ڈرا سکتا ہے کیونکہ دین کے معاملے میں وہ پہاڑ سے زیادہ سخت ہیں، اور جنت میں محمدؐ کا مسکن ''جنت عدن'' ہے اور ان کے ساتھ بارہ عادل امام ہوں گے، ہارونی نے کہا خدا کی قسم آپ نے سچ کہا ہے، ایسا ہی میں نے ابو ہارون کی کتاب میں دیکھا ہے جس کو موسیٰ نے لکھوایا تھا اور

ہارون نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا''

دلیل ہشتم: حضرت علیؑ نے جلیل القدر صحابی کمیل بن زیاد نخعی سے اپنے خطاب میں ائمہ اطہارؑ کو ''خلفاء اللہ'' سے تعبیر کیا ہے اور حضرتؑ کے اس بیان کو بہت سے عظیم الشان علمائے اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، حافظ ابونعیم اصفہانی ''حلیۃ الاولیاء'' میں حالات امیر المومنین حضرت علیؑ میں لکھتے ہیں:

''ہم سے حبیب بن حسن نے بیان کیا انہوں نے موسی بن اسحاق سے انہوں نے سلیمان بن احمد سے انہوں نے محمد بن حسن خثعمی سے انہوں نے اسماعیل بن موسی فزاری سے ان دونوں نے کہا ہم سے عاصم بن حمید خیاط نے بیان کیا انہوں نے ابوحمزہ ثمالی ثابت بن ابوصفیہ سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن جندب سے اور انہوں نے کمیل بن زیاد سے روایت کی ہے کہ علی بن ابی طالب نے میرا (کمیل کا) ہاتھ پکڑا اور قبرستان کی طرف لے گئے جب ہم صحرا میں پہونچے تو آپ زمین پر بیٹھ گئے اور ایک لمبی آہ کی اور پھر فرمایا: اے کمیل بن زیاد! یہ دل اسرار و حکم کے ظروف ہیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو زیادہ نگہداشت کرنے والا ہو، لہذا جو میں تمہیں بتاؤں اسے یاد رکھنا! تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک عالم ربانی دوسرا متعلم کہ جو نجات کی راہ پر برقرار ہے اور تیسرا عوام الناس کا وہ پست گروہ ہے کہ جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہو لیتا ہے اور ہر ہوا کے رخ پر مڑ جاتا ہے، نہ انہوں نے نور علم سے کسب ضیاء کیا نہ کسی

مضبوط سہارے کی پناہ لی۔ علم، مال سے بہتر ہے کہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے
جب کہ تم مال کی حفاظت کرتے ہو، مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے جب کہ علم
صرف کرنے سے بڑھتا ہے، عالم کی محبت دین ہے کہ جس کی اقتدا کی جاتی ہے
اپنی زندگی میں عالم اپنے علم کی وجہ سے دوسروں سے اپنی اطاعت منواتا ہے اور
مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے جب کہ مال و دولت کے نتائج واثرات
مال کے فنا ہونے سے فنا ہو جاتے ہیں، مال اکٹھا کرنے والے زندہ ہونے کے
باوجود مردہ ہوتے ہیں جب کہ علم حاصل کرنے والے رہتی دنیا تک باقی رہتے
ہیں، ان کے اجسام نظروں سے اوجھل ہو جاتے مگر ان کی صورتیں دلوں میں
موجود رہتی ہیں اس کے بعد آپ (حضرت علیؑ) نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر
کے فرمایا: دیکھو! یہاں علم کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے کاش اس کے اٹھانے والے
مجھے مل جاتے ہاں ملا کوئی تو یا ایسا جو ذہین تو ہے مگر نا قابل اطمینان ہے اور جو دنیا
کے لئے دین کو آلۂ کار بنانے والا ہے اور اللہ کی ان نعمتوں کی وجہ سے اس کے
بندوں پر اور اس کی حجتوں کی وجہ سے اس کے دوستوں پر تفوق و برتری جتلانے
والا ہے یا جو ارباب حق و دانش کا مطیع تو ہے مگر اس کے دل کے گوشوں میں
بصیرت کی روشنی نہیں ہے بس ادھر ذرا سا شبہہ عارض ہوا کہ اس کے دل میں
شکوک وشبہات کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں، لہذا نہ یہ اس قابل ہے اور نہ وہ اس
قابل ہے یا ایسا شخص ملتا ہے جو لذتوں پر مٹا ہوا ہے اور بآسانی خواہش نفسانی کی

راہ پر کھینچ جانے والا ہے یا ایسا شخص جو جمع آوری و ذخیرہ دوزی پر جان دیئے
ہوئے ہے یہ بھی دین کے کسی امر کی رعایت و پاسداری کرنے والے نہیں ہیں
ان دونوں سے انتہائی قریبی شباہت چرنے والے چوپائے رکھتے ہیں اسی طرح
تو علم کے خزینہ داروں کے مرنے سے علم ختم ہو جاتا ہے ہاں! مگر زمین ایسی فرد
سے خالی نہیں رہتی جو خدا کی حجت کو برقرار رکھتا ہے تاکہ اللہ کی دلیلیں اور نشان
مٹنے نہ پائیں وہ گنتی میں تو بہت تھوڑے ہوتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک قدر و
منزلت کے لحاظ سے بہت بلند، خدا ان کے ذریعے اپنی حجتوں اور نشانیوں کی
حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے ایسوں کے سپرد کر دیں اور اپنے
ایسوں کے دلوں میں انہیں بو دیں علم نے انہیں ایک دم حقیقت و بصیرت کے
انکشافات تک پہونچا دیا ہے، وہ یقین و اعتماد کی روح سے گھل مل گئے ہیں اور
ان چیزوں کو جنہیں آرام پسند لوگوں نے دشوار قرار دے رکھا تھا اپنے لئے سہل و
آسان سمجھ لیا ہے اور جن چیزوں سے جاہل بھڑک اٹھتے ہیں ان سے وہ جی
لگائے بیٹھے ہیں وہ ایسے جسموں کے ساتھ دنیا میں رہتے ہیں جن کی روحیں ملاء
اعلی سے وابستہ ہیں یہی لوگ تو زمین میں اللہ کے نائب اور اس کے دین کی طر
ف دعوت دینے والے ہیں (اولئك خلفاء فی بلاده و دعائه الی
دینه)ہائے ان کی دید کے لئے میرے شوق کی فراوانی۔ میں اپنے لئے اور
تمہارے (کمیل) لئے خدا سے طلب مغفرت کرتا ہوں (پھر حضرت نے کمیل

سے فرمایا مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا) اب جس وقت چاہو واپس جاؤ''(۱)

اسی روایت کو علامہ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں، علامہ متقی ھندی نے ''کنزل العمال'' ج ۱۰ ص ۱۵۸ پر، خوارزمی نے ''المناقب'' ص ۲۶۳ پر اور سبط ابن جوزی نے ''تذکرۃ الخواص'' ص ۱۴۱ پر نقل کیا ہے۔

دلیل نہم: ابوسعید خدری سے مروی حدیث میں پیغمبرؐ اسلام نے ائمہؑ اطہار کو ''ائمہ راشدین'' سے تعبیر کیا ہے جو اس بات کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ مذکورہ حدیث ''علیکم بسنتی .... ''میں خلفاء راشدین سے مراد ائمہؑ اطہار ہیں. ابومنصور شہردار بن شیرویہ دیلمی ''مسند الفردوس'' میں لکھتے ہیں:

''ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ ہم نے حضرتؐ کی قیادت میں پہلی نماز (ظہر) پڑھی پھر آپ نے ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا: اے میرے صحابیوؓ! تم میں میرے اہلبیت کی مثال سفینۂ نوح اور بنی اسرائیل میں باب حطہ جیسی ہے پس میرے بعد میرے اہلبیت سے جو میری ذریت سے ائمہ راشدین ہیں تمسک اختیار کرو کہ اس صورت میں تم کبھی بھی میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے، اصحاب نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! آپ کے بعد امام کتنے ہوں گے؟ فرمایا میرے اہلبیت سے بارہ امام ہوں گے یا فرمایا میری عترت سے بارہ امام ہوں

۱۔ واضح رہے کہ اہلسنت کے جید عالم دین ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے اپنی مستند کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں مذکورہ جس روایت کو نقل کیا ہے اس کو سید رضیؒ نے ''نہج البلاغہ'' میں موعظہ و حکم نمبر ۱۴۷ میں پیش کیا ہے اور مذکورہ ترجمہ تقریباً مفتی جعفر حسینؒ صاحب کا ہے۔ مترجم

گے“

دلیل دہم: پیغمبر اسلامؐ نے اپنے ایک خاص خطبے میں اہلبیتؑ اطہار کی فضیلت بیان کی تھی اور ائمہؑ اطہار کو ”ائمہ مہدیہ“ سے تعبیر کیا تھا، اگر حدیث ”علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین“ کو صحیح مانیں تو ”خلفاء راشدین“ سے حضرت کی مراد یقیناً ائمہؑ طاہرین ہوں گے۔ حضرت کا وہ فصیح و بلیغ خطبہ جس کا ہر جملہ مذہب شیعہ کی حقانیت پر ایک قاطع دلیل ہے اکابر علمائے اہلسنت نے نقل کیا ہے۔

ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ ”منقبۃ المطہرین“ میں اپنی اسناد کے ساتھ جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ:

”ایک دن رسول خداؐ اصحاب کے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ علی وحسن وحسین علیہم السلام تھے، آپ نے اصحاب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ایھا الناس! یہ جو میرے ساتھ ہیں تمہارے نبیؐ کے اہلبیت ہیں جن کو خدا نے بزرگی عطا کیا اور اپنے راز کو ان میں محفوظ فرمایا اور اپنا علم ان میں ودیعت کیا، یہی دین کے ستون اور نبی کی امت پر گواہ ہیں ساری مخلوق سے پہلے انہیں خلق کیا اور وہ زیر عرش سائے کے مانند تھے اور اس کے علم سے منتخب تھے، ان ہی سے خدا راضی ہے اور ان ہی کا اس نے انتخاب کیا ہے اور اپنے بندوں کے لئے انہیں ہی عالم وفقیہ قرار دیا ہے اور اپنے راستے پر انہیں چلایا ہے، یہی ہدایت کرنے والے ائمہ (فھم الائمة المهدیه)، خدا کی طرف دعوت دینے والوں کے سردار

اور ائمہ وسطی ہیں، یہی مومنین کے لئے محفوظ قلعہ اور ہدایت تلاش کرنے والوں کی آنکھوں کا نور ہیں، جو ان سے پناہ چاہتے ہیں ان کو یہ پناہ دیتے ہیں اور جو نجات چاہتے ہیں اس کو نجات دیتے ہیں، جو ان سے محبت کرے گا وہ سرفراز ہوگا اور جو ان سے دشمنی کرے گا وہ ہلاک ہوگا، ان ہی سے تمسک کرنے والا مقصد تک پہونچے گا اور ان سے دوری اختیار کرنے والا دین سے خارج ہو جائے گا اور جو ان کے حق میں کوتاہی کرے گا وہ نیست و نابود ہو جائے گا، یہ آزمائش کے دروازے ہیں جو ان تک آئے گا نجات پائے گا اور جو ان کے حق سے انکار کرے گا گمراہ ہو جائے گا، جو انکی چہار دیواری میں داخل ہوگا گناہوں سے پاک ہو جائے گا، جاہلوں کے لئے ان ہی کی باتیں خدا کی طرف سے حجت ہیں، خدا کی طرف دعوت دینے والے بھی یہی ہیں اور دستور الٰہی پر عمل کرنے والے بھی یہی ہیں، یہی آیات الٰہی سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں، رسالت بھی ان ہی کے پاس ہے اور ملائکہ رحمت بھی ان ہی پر نازل ہوئے' خدا نے اپنے فضل و رحمت سے روح الامین کو بھی ان ہی کے پاس بھیجا ہے، انھوں نے انہیں وہ چیزیں دیں جو کائنات میں کسی کو نہیں دی گئی تھیں، علم اور دین کی ہدایت میں جن چیزوں کا انسان محتاج ہے بحمد اللہ وہ ان ہی کے پاس ہیں، ظلمت و تاریکی میں نور بھی یہی ہیں اور مبارک درخت کی پاکیزہ شاخیں بھی یہی ہیں، یہی معدن علم، اہلبیتِ رحمت، مرکز رسالت اور ملائکہ کی آمد و رفت کا محور ہیں''۔

جناب جابر سے منقول اسی خطبے کو نطنزی نے "الخصائص العلویہ" میں اپنی سند سے امام محمد باقرؑ سے اورانہوں نے اپنے آباءواجداد سے نقل کیا ہے۔

دلیل یازدہم: جب آیہ " انما ولیکم الله و رسوله والّذ ین آمنوا " نازل ہوئی تو حضرتؐ نے اصحاب کی راہنمائی کے لئے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور جابجا ائمہؑ اطہار کی امامت کو بیان کیا اوران کی ان لفظوں سے توصیف کی " هؤلاء الهداة المهتدون و الائمة الراشدون " " هم الائمة الهادية " " فهم كلمة التقوىٰ و وسيلة الهدىٰ " پس اگر مخاطب (مؤلف تحفہ) کی پیش کردہ حدیث کو صحیح مانیں تو " الحديث يفسر بعضه بعضا " (یعنی ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے) کی روشنی میں مذکورہ حدیث (عليكم بسنتی ......) سے مراد ائمہؑ اطہار ہی ہیں. شہاب الدین احمد سبط قطب الدین ایجی نے اسی خطبے کو "توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل" میں یوں نقل کیا ہے۔

"یہ وہی خطبہ ہے جس کو رسولؐ خدا نے آیۃ " انما وليكم الله و رسوله و الذين آمنوا " کے نازل ہونے کے وقت بیان کیا اور فرمایا:

الحمد لله على آلائه فى نفسى و بلائه فى عترته و اهلبيتى ....

اے لوگو! خدا نے مجھے اور میرے اہلبیت کو ایسی طینت سے خلق کیا جس سے کسی اور کو خلق نہیں کیا، ہم ہی سے خلقت کا آغاز ہوا اور جب ہمیں خلق کیا تو

ہمارے نور سے ساری تاریکیوں کو منور اور ہمارے وسیلے سے ہر طینت کو زندہ کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ میری امت کے برگزیدگان، میرے علم کے حامل، میرے راز کے خزانے، اہل زمین کے سید وسردار، حق کی طرف دعوت دینے والے، کسی شک وتردید اور عہد کو توڑے بغیر سچائی کے ساتھ خبر دینے والے ہیں، یہی ہدایت یافتہ ہادی اور ائمہ راشدین ہیں، (ھـؤلاء الهداة المهتدون و الائمه الراشدون) جو ان کی اطاعت اور ولایت کے ساتھ میرے پاس آیا وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو ان سے دشمنی کر کے میرے پاس آیا وہ گمراہ ہے، ان کی دوستی ایمان اور ان سے کینہ نفاق ہے، یہی ہدایت کرنے والے امام اور ایمان کی مضبوط رسی ہیں انہی کے وسیلے سے اعمال صالحہ آخری شکل پاتے ہیں، خدا نے انہی کے بارے میں اولین وآخرین سے وصیت کی اور ان ارحام سے سفارش کی جن کی خدا نے تم کو قسم دی اور فرمایا: اتقوا الله الذی تسئلون و الارحام ان الله کان علیکم رقیبا (نساء آیت ۱) اور تم کو ان سے محبت کرنے کا یوں حکم دیا'' قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربی '' یہی وہ ہیں جن سے ہر رجس کو دور اور ہر نجاست سے پاک رکھا، جب بھی یہ بولیں گے سچ بولیں گے، جب بھی ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا تو یہ اس کو جانتے ہوں گے، جب ان کے سپرد امانت کی جائے گی تو وہ اس کی حفاظت کریں گے، دس ایسی خصلتیں ہیں جو

صرف میری عترت واہلبیت کو حاصل ہیں، علم، حلم، پیامبری، بخشش، شجاعت، سچائی، طہارت، عفت، حکمت، یہی کلمہ تقوی، وسیلہ ہدایت، حجت عظمیٰ اور عروۃ الوثقی ہیں میرے اور تمھارے رب کے حکم کے مطابق یہی تمھارے ولی ہیں، میں تمھیں انہی چیزوں کا حکم دوں گا جن کا میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے، آگاہ ہوجاؤ! من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ، وانصر من نصرہ و اخذل من خذلہ، ان کے بارے میں میرے پرودگار نے تین مرتبہ وحی کے ذریعے کہا کہ وہ سید المسلمین، امام الخیرۃ المتقین اور قائد الغر المحجلین ہیں، جس چیز کا میرے پرودگار نے حکم دیا تھا اس کو میں نے پہونچا دیا، خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے میں انھیں تمھارے حوالے کرتا ہوں اور خدا سے طلب مغفرت کرتا ہوں''

اس خطبے میں حضرتؐ نے ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں کہ ان میں کی ہر ایک امام امیر المومنینؑ اور ائمہؑ معصومین کو ثابت کرتی ہیں، بعض باتوں کو میں نے عبقات الانو حدیث غدیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

دلیل دوازدہم: رسولؐ خدا نے حدیث ثقلین کے ضمن میں اہلبیتؑ کے ایسے فضا بیان کئے ہیں جن کو دیکھ کر ہر منصف مزاج یہی کہے گا کہ ''خلفاء راشدین مھدیین''۔ مراد یہی ائمہؑ طاہرین ہیں، مثلاً آپ نے فرمایا'' الا وانھم اھل الولایۃ الدالو

علی طرق الهدایة" چنانچہ چھٹی صدی ہجری کے محدث اہلسنت محمد بن مسلم بن ابو الفوارس رازی اپنی کتاب "الاربعین فی مناقب امیر المومنین" میں تحریر کرتے ہیں۔

"خدا ہمیں نبیؐ اور ان کی ذریت میں محشور کرے اور اپنے فضل و رحمت سے ان کی رویت و شفاعت نصیب کرے، ان پر خدا کی صلوٰۃ ہو جنہیں خدا نے ہر رجس و پلیدگی سے دور رکھا اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھا جو حق تھا رکھنے کا، اور نبیؐ نے فرمایا: میں تم میں کتاب خدا اور اپنی عترت جو میرے اہلبیت ہیں چھوڑے جاتا ہوں، یہی دونوں میرے بعد میرے خلیفہ ہیں ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے، یہ ایک رسی ہیں جو آسمان سے زمین تک دراز ہیں، اگر ان دونوں کو مظبوطی سے پکڑے رکھا تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے، یہ کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ قیامت میں حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، دیکھو گفتار میں ان پر سبقت نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ ہی پیچھے رہ جانا ورنہ پھر بھی ہلاک ہو جاؤ گے، تم میں ان کی مثال بالکل سفینۂ نوح جیسی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پائی اور جس نے روگردانی کی ہلاک ہوا، اور تم میں ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل کے لئے باب حطہ جو اس میں داخل ہوا بخش دیا گیا، آگاہ ہو جاؤ! میرے اہلبیت میرے امت کے لئے امان ہیں، اگر میرے اہلبیت ختم ہو جائیں تو میری امت پر وہ عذاب نازل ہو جس کا وعدہ کیا گیا ہے، آگاہ ہو جاؤ انھیں (اہلبیتؑ کو) اللہ نے گمراہی سے محفوظ اور برائیوں سے پاک و پاکیزہ رکھا

ہے اور عالمین کے لئے انہی کا انتخاب کیا ہے، آگاہ ہو جاؤ! اللہ نے ان کی محبت واجب اوران کی مودت کا حکم دیا ہے، آگاہ ہو جاؤ! یہی دنیا اور آخرت میں لوگوں پر گواہ ہیں، آگاہ ہو جاؤ!، یہی اہل ولایت ہیں جو راہ ہدایت کی نشاندہی کرتے ہیں، آگاہ ہو جاؤ! انہی کی اطاعت کو فرد اور جماعت پر اللہ نے واجب قرار دیا ہے، جس نے ان کے دامن کو پکڑا نجات پائی اور جس نے انھیں چھوڑا ہلاک ہوا آگاہ ہو جاؤ! میری عترت طاہرہ دین کی طرف دعوت دینے والے متقیوں کے امام، مسلمانوں کے سید وسردار، مومنوں کے پیشوا اور خدا کی طرف سے ساری مخلوق کے امین ہیں، یہی شک اور یقین کی نشاندہی کرنے والے اور حق مبین کو پیش کرنے والے ہیں''

دلیل سیزدہم: پیغمبر اسلام نے ائمہ اطہار کو ''ائمہ ھداۃ'' سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ دلیل دوم میں سید علی ہمدانی کی کتاب ''مودۃ القربیٰ'' مودۃ نمبر ۱۰ کی حدیث سے معلوم ہوا، لہذا مورد بحث حدیث میں ''خلفاء راشدین مھدیین'' سے مراد یہی نفوس قدسیہ یعنی ائمہ اطہار ہیں جیسا کہ شیخ سلیمان بلخی نے ''ینابیع المودۃ'' باب ۳ میں لکھا ہے کہ:

''حموینی نے ''فرائد السمطین'' میں اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ امام محمد باقر نے فرمایا! ہم ہی نزدیکان خدا اور بہترین خلق خدا ہیں، ہم ہی میراث انبیاء کی جایگاہ ہیں، ہم ہی خدا کی حجت، ارکان ایمان اور دعائم الاسلام ہیں، ہم ہی مخلوق پر خدا کی رحمت کا واسطہ ہیں، سارے امور کی ابتدا بھی ہم سے ہوتی ہے

اوراس کا اختتام بھی ہم ہی پر ہوتا ہے، ہم ہی ائمہ ھدیٰ اور خدا کی دعوت دینے والے ہیں، ہم ہی تاریکی کے لئے چراغ اور منار ہدایت ہیں، ہم ہی حق کے پرچمدار ہیں، جس نے ہماری راہ اختیار کی ہم سے ملحق ہوا اور جو اس راہ سے منحرف ہوا غرق ہوا، ہم ہی قائد غرالمجلین ہیں، ہم ہی طریق واضح اور خدا تک پہونچنے کے لئے صراط مستقیم ہیں، ہم ہی خلق خدا کے لئے نعمت الٰہی ہیں، ہم ہی معدن نبوت، جایگاہ رسالت' ور ملائکہ کی آمد ورفت کا محور ہیں، جو شخص ہم سے روشنی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ہم صراط اور چراغ ہیں، جو ہماری اقتدا کرے اس کے لئے ہم راستہ ہیں، ہم ہی جنت کی طرف ہدایت کرنے والے امام(ائمہ الھداۃ الی الجنۃ)اوراسلام کے مضبوط دستے ہیں، ہم ہی پل صراط ہیں جواس سے گزرا ہم سے ملحق ہوا اور جس نے روگردانی کی ہلاک ہوا، خدااپنی رحمتوں کو ہمارے ہی ذریعے اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے، ہمارے ہی ذریعے بارش تم کو سیراب کرتی ہے اور ہماری وجہ سے ہی تم سے عذاب ٹلتا ہے، پس جس نے ہماری معرفت حاصل کی اور ہماری نصرت کی اور ہمارے حق کی معرفت حاصل کی اور ہمارے اوامر پرعمل کیا وہی ہم سے ہے''

دلیل چہاردہم: پیغمبرؐ اسلام نے ائمہؑ اطہار کی''ائمہ ھدیٰ'' سے توصیف کی ہے جیسا کہ دلیل چہاردہم میں روضۃ الاحباب میں منقول جناب جابر کی حدیث سے معلوم ہوا، لہذا مورد بحث حدیث (علیکم بسنتی ......) کے صحیح ہونے کی صورت میں اس

سے مراد ائمۂ معصومین ہی ہوں گے، شیخ سلیمان بلخی نے بھی ''ینابیع المودۃ'' میں جناب جابر کی حدیث کو تھوڑے الفاظ کے اختلاف سے نقل کیا ہے، اس حدیث کے آخر میں ہے کہ:

''جابر بن عبداللہ انصاری (چوتھے امامؑ) علی بن الحسین کے پاس گئے اتنے میں (پانچویں امامؑ) محمد بن علی تشریف لائے، جابر نے کہا: اے مولا آپ کے جد (رسول خداؐ) نے فرمایا تھا کہ جب تم اس (امام محمد باقرؑ) سے ملنا تو میرا سلام کہہ دینا اور فرمایا تھا کہ آپ ہی حضرات (حضرت کے بعد) ''ائمہ ھدیٰ'' ہیں. بچپنے میں بہت بڑی حکمت کے مالک اور جوانی میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، نیز فرمایا تھا: ان (اہلبیتؑ) کو سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں. (امام محمدؑ) باقر نے فرمایا: حکمت ہمیں بچپنے ہی میں ملی تھی اور یہ ہم اہلبیت پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے''

دلیل پانزدہم: پیغمبرؐ اسلام نے اپنی حدیث میں حضرت علیؑ اور ائمۂ معصومین کو ''ائمہ ھدیٰ'' سے تعبیر کیا ہے اور ان کے لئے فرمایا ہے '' فھؤلاء مصابیح الدجیٰ و ائمۃ الھدیٰ و اعلام التقیٰ'' پس اگر مورد بحث حدیث کو صحیح مانیں تو اس سے مراد ائمۂ طاہرین ہوں گے، چنانچہ چھٹی صدی ہجری کے عالم اہلسنت محمد بن مسلم بن ابوالفوارس رازی اپنی کتاب ''الاربعین فی مناقب امیرالمومنین'' میں لکھتے ہیں:

''ابوحفص احمد بن نافع بصری کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے باپ نے بتایا جو (آٹھویں امام) ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے خادم تھے انہوں

نے کہا مجھ سے (امام علی) رضا نے بیان کیا انہوں نے کہا مجھ سے میرے باپ عبدالصالح (امام) موسی بن جعفر نے بیان کیا انہوں نے کہا مجھ سے میرے باپ (امام) جعفر صادق نے بیان کیا انہوں نے کہا مجھ سے میرے باپ (امام) محمد بن علی جو علم انبیاء میں شگاف کرنے والے ہیں نے بیان کیا انہوں نے کہا مجھ سے میرے باپ سید العابدین (امام) علی بن الحسین نے بیان کیا انہوں نے کہا مجھ سے میرے باپ سید الشہداء (امام) حسین بن علی نے بیان کیا انہوں نے کہ مجھ سے میرے باپ سید الاوصیاء علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ نے بیان کیا انہوں نے کہا مجھ سے میرے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ وہ خدائے عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ عنایت الٰہی اس کے شامل حال ہو تو وہ تجھ (علیؑ) سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ خدائے عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ خدا اس سے راضی ہو تو وہ تمھارے بیٹے حسن سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ خدائے عزو جل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ کسی طرح کا خوف اس کو نہ ہو تو وہ تمہارے بیٹے حسین سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ خدائے عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو تو وہ (چوتھے امام) علی بن الحسین سے محبت کرے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے " سیما هم فی وجوههم من اثر السجود " جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اس حال

میں خدائے عزوجل سے ملاقات کرے کہ وہ نور چشم ہوتو وہ (پانچویں امام) محمد بن علی سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اس حال میں خدائے عزوجل سے ملاقات کرے کہ وہ پاک و پاکیزہ ہوتو وہ (ساتویں امام) موسیٰ بن جعفر الکاظم سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ خدائے عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ ہنس رہا ہوتو وہ (آٹھویں امام) علی بن موسیٰ الرضا سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ خدائے عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس کے درجات بلند اور اس کی برائیاں اچھائیوں سے بدلی ہوئی ہوں تو وہ علی رضا کے بیٹے (نویں امام) محمد سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ خدائے عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس کا حساب بہت آسان لیا گیا ہوتو وہ محمد کے بیٹے (دسویں امام) علی سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ خدائے عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ کامیاب لوگوں میں سے ہوتو وہ علی کے بیٹے (گیارہویں امام) حسن عسکری سے محبت کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ خدائے عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس کا اسلام و ایمان کامل ہوتو وہ حسن عسکری کے بیٹے (بارہویں امام) محمد جو مہدی منتظر اور صاحب الزمان ہیں سے محبت کرے، یہی مصابیح الدجیٰ، ائمۃ الہدیٰ اور اعلام التقیٰ ہیں، جو ان سے محبت اور ان کی ولایت کا اقرار کرے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں"

دلیل شانزدہم: امام حسینؑ سے مروی حدیث میں پیغمبر اسلامؐ نے اہلبیتؑ اطہار کو" ائمہ ھدیٰ" سے تعبیر کیا ہے، لہذا امورد بحث حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں اس سے مراد ائمہؑ معصومین ہوں گے، چنانچہ خوارزمی "المناقب" ص ۳۴ پر اور سلیمان بن ابراہیم بلخی "ینابیع المودۃ" (باب ۴۳) ص ۱۲۷ پر لکھتے ہیں:

"ہم سے میرے بھائی امام الاجل شمس الائمہ ابوالفرج محمد بن احمد مکی نے بیان کیا ان سے امام وزاہد ابومحمد اسماعیل بن علی بن اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے سید الاجل مرشد باللہ امام ابوالحسن یحیی بن موفق باللہ سے انہوں نے ابو طاہر محمد بن علی بن محمد یوسف واعظ ابن العلاف سے انہوں نے ابوجعفر محمد بن احمد بن محمد بن حماد معروف بہ ابن سیم سے انہوں نے ابومحمد قاسم بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد محمد بن علی باقر سے انہوں نے اپنے والد علی بن الحسین بن علی سے اور انہوں نے اپنے والد حسین شہید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں (امام حسینؑ) نے اپنے جد رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میری زندگی کی طرح ہو اور اس کی موت میری موت کی طرح ہو، اور وہ اس جنت میں داخل ہو جس کا میرے رب نے وعدہ کیا ہے تو وہ علی اور اس کی ذریت سے محبت کرے کیونکہ وہی "ائمہ ھدیٰ" اور روشن چراغ ہیں، یہ ہرگز تمہیں درِ ہدایت سے نکال کر در ضلالت میں داخل نہیں کریں گے"

بلخی نے ''ینابیع المودہ'' کے باب ۳ میں اسی موضوع سے متعلق امام جعفر صادقؑ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے۔

دلیل ہیفدہم: ابن عباس سے مروی حدیث میں پیغمبر اسلامؐ نے اختلاف کے موقع پر اہلبیتؑ اطہار کو امت کے لئے امن وامان کا باعث قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ عرب کا جو بھی قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا وہ شیطان کے گروہ سے ہوگا، لہذا مورد بحث حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں خلفاء سے مراد ائمہؑ اطہار ہیں، کیونکہ درج ذیل حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضرتؐ نے اختلاف کے بھنور سے بچنے کے لئے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی، اس لئے لفظ ''خلفاء'' سے حضرتؐ کی مراد اہلبیت علیہم السلام ہوں گے، کیونکہ اختلاف کے وقت یہی امن وامان کا باعث ہیں، حدیث ملاحظہ کیجئے۔

جلال الدین سیوطی اپنی کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' ج ۳ ص ۲۶۴ پر لکھتے ہیں:

''حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستارے اہل زمین کو غرق سے امان دیتے ہیں اور میرے اہلبیت میری امت کو اختلاف سے امان دیتے ہیں، جب عرب کا کوئی قبیلہ ان کے مخالف ہو جائے گا تو اس قبیلے کے لوگ شیطان کے گروہ سے ہو جائیں گے، اس حدیث کو ابویعلی اور ابن ابی شیبہ نے سلمہ بن اکوع سے نقل کیا ہے''

شمش الدین سخاوی نے ''استجلاب ارتقاء الغرف'' میں، نورالدین سمہودی نے 'جواہر العقدین'' میں، ابن حجر مکی نے ''الصواعق المحرقہ'' میں، محمود بن محمد بن شیخانی قادری

نے ''صراط السوی'' میں، محمد صدر عالم نے ''معارج العلی فی مناقب المرتضیٰ'' میں، شیروانی نے ''الاتحاف بحب الاشراف'' (ص۲۰) میں، شیخ حسن حمزاوی نے ''مشارق الانوار'' (ص۸۶) میں اور سلیمان بن ابراہیم بلخی نے ''ینابیع المودۃ'' (ص۲۹۸) میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

دلیل ہیجدہم: جناب جابر سے مروی حدیث میں پیغمبر اسلام نے فرمایا: اللهم انهم اهلي و القوام لديني و المحيون لسنتي '' اگر مورد بحث حدیث کو صحیح مانیں تو ''خلفاء'' سے مراد اہلبیتؑ طاہرین ہی ہوں گے جو سنت نبویہ کے احیاء کرنے والے ہیں، چنانچہ چھٹی صدی ہجری کے عالم اہلسنت محمد بن مسلم بن ابوالفوارس رازی اپنی کتاب'' الاربعین فی مناقب امیر المومنین'' میں لکھتے ہیں:

''جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دن رسول خداؐ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں علی بن ابی طالب آگئے، حسن ان کے داہنی طرف تھے اور حسین بائیں طرف، یہ دیکھ کر رسولؐ خدا کھڑے ہوئے اور علی کا بوسہ لیا اور بڑے عزت و احترام سے اپنے پاس بٹھایا اور پھر حسن کا بوسہ لیا اور انہیں داہنی ران پر بیٹھایا، اس کے بعد حسین کا بوسہ لیا اور بائیں ران پر بیٹھایا اور پھر کبھی حسن کا بوسہ لیتے تھے اور کبھی حسین کا، اور فرماتے جارہے تھے کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہو جائیں، جب آپ نے اظہار محبت کرلیا تو اصحاب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ایها الناس! خدائے عزوجل ہر روز کئی بار ملائکہ کے سامنے ان دونوں (

حسن وحسین) پران دونوں کے باپ پر، ان دونوں کی ماں پر اور ان دونوں کی نیک اولاد پر فخر ومباہات کرتا ہے ان کی مثال بنی اسرائیل کے تابوت جیسی ہے، بارالہا جو شخص ان کے بارے میں میری اطاعت کرے، اور ان کے بارے میں میری وصیت کی رعایت کرے اس کو جنت میں میرے ساتھ قرار دے بارالہا! جو شخص ان کے بارے میں بتائے ہوئے میرے فرامین کی نافرمانی کرے اس کو اپنی رحمت و جنت سے محروم کر دے! بارالہا، یہی میرے اہل اور ان ہی پر میرے دین کا دار و مدار ہے، میری سنت کو زندہ رکھنے والے بھی یہی ہیں اور قرآن کی تلاوت کرنے والے بھی یہی ہیں، ان کی اطاعت میری اطاعت ہے اور ان کی نا فرمانی میری نافرمانی ہے''

لفظ عترت کے بارے میں ایک شبہ کا جواب

مخاطب (مؤلف تحفہ) نے کہا ہے کہ "اگر ہم آپ کی بات مان لیں تو زبان عرب میں "عترت" اقارب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اگر اس کی دلالت امامت پر ہو تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے اقارب ائمہ واجب الاطاعۃ ہوں گے خاص طور سے عبداللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ، زید بن علی، حسن مثنیٰ، اسحاق بن جعفر صادق رحمہم اللہ اور ان جیسے دیگر رشتہ دار"

میں (میر حامد حسین) کہتا ہوں کہ مخاطب کا یہ استدلال کئی لحاظ سے غلط ہے ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) کا یہ کہنا کہ زبان عرب میں "عترت" کے معنی عام اقارب کے ہیں غلط اور علم لغت سے ان کی عدم آشنائی کی علامت ہے، اس لئے کہ ائمہ لغت عرب نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ "عترت" کے معنی اولاد اور نزدیک ترین رشتہ دار کے ہیں، اس لفظ کا اطلاق عام اقارب پر نہیں ہوتا ہے، اب اگر شاہ صاحب اس کے معنی

نہیں جانتے تھے تو یہ تعجب کا مقام ہے اور اگر جانتے ہوئے انہوں نے حقائق سے چشم پوشی کی تو یہ رونے کا مقام ہے، اس لفظ ''عترت'' کے معنی اتنے واضح ہیں کہ بیان کی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی اتمام حجت کی خاطر بعض مشہور اور مستند علمائے لغت کی عبارتیں پیش کر رہا ہوں۔

جوھری نے ''صحاح اللغۃ'' میں لکھا ہے:

''کسی شخص کی عترت اس کی اولاد اور اس کے نزدیک ترین رشتہ دار ہیں''

مشہور لغوی ابن سیدہ ''المخصص'' میں لکھتے ہیں:

''ابو عبید کا کہنا ہے کہ کسی شخص کا اسرہ یعنی اس کے نزدیک ترین رشتہ دار اور یہی معنی فیصلہ اور عترت کے ہیں''

ابن اثیر ''النھایۃ'' میں ''حدیث ثقلین'' نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''کسی شخص کی عترت اس کے خاص اقارب ہیں''

ابن منظور ''لسان العرب'' میں ''حدیث ثقلین'' اور ابن اثیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ابن عربی کا کہنا ہے کہ کسی شخص کی اولاد، اس کی ذریت اور اس کے صلب سے آنے والی نسل کو ''عترت'' کہتے ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت اولاد فاطمہ بتول علیہا السلام ہیں''

فیروز آبادی ''القاموس المحیط'' میں لکھتے ہیں:

''کسی شخص کے گزشتہ یا آئندہ آنے والے نزدیک ترین رشتہ دار کو عترت کہتے ہیں''

جلال الدین سیوطی ''درنثیر'' میں لکھتے ہیں:

''کسی شخص کی عترت اس کے خاص اقارب ہیں''

زبیدی ''تاج العروس'' میں لکھتے ہیں:

''ابوعبید وغیرہ کا کہنا ہے کسی شخص کی عترت، اسرہ اور فیصلہ اس کے نزدیک ترین رشتہ دار ہوتے ہیں، ابن اثیر کہتے ہیں کہ کسی شخص کی عترت اس کے خاص اقارب ہیں، ابن عربی کا بیان ہے کہ کسی شخص کی عترت اس کی اولاد، اس کی ذریت اور اس کے صلب سے آنے والی نسل کو کہتے ہیں، لہذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت اولاد فاطمہ بتول علیہا السلام ہیں''

۲۔ پیغمبر اسلام نے ''حدیث ثقلین'' میں اپنی عترت کو قرآن کا قرین ومصاحب قرار دیا ہے اور یہ ''عترت'' کے معصوم ہونے کی دلیل ہے، لہذا یقیناً ''عترت'' سے مراد وہی خاص اقارب ہوں گے جو معصوم ہیں اور بالاجماع ثابت ہے کہ حضرت کے اقارب میں سوائے فاطمہ زہرا اور بارہ اماموں کے کوئی بھی معصوم نہیں ہے، پس کس طرح اس لفظ ''عترت'' سے مطلق اقارب مراد ہو سکتے ہیں؟!

۳۔ پیغمبر اسلام نے ''حدیث ثقلین'' میں قرآن اور اپنی عترت میں عدم افتراق کی خبر دی ہے، اور یہ عترت کی عصمت کی دلیل ہے، پس کس طرح ''عترت'' سے مراد سارے اقارب ہو سکتے ہیں؟

۴۔ پیغمبرؐ اسلام نے ''حدیث ثقلین'' میں قرآن کے ساتھ ''عترت'' سے بھی وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے اور یہ عترت طاہرہ کی عصمت کی دلیل ہے، پس کیسے وہ افراد اس میں داخل ہو سکتے ہیں جو اس کمال سے عاری تھے؟

۵۔ پیغمبرؐ اسلام نے ''حدیث ثقلین'' میں قرآن کے ساتھ عترت سے وابستگی کو گمراہی سے بچنے کا ذریعہ بتایا ہے اور ان کے قول و عمل میں عدم لغزش کو بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ حضرتؐ کے اقارب میں سوائے جناب فاطمہؑ اور بارہ اماموںؑ کے کوئی بھی معصوم نہیں تھا، پس کس طرح سارے اقارب ''عترت'' میں داخل ہو جائیں گے؟

۶۔ پیغمبرؐ اسلام نے ''حدیث ثقلین'' میں اپنی ''عترت'' کو قرآن کی طرح جمیع علوم دینیہ اور سارے احکام شرعیہ کا جامع بتایا ہے جس کا (ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقہ میں اور دیگر) کبار علمائے اہلسنت نے اعتراف کیا ہے، اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ حضرتؐ کے اقارب میں جناب فاطمہؑ اور بارہ اماموںؑ کے سوا کوئی بھی اس فضیلت کا حامل نہیں تھا، پس کس طرح ''عترت'' سے مراد حضرتؐ کے سارے اقارب ہو سکتے ہیں؟

۷۔ پیغمبرؐ اسلام نے ''حدیث ثقلین'' میں صرف لفظ '' عترتی '' پر اکتفا نہیں کیا کہ شاہ صاحب کو اوروں کو بھرتی کا موقع مل جائے بلکہ آپ نے '' عترتی '' کے ساتھ '' اھلبیتی '' ارشاد فرمایا جیسا کہ بحث سند میں بہت سے طرق واسناد سے مروی ''حدیث ثقلین'' اس کی شاہد ہے، جس سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں ''عترت''

سے مراد حضرتؐ کے سارے اقارب نہیں ہیں بلکہ ''عترت'' سے مراد آپ کے اہلبیتؑ ہیں، اورآپ کے اہلبیتؑ وہی ہیں جن کی حضرتؐ نے آیہ تطہیر کے نزول اور دیگر مواقع پر نشاندہی کی ہے، لہذا شاہ صاحب کی زیرکی کام نہیں آئی۔

۸۔ پیغمبرؐ اسلام نے ''حدیث ثقلین'' بیان کرنے کے بعد ''ثقلین'' (قرآن اور اہلبیتؑ) کے بارے میں ارشاد فرمایا'' ناصر هما لی ناصر و خاذ لهمالی خاذل وولیهما لی ولی و عدوهما لی عدو ''یعنی ان دونوں کا مددگار میرا مددگار ہے اور ان دونوں کو چھوڑنے والا مجھے چھوڑنے والا ہے، ان دونوں کا دوست میرا دوست ہے اور ان دونوں کا دشمن میرا دشمن ہے، اور حضرتؐ کا یہ کلام بلاغت نظام عترت و اہلبیتؑ کی عصمت کو ثابت کررہا ہے جیسا کہ اکابر علمائے اہلسنت نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ اور چونکہ حضرتؐ کے اقارب میں جناب فاطمہؑ اور بارہ اماموںؑ کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں ہے لہذا شاہ صاحب کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ ''عترت'' سے مراد حضرتؐ کے سارے اقارب ہیں۔

۹۔ پیغمبرؐ اسلام نے ''حدیث ثقلین'' کے بعد فرمایا'' و انهم لن یخرجوکم من باب هدی و لم یدخلوکم فی باب ضلالة ' 'یعنی یہ تمھیں نہ تو در ہدایت سے خارج کریں گے، نہ ہی در ضلالت میں داخل، اور یہ عترت طاہرہ کی عصمت کی دلیل ہے اور چونکہ حضرتؐ کے مرد اقارب میں بارہ اماموںؑ کے علاوہ کسی اور کی عصمت کا کوئی قائل نہیں ہے لہذا بارہ اماموںؑ کے سوا کوئی بھی ''عترت'' میں داخل نہیں ہوسکتا۔

۱۰۔ کئی طرق واسناد سے مروی "حدیث ثقلین" میں حضرتؐ نے واضح لفظوں میں اپنی عترت واہلبیت کی اعلمیت کا اعلان کیا اور فرمایا: "لا تعلموهم فانهم اعلم منكم" یعنی اہلبیتؑ کو سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں. نیز فرمایا: "احلم الناس كباراً و اعلمهم صغارا" جیسا کہ ابونعیم اصفہانی نے اپنی کتاب "منقبۃ المطہرین" میں اس کی روایت کی، اور یہ بات واضح ہے کہ اس مرتبہ اعلمیت پر حضرتؐ کے خاص رشتہ داروں کے سوا کوئی اور فائز نہیں تھا اور کسی نے بھی سارے اقارب کو اس منصب کا حامل نہیں کہا، ہمارے اس مدعیٰ کو دلیل دوازدھم میں پیش کی جانے والی محمد بن مسلم بن ابو الفوارس رازی کی کتاب "الاربعین" کی روایت کا ہر فقرہ ثابت کرتا ہے. اس کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی عقلمند شاہ صاحب کی بات مان سکتا ہے؟

۱۱۔ صحابہ کے سوال اوران کے جواب کی روشنی میں "حدیث ثقلین" بارہ اماموںؑ سے اس طرح مخصوص ہے کہ پھر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی ہے، چنانچہ حموئی نے "فرائد السمطین" میں حضرت علی کا جومناشدہ (یعنی قسم دے کر سوال کرنا) نقل کیا ہے اس میں یہ بھی ہے:

"علی نے فرمایا: تم سے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں! کیا تم جانتے ہو کہ رسول خداؐ آخری خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت واہلبیت ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو کبھی گمراہ نہ ہوگے، اس لئے

کہ خداوند خبیر نے مجھے خبر دی ہے اور مجھ سے عہد کیا ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں. اس وقت عمر بن خطاب نے تیور بدل کر پوچھا تھا یا رسول اللہ! کیا آپ اپنے گھرانے کے سارے افراد سے وابستگی کا حکم دے رہے ہیں؟! فرمایا نہیں صرف وہ جو میرے وصی ہیں کہ ان میں کا پہلا میرا بھائی، میرا وزیر، میرا وارث، میری امت کا خلیفہ اور میرے بعد ہر مومن کا ولی (علی) ہے پھر میرے بیٹے حسن و حسین ہیں اور ان کے بعد حسین کی نسل سے یکے بعد دیگرے نو اوصیاء ہوں گے یہاں تک کہ یہ حوض کوثر پر پہونچیں، یہی زمین پر خدا کی طرف سے گواہ، اس کی مخلوق پر حجت اور علم و حکمت کے خزانے ہیں، جس نے ان کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی، یہ سن کر سارے اصحاب نے ہم آواز ہو کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ ایسا ہی رسول خداؐ نے فرمایا تھا''(۱)

اس روایت کو دیکھنے کے بعد کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ''عترت'' کے معنی عام اقارب کے ہیں۔

۱۲۔ جید عالم اہلسنت ابوسعد عبدالملک بن محمد بن نیشاپوری خرگوشی متوفی ۴۰۷ھ کی کتاب ''شرف المصطفیٰ'' میں موجود روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ''حدیث ثقلین'' ائمہؑ اطہار سے مخصوص ہے، خرگوشی لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ کی زندگی کا آخری لمحہ آیا تو آپ

۱۔ فرائد السمطین ج۱ص۳۱۷

sabeelesakina@gmail.com 03333589401

نے اپنے اطراف میں بیٹھے مسلمانوں سے فرمایا:

''تمہارے درمیان تمہارے نبیؐ کی اولاد ہے، جب تک تم ان سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، وہ حق کی طرف دعوت دینے والے، نجات کے ذریعے، ارکان ارض اور درخشندہ ستارے ہیں جن سے کسب نور کیا جاتا ہے اور ایسے درخت ہیں جس کی شاخیں پاک و پاکیزہ ہیں اور ایسے زیتون سے ہیں جس کی جڑ مبارک ہے، وہ حرم میں اُگا اور کرم کے پانی سے سیراب کیا گیا، خیر و نیکی پر اس کا قرار اور اسی کی طرف وہ رجوع ہوتا ہے اور اس کا نشو ونما بہت با برکت ہے، خس و خاشاک اور قبیح و ادنی خصلتوں سے پاک و مبرا ہے، اس کی شاخوں کی بلندی تک پہونچنے سے لوگوں کی گردنیں معذور ہیں، پس وہ لوگ ان ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں ، انہوں نے رسول خداؐ کی خلافت کا حق بہت اچھی طرح ادا کیا، چنانچہ رسول خداؐ نے تمہیں خبر دی کہ وہ اور قرآن دو گرانقدر چیزیں ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہونچیں، لہذا تم ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑو تا کہ ہدایت پاؤ، اور نہ ان سے جدا ہونا نہ ہی ان کو چھوڑنا ورنہ تم متفرق ہو جاؤ گے اور دین سے نکل جاؤ گے''

۱۳۔ امام حسنؑ نے اپنے خطبے میں ''حدیث ثقلین'' کو حضرت کے خاص اقارب ائمہؑ معصومین کے بارے میں بتایا ہے، چنانچہ علامہ سبط ابن جوزی ''تذکرۃ الخواص'' میں امام حسن اور معاویہ کے درمیان صلح کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''پھر معاویہ کوفہ آیا، عمرو عاص نے اس کو اشارہ کیا کہ امام حسن کو حکم دے کہ وہ لوگوں کے سامنے خطبہ دیں تا کہ لوگوں پر ان کا عجز آشکار ہو جائے، لہذا معاویہ نے امام حسن کو خطبہ دینے کے لئے کہا، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے لوگو! اللہ نے تم کو ہمارے پہلے بزرگوں کے ذریعے ہدایت دی اور ہمارے آخر کے لوگوں سے تم کو قتل سے بچایا، ہم تمھارے نبیؐ کے اہلبیت ہیں، ہم سے ہر طرح کے رجس کو خدا نے دور رکھا ہے اور ایسا پاک و پاکیزہ رکھا ہے جو حق ہے رکھنے کا، یقیناً موجودہ حالت کے لئے بھی ایک مدت ہے، اور دنیا چھاؤں کے مانند ہے، خدا نے اپنے نبی سے کہا: ان ادری لعلہ فتنۃ لکم و متاع الی حین! یہ سن کر لوگ چیخ مار کر رونے لگے، معاویہ نے عمرو بن عاص کی طرف دیکھ کر کہا یہ ہے تیری رائے کا کرشمہ، اور امام حسن سے کہا بس اتنا کافی ہے اے ابو محمد! اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم ہی حزب اللہ المفلحون، اس کے رسول کی پاک عترت اور اس کے طیب و طاہر اہلبیت ہیں اور ثقلین میں سے ایک ثقل ہیں جن کو رسولؐ نے تمھارے درمیان چھوڑا ہے اور فرمایا ہے کہ ہماری اطاعت خدا کی اطاعت ہے، لہذا اگر تم کسی امر میں جھگڑا کرو تو اس کے خاتمے کے لئے خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو، یقیناً معاویہ نے ہمیں ایک ایسے کام کی طرف دعوت دی ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف، پس اگر تم موافقت کرو تو ہم اس سے انکار کر دیں

اورتلواروں سے اس کا مقابلہ کریں، لیکن اگرتم ہماری مدد سے انکار کردو تو ہم اس امر کو قبول کرلیں، اس پر چاروں طرف سے آواز بلند ہونے لگی کچھ اور بیان کیجئے کچھ اور بیان کیجئے''(۱)

۱۴۔ حدیث ثقلین کا اہلبیتؑ کے متعلق ہونا اتنا واضح ہے کہ بعض جید علمائے اہلسنت نے اس کی تصریح کردی ہے، اہلسنت کے عظیم المرتبت محدث حکیم ترمذی لکھتے ہیں:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ یہ دونوں (قرآن اور اہلبیتؑ) کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، اور آپ کا فرمانا کہ جب تک تم ان سے وابستہ رہو گے گمراہ نہ ہوگے، اس طرح کی حدیثیں صرف ائمہ پر جو سید و سردار ہیں منطبق ہوتی ہیں اوروں پر نہیں''(۲)

سبط ابن جوزی نے اس حدیث کو ''باب ذکر الائمہ علیہم السلام'' میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ ہم سے اسود بن عامر نے بیان کیا انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے عثمان بن مغیرہ سے اور انہوں نے علی بن ربیعہ سے روایت کی ہے، ربیعہ کا کہنا ہے کہ میں نے زید بن ارقم سے ملاقات کی اور ان سے میں نے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت کو کہتے ہوئے سنا ہے' ترکت فیکم الثقلین واحد منھما اکبر من الآخر ؟زید بن ارقم نے جواب دیا ہاں

۱۔ تذکرۃ الخواص ص ۱۹۸ ۲۔ نوادر الاصول ص ۶۹

میں نے آنحضرتؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ " ترکت فیکم الثقلین کتاب الله حبل ممدود بین السماء و الارض و عترتی اهلبیتی ، الا ! انهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض ، الا ! فانظروا کیف تخلفونی فیهما "(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ سبط ابن جوزی نے اپنی اس کتاب میں "ائمہ" کے بارے میں ایک خاص باب قائم کیا ہے، اوراس کی ابتداء "حدیث ثقلین" سے کی ہے۔

گنجی شافعی (متوفی ۶۵۸ھ) نے "کفایۃ الطالب" میں ٹھوس دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ "حدیث ثقلین" ائمہؑ معصومین سے مخصوص ہے، وہ لکھتے ہیں:

"پہلا باب اس خطبے کی صحت کے بارے میں ہے جس کو رسولؐ خدا نے "غدیر خم" میں ارشاد فرمایا تھا، ہم سے محمد بن عبداللہ بن محمد بن محمد بن ابوالفضل نے مکہ میں بیان کیا اور ابو محمد حسن بن سالم بن علی بن سلام نے قبر نبی اور منبر کے درمیان میرے لئے قرائت کیا اور حافظ محمد بن ابوجعفر قرطبی نے بصریٰ میں بتایا اور ابراہیم بن برکات خشوعی نے دمشق کی جامع مسجد میں بیان کیا اور حافظ محمد بن محمود بن حسن معروف بہ ابن بخار نے مدینۃ السلام میں بتایا، ابن نجار کا کہنا ہے کہ ہم سے ابن ابوالفضل نے بیان کیا اور انہوں نے ابوالحسن موئید بن محمد بن علی طوسی سے نقل کیا ہے، اور ابن سلام اور قرطبی کا کہنا ہے کہ ہم سے محمد بن علی بن

۱۔ تذکرۃ الخواص ص ۳۲۲

صدقہ حرّانی نے بتایا اور خشوعی نے کہا ہم سے علی بن حسن بن ھبۃ اللہ معروف بہ مورخ شام ابن عساکر نے بیان کیا، ان سب نے کہا ہم سے امام ابوعبداللہ محمد بن فضل فراوی نے بیان کیا اور انہوں نے ابوالحسن عبدالغافر بن محمد بن فارسی سے انہوں نے محمد بن عیسیٰ بن عمرو یہ جلودی سے انہوں نے ابراہیم بن محمد بن سفیان سے انہوں نے امام حافظ ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری (صاحب صحیح مسلم) سے انہوں نے زبیر بن حرب اور شجاع بن مخلد سے اور ان سب نے ابن علیہ سے نقل کیا ہے، زبیر کا کہنا ہے کہ ہم سے اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کیا انہوں نے ابوحیان سے اور انہوں نے یزید بن حیان سے نقل کیا ہے، یزید کا کہنا ہے کہ میں، حصین بن سبرہ اور عمرو بن مسلم، زید بن ارقم کے پاس گئے، تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد حصین نے ان سے کہا اے زید تم نے بہت سارے کار خیر انجام دیئے ہیں، تم نے رسول خداؐ کو دیکھا، ان سے حدیثیں سنیں، ان کے ساتھ جنگ میں رہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھی، لہذا اے زید جو تم نے رسول خداؐ سے سنا ہے اس کو بیان کرو، زید نے جواب دیا اے ابن اخ بخدا میں بہت مسن ہو گیا ہوں اور اس زمانے سے دور، جو رسولؐ خدا سے سنا تھا ان میں بعض چیزیں فراموش ہو گئی ہیں، لہذا جو حدیث بھی تم سے بیان کروں اس کو محفوظ کر لینا اور جو نہ بیان کروں اس کے سننے پر اصرار نہ کرنا، اس کے بعد زید نے کہا: مکہ اور مدینہ کے درمیان اس مقام پر جس کو ''خُم'' کہتے ہیں رسولؐ خدا خطبہ دینے کے

لئے کھڑے ہوئے اور حمد وثنائے الٰہی اور پند ونصیحت کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! میں ایک بشر ہی تو ہوں، عنقریب میرے رب کا پیامبر (ملک الموت) آنے والا ہے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں گا، میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا جس میں نور اور ہدایت ہے لہذا کتاب خدا کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے وابستہ رہو، آپ نے کتاب خدا کی ترغیب وتحریص کے بعد فرمایا اور دوسرے میرے اہلبیت ہیں، میں تمھیں اپنے اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، حصین نے پوچھا آپ کے اہلبیت کون ہیں؟ زید نے جواب دیا جن پر حضرت کے بعد صدقہ حرام ہے اور وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس ہیں، اس حدیث کی مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے بھی اپنی کتابوں میں اسی کی روایت کی ہے، لیکن میں (گنجی) کہتا ہوں کہ زید بن ارقم نے اہلبیت کی جو تفسیر بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ انہوں نے کہا ہے اہلبیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر، اور آل عباس ہیں، جب کہ صدقہ کی حرمت صرف ان کے لئے نہیں ہے، بنی المطلب بھی اس حکم میں شریک ہیں، اس کے علاوہ کسی شخص کی آل اس کے علاوہ ہوتی ہے، پس اگر زید کی بات صحیح مانیں تو اس سے حضرت علی اہلبیت سے خارج ہو جائیں گے (کیونکہ زید نے اہلبیت کی تفسیر آل علی .... سے کی ہے) جب کہ قول صحیح کی رو سے علی، فاطمہ اور حسن وحسین علیہم السلام ہی اہلبیت

ہیں جیسا کہ مسلم نے اپنی اسناد سے عائشہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسولؐ خدا بیت الشرف سے برآمد ہوئے اور آپ کے سر پر کالے بالوں والی چادر تھی پس حسن بن علی آئے اور ان کو اس میں داخل کرلیا اور پھر حسین آئے اور انہیں بھی اس چادر میں داخل کرلیا، پھر فاطمہ آئیں اور انہیں بھی داخل کرلیا اور پھر علی آئے اور انہیں بھی اس چادر میں داخل کرلیا، اور فرمایا:" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا " اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اہلبیت وہ حضرات ہیں جنہیں خدا نے " اھل البیت " سے پکارا اور انہیں پیغمبرؐ نے چادر میں داخل کیا، اور مسلم ہی نے اپنی اسناد سے روایت کی ہے کہ جب آیہ مباہلہ (فقل تعالوا ندع ابنائنا ....) نازل ہوئی تو رسولؐ خدا نے علی و فاطمہ و حسن و حسین کو اکٹھا کیا اور فرمایا: بارالہا یہ ہیں میرے اہلبیت "(۱)

گنجی کی اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے کتاب کے شروع میں اپنی سند سے زید بن ارقم سے حدیث ثقلین کی روایت کی اور جب انہوں نے دیکھا کہ زید نے اہلبیت کی تفسیر آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس سے کی، تو اس خیال سے کہ لوگ کہیں دھوکہ نہ کھا جائیں، واضح دلائل و براہین سے حضرت علی جناب فاطمہ، امام حسن اور امام حسین علیھم السلام کے اہلبیت ہونے کو ثابت کیا، جو شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) کے شبہ کے ازالے کے

۱۔ کفایۃ الطالب ص ۵۴

لئے کافی ہے۔

علامہ سعید الدین کازرونی (متوفی ۷۵۸ھ) "المنتقی فی سیرۃ المصطفی" میں لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص کہے کہ دنیا میں اولاد فاطمہ سے کوئی بھی نہیں بچا ہے اور حجاج بن یوسف نے سبھی کا خاتمہ کر دیا ہے، تو وہ جھوٹا ہے، اور اگر اس شہر میں بڑا ہوا ہو جس میں عالم دین ہو اور پھر اس نے ایسی بات جان بوجھ کر اپنی زبان پر جاری کی ہو تو عجب نہیں کہ وہ کافر ہو گیا ہو، اس لئے کہ اس نے حدیث پیغمبرؐ کی مخالفت کی، کیونکہ "صحیح ترمذی" میں زید بن ارقم سے منقول ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر ان سے وابستہ رہے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے، ایک کتاب خدا جو آسمان سے زمین تک دراز رسی ہے اور دوسرے میری عترت و اہلبیت، یہ کبھی جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، پس دیکھو تم ان دونوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو، اور حدیث مباہلہ میں میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ حضرتؐ نے (علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے لئے) فرمایا: بارالہا یہ ہیں میرے اہلبیت، اس کتاب کا مؤلف سعید بن مسعود کازرونی کہتا ہے کہ حدیث صحیح کی رو سے جب تک قرآن باقی ہے اس وقت تک اولاد فاطمہ بھی موجود ہیں"

گویا علامہ کازرونی نے حدیث ثقلین کو اپنے زمانے میں موجود اولاد فاطمہ سے متعلق بتایا ہے۔

ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۸۴۹ھ) نے اپنی کتاب ''ھدایۃ السعداء'' میں کئی معتبر کتابوں سے حدیث ثقلین کو نقل کرنے کے بعد ہر جگہ لفظ ''عترت'' کو ''فرزند'' سے تعبیر کیا ہے، اور ''مناقب السادات'' میں بھی (کہ ان کی یہ دونوں کتابیں فارسی میں ہیں) ''عترت'' کو ''فرزند'' کے معنی میں لیا ہے۔

حسین بن علی کاشفی (متوفی ۹۱۰ھ) الرسالۃ العلیۃ فی الاحادیث النبویہ'' ص ۳۰-۲۹ پر ''حدیث ثقلین'' نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں رسول خداؐ کے اہلبیت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں، کیونکہ ''صحیحین'' (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں ہے کہ جب آیۂ مباہلہ'' ندع ابنا ئنا و ابنائکم و نسائنا و نسائکم و انفسنا و انفسکم '' نازل ہوئی تو رسول خدا نے علی و فاطمہ و حسن و حسین کو بلا کر فرمایا: اللھم ھؤلاء اھلبیتی یعنی معبود یہ ہیں میرے اہلبیت''

نورالدین علی بن عبداللہ سمہودی ''جواھر العقدین'' میں ''حدیث ثقلین'' کو اہلبیتؑ سے ہی مخصوص بتاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں قیامت تک اہلبیت و عترت طاہرہ میں سے وہ لوگ جو اس تمسک کے اہل ہیں موجود رہیں گے، تا کہ

قرآن کے ساتھ تمسک والا حکم ان کو بھی شامل کیے رہے، اسی وجہ سے جیسا کہ بیان کیا جائے گا کہ یہ لوگ اہل زمین کے لئے امان ہیں جب یہ نہ رہیں گے تو اہل زمین نہ رہیں گے، اور ابوالحسن ابن مغازلی نے موسی بن قاسم کے طریق سے اور انہوں نے علی بن جعفر سے روایت کی ہے کہ میں نے حسن سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا ''کمشکواۃ فیھا مصباح'' تو انہوں نے جواب دیا: مشکواۃ تو فاطمہ ہیں اور شجرۂ مبارکہ سے ابراہیم مراد ہیں، اور '' لو لم تمسسه نار نور علی نور'' کا مطلب یہ ہے کہ ان میں ایک امام کے بعد دوسرا امام ہوگا، اور خدا جس کو چاہے گا ان سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق دے گا، اور یہ ائمہ وہ ہوں گے جن کی دینی امور میں پیروی کی جاسکے اور ان سے تمسک کیا جاسکے اور ان کی طرف مشکلات میں رجوع کرسکیں''

اس سلسلے میں سمہودی نے اور بھی باتیں بیان کی ہیں جو ''جواھر العقدین'' کی تنبیہات میں موجود ہیں۔

ابن حجر مکی ''الصواعق المحرقہ'' میں چند طرق سے حدیث ثقلین کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں قرآن، سنت اور اہلبیت میں سے ان دونوں کے جاننے والوں کے ساتھ تمسک کرنے کی جو ترغیب دی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک ان تینوں کا ہونا ضروری ہے''

ابن حجر کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عناد وتعصب کے باوجود انہوں نے حدیث ثقلین کو علمائے اہلبیت سے مخصوص مانا ہے، لہذا مخاطب (مؤلف تحفہ) کا یہ کہنا کہ عترت سے مراد جمیع اقارب ہیں، غلط ہے۔

نیز ابن حجر اسی ''صواعق'' میں لکھتے ہیں:

''رسول خداؐ نے قرآن اور اپنی عترت کو کہ جس (عترت) کے معنی اہل و نسل وقریب ترین رشتہ دار کے ہیں ''ثقلین'' کہا ہے، کیونکہ ہر نفیس اور حفاظت کی جانے والی شئی کو ''ثقل'' کہتے ہیں، ایسے ہی یہ دونوں (قرآن وعترت) ہیں، کیونکہ دونوں ہی علوم لدنی، اسرار وحکم اور احکام شرعیہ کے معدن ومخزن ہیں، اسی وجہ سے رسول خداؐ نے ان کی پیروی کرنے ان سے تمسک کرنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی لوگوں کو ترغیب دی اور ان کے بارے میں آپ نے فرمایا: اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہلبیت کو حکمت عطا کیا، اور کہا گیا ہے کہ انہیں ''ثقلین'' اس لئے کہا کہ ان کے حقوق کی رعایت بہت سنگین ہے، اور جن لوگوں کی پیروی کی ترغیب دی ہے وہ کتاب خدا اور سنت رسول خداؐ سے آگاہ ہیں، وہ ایسے لوگ ہیں جو کتاب خدا سے کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہونچیں، اس بات کی وہ سابق روایت تائید کرتی ہے جس میں حضرتؑ نے فرمایا: ان (اہلبیتؑ) کو سیکھاؤ پڑھاؤ نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور بقیہ علماء کے مقابلے میں ان کا یہ امتیاز ہے، کیونکہ خدا نے ان سے رجس کو دور اور ایسا

پاک و پاکیزہ رکھا جو حق تھا، ان کو کرامات عظیمہ اور الطاف عُلیہ سے نوازا ہے، بعض ایسی روایات کا ذکر پہلے کیا گیا ہے، اور ایک روایت قریش کے بارے میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم قریش سے سیکھو وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، تو جب عام قریش کے لئے یہ بات ثابت ہے تو اہلبیت تو ان سے اولی ہیں، کیونکہ اہلبیت میں ایسی خصوصیات ہیں جن میں کوئی اور ان کا شریک نہیں ہے، جن احادیث میں اہلبیت کے ساتھ تمسک کا حکم دیا گیا ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے ایسے لوگ جو تمسک کے اہل ہیں، قیامت تک باقی رہیں گے، جس طرح کہ کتاب خدا قیامت تک باقی رہے گی، اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہے کہ اہلبیت امان ہیں اہل زمین کے لئے اور اس پر مذکورہ سابق یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ہر زمانے میں میری امت میں میرے اہلبیت کے عادل افراد ہوں گے، اور ظاہری بات ہے کہ ان میں سب سے زیادہ تمسک کے اہل وحقدار ان کے امام وعالم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں، کیونکہ ان کا علم سب سے زیادہ اور ان کا استنباط سب سے زیادہ دقیق ہے، اسی وجہ سے ابوبکر نے کہا کہ علی عترت رسول خداؐ ہیں یعنی ان لوگوں میں سے ہیں جن سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے، ابوبکر نے علی کو اسی طرح عترت سے مخصوص کیا جس طرح رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن مخصوص کیا تھا" (۱)

۱۔ الصواعق المحرقہ ص ۱۳۶

طیبی ''الکاشف شرح مشکواۃ'' میں باب مناقب اہلبیت علیہم السلام کی دوسری فصل کی دوسری حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے اور وہ اس کے اوامر کی اطاعت و پیروی اور اس کے منہیات سے اعراض کرنا ہے اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان سے محبت کی جائے، ان سے ہدایت حاصل کی جائے اور ان کی سیرت کی پیروی کی جائے''

بدرالدین محمود احمد رومی ''تاج الدرّہ شرح قصیدہ بردہ'' میں اس شعر دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ ، مستمسکون بحبل اللہ غیر منفصم کی شرح میں لکھتے ہیں:

''شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ حبیب وہ ہے جس نے اپنے زمانے اور اپنے بعد قیامت تک خدا کے دین اور اس کی خوشنودی کی طرف اہل دنیا جن وانس اور عرب و عجم کو دعوت دی تا کہ خدا کے حکم سے اس کی شفاعت کی امید رکھی جائے، پس اس کے دین کو پکڑنے والے اور اس کی دعوت پر لبیک کہنے والے خدا کی خوشنودی کے ایسے ذریعے کو پکڑے ہوئے ہیں جو کبھی ٹوٹنے والے نہیں ہیں اور یہ ذریعے صرف دو ہیں ایک کتاب خدا اور دوسرے نبی کی عترت کے وہ افراد صاحب عصمت وطہارت ہیں اور ان کے علاوہ تمام لوگوں پر ان کی محبت واجب ہے، اس لئے کہ ارشاد الٰہی ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ

فی القربی، اوراس کی تصدیق رسول خداؐ نے یوں کی ترکت فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی، اورایک روایت میں ہے ترکت فیکم ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی کتاب الله و عترتی لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض، یہ نص قاطع ہے ہمارے اس مدعا پر کہ جس نے کتاب خدا کو پکڑا اس نے عترت کے دامن کو پکڑا اور جس نے عترت سے روگردانی کی اس نے قرآن سے روگردانی کی، حالانکہ وہ خود اس بات کو نہ جانے اور کہے جائے آمنت باالله وبکل ما ثبت مجی رسول الله به من عند الله، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ تمھارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہیں لائے جب تک یہ تم کو اپنے جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کے لئے حکم نہ بنائیں اور جب تم فیصلہ کردو تو بغیر چون و چرا کے اس کو قبول کرلیں، یہی ایمان کامل ہے، اور امیر المومنین امام المسلمین علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ایمان کے دس اجزاء ہیں جن میں سے نو سلمان کو حاصل ہیں اور آٹھ حصے مقداد کو............"

ملا علی قاری "شرح شفائے قاضی عیاض" میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں:

"حضرتؐ کی عترت آپ کے خاص قرابتدار ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد امت کے عام علماء ہیں، اور قرآن کے ساتھ تمسک کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اوامر کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کیا جائے اور آپ کی عترت

کے ساتھ تمسک کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ساتھ محبت اوران کی سیرت کی پیروی کی جائے''

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ''حدیث ثقلین'' میں ''عترت'' سے مراد آپ کے خاص اقارب ہیں، لہذا شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) کا یہ دعویٰ کہ ''عترت'' سے مراد آپ کے عام اقارب ہیں غلط ہے، نیز چونکہ ملا علی قاری نے تصریح کی ہے کہ عترت کے ساتھ تمسک کے معنی ان کے ساتھ محبت اوران کی سیرت کی پیروی کرنا ہے، لہذا ''عترت'' سے مراد عام کا تصور بھی غلط ہو جائے گا، اس لئے کہ سارے اقارب نبی میں صلاحیت نہیں پائی جارہی تھی کہ ان سے محبت اوران کی سیرت کی پیروی کی جائے، اس بناء پر حدیث ثقلین میں ''عترت'' سے مراد حضرتؐ کے وہ اقارب ہیں جو عصمت کے حصار میں تھے۔

اور ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ ''کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد امت کے عام علماء ہیں'' تو یہ غلط ہے، کیونکہ انہوں نے کہنے والے کا نام نہیں لیا ہے اوراس تو ہم کو بہت سارے کبار علماء نے بہت سے دلائل سے باطل کیا ہے، اگر حدیث ثقلین میں ''عترت'' سے رسول خداؐ کی مراد امت کے عام علماء ہوتے تو اہلسنت کے عظیم المرتبت علماء اس حدیث کو فضائل اہلبیت میں بیان نہیں کرتے۔

ملا علی قاری ''مرقاۃ شرح مشکواۃ'' میں ''حدیث ثقلین'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ابن الملک کا کہنا ہے کہ کتاب خدا سے وابستہ رہنے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے یعنی اس کے اوامر کی اطاعت اوراس کے نواہی سے اجتناب کیا

جائے اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی سیرت کی تقلید و پیروی کی جائے، سید جمال الدین نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ جب ان کی سیرت و ہدایت دین کے مخالف نہ ہو، لیکن میں کہتا ہوں کہ حضرتؐ کے ارشاد کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی عترت کی ہدایت و سیرت ہمیشہ شریعت وطریقت کے مطابق ہوا کرے گی، لہذا اس اضافی شرط کی ضرورت نہیں ہے"

قاری اسی کتاب میں "حدیث ثقلین" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ اہلبیت عموماً گھر اور گھر والوں کے حالات سے بہتر طور پر واقف ہوتے ہیں، لہذا اس حدیث میں اھل البیت سے مراد وہ افراد ہیں جو اہل علم ہیں، حضرتؐ کی سیرت وطریقت سے واقف ہیں اور آپ کے علم و حکمت سے آشنا ہیں، ان ہی خصوصیات کی وجہ سے وہ قرآن کے ہم ردیف ہوئے اور ارشاد ہوا" و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ "اس بات کی تائید احمد بن حنبل کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کی انہوں نے "مناقب" میں حمید بن عبداللہ بن زید سے روایت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ایک دن پیغمبر اسلامؐ کے سامنے علی بن ابی طالب کے کسی فیصلے کو بیان کیا گیا، حضرتؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہلبیت کے درمیان حکمت کو قرار دیا، اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "الیقین" میں محمد بن مسعر یربوعی سے نقل کیا ہے کہ (حضرت) علی نے (امام) حسن سے پوچھا: ایمان اور یقین میں کتنا فاصلہ ہے؟ حسن نے

جواب دیا چار انگلیوں کا فرمایا بیان کرو، حسن نے جواب دیا: یقین وہ ہے جس کو آنکھ دیکھے اور ایمان وہ ہے جس کو کان سنے اور اس کی تصدیق کرے (حضرت) علی نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اس کے مصداق ہو " ذریة بعضها من بعض "زہری نے ایک مرتبہ کوئی گناہ کیا اس کی وجہ سے اس کا رنگ بدل گیا (امام) زین العابدین نے اس سے فرمایا تو مایوس نہ ہو تیرے گناہ سے خدا کی رحمت بڑی ہے، زھری نے کہا الله اعلم حيث يجعل رسالته پھر وہ اپنے گھر واپس چلا گیا" (۱)

ملا علی قاری نے پیغمبرؐ اسلام کے ان اقارب سے حدیث ثقلین کو مختص کیا ہے جو عالم، سیرت پیغمبرؐ سے مطلع، آنحضرت کی طریقت سے آگاہ اور آپ کے علم وحکمت سے آشنا تھے ،اسی وجہ سے وہ قرآن کے ہم پلہ قرار پائے، ملا علی قاری کی عبارت، شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) کے توہم کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

مناوی "حدیث ثقلین" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"عترتی اجمال ہے اور اس کی تفصیل "اھل بیتی" ہے اور یہ یا بدل ہے یا عطف بیان ہے، اور یہ لوگ وہ اصحاب کساء ہیں جن سے خدا نے ہر طرح کے رجس کو دور رکھا ہے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھا ہے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق تھا" (۲)

۱۔ المرقاۃ فی شرح المشکواۃ ج ۵ ص ۶۰۰ ۲۔ فیض القدیر ج ۳ ص ۱۴۔ التیسیر ج ۱ ص ۳۶۷

مناوی کی اس تشریح کے بعد کیا اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ "عترت" سے مراد عام رشتہ دار ہیں۔

شیخ عبدالحق دہلوی "لمعات شرح مشکواۃ" میں حدیث ثقلین کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:

"حدیث میں اھلبیتی، عترتی کی توضیح ہے، اور کسی شخص کی عترت اس کی اولاد اور قریب ترین رشتہ دار ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عترت کو اہلبیت سے اس لئے تعبیر کیا تاکہ ان کی عظمت وجلالت آشکار ہو، نیز یہ بتانے کیلئے کہ یہی میرے اہلبیت، مجھ سے رابطہ رکھنے والے، مجھ سے کسب نور کرنے والے اور میرے اسرار کے جاننے والے ہیں، اور ظاہراً اہلبیت سے مراد بنی ہاشم میں سے آپ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں اور وہ آپ کی اولاد اور آپ کی ذریت ہیں" (۱)

شیخ عبدالحق دہلوی کی عبارت سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ عترت میں آنحضرتؐ کے سارے اقارب داخل نہیں ہیں، اس کا اطلاق صرف آپ کی اولاد اور قریب ترین رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔

۲۔ عترت سے مراد صرف آپ کے اہلبیت ہیں۔

۳۔ اہلبیت سے مراد وہ حضرات ہیں جو آپ سے مربوط، آپ سے کسب نور کرنے

۱۔ اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۸۱

والے اور آپ کے اسرار کو جانتے تھے۔

شیخ صاحب کی عبارت میں تخصیص کے بعد تخصیص، مخاطب (مؤلف تحفہ) کے وہم کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

ان کے علاوہ شیخانی قادری نے ''الصراط السوی'' میں، زرقانی نے ''شرح مواھب اللدینہ'' میں، سہارنپوری نے ''المرافض'' میں، شبراوی نے ''الاتحاف بحب الاشراف'' میں، سندھی نے ''دراسات اللبیب'' میں، عجیلی نے ''ذخیرۃ المآل'' میں، ملا محمد مبین لکھنوی نے ''وسیلۃ النجاۃ'' میں، ولی اللہ لکھنوی نے ''مرأۃ المومنین'' میں قندوزی نے ''ینابیع المودۃ'' میں اور حسن زمانی نے ''القول المستحسن'' میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ عترت سے مراد آپ کے عام اقارب نہیں ہیں بلکہ خاص اقارب ہیں جو آپ کے اہلبیت عصمت وطہارت ہیں۔

نئی چال

مخاطب (مؤلف تحفہ) نے ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے حاشیہ پر ''عترت'' کے بارے میں اپنے شبہ کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ ''عترت'' سے مراد یا حضرتؐ کے سارے اہل خانہ ہیں، یا سارے بنی ہاشم ہیں یا ساری اولاد فاطمہ ہیں، جس صورت کو بھی مانیں، تمسک کا حکم یا ہر ایک سے الگ الگ ہے یا جن پر سب کے سب متفق الرائے ہوں یا بعض مبہم ہوں یا بعض مشخص و معین ہوں، اور یہ ساری صورتیں غلط ہیں، پہلی صورت کا لازمہ یہ ہے کہ نقیضین سے تمسک کریں کیونکہ عترت کے درمیان اصول دین میں اختلاف ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان ہوا، دوسری صورت میں کلام لغو ہوگا اس لئے کہ تمسک کا حکم دینا ایسی چیز کے بارے میں جس میں ان کے درمیان ذرہ برابر اختلاف نہ ہو، کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ بحث ان

مسائل کے بارے میں ہے جن میں اختلاف ہو، تیسری صورت کا لازمہ یہ ہے
کہ دو مخالف دھڑے ایک دوسرے کی تائید کریں یعنی امامیہ، زیدیہ اور کیسانیہ کی
تائید کرے اسی طرح زیدیہ اور کیسانیہ امامیہ کی تائید کریں، چوتھی صورت کا لازمہ
دھوکے میں ڈالنا ہے اس لئے کہ جو بعض مراد ہیں ان کا ذکر نہیں ہوا ہے، جس
سے نزاع پیدا ہوگا جیسا کہ دیکھنے میں آتا ہے''

میں (میر حامد حسین) کہتا ہوں کہ یہ بات خواہ شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے کہی ہو یا
ان کے اسلاف نے، اس سے کچھ ہونے والا نہیں ہے، کیونکہ کتاب وسنت اور کبار علماء
اہلسنت کے اقوال کی روشنی میں ہمارے دلائل ان کے شبہ کے لغو ہونے کے لئے کافی ہیں،
پھر بھی اتمام حجت کی خاطر چند باتیں ہدیہ قارئین ہیں.

شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ ''عترت سے مراد یا حضرتؐ کے سارے اہل خانہ ہیں یا
سارے بنی ہاشم ہیں اور یا ساری اولاد فاطمہؑ'' تو ان کی یہ تقسیم بندی غلط ہے اس لئے کہ پیغمبرؐ
اسلام کے گھر میں رہنے والے سارے افراد ''حدیث ثقلین'' کے مصداق نہیں تھے، کیونکہ
ان میں ایسی بھی بیویاں تھیں جن کا عصمت سے دور کا بھی ربط نہیں تھا اور جو ایسا ہو ان کو کبھی
بھی قرآن کا قرین وسہیم قرار نہیں دے سکتے، نیز ان ہی ساکنین میں غلام اور کنیزیں تھیں
جنہیں کوئی بھی حضرتؐ کی عترت نہیں کہے گا، رہی سارے بنی ہاشم اور ساری اولاد فاطمہؑ کی
بات، تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ ''حدیث ثقلین'' عترت واہلبیتؑ کی عصمت واعلمیت کو
ثابت کر رہی ہے، جب کہ نہ سارے بنی ہاشم معصوم اور اعلم تھے نہ ہی ساری اولاد فاطمہؑ،

لہذا ''عترت'' سے مراد حضرتؐ کی وہ اولادیں ہیں جو مقام عصمت واعلیست پر فائز تھیں اور وہ صرف بارہ امام ہیں، نیز اس کے پہلے ''عترت'' کے بارے میں جو دلائل میں نے پیش کئے ہیں وہ اس احتمال کے رد ہونے کے لئے کافی ہیں۔

شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ ''جس صورت کو بھی مانیں، تمسک کا حکم یا ہر ایک سے الگ الگ ہے یا جن پر سب کے سب متفق الرائے ہوں یا بعض مبہم ہوں یا بعض مشخص ومعین ہوں، اور یہ ساری صورتیں غلط ہیں'' غلط ہے اور ان کی اس تقسیم کی بھی ایک مغالطہ سے زیادہ حیثیت نہیں ہے، اس لئے کہ جب میں نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا کہ ''حدیث ثقلین'' میں ''عترت'' سے مراد اہلبیت عصمت وطہارت یعنی بارہ امامؑ ہیں، تو پھر ان کی اس خیال بافی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ ''پہلی صورت کا لازمہ یہ ہے کہ ہم نقیضین کے ساتھ تمسک کریں کیونکہ عترت کے درمیان اصول دین میں اختلاف ہے'' غلط ہے، کیونکہ بارہا ثابت کر چکے ہیں کہ ''عترت'' سے مراد ائمہ اثنا عشر (بارہ امام) سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں؛ اور ان کے درمیان نہ اصول دین میں اختلاف ہے نہ ہی فروع دین میں اور کیوں نہ ایسا ہوتا اس لئے کہ خود اکابر علمائے اہلسنت کے اعترافات کی روشنی میں یہ اپنے قول میں بھی معصوم تھے اور عمل میں بھی۔

شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ ''دوسری صورت میں کلام لغو ہوگا، اس لئے کہ تمسک کا حکم دینا ایسی چیز کے بارے میں جس میں ان کے درمیان ذرہ برابر اختلاف نہ ہو، کا کوئی فائدہ نہیں

ہے، کیونکہ بحث ان مسائل کے بارے میں ہے جن میں اختلاف ہو'' بھی ہر عاقل کی نظر میں غلط ہے، کیونکہ جب ''عترت'' کے معنی واضح ہو گئے کہ یہ کون افراد ہیں تو اس تمسک کے فائدے سے انکار کرنا جس پر ان سبھی کا اتفاق ہو، ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی بات حجت ہے، چہ جائیکہ جس پر ان سبھی کا اتفاق ہو جائے، اور شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ ''بحث ان مسائل میں ہے جن میں ان کے درمیان اختلاف ہو'' تو ان کی یہ بات مضحکہ خیز ہے، کیونکہ ان کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف نہیں ہے۔

شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ ''تیسری صورت کا لازمہ یہ ہے کہ دو مخالف دھڑے ایک دوسرے کی تائید کریں یعنی امامیہ، زیدیہ اور کیسانیہ کی تائید کرے اسی طرح زیدیہ اور کیسانیہ، امامیہ کی تائید کریں'' بھی غلط ہے، کیونکہ حدیث ثقلین سے معلوم ہو گیا کہ عترت و اہلبیت سے پیغمبر اسلام کی مراد ائمہ اثنا عشر (بارہ امامؑ) ہیں، اور ان سب کے نام خود علمائے اہلسنت نے بیان کئے ہیں، لہذا عترت کے معنی غیر واضح ہے ہی نہیں کہ ایک فرقہ کو دوسرے فرقے کی تائید کرنی پڑے۔

شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ ''چوتھی صورت کا لازمہ دھوکے میں ڈالنا ہے اس لئے کہ حدیث میں عترت سے مراد کون بعض لوگ ہیں بیان نہیں ہوا ہے اور یہ جھگڑے کا باعث ہوگا کیونکہ ایسے موقع پر ایسا ہی ہوتا ہے'' بھی غلط ہے، کیونکہ عترت سے پیغمبر اسلام کی مراد کیا ہے واضح ہے اور اہلسنت کے جلیل القدر محدث صدر الدین حموئی نے ''فرائد السمطین'' میں ان کے نام بیان کر دیئے ہیں، اور علامہ محمد معین سندھی نے ''دراسات اللبیب'' میں اس سلسلے

میں کہ حدیث ثقلین میں عترت سے مراد ائمہ اثنا عشر ہیں، سیر حاصل بحث کی ہے، لہذا کیسے کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ "عترت" کے مصداق مبہم ہیں۔ اور امت کے درمیان جو اختلاف ہے وہ حق سے چشم پوشی کی وجہ سے ہے نہ کہ حدیث کے غیر واضح ہونے کی وجہ سے۔

تذکر:

بعض واضعین حدیث نے جب بہت سی متواتر احادیث میں خاص طور سے حدیث ثقلین میں عترت واہلبیت کی قدر ومنزلت دیکھی تو انہوں نے ابوبکر کے متعلق ایک حدیث گڑھ کر انہیں عترت میں داخل کر دیا اور کہا کہ ابوبکر نے سقیفہ میں کہا تھا" نحن عترة رسول الله "یعنی ہم عترت رسول خدا ہیں، جب کہ اس کا کسی روایت میں پتہ نہیں ہے نہ ہی صحیح روایتوں میں نہ ہی ضعیف میں. اے کاش کہ ادعا کرنے والے اس کو موثق اور ٹھوس ذرائع سے ثابت کرتے۔

اور اگر ہم مان لیں کہ کسی روایت میں حضرت ابوبکر کا یہ فقرہ موجود ہے، تو کسی منصف مزاج کی نظر میں عترت کے مشہور معنی نہیں ہو سکتے. (عترت کے مشہور معنی نزدیکترین رشتہ دار کے ہیں) بلکہ اس کے معنی شہر وحریم کے ہوں گے. اس بات کا اعتراف خود بزرگ علمائے اہلسنت نے کیا ہے، چنانچہ مشہور لغوی عالم ابوعمرو زاہد (متوفی ۳۴۵ھ) اپنی کتاب "الیواقیت" میں لکھتے ہیں:

"مجھ سے ابوالعباس ثعلب نے (اپنے استاد) ابن اعرابی (متوفی ۲۹۱ھ) سے نقل کیا کہ عترت اس بڑے مشک کو کہتے ہیں جو ہرن کے بدن میں ہوتا ہے،

اس کی تصغیر ''عتیـــرہ'' ہے، نیز ''عترت'' اس میٹھے اور صاف وشفاف پانی کو کہتے ہیں جس کو صبح میں پیا جائے اس کی بھی تصغیر ''عتیرہ'' ہے نیز ''عترت'' اس درخت کو کہتے ہیں جو سوسمار کے گھوسلے پر اگتا ہے..........نیز کسی شخص کی اولاد اور اس کے صلبی رشتہ دار کو ''عترت'' کہتے ہیں .اسی لئے علی اور فاطمہ سے ذریت محمدؐ کو ''عترت محمدؐ'' کہتے ہیں، ثعلب کا بیان ہے کہ میں نے ابن اعرابی سے پوچھا پھر سقیفہ میں ابوبکر نے جو کہا تھا ''ہم عترت رسول خداؐ ہیں'' کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ وہ آپ کے شہر کے اور آپ کے حریم تھے، عترت محمدؐ تو صرف فرزندان فاطمہ ہیں، اس کی دلیل پیغمبرؐ اسلام کا ابوبکر کو مع سورۂ برائت کے واپس بلوا کر اس سورہ کو علی کے ہمراہ کرنا ہے اور یہ فرمانا ہے کہ اس سورہ کی تبلیغ کے لئے یا میں مامور ہوں یا وہ جو مجھ سے ہے، چنانچہ آنحضرتؐ نے ابوبکر سے سورۂ برائت واپس لیا اور اس کو ایسے کے حوالے کیا جو خود آپ سے تھا (یعنی حضرت علیؑ) اگر ابوبکر، عترت رسولؐ سے بہ معنی ذریت رسول خداؐ سے ہوتے (نہ کہ ابن اعرابی کی تفسیر کی روشنی میں) تو محال تھا کہ آپ ابوبکر سے سورہ برائت لے کر علی کو دیتے''

میں کہتا ہوں کہ صرف ثعلب اور ابن اعرابی نے ابوبکر کے عترت رسول ہونے سے انکار نہیں کیا ہے، بلکہ خود حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کو ''عترت رسول'' کہا ہے، ملاحظہ کیجئے ابن حجر مکی کی ''الصواعق المحرقہ'' ص۹۰، نورالدین سمہودی کی ''جواہر العقدین''

شیخانی قادری کی ''الصراط السوی''، عجیلی کی ''ذخیرۃ المآل'' اور عاشق علی خان کی ''ذخیرۃ العقبیٰ''

خلاصہ یہ کہ حضرت علیؑ کا پیغمبرؐ اسلام کی عترت میں سب سے افضل ہونا اور علمائے اہلسنت کے اقوال کی روشنی میں ابوبکر کا آنحضرتؐ کی عترت میں داخل نہ ہونے نے شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) اوران کے اسلاف کی محنتوں پر پانی پھیر دیا ہے۔

دوسری معارض حدیث کا جواب

مخاطب (مؤلف تحفہ) نے کہا ہے ''نیز حدیث صحیح میں ہے کہ حضرتؐ نے عائشہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: خذوا شطر دینکم عن ھذہ الحمیرا یعنی اپنا آدھا دین اس حمیرا سے لو''

میں (حامد حسین) کہتا ہوں کہ مذکورہ حدیث کی صحت کا دعویٰ غلط ہے اور اس کو شیعہ اور سنی دونوں کی نظر میں متواتر ''حدیث ثقلین'' کے مقابلے میں پیش کرنا بڑی رکیک حرکت ہے، اس کے علاوہ شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) خود اپنی بات پر قائم نہیں رہے کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے ابتداء نیز اس میں متعدد جگہوں پر اس بات کا عہد کیا ہے کہ شیعوں کی صرف مستند اور معتبر کتابوں سے نقل حدیث کریں گے، جب کہ انہوں نے ''حدیث ثقلین'' جیسی متواتر حدیث کے مقابلے میں ایسی حدیث پیش کی جس کا نہ شیعوں کی کتابوں میں پتہ ہے نہ ہی علمائے اہلسنت کی تنقید سے وہ بچ سکی ہے، آنے والی باتیں

ہماری بات کی تائید اور شاہ صاحب کی غلط بیانی کو آشکار کریں گی۔

حدیث کو ضعیف کہنے والے علماء اور حفّاظ حدیث

ا۔ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن مزّی جو اعاظم علمائے اہلسنت میں سے ہیں، انہوں نے اس حدیث کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن امیر الحاج حلبی مذکورہ حدیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حافظ عماد الدین ابن کثیر کا بیان ہے کہ حافظ مزّی اور حافظ ذہبی سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس حدیث کو نہیں جانتے''(۱)

سیوطی نے ''الدرر المنتشرہ'' میں، عبدالرحمٰن شیبانی نے ''تمیز الطیب من الخبیث'' میں، محمد طاہر فتنی نے ''تذکرۃ الموضوعات'' اور ''مجمع البحار'' میں، ملا علی قاری نے ''موضوعات کبریٰ'' اور ''مرقاۃ شرح مشکواۃ'' میں، محمد بن عبدالباقی نے ''شرح مواهب اللدنیہ'' میں، نظام الدین سہالوی نے ''صبح صادق'' میں اور شوکانی نے ''فوائد مجموعہ'' میں لکھا ہے کہ ''مزّی'' نے اس حدیث کو غیر معروف کہا ہے چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی ''الدرر المنتشرہ'' ص ۷۹ پر لکھتے ہیں:

''حافظ مزّی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اب تک اس حدیث کی سند نہیں مل پائی''

ا۔ التقریر والتحبیر فی شرح التحریر ج ۳ ص ۹۹

علامہ ابن امیر الحاج لکھتے ہیں:

''حافظ جمال الدین مزّی کا کہنا ہے کہ اب تک اس حدیث کے سلسلہ روایت کا پتہ نہیں چل سکا ہے بلکہ تاج الدین سبکی کا بیان ہے کہ ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج مزّی کہتے ہیں: سنن نسائی میں موجود ایک حدیث کو چھوڑ کر جس حدیث میں لفظ ''حمیرا'' ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے''(۱)

گویا حافظ جمال الدین مزّی کی نظر میں مذکورہ حدیث بے بنیاد اور گڑھی ہوئی ہے۔

۲۔ اہلسنت کے مشہور نقّاد اور مخاطب کی نظر میں امام الحدیث حافظ شمس الدین ذہبی نے بھی اس حدیث کو پہچاننے سے انکار کیا ہے، چنانچہ سخاوی اس حدیث کی رد میں لکھتے ہیں:

''حافظ عماد الدین ابن کثیر کا بیان ہے کہ حافظ مزّی اور حافظ ذہبی سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اس حدیث کو پہچاننے سے انکار کر دیا''(۲)

اسی بات کو شیبانی نے ''تمیز الطیب من الخبیث'' میں اور ملا علی قاری نے ''الموضوعات'' اور ''المرقاۃ'' میں نقل کیا ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج ''التقریر والتحبیر'' میں ابن ملقن سے نقل کرتے ہیں کہ:

''ذہبی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن کے سلسلۂ سند کا پتہ نہیں

۱۔ التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۹۹ ۲۔ المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ ص ۱۹۸

ہے''

اس بات کو ان کے حوالے سے علامہ جلال الدین سیوطی نے ''الدررالمنتشر ہ'' میں ابن کثیر سے نقل کیا ہے ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں بھی اس بات کا ذکر ہوا ہے۔

۳۔علامہ شمس الدین محمد بن ابوبکر دمشقی حنبلی معروف بہ ابن قیم جوزیہ نے اس حدیث کے ضعیف اور وضعی ہونے کا واضح لفظوں میں اس وقت اعتراف کیا جب ان سے پوچھا گیا کہ حدیث کی سند کی تحقیق کے بغیر کیا کوئی ضابطہ اور قاعدہ کلیہ ہے جس سے جعلی حدیثوں کی شناخت ہو سکے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

''ان قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حدیث خود بخود باطل ہو اور اس کا باطل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرتؐ نے اس کو ارشاد نہیں فرمایا جیسے یہ حدیث'' المجردة التی فی السماء من عرق الا فعاء التی تحت العرش '''' جب خدا غضبناک ہوتا ہے تو فارسی زبان میں وحی نازل کرتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو عربی زبان میں'' ....اور ہر وہ حدیث جھوٹی اور جعلی ہے جس میں'' یا حمیرا '' یا اس میں '' حمیرا '' کا ذکر ہو جیسے'' یا حمیرا لا تاکلی الطین فانه یو ر ث کذا و کذا'' (یعنی اے حمیرا مٹی نہ کھانا اس سے فلاں فلاں مرض ہوتا ہے) اسی طرح یہ حدیث '' خذوا شطر دینکم عن الحمیرا'' (یعنی اپنا آدھا دین اس حمیرا سے لو)

ابن جوزیہ کی مذکورہ عبارت سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں ا۔یہ حدیث (خذوا

شطر دینکم ....) باطل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرتؐ نے ارشاد نہیں فرمایا ہے۔۲۔اس بات کی انہوں نے وضاحت کی ہے کہ جس حدیث میں ''یا حمیرا'' یا ذکر حمیرا ہو وہ جعلی حدیث ہے۔۳۔خود اسی حدیث کو جعلی حدیثوں میں شمار کیا ہے۔

۴۔تاج الدین عبدالوھاب بن علی سبکی جو اکابر علمائے اہلسنت میں سے ہیں انہوں نے اس حدیث کو جھوٹی حدیث بتایا ہے اور انہوں نے اپنے استاد مزّی سے نقل کیا ہے کہ:

''جس حدیث میں لفظ حمیرا ہو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے سوائے ایک حدیث کے جو سنن نسائی میں موجود ہے''(۱)

اور مولوی نظام الدین سہالوی کی ''صبح صادق'' اور مولوی عبدالعلی کی ''فواتح الرحموت'' سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سبکی کا نظریہ استاد مزّی ہی جیسا تھا، اس کا بیان آئندہ آئے گا۔

۵۔ابوالفداء اسماعیل بن عمر قرشی معروف بہ ابن کثیر جو ائمہ حفاظ میں سے ہیں انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی ان سے نقل کرتے ہیں:

''حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ''تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب'' میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث غریب بلکہ منکر (ضعیف) ہے، اس حدیث کے بارے میں میں (ابن کثیر) نے اپنے استاد حافظ ابوالحجاج مزّی سے پوچھا تو انہوں نے اس کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس کی سند ابھی تک میری نظروں سے نہیں گزری اور ہمارے استاد ذہبی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے اس

۱۔التقریر والتحبیر فی شرح التحریر ج۳ص۹۹

کے راوی مشہور نہیں ہیں'' (۱)

ابن کثیر نے اس حدیث کو حدیث منکر میں شمار کیا ہے اور اس کی تائید میں اپنے دو اساتیذ کے نظریئے پیش کیے ہیں.

۶۔ علامہ سراج الدین عمر بن علی بن ملقن شافعی نے اس حدیث کی صحت پر اشکال کیا ہے اور اس سلسلے میں حافظ مزّی اور حافظ ذہبی کی باتوں سے استناد کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن امیر الحاج ''التقریر والتحبیر'' ج۳ ص۹۹ پر لکھتے ہیں:

''شیخ سراج الدین ابن ملقن کا کہنا ہے کہ حافظ جمال الدین مزّی نے کہا کہ ابھی تک اس حدیث کی سند میری نظر سے نہیں گزری اور ذہبی نے اس حدیث کو ضعیف اور اس کے راوی کو غیر معروف بتایا ہے''

۷۔ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو بے بنیاد اور جعلی بتایا ہے، ابن امیر الحاج تحریر کرتے ہیں:

''ہمارے استاد حافظ (ابن حجر عسقلانی) کہتے ہیں: اس حدیث کی سند کا پتہ ہی نہیں ہے اور ابن اثیر کی ''النھایۃ'' کو چھوڑ کر حدیث کی کسی کتاب میں یہ حدیث نظر نہیں آتی ہے، ابن اثیر نے مادہ ''ح م ر'' میں اس حدیث کو بیان تو کیا ہے مگر نہیں بتایا کہ کس سے نقل کیا ہے، کتاب ''الفردوس'' میں یہ حدیث انس سے مروی دیکھی مگر بغیر سند کے اور ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے '' خذوا ثلث

۱۔ الدرر المنتشرہ فی الاحادیث المشتھرہ ص۷۹

دینکم من بیت الحمیرا ' '(یعنی ثلث دین کو خانہ حمیرا سے لو) اور صاحب '' مسند الفردوس '' نے اس حدیث کے آگے خالی جگہ چھوڑی ہے سند کا ذکر نہیں کیا ہے، (اگر سند ہوتی تو ضرور پیش کرتے جیسا کہ انہوں نے اپنے باپ کی کتاب '' فردوس الاخبار '' میں موجود حدیثوں کی اسناد کو پیش کیا ہے، مترجم) اور حافظ عماد الدین ابن کثیر کا بیان ہے کہ حافظ مزّی اور حافظ ذہبی سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا '' (۱)

ابن حجر عسقلانی کی اس بات کو ابن کثیر نے '' تخریج احادیث مختصر ابن حاجب '' میں، سخاوی نے '' المقاصد الحسنۃ '' میں، عبدالرحمٰن شیبانی نے '' تمیز الطیب من الخبیث '' میں، محمد طاہر فتنی نے '' تذکرۃ الموضوعات '' اور '' مجمع البحار '' میں، ملا علی قاری نے '' موضوعات کبری '' اور '' مرقاۃ شرح مشکواۃ '' میں، زرقانی نے '' شرح مواھب '' میں اور شوکانی نے '' فوائد مجموعہ '' میں نقل کیا ہے. آئندہ اس کو بیان کیا جائے گا۔

خود ابن حجر عسقلانی '' فتح الباری '' میں لکھتے ہیں:

'' نسائی نے ابو سلمہ کے طریق سے عائشہ سے نقل کیا ہے کہ حبشہ سے کچھ لوگ آئے اور وہ کھیل رہے تھے، مجھ (عائشہ) سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حمیرا کیا تم ان کو دیکھو گی؟ میں نے کہا ہاں، یہ صحیح السند روایت ہے، اس حدیث کے علاوہ کسی بھی صحیح حدیث میں لفظ '' حمیرا '' نہیں آیا ہے '' (۲)

۱۔ التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۹۹

۲۔ فتح الباری فی شرح البخاری ج ۳ ص ۹۶

گویا شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے اپنی طرف سے جس حدیث کو صحیح کہا ہے ابن حجر عسقلانی کی نظر میں ضعیف ہے۔

۸۔ ابن امیر الحاج حنفی تو اس حدیث کے جعلی اور ضعیف ہونے کے دلائل کو اکٹھا کرنے پر کمر ہمت باندھے ہوئے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے ابن حجر عسقلانی، ابن کثیر، مزّی، ذہبی، ابن ملقن اور سبکی جیسے بزرگ حفاظ و ناقدین حدیث کے نظریوں کو اپنی کتاب ''التقریر والتجبیر فی شرح التحریر'' میں جمع کیا ہے، ان ہی کی کتاب سے میں نے کئی جگہوں پر نقل قول کیا ہے۔

۹۔ محمد امین معروف بہ امیر پادشاہ بخاری نے اپنی کتاب ''التیسیر فی شرح التحریر'' میں ان بزرگ محدثین کے اقوال نقل کیے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو غلط اور ضعیف ثابت کیا ہے، عنقریب ''فواتح الرحموت'' سے ہم ان اقوال کو نقل کریں گے۔

۱۰۔ علامہ شمس الدین سخاوی نے ''المقاصد الحسنۃ'' میں اس حدیث کے جھوٹی ہونے پر بزرگ محدثین کے اقوال نقل کیے ہیں وہ کہتے ہیں:

''حدیث:'' خذوا شطر دینکم عن الحمیرا '' کے بارے میں ہمارے استاد (ابن حجر عسقلانی) ''تخریج ابن الحاجب'' میں جو خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے کہتے ہیں: اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے، سوائے ''النھایۃ'' کے کسی اور حدیث کی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، ابن اثیر نے ''النھایۃ'' کے مادہ ''ح م ر'' میں اس کو نقل تو کیا ہے مگر کہاں سے نقل کیا ذکر نہیں کیا ہے، اسی طرح

اس حدیث کو ''الفردوس'' میں دیکھا جس کو انہوں نے انس سے نقل کیا ہے لیکن اس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں اور بغیر سند کے ہے اور مؤلف ''مسند الفردوس'' نے اس حدیث کے آگے خالی جگہ چھوڑی ہے اور سند کو بیان نہیں کیا ہے (جب کہ دوسری بہت ساری حدیثوں کی سند کو بیان کیا ہے، مترجم) اور ابن کثیر نے حافظ مزّی اور حافظ ذہبی سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو ان کے لئے بھی یہ حدیث نئی تھی'' (۱)

۱۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ (جو زرکشی کی کتاب کی تلخیص ہے) میں واضح لفظوں میں اس حدیث کی تکذیب کی ہے وہ لکھتے ہیں:

''حدیث:'' خذوا شطر دینکم عن حمیرا '' میری نظر سے نہیں گزری ہے حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ''تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث غریب بلکہ منکر ہے اس کے بارے میں میں (ابن کثیر) نے اپنے استاد حافظ ابوالحجاج مزّی سے پوچھا تو انہوں نے اس کو نہیں پہچانا اور کہا کہ اب تک اس کی سند میری نظر سے نہیں گزری ہے اور میرے استاد ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف حدیثوں میں سے ہے اس کی سند کا پتہ نہیں ہے لیکن ''الفردوس'' میں انس سے اس طرح مروی ہے'' اپنے ایک تہائی دین کو خانہ عائشہ سے لو'' لیکن اس کی بھی سند کا انہوں نے ذکر نہیں کیا ہے'' (۲)

۱۔ المقاصد الحسنۃ ص ۱۹۸ ۲۔ الدرر المنتثرہ ص ۷۹

۱۲۔عبدالرحمٰن بن علی شیبانی نے " تمیز الطیب من الخبیث " میں اس حدیث کے ضعیف ہونے پر بزرگ ناقدین حدیث کے اقوال نقل کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"ابن حجر کا بیان ہے کہ اس حدیث (خذوا شطر دینکم ......)
کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ہی حدیث کی کسی کتاب میں اس پر نظر پڑی ہے سوائے ابن اثیر کی "النھایۃ" کے جس میں انہوں نے مادہ "ح م ر" میں اس کو نقل کیا ہے لیکن نہیں بتایا کہ کہاں سے اس کو نقل کیا ہے، اور حافظ عماد الدین ابن کثیر کا کہنا ہے کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں حافظ مزّی اور حافظ ذہبی سے پوچھا تو وہ اس کو نہیں پہچان سکے"

۱۳۔محمد طاہر فتنی نے "تذکرۃ الموضوعات" میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کے جعلی ہونے کو ثابت کیا ہے اور جن عظیم المرتبت علماء نے اس کو ضعیف کہا ہے ان کے اقوال کو نقل کیا ہے، چنانچہ وہ سخاوی کی کتاب "المقاصد الحسنۃ" سے نقل کرتے ہیں:

"ہمارے استاد کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی نہ کوئی سند ہے نہ ہی حدیث کی کسی کتاب میں اس پر نظر پڑی ہے سوائے ابن اثیر کی "النھایۃ" کے اور "الفردوس" میں بغیر کسی سند کے ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے' خذوا ثلث دینکم من بیت الحمیرا " اور مزّی اور ذہبی سے جب اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا"(۱)

۱۔تذکرۃ الموضوعات ص ۱۰۰

فتنی نے اپنی کتاب ''مجمع البحار'' میں بھی سخاوی کی عبارت نقل کی ہے اور اس حدیث کے جعلی ہونے کو ثابت کیا ہے اور اس کی تائید میں علم حدیث ورجال کے اماموں کے اقوال پیش کئے ہیں۔

۱۴۔ ملا علی قاری نے اس حدیث پر اپنی کتاب ''الموضوعات الکبریٰ'' میں تفصیل سے بحث کی ہے اور ناقدین حدیث کے اقوال کی روشنی میں اس کے ضعیف ہونے کو ثابت کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حدیث'' خذوا شطر دینکم عن حمیرا ''میں'' حمیرا '' سے مراد عائشہ ہیں اس کی تصغیر '' حمراء '' ہے جس کے معنی سفید کے ہیں اور ''شطر'' کے معنی نصف کے ہیں۔

عسقلانی کا کہنا ہے کہ اس کی سند کا مجھ کو علم نہیں ہے نہ ہی حدیث کی کسی کی کتاب میں اس کو دیکھا ہے، ابن اثیر کی ''النھایۃ'' میں تو اس پر نظر پڑی مگر کہاں سے نقل کیا اس کا پتہ نہیں بتایا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر کا بیان ہے کہ میں نے مزّی اور ذہبی سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، مؤلف ''الفردوس'' نے بغیر سند کے ان الفاظ میں اس کو نقل کیا ہے '' خذوا ثلث دینکم من بیت الحمیرا '' اور مؤلف ''مسند الفردوس'' نے اس حدیث کے لئے کوئی سند نہیں پیش کی (جب کہ دوسری حدیثوں کی سندیں

بیان کی ہیں) جیسا کہ سخاوی نے تحریر کیا ہے۔

سیوطی کا کہنا ہے کہ اس حدیث پر میری نظر نہیں پڑی، حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ''تخریج احادیث مختصر ابن حاجب'' میں اس حدیث کو غریب بلکہ منکر بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں میں نے اپنے استاد مزّی سے پوچھا مگر وہ اس کو نہ پہچان سکے اور اس کی سند کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور جب اپنے استاد ذہبی سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ان ضعیف حدیثوں میں سے ہے جس کی سند مجہول ہے، لیکن ''الفردوس'' میں جو حدیث ہے اور اس کی بھی سند کا ذکر نہیں ہے یہ ہے ''اپنے ایک تہائی دین کو خانہ حمیرا سے لو''

میں (قاری) کہتا ہوں کہ مفہوم کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے اس لئے کہ اسناد کی صورت میں تھوڑا سا دین تو ان کے پاس تھا اور حدیث ''کلمینی یا حمیرا'' بھی مشہور ہے مگر علماء اور محدثین کی نظر میں ضعیف ہے''(۱)

ملا علی قاری کا آخر میں یہ کہنا کہ مفہوم کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے، یہ ان کی خوش فہمی ہے کیونکہ کتاب ''تشئید المطاعن'' کو دیکھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عائشہ کے پاس دین تھا ہی نہیں تھوڑا بہت دین تو دور کی بات ہے، کیونکہ حضرت علیؑ سے بغض و عداوت اور پیغمبر اسلامؐ پر ان کی افترا پردازی نے ان کے اعتماد کو اٹھا دیا ہے۔

۱۔ الموضوعات الکبریٰ ص ۱۹۱۔۹۰

sabeelesakina@gmail.com 03333589401

واضح رہے کہ ملا علی قاری نے اپنی کتاب ''الموضوعات الکبریٰ'' میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ:

''اس کتاب ''الموضوعات الکبریٰ'' میں صرف ان ہی حدیثوں کو پیش کر رہا ہوں جن کے ضعیف اور جعلی ہونے پر محدثین و ناقدین حدیث کا اتفاق ہے اور ان حدیثوں کو ذکر نہیں کیا ہے جن کے جعلی ہونے پر علماء کا اختلاف ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اختلافی حدیث ایک طریق (سلسلہء سند) سے جعلی تو دوسرے طریق واسناد سے صحیح ہو''(۱)

اور چونکہ ملا علی قاری نے اس حدیث کو اپنی اسی کتاب (الموضوعات الکبریٰ) میں نقل کیا ہے لہذا حدیث'' خذوا دینکم عن الحمیرا ''ضعیف اور جعلی ہے بلکہ اس کے ضعیف اور جعلی ہونے پر علماء و ناقدین حدیث کا اجماع و اتفاق ہے، بڑے تعجب کی بات ہے کہ شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے ایک ایسی حدیث کو پکڑا جس کے نہ حسب کا پتہ نہ نسب کا اور پھر اس کو صحیح قرار دے دیا!

ملا علی قاری ''الموضوعات الصغریٰ'' میں لکھتے ہیں:

''حدیث '' خذوا شطر دینکم عن الحمیرا '' جعلی اور گڑھی ہوئی ہے'' (۲)

ملا علی قاری ''المرقاۃ'' میں لکھتے ہیں:

۱۔ الموضوعات الکبریٰ ص ۴۳ ۲۔ الموضوعات الصغریٰ ص ۶۷

''حدیث'' خذ وا شطر دینکم عن الحمیرا '' میں ''حمیرا'' سے مراد عائشہ ہیں، اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ اس کی سند نہیں ہے اور کتب حدیث میں بھی اس کا وجود نہیں ہے سوائے ابن اثیر کی ''النھایۃ'' کے انہوں نے بھی نہیں کہا کہ کس سے نقل کیا ہے، حافظ عماد الدین ابن کثیر نے مزّی اور ذہبی سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا مگر انہوں نے اس کو پہچاننے سے انکار کیا، سخاوی کا کہنا ہے کہ ''الفردوس'' میں بغیر سند کے یہ حدیث نقل ہوئی ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں'' خذوا ثلث دینکم من بیت الحمیرا '' اور مؤلف ''مسند الفردوس'' نے بھی اس کی سند نہیں بیان کی، سیوطی نے بھی اس کے بارے میں اپنے عدم اطلاع کی خبر دی ہے''(۱)

۱۵۔ ہندوستان کے جلیل القدر عالم اہلسنت قاضی محبّ اللہ بن عبدالشکور بہاری اپنی کتاب ''مسلم الثبوت'' میں اجماع شیخین اور خلفائے اربعہ کی رد میں لکھتے ہیں:

''حدیث'' اصحابی کا لنجوم ''اور حدیث '' خذ وا شطر دینکم عن الحمیرا ''ضعیف ہیں''(۲)

۱۶۔محمد بن عبدالباقی زرقانی نے علماء کے اقوال کی روشنی میں اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے وہ لکھتے ہیں:

''النھایۃ میں موجود حدیث'' خذ وا شطر دینکم عن ھذہ

۱۔المرقاۃ فی شرح مشکواۃ ج۵ص۶۱۶ ۲۔مسلم الثبوت باشرح عبدالعلی ج۲ص۵۱۰

الحمیرا ''ضعیف ہے اور ''الفردوس'' میں موجود حدیث '' خذ و ثلث دینکم من بیت الحمیرا '' بغیر سند کے ہے، اگر اس کی سند ہوتی تو ان کے بیٹے (مؤلف مسند الفردوس) ضرور اس کو سند پیش کرتے، اور حافظ ابن کثیر نے مزّی اور ذہبی سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا اور حافظ (ابن حجر) نے بھی ''تخریج ابن الحاجب'' میں اس کو بغیر سند کی حدیث بتایا ہے''(۱)

۱۷۔ ہندوستان کے مستند عالم اہلسنت ملا نظام الدین سہالوی اپنی کتاب ''صبح صادق شرح منار'' میں ان دونوں حدیثوں ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتد یتم اھتد یتم '' اور '' خذوا شطر دینکم عن الحمیرا '' کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' پہلی حدیث (نجوم) کو ابن حزم نے ''رسالۃ الکبریٰ'' میں جھوٹی، گڑھی ہوئی اور باطل کہا ہے، احمد اور بزار بھی ان ہی کے ہم خیال ہیں، اور دوسری حدیث (خذوا شطر.......) مزّی اور ذہبی کی نظر میں مجہول ہے، ذہبی نے اس کو ضعیف حدیثوں میں شمار کیا ہے اور سبکی اور حافظ ابوالحجاج نے کہا ہے کہ '' سنن نسائی'' میں موجود صرف ایک حدیث کو چھوڑ کر جس حدیث میں لفظ ''حمیرا'' ہے وہ گڑھی ہوئی ہے، یہی بات ''التحریر'' کے بعض شارحین نے کہی ہے''

۱۸۔ نظام الدین کے بیٹے عبد العلی ملقب بہ ''بحر العلوم'' نے اس حدیث کو ضعیف کہا

۱۔ شرح المواھب ج۳ص۲۳۲

ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حدیث'' اصحابی کا لنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم ''
جس کی ابن عدی اور ابن عبد البر نے روایت کی ہے اور ''المختصر'' میں موجود یہ حدیث '' خذوا شطر دینکم عن الحمیرا ''یعنی عائشہ، دونوں ہی حدیثیں ضعیف ہیں، ان پر عمل نہیں ہوسکتا ہے صحیح حدیثوں کے مقابلے میں انہیں پیش کرنا تو دور کی بات ہے، پہلی حدیث پتہ نہیں کہاں سے آئی، ابن حزم نے ''رسالۃ الکبریٰ'' میں اسکو جھوٹی اور جعلی کہا ہے، احمد اور بزار کی بھی یہی رائے ہے اور دوسری حدیث (خذوا شطر ....) کو ذہبی نے ضعیف کہا ہے اور سبکی اور حافظ ابوالحجاج کا کہنا ہے کہ جس حدیث میں لفظ ''حمیرا'' ہے وہ جعلی ہے، سوائے ایک حدیث کے جو ''سنن نسائی'' میں ہے. ''التیسیر'' میں بھی ایسا ہی لکھا ہے''

۱۹۔ علامہ شوکانی نے ''الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ'' میں اس حدیث کے ضعیف ہونے کے ثبوت میں ابن حجر، مزی اور ذہبی کے اقوال کو ''المقاصد'' سے نقل کیا ہے۔

۲۰۔ عبد الحق بن فضل اللہ محمدی ھندی نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الموضوعات'' میں اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا کہ یہ کتنی پھسپھسی حدیث تھی جس کو شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے ''

حدیث ثقلین'' جیسی ٹھوس اور متواتر حدیث کے مقابلے میں پیش کیا. اگر انہیں اپنا پیش کردہ قاعدہ یاد ہوتا تو شاید اس کو نما'' حدیث ثقلین'' کے مقابلے ریت جیسی'' حدیث حمیرا'' کو پیش نہیں کرتے، شاہ صاحب'' تحفہ اثنا عشریہ'' کے باب امامت میں'' حدیث تشبیہ'' کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں جن حدیثوں کو پیش کیا ہے اور بخاری، مسلم اور دیگر ارباب صحاح کی طرح متعہد نہ ہوئے ہوں کہ کتاب میں موجود ساری حدیثیں صحیح ہیں یا دیگر محدثین نے ان کی صحت کی تصریح نہ کی ہو تو ایسی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا ہے.........''

ظاہری بات ہے کہ '' خذوا شطر دینکم عن هذه الحمیرا '' ایسی حدیث ہے جس کو نہ بخاری، مسلم اور دیگر ارباب صحاح جنہوں نے صرف صحیح حدیثوں کی جمع آوری کا عہد کیا تھا نقل کیا ہے نہ ہی ثقہ یا غیر ثقہ محدث نے اس کی صحت کی تصریح کی ہے، بلکہ اس کے برعکس بہت سے موثق محدثین نے اس کے ضعیف اور جعلی ہونے کی وضاحت کی ہے.

نیز شاہ صاحب اسی'' تحفہ'' میں حدیث'' جو لشکر اسامہ میں نہ جائے اس پر خدا کی لعنت ہے'' کے جواب میں لکھتے ہیں:

''بعض فارسی نویسوں نے جو اپنے کو محدث اہلسنت سمجھتے ہیں، اپنی تاریخوں میں اس جملے کا ذکر کیا ہے، جو کہ اہلسنت کے لئے قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ اہلسنت کی نظر میں وہ حدیث معتبر مانی جاتی ہے جو مستند محدثین کی کتابوں میں موجود ہو اور اس کی صحت کی انہوں

نے تصریح کی ہو، اہلسنت کی نظر میں بغیر سند کی حدیث شتر بے مہار جیسی ہے جس پر کوئی کان نہیں دھرتا"

شاہ صاحب کی اس بات کو دیکھنے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں سوائے اس کے کہ اس قاعدہ کو لکھنے کے بعد حافظے نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

تیسری معارض حدیث کا جواب

مخاطب (مؤلف تحفہ) نے کہا کہ: ''حدیث ثقلین'' کے مقابلے میں یہ حدیث ہے:

'' اھتد و ابھدی عمار ''یعنی عمار سے روش ہدایت سیکھو۔

میں (حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ اس حدیث کو ''حدیث ثقلین'' کے مقابلے میں پیش کرنا کئی لحاظ سے غلط ہے۔

ا۔ ایسا کرنا اپنے وعدے کی خلاف ورزی ہے کیونکہ مخاطب نے عہد کیا تھا کہ سوائے کتب شیعہ کے کسی اور سے حدیث نقل نہیں کریں گے، اس کے علاوہ خود علمائے اہلسنت کی نظر میں اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے، بالفرض اس کی سند کو صحیح مانیں تو وہ ''حدیث ثقلین'' کی سند جیسی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ''حدیث ثقلین'' متواتر اور متفق بین الفریقین ہے جس کی چونتیس صحابہ اور صحابیات نے روایت کی ہے اور اس کی سند شمار سے باہر ہے، ان سب باتوں سے قطع نظر اس حدیث کی دلالت ''حدیث ثقلین'' کی دلالت جیسی نہیں ہے کیونکہ میں نے بیان کیا ہے کہ ''حدیث ثقلین'' اہلبیت کی عصمت،

افضلیت، اطاعت اوران کی امامت وخلافت پر دلالت کرتی ہے، جب کہ اس حدیث سے ان میں سے کوئی ایک بھی چیز ثابت نہیں ہوتی ہے، پس کس طرح یہ حدیث ''حدیث ثقلین'' کی معارض ہوسکتی ہے۔

۲۔ اگر اس حدیث کو صحیح مانیں تب بھی یہ ''حدیث ثقلین'' کی معارض نہیں ہوسکتی، کیونکہ عمار ان مشہور افراد میں سے ایک ہیں جو ''ثقلین'' (قرآن اور عترتؑ) کے دامن کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے اور سرشناس پیروان علیؑ میں سے تھے، اگر رسول خداؐ نے عمار کی راہنمایوں کی پیروی کا حکم دیا تو اس لئے کہ وہ قرآن اور ائمہؑ طاہرین سے وابستہ تھے، لہذا جس نے ان کی اتباع کی گویا ''ثقلین'' کی اتباع کی اور جو ان کے نقش قدم پر چلا وہ پروردگار کی دو محکم رسیوں سے متمسک ہوا۔

میری بات کا ثبوت پیغمبرؐ اسلام کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے عمار کو حضرت علیؑ کی پیروی کا حکم دیا تھا اور آپ آخر عمر تک حضرتؐ کے اس ارشاد پر نہایت اخلاص سے عمل کرتے رہے یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، اس سلسلے میں بہت سے تاریخی شواہد موجود ہیں جن میں چند یہ ہیں۔

''علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید کہتے ہیں کہ ہم ابوایوب انصاری کے پاس گئے اور ان سے کہا اے ابوایوب! خدا نے تم کو محمد مصطفیٰؐ کے ذریعے اس وقت معزز ومکرم کیا جب تمھارے دروازے پر حضرت کے اونٹ کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور رسولؐ خدا کو تمھارا مہمان بنایا، یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو تم ہی کو نصیب ہوئی

ہے اوراس فضیلت کے ساتھ تم نے علی کے ہمرکاب ہوکر جنگ کی!!! ابوایوب نے خوش آمدید کہتے ہوئے کہا خدا کی قسم اسی جگہ جہاں تم بیٹھے ہو حضرتؐ تشریف فرماتھے اس وقت آپ کے ہمراہ کوئی نہیں تھا صرف علی آپ کے داہنی طرف اور میں آپ کے سامنے تھا، اتنے میں کسی نے دستک دی، رسولؐ خدا نے انس سے فرمایا: دیکھو کون ہے، انس گئے اور کہا عمار بن یاسر ہیں، ابوایوب کا بیان ہے کہ میں نے رسول خداؐ کو انس سے فرماتے ہوئے سنا کہ اے انس پاک و پاکیزہ عمار کے لئے دروازہ کھولو، انس نے دروازہ کھولا اور عمار داخل خانہ ہوئے اور رسول خداؐ کو سلام کیا، حضرتؐ نے جواب سلام اور خوش آمدید کے بعد کہا: اے عمار میرے مرنے کے بعد عنقریب میری امت میں شر سر اٹھائے گا اور آپس میں اختلاف ہوگا یہاں تک کہ نوبت تلوار کی آئے گی اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے اور پھر ایک دوسرے سے جان چھڑائیں گے اور اظہار بیزاری کریں گے، اور جب تم ایسا دیکھنا تو اس شخص کی طرف جو میری داہنی طرف بیٹھا ہے رجوع کرنا، آپ کی مراد علی تھے، اگر سب کے سب ایک راستہ پر چلیں اور دوسرے راستہ پر علی تو تم (عمار) راہ علی کو اختیار کرنا دوسروں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، اے عمار تم کو علی راہ راست سے منحرف نہیں کرے گا، اے عمار علی کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے''

اس روایت کو آجری نے ''الشریعۃ'' میں، دیلمی نے ''فردوس الاخبار'' میں، حموینی نے

فرائد السمطین ''ج۱ص۵۷۱پر، سید علی ہمدانی نے ''مودۃ القربیٰ'' میں، خوارزمی نے اپنی'' مناقب'' ص۵۷، ۱۲۴پر، قندوزی نے ''ینابیع المودۃ'' ص۱۲۸، ۲۵۰پر، بدخشی نے ''مفتاح النجا'' میں اور ملا متقی ھندی نے ''کنزالعمال'' ج۱۲ص۲۱۲پر نقل کیا ہے۔

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت معروف بہ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''جب ابوایوب انصاری جنگ صفین سے پلٹے تو علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید ان سے ملنے گئے، انہوں نے کہا اے ابو ایوب اللہ نے محمد مصطفیؐ کو تمھارے گھر میں اتار کر تم کو عزت بخشی اور آپ کے ناقہ کو تمھارے دروازے پر بیٹھا کر تم پر فضل وکرم کیا کہ جس میں کوئی اور شریک نہیں ہے، ان سارے اعزازات کے باوجود تم ایسے سے جنگ کرنے گئے جو' لا الـه الا اللـه '' کہتے ہیں؟! ابوایوب انصاری نے جواب دیا: اے شخص قافلہ سالار کبھی اپنے قافلہ والوں سے جھوٹ نہیں بولتا ہے، ہمارے قافلہ سالار رسول خداؐ نے علی رضی اللہ عنہ کے ہمرکاب ہو کر تین جنگوں میں لڑنے کا حکم دیا تھا، ناکثین کے ساتھ، قاسطین کے ساتھ، اور مارقین کے ساتھ، ناکثین (عہد شکنان) کے خلاف تو ہم نے جنگ کی اور وہ اہل جمل اور طلحہ اور زبیر ہیں، قاسطین کے خلاف ابھی جنگ کر کے آرہے ہیں کہ وہ معاویہ اور عمرو عاص ہیں، لیکن ''مارقین'' جو اہل طرفاوات، اہل سقفیات، اہل نخیلات اور اہل نہروان ہیں نہیں معلوم وہ کہاں ہیں مگر بخدا ان سے بھی ہماری جنگ حتمی ہے انشاء اللہ، پھر ابوایوب انصاری

بولے، میں نے رسول خدا کو عمار سے فرماتے سنا کہ اے عمار! تجھ کو باغی اور ستمگر گروہ قتل کرے گا اور اس وقت تم حق کے ساتھ ہو گے اور حق تمھارے ساتھ ہو گا، اے عمار جب تم دیکھنا کہ علی ایک سمت جارہا ہے، اور سارے لوگ دوسری سمت تو علی کی سمت کو اختیار کرنا، کیونکہ وہ (علیؑ) گمراہی میں ڈالے گا نہیں اور ہدایت سے خارج نہیں کرے گا، اے عمار! جو شخص تلوار اٹھائے اور دشمنوں کے مقابلے میں علی کی مدد کرے خدا قیامت کے دن اس کی گردن میں دو مروارید کے ہار ڈالے گا اور جو علی کے دشمنوں کی مدد کے لئے تلوار اٹھائے گا قیامت کے دن خدا اس کی گردن میں آتشیں گردن بند آویزاں کرے گا، ہم (علقمہ اور اسود) نے کہا اے ابوایوب ہم کو ہمارے سوال کا جواب مل گیا، خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے (۱)"

ملا متقی ھندی اپنی کتاب میں "فضائل عمار" میں حذیفہ سے روایت کرتے ہیں:

"حذیفہ کو قتل عثمان کی خبر دی گئی اور ان سے پوچھا گیا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ حذیفہ نے جواب دیا: عمار سے وابستہ ہو جاؤ، لوگوں نے کہا عمار تو علی سے جدا ہوتے ہی نہیں ہیں، حذیفہ نے کہا حسد جسم کو کھا جاتا ہے، تم علی کی وجہ سے عمار سے بھاگ رہے ہو جب کہ بخدا علی، عمار سے افضل ہیں اور ان دونوں کی افضلیت میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے، عمار

۱۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۸۷۔۱۸۶

اخیار میں سے ہیں‘‘(۱)

بعینہ اس روایت کو قندوزی نے ’’ینابیع المودۃ‘‘ ص ۱۲۸ پر اور عبدالحق دہلوی نے ’’رجال مشکواۃ‘‘ میں عمار کے حالات میں نقل کیا ہے، اور عبدالحق دہلوی نے اس روایت کے بعد اس کا اضافہ کیا ہے کہ ’’سیوطی نے جمع الجوامع میں ان احادیث کو نقل کیا ہے اور ان کے بہت سے طرق واسناد ہیں‘‘

۳۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) اس حدیث ’’اهتدو ابهدی عمار‘‘ کو بیان کرر ہے ہیں جب کہ عماران لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ابو بکر کی بیعت سے انکار اور حضرت علیؑ کی خلافت کو تسلیم کیا تھا، چنانچہ یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

’’مہاجرین وانصار میں سے جنہوں نے ابو بکر کی بیعت نہیں کی اور حضرت علی سے وابستہ رہے عباس بن عبدالمطلب، فضل بن عباس، زبیر بن عوام، خالد بن سعید، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابو ذر غفاری، عمار بن یاسر، براء بن عازب اور ابی بن کعب ہیں‘‘(۲)

نیز مراجعہ کیجئے ابوالفداء اسماعیل بن علی ایوبی کی ’’المختصر فی اخبار البشر‘‘ ج ۱ ص ۱۵۶ اور زین الدین عمر بن مظفر بن عمر بن محمد بن ابوالفوارس وردی کی ’’تتمۃ المختصر فی اخبار البشر‘‘ ج ۱ ص ۱۸۷۔

۱۔ کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۴۱ ۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۱۴

عمار نے اپنے عقیدے کا متعدد جگہوں پر اظہار کیا ہے کہ ان ہی میں ایک وہ موقع ہے جب عثمان بن عفان سے بیعت لی گئی تھی، مسعودی لکھتے ہیں:

''جب عثمان خلیفہ ہوئے تو ابوسفیان صخر بن حرب چند لوگوں کے ساتھ ان کے گھر گیا چونکہ وہ نابینا تھا اس لئے اس نے اپنے ہمراہیوں سے پوچھا یہاں کوئی غیر تو نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، ابوسفیان نے کہا: اے بنی امیہ تم اس خلافت کی گیند کو آپس ہی میں پاس دینا، اس کی قسم جس کی ابوسفیان قسم کھاتا ہے اسی دن کی امید میں بیٹھا حکومت کا انتظار کر رہا تھا، دیکھو اس حکومت کو اپنے بچوں میں میراث کے طور پر منتقل کرتے رہنا، عثمان نے ایسا کہنے سے اس کو روکا، مگر مہاجر و انصار کو اس کی بھنک مل گئی اور جب ان تک یہ خبر پہونچی تو عمار مسجد میں کھڑے ہو کر کہنے لگے: اے گروہ قریش: جب تم نے اس منصب کو اہلبیتؑ پیغمبر سے چھینا ایک مرتبہ آغاز میں اور پھر اس مرتبہ تو میں نہیں سمجھتا کہ یہ تم سے اس طرح جدا ہو جائے گی جس طرح تم نے اس کے اہل سے لے کر نا اہل تک پہونچا دیا''(۱)

۴۔ عمر بن خطاب نے عمار کی تکذیب کی اور ان کی ہدایت و راہنمائی سے گریز کیا بلکہ ان کو بڑے سخت لہجے میں یہ کہہ کر ''نولیك ما تولیت ''اس آیت کا مصداق ٹھرایا'' ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل

۱۔ مروج الذھب ج ۲ ص ۳۴۲

المومنین نوله ما تولی و نصله جهنم و سائت مصیرا ''(نساء آیۃ ۱۱۵)

اس موضوع پر والد ماجد اعلی اللہ مقامہ نے ''تشئید المطاعن'' میں تفصیل سے بحث کی ہے، بطور نمونہ ایک روایت نقل کرر ہا ہوں جس کی احمد بن حنبل نے اپنی ''مسند'' میں روایت کی ہے وہ لکھتے ہیں:

''ہم سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا انہوں نے سفیان سے انہوں نے سلمہ (یعنی ابن کہیل) سے انہوں نے ابو ثابت اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزی سے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابزی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں ہم عمر کے پاس تھے ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے امیر المومنین کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پانی دستیاب نہیں ہوتا اور ہم ایک دو مہینے تک نجس رہ جاتے ہیں، عمر نے کہا میں تو جب تک پانی نہ ملے نماز ہی نہیں پڑھتا، عمار نے کہا اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد ہے کہ ہم اور تم فلاں جگہ تھے اور اونٹ چرا رہے تھے، پھر ہم مجنب ہو گئے؟ عمر نے کہا ہاں یاد ہے، ہم (عمار) نے اپنے کو مٹی میں اٹ لیا اور حضرت کی خدمت میں آ کر پورا ماجرا بیان کیا، جس کو سن کر حضرتؐ ہسنے لگے اور فرمایا: تمھارے لئے پاک مٹی کافی تھی، پھر آپ نے دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ہتھیلیوں کو گرد سے صاف کر کے چہرہ اور گٹے کا مسح کیا تھا، یہ سن کر عمر نے کہا: اے عمار خدا کا خوف کھاؤ! عمار نے کہا اے امیر المومنین اگر آپ کہیں تو آپ کی

آخری سانس تک اس کا تذکرہ نہ کروں، عمر نے کہا نہیں ایسا نہیں ہے لیکن نولیك ما تولیت "(۱)

اس روایت کو بعینہ یا تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف سے مسلم نے اپنی "صحیح" ج ۱ ص ۱۱۰ پر، ابوداؤد نے اپنی "سنن" ج ۱ ص ۱۳۵ پر، نسائی نے اپنی "سنن" (مطبوع با شرح سیوطی) ج ۱ ص ۱۶۵ پر، طبری نے اپنی "تفسیر" کی ج ۵ ص ۱۱۳ پر، عینی نے "عمدۃ القاری" ج ۴ ص ۱۹۰ پر، ابن اثیر نے "جامع الاصول" ج ۸ ص ۱۴۹، ۱۵۱ پر، شیبانی نے "تیسیر الوصول" ج ۳ ص ۱۱۵ پر، ان کے علاوہ دیگر محدثین ومفسرین ومورخین نے نقل کیا ہے۔

مذکورہ روایت کے اہم نکات

الف۔ عمر بن خطاب نے تکبر اور خودخواہی کی وجہ سے عمار کی حدیث قبول نہیں کی اور ان کا یہ عمل مخاطب (مؤلف تحفہ) کی پیش کردہ اس حدیث کے مخالف ہے" اهتدو ابهدی عمار "

ب۔ عمر بن خطاب نے عمار کی حدیث پر اعتراض کیا جس کا خود مخاطب کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے "الانصاف" میں اعتراف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"جن موارد میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہے ان میں ایک یہ ہے کہ ایک صحابی نے ایک حکم کو کسی فتویٰ یا قضیے میں سنا جب کہ اس حکم کو دوسرے صحابی نے نہیں سنا لہذا اس نے اپنی سوچ سے اجتھاد کرلیا، اس کی کئی صورتیں ہیں (شاہ

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۶۵

ولی اللہ دو صورتوں کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں) تیسری صورت یہ ہے کہ ایک صحابی کی حدیث دوسرے صحابی تک پہونچی مگر اس کے بارے میں مطمئن نہ ہو سکا اور اپنے اجتہاد کو ترک کرنے کے بجائے اس حدیث پر لعن وطعن کرنے لگا جیسا کہ شیخین (بخاری اور مسلم) نے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب کا کہنا تھا کہ اگر مجنب کو پانی نہ مل پائے تو تیمم کافی نہیں ہے، وہیں عمار بھی موجود تھے انہوں نے کہا ہم رسولؐ خدا کے ساتھ سفر میں تھے اور مجنب ہو گئے ہم نے اپنے جسم پر مٹی مل لیا اور رسولؐ خدا سے اپنے اس عمل کا تذکرہ کیا حضرتؐ نے فرمایا: تم کو ایسا کرنا چاہئے اور آپ نے زمین پر ہاتھ مارا پھر ان سے چہرہ اور ہاتھ پر مسح کیا مگر عمر بن خطاب نے عمار کی یہ حدیث نہ مانی اور ان کے لئے وہ حجت نہ ہو سکی کیونکہ ان کی نظر میں اس میں کوئی کمی تھی ، پھر اس حدیث کو دوسرے طبقے میں شہرت حاصل ہوئی اور بہت سے طرق واسناد سے وہ نقل ہوئی اور حدیث میں جس کمی کا احتمال تھا ختم ہو گیا اور وہ مورد قبول قرار پائی'' (۱)

اس سلسلے میں والد علام نے اپنی کتاب '' تشئید المطاعن '' میں کتنی اچھی بات کہی ہے وہ لکھتے ہیں:

''عمر کا حدیث عمار کو قبول نہ کرنا اور اس کو حجت نہ ماننا شریعت سے انکار کرنے کے مترادف ہے کیونکہ عمار ثقہ، عادل اور جلیل القدر صحابی تھے پھر کیوں

۱۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۱۶

ان کی حدیث قبول نہیں کی گئی؟ اگر عمار کی حدیث حجت نہو اور اس کا انکار طعن کا موجب نہو تو پھر اور صحابیوں کی حدیثوں سے انکار کیسے طعن کا باعث ہوسکتا ہے؟ کیونکہ عمار اجلۂ صحابہ اور ان کے اعاظم و اکابر میں سے تھے اور جتنے فضائل و مناقب ان کے نظر آتے ہیں، بڑے سے بڑے صحابہ کے یہاں دیکھائی نہیں دیتے ہیں، تو جب ان کی حدیث ٹھکرائی جاسکتی ہے، تو پھر دیگر صحابہ کی بھی حدیثیں رد کی جاسکتی ہیں، بڑے تعجب کی بات ہے کہ رواۃ اہلسنت جن حدیثوں کی عام صحابیوں کی طرف نسبت دیں بلکہ ان سے نقل کریں جب کہ ان کا فسق و فجور خود ان ہی کی کتابوں سے ثابت ہے اگر ان کی حدیثیں قبول نہ کی جائیں تو حضرات اہلسنت ناک بھو چڑھانے لگیں اور منکر حدیث کو اسلام و نبوت کا معترض ٹھرائیں، لیکن جس نے عمار جیسے جلیل القدر صحابی کی حدیث ٹھکرائی ہو اس کے بارے میں نہ یہ کہ لب کشائی نہ کریں، بلکہ اس کو امام اعظم اور مقتدائے اُمم قرار دیں! ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا! علامہ فضل اللہ تور بشتی شارح مصابیح اپنی کتاب ''المعتمد فی المعتقد'' میں لکھتے ہیں'' زنادقہ، شریعتِ اسلام میں ایک نیا دین بنانا چاہ رہے تھے جس کی اساس قدح خلافت ابوبکر ہے، ان کا ایسا کرنا جملہ صحابہ پر طعن کے مترادف ہے اور وہ دین پر طعن پر ختم ہوتا ہے کیونکہ قرآن اور حدیث اور ان سے اخذ شدہ احکام ہم تک صحابہ کے ذریعے پہونچے ہیں، اب اگر ان بدعتگذاروں کی بات مانیں تو پھر صحابہ سے اعتماد اٹھ

جائے گا اور شریعت ثابت نہیں ہوگی ونعوذ باللہ من الضلال ، لہذا اہلسنت و الجماعت کا اس مسئلے کی حفاظت کرنا سارے ابواب شریعت کی حفاظت کرنے کے مترادف ہے اور اس میں تساہلی برتنا پوری شریعت کو تہس نہس کرنا ہے۔''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابوبکر کی خلافت پر طعن کرنا دین پر طعن کرنا ہے اور ان کی روایتوں کو قبول نہ کرنا زندیقیت ، دین پر اعتراض اور شریعت کو تہس نہس کرنا ہے اور جب ایسا ہے تو عمر کا عمار جیسی شخصیت کی روایت کو ٹھکرا دینا جن کے مرتبے تک (علمائے اہلسنت کے بقول) چند گنے چنے صحابیوں کے سوا کوئی بھی نہیں پہونچ سکا زندیقیت اور شریعت کو برباد کرنا ہے، اوران کا یہ کہنا کہ ''عمر نے اس لئے عمار کی حدیث نہیں مانی تھی کہ اس میں تھوڑا ضعف تھا'' اس لئے غلط ہے کہ اس صحیح حدیث کی ایسے صحابی (عمار) نے روایت کی تھی جن کی توثیق خود پیغمبر اسلامؐ نے کی تھی (اور اس بات کو ہم سبھی جانتے ہیں کہ اہلسنت کی بنیاد اصحاب ہی کی حدیثوں پر ہے بلکہ ابوبکر کی خلافت ان ہی کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے) اب اگر صحابہ کی بات رد کر دیں تو سقیفی اجماع کا سقف (چھت) زمیں بوس ہو جائے گا ، خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات اہلسنت کی بلا وجہ کی توجیہیں ہیں جن کا حقیقت سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ یہ عمار سے دشمنی اور احکام الٰہی سے لاپرواہی کی علامت ہے، عجیب بات ہے کہ حضرات اہلسنت جھوٹی اور گڑھی ہوئی اس حدیث '' نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ''

کو قبول کرتے ہیں بلکہ اس کو شیعوں کے سامنے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، مگر عمر کے لئے عمار کی حدیث کو حجت نہیں مانتے جب کہ خود مخاطب نے (تحفہ کے) طعن ابوبکر کے بارہویں طعن میں ابو ہریرہ، ابو درداء اور ان جیسوں کی روایتوں کو قرآنی آیات کی طرح یقین آور بتایا ہے تو پھر عمار کی حدیث جو اجماعاً ان دونوں سے افضل تھے آیت قرآنی کی طرح یقین آور ہوگی لہذا ان کی حدیث سے انکار آیت قرآنی سے انکار کے مترادف ہے، اور چونکہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے تصریح کی ہے کہ طرق کثیرہ کی وجہ سے حدیث ''مستفیض'' ہے لہذا معترض کے اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے'' یہ تھا ''تشئید المطاعن'' کا خلاصہ۔

ج۔ عمر بن خطاب نے عمار کی تکذیب میں نہ ذرا سی جھجک محسوس کی اور نہ ہی اپنے اس فعل کو گناہ سمجھا، اس بات کا اعتراف اکابر علمائے اہلسنت نے کیا ہے، چنانچہ عبدالعلی بن ملا نظام الدین ''فواتح الرحموت'' میں لکھتے ہیں:

''ایک شخص عمر کے پاس آیا اور کہا میں مجنب ہو گیا ہوں اور پانی بھی مجھے نہیں مل رہا ہے اب میں کیا کروں؟ عمر نے کہا نماز نہ پڑھو، عمار نے عمر سے کہا: اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ کسی جنگ میں راستے میں ہم اور آپ مجنب ہو گئے تھے اور پانی بھی دستیاب نہیں تھا، آپ نے تو نماز نہیں پڑھی تھی لیکن میں نے اپنے پورے بدن پر مٹی مل کر نماز پڑھ لی تھی، اس پر رسول خداؐ نے فرمایا تھا اتنے جھمیلے کی ضرورت نہیں صرف اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارو اور

ان پر پھونک مارنے کے بعد ان سے چہرہ پر مسح کرو، اور ''سنن ابو داوٗد'' میں ہے کہ زمین پر دو مرتبہ ہاتھ مارنا کافی ہے۔ مگر عمر کو عمار کی بات یاد نہ آئی اور وہ اپنے نظریئے پر ڈٹے رہے اور تیمّم کو مجنب کے لئے کافی نہیں سمجھا، اور ''صحیح مسلم'' میں ہے کہ عمر نے کہا: اے عمار! خدا سے ڈرو!'' (۱)

یہ بات واضح ہے کہ سچے اور با ایمان شخص کو جھٹلانا معصیت و گناہ ہے اور ایسا کرنے والی کی ہر عقلمند مذمت کرتا ہے تو پھر جو عمار جیسے جلیل القدر صحابی کو جھٹلائے اس کو کیا کہیں؟!

عمر نے عمار سے کہا'' اتق الله یا عمار '' یعنی عمار، خدا سے ڈرو، اور یہ جملہ اس شخص سے کہا جاتا ہے جو بدعت محرمہ کا مرتکب ہو، چنانچہ محمود بن محمد عینی'' شرح کنز الدقائق ''میں فاطمہ بنت قیس کی روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کئی وجہوں سے فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، ا۔ کبار صحابہ جیسے عمر، ابن مسعود، زید بن ثابت، اسامہ بن زید اور عائشہ نے اس سے انکار کیا ہے اور بخاری کے بقول عائشہ نے فاطمہ بنت قیس سے کہا تھا'' الا تتقی الله '' یعنی کیا تو خدا سے نہیں ڈرتی؟ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ جملہ کہا تھا'' لا خیر لك فیه ''اس میں تمھاری بھلائی نہیں ہے، اور ایسا جملہ ایسے شخص کے لئے کہا جاتا ہے جو بدعت محرمہ کا مرتکب ہوا ہو'' (۲)

عثمان بن علی زیلعی نے بھی اپنی'' شرح کنز الدقائق'' ج۳ ص ۶۱۔۶۰ پر یہ بات کہی

۱۔ فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۲۵ ۲۔ شرح کنز الدقائق ج ا ص ۲۳۳

ہے۔

اب ہم حضرت عمر کو کیا کہیں جنھوں نے عمار جیسے عظیم المرتبت صحابی سے ایسا جملہ کہا؟ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے عمار کی ہدایتوں سے راہنمائی حاصل کی؟!

ھ۔اس روایت نے بتایا کہ حضرت عمر نے عمار سے کہا " نولیک ما نولیت " اور یہ کہہ کر عمار کو آزار پہونچایا اور معاذ اللہ انہیں اس آیت کا مصداق ٹھرایا" و من یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی و نصله جهنم و سائت مصیرا " (یعنی جو شخص بھی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسولؐ سے اختلاف کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا اسے ہم ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے اور جہنم میں جھونک دیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے، نساء آیۃ ۱۱۵) اس کے بعد بھی ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے عمار کی راہنمائیوں کی پیروی کی؟!

حضرت عمر کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ یہ کہ عمار کی راہنمایوں کی پیروی نہیں کی بلکہ ان سے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا اور بغیر کسی جرم کے ان کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور اس سے رکیک حرکت یہ کی کہ عمار سے مزاق کے انداز میں پوچھا " گورنری سے معزول ہونے پر تم کو رنج پہونچا" عمار نے جواب دیا خدا کی قسم بغیر پوچھے مجھے گورنر بنا دیئے اور پھر معزول کر دیئے دونوں نے مجھے رنج پہونچایا ہے، چنانچہ ابن سعد عمار کے حالات میں لکھتے ہیں:

''ہم سے عفان بن مسلم نے بیان کیا انہوں نے خالد بن عبد اللہ سے انہوں نے داؤد سے اور انہوں نے عامر سے روایت کی ہے کہ عمر نے عمار سے پوچھا گورنری سے معزول کرنے پر تم کو مجھ سے رنج پہونچا ہے؟ عمار نے کہا جب تم نے مجھ سے پوچھا ہے تو جواب بھی سن لو کہ جب تم نے مجھے گورنر بنایا تھا اس وقت بھی میں رنجیدہ ہوا تھا اور اب جب تم نے معزول کر دیا ہے تب بھی رنجیدہ ہوں''(۱)

ابن اثیر لکھتے ہیں:

''جب عمر نے عمار کو گورنری سے معزول کر دیا تو ان سے پوچھا تمہیں دکھ تو نہیں پہونچا؟ عمار نے جواب دیا خدا کی قسم گورنری نے بھی مجھ کو دکھ پہونچایا اور اس کی معزولی نے بھی''(۲)

اس روایت کو ملا متقی نے ''کنز العمال'' میں بھی نقل کیا ہے۔

۵۔ عثمان بن عفان نے عمار کو زبانی بھی اذیت پہونچائی تھی اور عملی بھی ان کے ایسے بہت سارے کرتوت تاریخ کے صفحات پر آج بھی محفوظ ہیں، چند یہ ہیں۔

ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری عثمان پر لوگوں کے اعتراضات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سرد دن میں چند اصحاب پیغمبرؐ جمع ہوئے اور

۱۔ الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۶ ۲۔ اسد الغابہ ج ۴ ص ۴۶

انہوں نے ایک خط لکھا جس میں سنت پیغمبر اور سنت ابو بکر و عمر کی عثمان کی مخالفتوں کا تذکرہ کیا............انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ اس خط کو عثمان تک ضرور پہونچائیں گے، وہ دس لوگ تھے، عمار بن یاسر اور مقداد بن اسود بھی ان ہی میں سے تھے، جیسے ہی وہ لوگ خط دینے کے لئے چلے ان کی تعداد میں کمی ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ صرف عمار بچے، خط ان ہی کے پاس تھا، عمار، عثمان کے گھر پہونچے اجازت مانگی اور وارد خانہ ہوئے، عثمان کے پاس مروان بن حکم اور بنی امیہ کے دیگر افراد بیٹھے ہوئے تھے عمار نے عثمان کو خط دیا، عثمان نے خط پڑھنے کے بعد پوچھا کیا تم نے یہ خط لکھا ہے؟ عمار نے کہا ہاں، عثمان نے پوچھا اور کون لوگ تمھارے ساتھ تھے؟ کہا کچھ لوگ تھے جو تمھارے ڈر سے جدا ہو گئے، عثمان نے کہا ان کے نام بتاؤ، عمار نے کہا میں نام نہیں بتاؤں گا، عثمان نے کہا صرف تم میں ایسی جرأت کیوں پیدا ہوئی؟! مروان نے کہا اے امیر المومنین اس کالے (عمار) نے لوگوں کو جری بنا دیا ہے اور ان میں اس نے اتنی جرأت پیدا کر دی ہے کہ وہ تمھاری مخالفت کرنے لگے، لہذا اس (عمار) کا خاتمہ کر دو تا کہ جو اس کے ہمراہ ہیں وہ بھی ٹھنڈے ہو جائیں، عثمان نے عمار کو تازیانہ مارنے کا حکم دیا! اطرافیوں نے تازیانہ مارنا شروع کیا ان ہی کے ساتھ عثمان نے بھی اتنے تازیانے مارے کہ انہیں مرض فتق عارض ہو گیا اور عمار بیہوش ہو گئے، پھر انہیں گھر کے باہر ڈال دیا گیا، زوجہء پیغمبر ام سلمی نے عمار کو ان کے گھر بھجوایا، عثمان

کی اس حرکت سے قبیلہء بنی مغیرہ والے جو عمار کے ہم پیمان تھے غضبناک ہوئے اور جب نماز ظہر کے لئے مسجد کی طرف عثمان چلے تو راستے میں ان سے ہشام بن ولید بن مغیرہ نے کہا: آگاہ ہو جاؤ! خدا کی قسم اگر اس مار کی وجہ سے عمار کی موت ہو گئی تو بنی امیہ کی کسی اہم شخصیت کا خون کر دیں گے! عثمان نے کہا میں وہاں نہیں تھا"(۱)

ابن عبدربہ تحریر کرتے ہیں:

"ابوبکر بن ابی شیبہ نے اعمش سے روایت کی ہے کہ عثمان کے اطرافیوں نے ان کے ان عیوب و نقائص تحریر کئے جن سے لوگ بھرے ہوئے تھے، لکھنے کے بعد انہوں نے کہا کہ اس خط کو عثمان کے پاس کون لے جائے گا؟ عمار نے کہا میں لے جاؤں گا، عمار عثمان کے پاس خط لے گئے، جب عثمان نے خط پڑھا تو کہا خدا تمھاری عزت خاک میں ملائے پھر کہا اور ابوبکر اور عمر کی بھی؟! راوی کا بیان ہے کہ عثمان اپنی جگہ سے اٹھے اور عمار کو اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے، مگر بعد میں عثمان پشیمان ہوئے اور طلحہ اور زبیر کے ذریعے عمار کے پاس پیغام بھیجا کہ یا معاف کر دیں یا جرمانہ لے لیں یا اس کا بدلہ لے لیں، عمار نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہئے یہاں تک کہ خدا کے حضور میں پہونچوں، ابوبکر بن ابی شیبہ کا کہنا ہے کہ میں نے اس واقعہ کو حسن بن صالح سے بیان کیا انہوں نے کہا عثمان نے جو کچھ

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۳۲

کیا اس کے بارے میں اس سے زیادہ بیان نہیں ہوا ہے" (۱)

مسعودی لکھتے ہیں:

"۳۵ھ میں عثمان پر اعتراضات کی بوچھار ہونے لگی اور ان کے کرتوت کھلے عام بیان ہونے لگے کہ ان ہی میں سے ایک ان کا وہ سلوک تھا جسے انہوں نے عبداللہ بن مسعود کے ساتھ روا رکھا اور دوسرے عمار کو مارنا پیٹنا ہے، اسی وجہ سے بنی مخزوم، عثمان سے منہ موڑ لئے تھے" (۲)

ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

"عمار، ان کے والد یاسر اور بنی مخزوم کے درمیان بڑی دوستی تھی وہ ہم پیمان بھی تھے چنانچہ جب عثمان کے نوکروں نے عمار کو تازیانے مارے، ان کے پیٹ پھاڑے اور ان کا پہلو شکستہ کیا تو بنی مخزوم، عثمان کے پاس آئے اور کہا: خدا کی قسم اگر عمار مر گئے تو عثمان کو چھوڑ کر کسی نہ کسی کی جان ہم لیں گے" (۳)

یعقوبی تحریر کرتے ہیں:

"ابن مسعود مرتے دم تک عثمان سے ناراض تھے، جب ابن مسعود کا انتقال ہوا تو عمار نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، عثمان اس وقت مدینہ میں نہیں تھے اور اس خبر کو پوشیدہ بھی رکھا گیا تھا، جب عثمان واپس آئے اور ان کی نظر قبر پر پڑی تو انہوں نے پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے کہا یہ عبداللہ بن مسعود کی قبر ہے، عثمان نے کہا مجھے بتائے بغیر کس طرح ان کو دفن

۱۔ العقد الفرید ج۲ ص۱۹۲ ۲۔ مروج الذہب ج۲ ص۳۳۸ ۳۔ استیعاب ج۳ ص۱۳۶

کیا گیا؟ لوگوں نے کہا خود ابن مسعود نے ایسی وصیت کی تھی اور کفن و دفن کی ذمہ داری عمار کے سپرد کی تھی، کچھ ہی دنوں کے بعد مقداد بن اسود کا انتقال ہو گیا، حسب وصیت ان کی بھی نماز میت عمار نے پڑھائی اور اس کی بھی خبر عثمان کو نہیں دی گئی، اس سے عثمان چراغ پا ہو گئے اور انہوں نے عمار سے کہا وائے ہو زن سیاہ کے فرزند (عمار) پر! بخدا مجھے مقداد کے مرنے کی خبر تھی''(۱)

طبری اور ابن اثیر، امام حسنؑ اور عمار کے سفر کوفہ کے بارے میں لکھتے ہیں: (عبارت طبری کی ہے)

''وہ دونوں (کوفہ کی) مسجد میں آئے ان کے پاس سب سے پہلے مسروق بن اجدع آیا اس نے دونوں کو سلام کیا پھر وہ عمار کے پاس آیا اور کہا: اے ابو الیقظان! تم نے عثمان کو کیوں قتل کیا؟ عمار نے کہا ہماری ناموس کی توہین کرنے اور ہمیں مارنے کی وجہ سے، اس نے کہا: خدا کی قسم جس طرح انہوں نے تم پر ظلم کیا اگر تم اس کا بدلہ نہ لیتے اور صبر کرتے تو صبر کرنے والوں کے لئے نمونہ عمل ہوتے''(۲)

''النھایۃ'' اور ''تاج العروس'' اور ''لسان العرب'' میں مادہ ''صبر'' میں ہے کہ:

''عمار کے حدیث بیان کرنے پر جب عثمان نے انہیں مارا پیٹا اور ان کے اس فعل کی سرزنش ہوئی تو انہوں نے کہا: میرے یہ ہاتھ عمار کے لئے ہیں اگر وہ

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۶۰ ۲۔ طبری ج ۳ ص ۴۹۷، الکامل ج ۳ ص ۱۱۶

چاہیں تو ان سے قصاص لے لیں"

اب جب کہ عمار کے خلاف عثمان کے کارنامے تاریخی شواہد کے ساتھ سامنے آ گئے تو مناسب سمجھا کہ ان حدیثوں کو بھی بیان کر دوں جو عمار سے بغض و دشمنی کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔

ابن عبد البر لکھتے ہیں:

"خالد بن ولید سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: جس نے عمار سے کینہ رکھا اس سے خدا کینہ رکھے گا، خالد کا بیان ہے کہ اس دن سے آج تک میں عمار کو دوست رکھتا ہوں"(۱)

ابن حجر عسقلانی تحریر کرتے ہیں:

"خالد بن ولید کا کہنا ہے کہ میرے اور عمار کے درمیان کچھ تلخی پیدا ہوگئی، عمار نے رسول خداؐ سے میری شکایت کی، جب میں حضرتؐ کی خدمت میں آیا تو آپ نے سر اٹھا کر فرمایا: جس نے عمار سے دشمنی کی اس سے خدا نے دشمنی کی، جس نے عمار سے کینہ رکھا اس سے خدا کینہ رکھے گا"(۲)

ابن اثیر اور خطیب تبریزی لکھتے ہیں: (عبارت ابن اثیر کی ہے)

"علقمہ نے ولید سے نقل کیا ہے کہ میرے (ولید) اور عمار کے درمیان گفتگو ہوئی، میں نے سخت لہجے میں ان سے بات کی، عمار نے رسولؐ خدا سے اس کی

۱۔ استیعاب ج۳ ص۱۳۸ ۲۔ الاصابہ ج۲ ص۵۰۶

شکایت کی، ابھی شکایت کر ہی رہے تھے کہ میں بھی وہاں پہونچ گیا اور اسی لب و لہجہ میں عمار سے بات کرنے لگا، حضرتؐ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے، عمار نے روتے ہوئے کہا یا رسولؐ اللہ اسے نہیں دیکھتے کہ کس طرح مجھ سے بات کر رہا ہے؟! حضرتؐ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: جس نے عمار سے دشمنی کی اس سے خدا نے دشمنی کی، جس نے عمار سے کینہ رکھا اس سے خدا کینہ رکھے گا، خالد کا بیان ہے کہ جب میں حضرتؐ کے پاس سے واپس آیا تو عمار کی خوشنودی سے زیادہ کسی اور چیز کو پسند نہیں کرتا تھا، میں نے عمار سے ملاقات کی اور وہ مجھ سے راضی ہو گئے"(۱)

ملا متقی ھندی لکھتے ہیں:

"رسول خداؐ نے فرمایا: اے خالد! عمار کو اذیت نہ پہونچاؤ، جس نے عمار سے دشمنی کی خدا اس سے دشمنی کرے گا، جس نے عمار پر لعنت بھیجی خدا اس پر لعنت بھیجے گا، اور ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جس نے عمار کی تحقیر کی خدا اس کی تحقیر کرے گا، جس نے عمار کو ناسزا کہا خدا اس کو ناسزا کہے گا، جس نے عمار سے کینہ رکھا خدا اس سے کینہ رکھے گا، اور طبرانی وغیرہ نے خالد بن ولید سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا: اے خالد! عمار پر سب وشتم نہ کرو اس لئے کہ جس نے عمار سے دشمنی کی خدا اس سے دشمنی کرے گا اور جس

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۔ المشکواۃ ج ۵ ص ۶۴۱

نے عمار سے کینہ رکھا خدا اس سے کینہ رکھے گا جس نے عمار کو ناسزا کہا خدا اس کو نا سزا کہے گا، جس نے عمار کو سفیہ و نادان کہا خدا اس کو سفیہ و نادان کہے گا''(۱)، نیز ملاحظہ کیجئے''کنزل العمال''ج۱۶ص۱۴۲۔

نورالدین حلبی رقمطراز ہیں:

''حدیث میں ہے کہ جس نے عمار سے دشمنی کی خدا اس سے دشمنی کرے گا جس نے عمار سے بغض و کینہ رکھا خدا اس سے بغض و کینہ رکھے گا، عمار ہمیشہ حق کے ساتھ ہے خواہ حق کہیں بھی ہو، عمار کے خون اور گوشت میں ایمان رچ بس گیا ہے، عمار وہ ہے کہ جب اس کے سامنے دو کاموں کو پیش کیا جاتا ہے تو ان میں کامل تر کا وہ انتخاب کرتا ہے، روایت میں ہے کہ عمار ایک مرتبہ خدمت پیغمبرؐ میں حاضر ہوئے، حضرتؐ نے فرمایا: خوش آمدید اے پاک و پاکیزہ (یعنی مرحبا اے طیب و مطیب) ایمان میں عمار پوری طرح ڈوبا ہوا ہے، عمار اور خالد بن ولید کے درمیان کسی جنگ میں جس کی قیادت خالد کے ہاتھوں میں تھی اختلاف پیدا ہو گیا، حضرتؐ کی خدمت میں پہونچ کر دونوں نے ایک دوسرے کی شکایت کی، خالد نے کہا اے رسولؐ خدا کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ ناک کٹا (عمار) مجھے ناسزا کہے؟ رسول خداؐ نے فرمایا: اے خالد عمار کو ناسزا نہ کہو اس لئے کہ جس نے عمار کو برا کہا اس نے خدا کو برا کہا، جس نے عمار سے کینہ رکھا خدا اس سے کینہ رکھے گا،

۱۔ کنزالعمال ج۱۳ص۲۹۸۔ ج۱۶ص۱۴۲

جس نے عمار پر لعنت بھیجی اس پر خدا لعنت بھیجے گا، عمار غصے میں اٹھ کر جانے لگے ، خالد ان کی طرف دوڑے اور ان کا دامن پکڑ کر عذر خواہی کرنے لگے یہاں تک کہ عمار ان سے راضی ہو گئے''(۱)

ان حدیثوں کو شیخ عبدالحق دہلوی نے ''اسماء رجال مشکواۃ'' میں مناقب عمار میں بیان کیا ہے۔

۶۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عمار کی مخالفت کی اور آپ کی راہنمائی سے ہدایت پانے کے بجائے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، طبری (۲) ابن اثیر (۳) اور ابن عبدربہ (۴) ''واقعہ شوریٰ'' میں لکھتے ہیں: (بعبارت طبری)

''جب ان لوگوں نے نماز صبح ادا کی تو کچھ لوگوں کو (عبدالرحمٰن نے) جمع کر کے مہاجرین و انصار اور وہاں پر موجود فوجی کمانڈروں کے پاس بھیجا وہ سب آئے اور مسجد لوگوں سے چھلکنے لگی، عبدالرحمٰن نے کہا: لوگ یہ جان کر کہ ان کا امیر کون ہے اپنے اپنے دیار کی طرف پلٹ جائیں سعید بن زید نے کہا: ہم تم کو اس کا اہل سمجھتے ہیں! انہوں نے کہا کچھ اور کہو؟ عمار نے عبدالرحمٰن سے کہا: اگر چاہتے ہو کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہ ہو تو علی کی بیعت کرو! یہ سن کر مقداد بن اسود نے کہا: عمار صحیح کہتے ہیں، اگر علی کی بیعت لی جائے تو ہم بھی ان

۱۔ سیرۂ حلبیہ ج ۲ ص ۲۶۵ ۲۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۹۷

۳۔ تاریخ کامل ج ۳ ص ۳۷ ۴۔ عقد الفرید ج ۲ ص ۱۸۲

کی بیعت کریں گے، ابن ابوسرح نے کہا: اگر چاہتے ہو کہ قریش کے درمیان اختلاف نہ ہو تو عثمان کی بیعت کرو، عبداللہ بن ابوربیعہ نے کہا تم نے صحیح بات کہی ہے اگر عثمان کی بیعت لی جائے تو ہم بھی بیعت کریں گے، عمار نے عبداللہ بن ابو سرح کی سرزنش کرتے ہوئے کہا: تو کب سے مسلمانوں کا خیر خواہ ہو گیا ہے؟! پھر بنی ہاشم اور بنی امیہ میں بات ہونے لگی عمار نے کہا: اے لوگو! اللہ نے اپنے نبیؐ اور اپنے دین کے ذریعے ہم کو معزز کیا تو کیوں نہیں اس کو حضرتؐ کے اہلبیت کے ذمے کر دیں؟"

۷۔ یہ حدیث (اهتدوا بهدی عمار) سعید بن وقاص کی گمراہی کو ثابت کرتی ہے اس لئے کہ مروی ہے کہ انہوں نے عمار بن یاسر سے کنارہ کشی کر لی تھی اور ان سے ناتہ توڑ لیا تھا، چنانچہ ابن قتیبہ اور ابن عبدربہ روایت کرتے ہیں کہ:

"سعید نے عمار سے کہا کہ میں تمھیں اصحاب پیغمبرؐ میں سب سے بہتر سمجھتا تھا اب جب کہ تم لب گور ہو اور موت قریب ہو چکی ہے تم نے اسلام کے عہد و پیمان کو اپنی گردن سے اتار پھینکا ہے، اس کے بعد (سعد نے) کہا: یہ بتاؤ دل میں کینہ رکھتے ہوئے ظاہری دوستی تمھیں پسند ہے یا کھلی مخالفت؟ عمار نے کہا کھلی مخالفت، سعد نے کہا تو سن لو کہ اب میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔" (۱)

۸۔ یہ حدیث "مغیرہ بن شعبہ" کی گمراہی کو بھی ثابت کرتی ہے، کیونکہ انہوں نے

۱۔ المعارف ص ۵۵، عقد الفرید ج ۲ ص ۱۸۸

عمار کی بات نہیں مانی تھی، ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

''مغیرہ بن شعبہ آئے، علی نے کہا اے مغیرہ، خدا کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہو ؟ مغیرہ نے پوچھا اے امیر المومنین وہ کونسا کام ہے؟ فرمایا: تلوار اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ ہو جاؤ، اس طرح تم اپنے بزرگوں کے برابر اور اپنے ساتھیوں سے آگے ہو جاؤ گے، حالات کے پیش نظر نیام سے تلوار نکالنے اور سروں کو تن سے جدا کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے، مغیرہ نے جواب دیا: اے امیر المومنین میں قاتل عثمان کو برحق اور اس کے قتل کو صحیح نہیں جانتا، ایسا کرنے سے برے نتائج سامنے آئیں گے، اب اگر اجازت دیں تو تلوار نیام میں رکھ کر گوشہ نشینی کی زندگی گزاروں، یہاں تک کہ تاریکی چھٹ جائے اور مطلع صاف ہو جائے تا کہ بصارت و بصیرت کے ساتھ ہدایت یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر چلوں اور متجاوزین کے راستے سے پرہیز کروں، علی نے کہا میری طرف سے اجازت ہے جیسا سوچے ہو ویسا ہی کرو، عمار نے کھڑے ہو کر کہا: اے مغیرہ! معاذ اللہ آنکھ رکھتے ہوئے اندھوں کی طرح گھر میں بیٹھنا چاہتے ہو؟ ایسا کرنے میں جس پر تم نے غلبہ حاصل کیا ہے وہ تم پر غالب ہو جائے گا اور جس پر تم نے سبقت حاصل کی تھی وہ تم سے آگے بڑھ جائے گا، دیکھتا ہوں تم کیا کرتے ہو، میں تو صف مقدم میں رہوں گا، مغیرہ نے عمار سے کہا: اے ابوالیقظان! ہوشیار رہنا ایسا نہ ہو کہ پانی کی کمی کی وجہ سے زنجیر توڑ کر بھاگو اور جھلستے صحرا میں پھنس جاؤ، علی نے عمار سے

کہا: انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، جس آخرت کے پیچھے دنیا نہ ہو اسے یہ اپناتے نہیں ہیں، اے مغیرہ آگاہ ہو جاؤ! یہی راستہ تم کو جنت تک لے جائے گا اس کے بعد دو اور معرکے (صفین و نہروان) ہیں، اگر تم کو بلایا گیا تو گھر میں سوتے رہنا مغیرہ نے کہا: اے امیر المومنین بخدا آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اگر میں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا اور جنگ میں شریک نہیں ہوا تو آپ کے خلاف کوئی اقدام بھی نہیں کروں گا، اگر آپ کا اقدام درست ہے تو میں بھی آپ کے شریک ہوں اور غلط ہے تو میں بری ہوں، میرے خود ہی اتنے گناہ ہیں کہ ان کا مدوا سوائے استغفار کے کچھ اور نہیں ہے'' (۱)

۹۔ یہ حدیث، عبداللہ بن عمر، سعد بن وقاص اور محمد بن مسلمہ کی گمراہی کو ثابت کرتی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے عمار کی پیروی نہیں کی اور ان کی راہنمائیوں سے بہرہ مند نہیں ہوئے، چنانچہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

''عمار یاسر نے علیؑ سے کہا: اے امیر المومنین اگر آپ اجازت دیں تو عبد اللہ بن عمر سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے کہوں، شاید وہ ہمارے ہمراہ چلیں، علی نے کہا جاؤ اور دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، عمار گئے اور ان سے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن انصار و مہاجرین نے علی کی بیعت کر لی ہے اور علی وہ ہیں کہ اگر انہیں تم پر برتری دوں تو تم رنجیدہ نہ ہو گے اور اگر تمھیں ان پر فوقیت دوں تو اس سے تم

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۵۰

خوش نہیں ہو گے، اگر نماز گزاروں کے درمیان شمشیر چلے تو تم اس کو پسند نہیں کرو گے مگر تم جانتے ہو کہ قاتل کی سزا قتل اور محصن (شادی شدہ زنا کار) کی سزا سنگساری ہے، لہذا قاتل کو تلوار کے ذریعے اور محصن کو پتھروں کے ذریعے اس کے کیفر تک پہونچایا جائے گا، اور علی نے کسی نماز گزار کو قتل نہیں کیا کہ ان پر قاتل کا حکم جاری ہو، یہ سن کر عبداللہ بن عمر (بن خطاب) نے کہا: اے ابو یقظان! میرے باپ نے ان لوگوں کی ایک کمیٹی بنائی تھی جن (اہل شوریٰ) سے وقتِ آخر رسول خداؐ راضی تھے، ان میں خلافت کے لئے سزاوار ترین فرد ان کی ہے، مگر انہوں نے شمشیر کی دعوت دی ہے جس میں مجھے مصلحت نظر نہیں آتی ہے، لیکن بخدا مجھے ایسی دنیا و مافیہا نہیں چاہیئے جس کے ساتھ ظاہری یا چھپی ہوئی علی کی دشمنی ہو! راوی کا بیان ہے کہ عمار وہاں سے واپس آئے اور ان کی پوری باتیں نقل کیں، علی نے کہا: محمد بن مسلمہ انصاری کے پاس جاؤ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، عمار ان کے پاس گئے، محمد بن مسلمہ نے کہا مرحبا اے ابو یقظان (عمار) عرصے سے ہم نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا! خدا کی قسم اگر میرے سامنے وہ باتیں نہ ہوتیں جنہیں رسول خداؐ نے ارشاد فرمائی تھیں تو میں علی کی بیعت کرتا، اگر سارے لوگ علی کے خلاف ہوتے تب بھی میں ان ہی کے ساتھ ہوتا، مگر اے عمار! رسول خداؐ کی کچھ باتیں میرے سامنے ہیں جن کی وجہ سے میری رائے بدل چکی ہے، عمار نے کہا وہ کونسی باتیں ہیں؟ محمد نے جواب دیا: رسولؐ خدا نے فرمایا تھا: ''جب

تم مسلمانوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھنا'' یا ''نمازیوں کو ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے دیکھنا'' عمار نے کہا: اگر رسول خداؐ نے تم سے فرمایا: ''جب تم مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جنگ کرتے دیکھنا'' تو بخدا تمھیں دو مسلمان نظر نہیں آئیں گے جو ایک دوسرے سے تلوار سے جنگ کریں، اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ حضرتؐ نے فرمایا: ''جب تم نمازیوں کو ایک دوسرے سے تلوار سے جنگ کرتے دیکھنا'' تو اس جملہ کو تمھارے علاوہ کس نے سنا؟ تم تو اس کے اکیلے شاہد ہو، کیا تم رسول خداؐ کی اس فرمائش کے بعد کسی اور بات کے انتظار میں ہو جس کو آپ نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا کہ: ''تمھارے خون اور تمھارے مال ایک دوسرے پر حرام ہیں مگر یہ کہ کوئی بدعتگذاری کرے'' پس اے ابو محمد کیا تم چاہتے ہو کہ نت نئی چیزوں کے ایجاد کرنے والوں سے جنگ نہ کی جائے! انہوں نے کہا اے ابو یقظان بس کرو، راوی کا بیان ہے پھر عمار سعد بن وقاص کے پاس گئے اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی، مگر انہوں نے بڑا ٹیڑھا جواب دیا جس کو سن کر عمار اٹھ کھڑے ہوئے اور علی سے سارا ماجرا بیان کیا، علی نے فرمایا: ان سب کو ان کے حال پر چھوڑ دو، عبداللہ بن عمر تو بزدل آدمی ہے، سعد (بن وقاص) مجھ سے حسد کرتا ہے اور محمد بن مسلمہ کی نظر میں میرا گناہ یہ ہے کہ میں نے اس کے بھائی کے قاتل (مرحب) کو جنگ خیبر میں قتل کیا ہے''(۱)

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۵۳

۱۰۔اس حدیث(اھتدوا.......) کی روشنی میں حضرات اہلسنت کو چاہئے کہ وہ ابوموسی اشعری کو گمراہ سمجھیں اس لئے کہ وہ عمار کی راہنمائیوں سے استفادہ کے بجائے ان کی مخالفت پر تل آئے تھے چنانچہ طبری (۱) ابن اثیر (۲) اور ابن خلدون (۳) امام حسن اور عمار کے سفر کوفہ کے سلسلے میں جب وہاں کے حاکم ابوموسی تھے لکھتے ہیں: (عبارت طبری کی ہے)

''ابوموسی گھر سے باہر آئے اور حسن کو دیکھ کر سینے سے لگایا پھر عمار کی طرف مخاطب ہو کر کہا: اے ابویقظان جنہوں نے امیر المومنین (عثمان) پر ستم کیا ان کے ساتھ ہو کر تم نے ستم کیا اور اپنے کو ان کے حوالے کر دیا؟ عمار نے جواب دیا نہ میں نے ایسا کیا اور نہ جو ہوا اس سے رنجیدہ ہوں''

اس واقعہ کو ابن قتیبہ نے ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس روایت نے عمار کے سلسلے میں ابوموسی اشعری کے غلط نظریئے کی وضاحت کی ہے، ان کے اس سے اور گھناؤنے کردار کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ کیجئے یہ روایت جس کو بخاری (۴) نے اپنی ''صحیح'' کے باب الفتن میں، حاکم نیشاپوری (۵) نے ''مناقب امیر المومنین'' میں، ابن اثیر (۶) نے ''واقعہ جمل'' میں، سبط ابن جوزی (۷) نے اپنے ''تذکرہ'' میں ان کے علاوہ اوروں نے نقل کیا ہے کہ (بعبارت بخاری)

۱۔تاریخ طبری ج۳ص۴۹۷ ۲۔تاریخ کامل ج۳ص۱۱۶ ۳۔تاریخ ابن خلدون ج۲ص۱۵۹

۴۔صحیح بخاری ج۹ص۷۰ ۵۔المستدرک علی الصحیحین ج۳ص۱۱۷

۶۔جامع الاصول ج۱۰ص۴۳ ۷۔تذکرۃ الخواص ص۶۹

''ابوموسی اشعری اورابومسعود، عمار کے پاس آئے، عمار کو علی نے اس لئے کوفہ بھیجا تھا تاکہ وہ کوفیوں کو جنگ میں شریک ہونے کی ترغیب دلائیں، عمار سے ابوموسی اورابومسعود نے کہا: جس کام کی تگ ودو میں لگے ہو، جب سے تم مسلمان ہوئے ہواس سے براعمل انجام دیتے ہوئے تمھیں نہیں دیکھا ہے! عمار نے پلٹ کر جواب دیا: جب سے تم مسلمان ہوئے ہواس وقت سے آج تک اس کار خیر (جنگ میں شرکت) سے پیچھے ہٹنے سے بدتر کوئی اور کام تمھارا میں نے نہیں دیکھا ہے''

۱۱۔ یہ حدیث (اھتدوا........) ابومسعودانصاری کی گمراہی کو بیان کرتی ہے، اس لئے کہ انہوں نے عمار کی باتوں سے بے اعتنائی برتتے ہوئے ابوموسی اشعری کی طرح جنگ جمل میں شرکت نہیں کی تھی، چنانچہ بخاری (۱) اورابن اثیر (۲) مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''عیدان نے ابوحمزہ سے انہوں نے اعمش سے اورانہوں نے شقیق بن سلمہ سے نقل کیا ہے کہ میں ابومسعود، ابوموسی اور عمار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ابو مسعود نے عمار سے کہا: تم کو چھوڑ کر جتنے بھی تمھارے ساتھی ہیں سبھی اعتراض کے لائق ہیں، مگر جب سے تم نے رسول خداؐ کی صحبت اختیار کی میری نظر میں اس سے گراتمھارا کوئی کام نہیں ہوسکتا جس کی طرف تم دوڑے ہو، عمار نے جواب

۱۔ صحیح بخاری ج۹ص۷۰ ۲۔ جامع الاصول ج۱۰ص۴۳

میں کہا اے ابومسعود جب سے تم کو اور تمھارے دوست کو رسول خداؐ کی صحبت نصیب ہوئی میری نظر میں اس سے بدتر تمھارا کوئی عمل نہیں ہوسکتا کہ تم ایسے کار خیر سے جان چھڑاؤ''

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابومسعود اور ابوموسی اشعری کا عمار کو طعن و تشنیع کرنا بہت گرا عمل تھا لہذا ''یافعی'' نے ان کے ناموں کو ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بغیر نام لئے لکھا:

''دو عظیم المرتبت شخصیتوں نے دو دھڑوں میں ہوئی جنگ میں شرکت نہیں کی اور ان لفظوں میں (عمار کی) سرزنش کی! جس کام کی تگ و دو میں آج کل تم لگے ہو اس سے گرا کام تم کو انجام دیتے نہیں دیکھا یعنی علی کے ہمرکاب ہو کر جنگ کرنا'' (۱)

ایسی توجیہیں اور پردہ پوشیاں اہلسنت کے علماء کی کتابوں میں بہت زیادہ ہیں مگر جو شخص خود کو نہ سدھار سکے دوسرا کب تک اس کو سدھارے گا۔

۱۲۔ یہ حدیث طلحہ اور زبیر کی گمراہی کو بھی ثابت کرتی ہے، کیونکہ انہوں نے یہ جاننے کے بعد جنگ جمل میں شرکت کی تھی کہ عمار لشکر امیر المومنین حضرت علیؑ میں ہیں اور انہوں نے عمار کی راہنمائیوں کی پیروی نہیں کی تھی، چنانچہ طبری لکھتے ہیں:

''قرۃ بن حارث کا بیان ہے کہ میں احنف بن قیس کے ہمراہ تھا اور میرا چچا زاد بھائی جون بن قتادہ زبیر کے ساتھ، جون بن قتادہ نے مجھ سے کہا کہ میں (

۱۔ مرأۃ الجنان حوادث ۸۷ھ

جون) زبیر کے ساتھ تھا کہ ایک سوار آیا اور اس نے زبیر کو بحیثیت امیر سلام کہا، زبیر نے سلام کا جواب دیا، اس نے کہا وہ لوگ (حضرت علیؑ اوران کے سپاہی) فلاں جگہ پہونچ گئے ہیں اور میں نے آج تک ایسا لشکر نہیں دیکھا جن کے اسلحے پرانے، تعداد کم مگر دل میں ڈر کا گزر نہیں یہ کہہ کر وہ چلا گیا، راوی کا کہنا ہے پھر دوسرا سوار آیا اور اس نے سلام کیا اور جواب سلام کے بعد کہا: (علیؑ کا) لشکر فلاں مقام پر پہونچا مگر جب اس نے آپ کے لشکر اور ہتھیار کے بارے میں سنا تو ڈر کے مارے واپس ہو گیا، زبیر نے کہا ایسی باتیں مت کہو، خدا کی قسم ابوطالب کا بیٹا (علیؑ) اگر بیابان میں ریت کے سوا کچھ بھی نہ دیکھے تب بھی وہ ہم سے لڑنے آئے گا، پھر ایک اور سوار زبیر کے پاس آیا اور سلام و جواب سلام کے بعد کہا: (علیؑ کا) لشکر تم تک پہونچنے والا ہے، اور اس لشکر میں میں نے عمار کو دیکھا ہے اور ان سے بات چیت کی ہے، زبیر نے کہا عمار ان میں نہیں ہوں گے، آنے والے نے کہا بخدا عمار ان کے درمیان ہیں، زبیر نے پھر کہا کہ عمار ان کے بیچ نہیں ہو سکتے، سوار نے کہا بخدا عمار اس لشکر میں ہیں، جب زبیر نے سوار کو قسم کھاتے دیکھا تو حقیقت جاننے کے لئے ایک شخص کو بھیجا، جب وہ واپس آیا اور زبیر کو حقیقت معلوم ہوئی، تو زبیر نے کہا خدا میری ناک کاٹ ڈالے یا یہ کہا کہ میری کمر توڑ دے، پھر ان کے بدن میں رعشہ پڑ گیا اور ہتھیار انہوں نے توڑ ڈالا، راوی کا بیان ہے کہ اس وقت جون نے کہا: میری ماں میرے غم میں بیٹھے! یہ شخص

(عمار) تو ایسا ہے جس کے ساتھ مرنے کا بھی دل چاہتا ہے اور ساتھ رہنے کا بھی

!اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ان لوگوں کی یہ

کیفیت یا اس لئے ہے کہ انہوں نے عمار کے بارے میں پیغمبرؐ کی زبانی کچھ سنا

ہے یا کچھ دیکھا ہے، جب جنگ شروع ہوئی تو جون اس لشکر سے جدا ہو کر احنف

سے جا ملے، پھر دو سوار احنف کے پاس آئے اور کچھ کان میں کہا اور پھر پلٹ گئے

،اس کے بعد عمر بن جرموز، احنف کے پاس آیا اور اس نے کہا میں نے ان (زبیر

) کو وادی السباع میں قتل کر دیا ہے، لیکن وہ کہتا تھا کہ زبیر کا قاتل احنف ہے" (۱)

۱۳۔ یہ حدیث (اهتــدوا .....) جناب عائشہ کی گمراہی کو بھی ثابت کر رہی ہے

کیونکہ وہ عمار کی ہدایتوں سے استفادہ کرنے کے بجائے جنگ جمل میں ان کے مقابلے میں

کھڑی ہو گئیں اور انہیں کوسنے لگیں، چنانچہ طبری لکھتے ہیں:

"میرے پاس سرّی نے شعیب سے انہوں نے سیف سے اور انہوں نے

محمد اور طلحہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ علیؑ نے مقتولین کے درمیان سے ہودج اٹھا

نے کا حکم دیا قعقاع اور زفر بن حارث نے اونٹ کی پشت سے ہودج اٹھا کر

اونٹ کے پاس رکھ دیا، محمد بن ابو بکر چند آدمیوں کے ہمراہ آئے اور اپنے ہاتھ کو

ہودج کے اندر کیا، عائشہ نے پوچھا کون ہے؟ محمد نے کہا تمھارا اچھا بھائی۔

عائشہ نے کہا نہیں عاق شدہ بھائی! عمار بن یاسر نے کہا اے مادر گرامی! آج

۱۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۵۲۰

آپ نے اپنے بیٹے (عمار) کا ہاتھ کیسا دیکھا؟ پوچھا تم کون ہو؟ عمار نے کہا میں ہوں آپ کا نیک فرزند عمار، انہوں نے کہا میں تمھاری ماں نہیں ہوں! عمار نے پوچھا کیوں، میں تو آپ کا بیٹا ہوں یہ اور بات ہے کہ میں آپ کو اچھا نہیں لگتا، کہا تم اپنی فتح پر خوشی منا رہے ہو، درانحالیکہ تم نے ایسا کام انجام دیا ہے جس کو پسند نہیں کرتے! خدا کی قسم جس کی ایسی روش ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا'' (۱)

مزید معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے مسعودی کی ''مروج الذہب'' ج ۲ ص ۳۶۲ اور دیگر تاریخی کتابیں۔

۱۴۔ یہ حدیث باغی گروہ (فئة باغیہ) کے سردار معاویہ بن ابوسفیان کی گمراہی پر واضح دلیل ہے، کیونکہ انہوں نے نہ یہ کہ عمار کی ہدایتوں سے چشم پوشی کی بلکہ جنگ صفین میں ان کو قتل کروایا اور جب ان سے عمار کے بارے میں رسولؐ خدا کی یہ حدیث بیان کی گئی کہ ''عمار تم کو باغی اور ستمگر گروہ قتل کرے گا'' تو بڑی بے شرمی سے کہا کہ جو انہیں میدان جنگ میں لے کر آیا اسی نے ان کو قتل کیا ہے! یہ ایسی بات ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، مگر اتمام حجت کے لئے اہلسنت کے چند مستند مورخین کی عبارتیں نقل کر رہا ہوں۔

محمد بن سعد بصری معروف بہ کاتب واقدی، عمار کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

''ہم سے ابو معاویہ ضریر نے بیان کیا انہوں نے اعمش سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن زیاد سے اور انہوں نے عبداللہ بن حارث سے نقل کیا ہے، عبداللہ

۱۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۵۳۸

کا بیان ہے کہ میں جنگ صفین سے معاویہ اور عمرو عاص کے ہمراہ واپس آرہا تھا، عبداللہ بن عمرو (بن عاص) نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے رسولؐ خدا کو عمار سے فرماتے ہوئے سنا کہ: آہ اے فرزند سمیہ! تجھ کو باغی گروہ قتل کرے گا، عمرو (بن عاص) نے معاویہ سے کہا تم نے سنا اس نے کیا کہا؟ معاویہ نے جواب دیا تم ہمیشہ ایسی بری خبر لاتے ہو، اور اس میں خود تم بھی ملوث رہتے ہو۔ کیا ہم نے عمار کو قتل کیا؟ ہرگز نہیں! بلکہ جو یہاں لے کر آیا اس نے انہیں قتل کیا ہے۔

ہم کو یزید بن ہارون نے بتایا انہوں نے عوام بن حوشب سے انہوں نے اسود بن مسعود سے اور انہوں نے حنظلہ بن خویلد عنزی سے نقل کیا ہے عنزی کا بیان ہے کہ ایک دن ہم معاویہ کے پاس تھے دو آدمی عمار کے بارے میں جھگڑتے ہوئے آئے اور دونوں کہہ رہے تھے کہ میں نے عمار کو قتل کیا ہے، عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ اس قضیے کو ایک دوسرے پر چھوڑ دو، کیونکہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، یہ سن کر معاویہ نے کہا: اے عمرو تم اپنے دیوانے (بیٹے) سے میری جان نہیں چھڑاؤ گے؟ اور عبد اللہ سے مخاطب ہو کر کہا: تم کو ہم سے کیا لینا دینا؟ تم اپنے کام سے کام لو، عبداللہ نے جواب دیا ایک دن میرے باپ نے رسول خداؐ سے میری شکایت کی، حضرتؐ نے فرمایا: جب تک تیرا باپ زندہ ہے تو اس کی اطاعت کر اور اس کی نافرمانی نہ کر، لہذا میں تمھارے ساتھ تو ہوں مگر تمھاری طرف سے جنگ نہیں

کروں گا۔

ہم سے محمد بن عمر نے بیان کیا انہوں نے عبدالحارث بن فضیل سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے روایت کی ہے کہ خزیمہ بن ثابت جنگ جمل میں تھے مگر تلوار نیام سے نہیں نکالے تھے، جنگ صفین میں بھی وہ تھے مگر وہاں کہا کہ جب تک عمار قتل نہیں ہو جاتے اس وقت تک تلوار نیام سے نہیں نکالوں گا اور دیکھتا ہوں کہ کون انہیں قتل کرتا ہے، اس لئے کہ رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، راوی کا بیان ہے کہ جب عمار کا قتل ہوا تو خزیمہ نے کہا کہ گمراہی میرے لئے روشن ہو گئی کہ کس نے عمار کو قتل کیا، عمار کو ابو غادیہ منرنی نے نیزہ مار کر زمین پر گرایا تھا، اس وقت ان کی عمر چورانوے سال کی تھی، جب عمار زمین پر گرے تو ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے سر کو تن سے جدا کیا پھر دونوں میں جھگڑا ہونے لگا معاویہ کے پاس دونوں ہی آکر کہنے لگے کہ میں نے عمار کو تنہا قتل کیا ہے، عمرو عاص نے کہا بخدا دونوں جہنم کے حاصل کرنے پر جھگڑا کر رہے ہیں! جب معاویہ نے عمرو عاص کی زبانی یہ جملہ سنا تو ان دونوں کے جانے کے بعد کہا: جو کام تم نے ابھی کیا ہے ویسا کسی نے نہیں کیا! لوگ تو مجھ پر جان نثار کریں اور تم ان دونوں سے کہو کہ جہنم کے حصول پر ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہو؟ عمرو عاص نے کہا بخدا بات تو وہی ہے جو میں نے کہی ہے، میں تو چاہتا تھا کہ آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا

"(۱)

ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابوشیبہ عبسی ''المصنف'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا انہوں نے عوام بن حوشب سے انہوں نے اسعد بن مسعود سے اور انہوں نے حنظلہ بن خویلد عنزی سے روایت کی ہے، عنزی کہتے ہیں کہ میں معاویہ کے پاس بیٹھا تھا کہ دو آدمی آئے جو عمار کے سر کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے، دونوں ہی کہہ رہے تھے کہ میں نے عمار کو قتل کیا ہے، عبداللہ بن عمرو عاص نے کہا: بہتر ہوتا کہ اپنے کو قاتل عمار بتانے کے بجائے دوسرے کو قاتل عمار کہتے، اس لئے کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا'' معاویہ نے کہا اے عمرو عاص اپنے اس دیوانے سے ہماری جان نہیں چھڑاؤ گے؟ (پھر عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہا) تم کو ہم سے کیا لینا دینا؟ عبداللہ نے کہا میں تمھارے ساتھ تو ہوں مگر جنگ نہیں کروں گا، کیونکہ میرے باپ نے رسولؐ خدا سے میری شکایت کی، حضرتؐ نے فرمایا: جب تک تمھارا باپ زندہ ہے اس کی اطاعت کرنا نافرمانی نہ کرنا، اس وجہ سے میں تمھارے ساتھ ہوں مگر جنگ نہیں کروں گا'' (۲)

احمد بن حنبل اپنی ''مسند'' میں ''مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے ابو معاویہ نے بیان کیا انہوں نے اعمش سے انہوں نے عبد

۱۔ الطبقات الکبری ج ۳ ص ۲۵۹۔۲۵۳

۲۔ المصنف ج ۵ ص ۸۱

الرحمٰن بن زیاد سے اور انہوں نے عبداللہ بن حارث سے روایت کی ہے، ابن حارث کا کہنا ہے کہ جنگ صفین سے واپسی پر میں معاویہ اور عمر عاص کے ساتھ آرہا تھا، عبداللہ بن عمرو عاص نے اپنے باپ کے سامنے آکر کہا کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اے عمار تجھ کو باغی گروہ قتل کرے گا، عمرو عاص نے معاویہ سے کہا کہ تم نے اس کی بات سنی؟ معاویہ نے جواب دیا تو ہمیشہ میرے لئے دردسر ایجاد کرتا رہتا ہے! کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ میدان جنگ میں جو عمار کو لے کر آیا اس نے انہیں قتل کیا ہے، ہم سے ابونعیم نے انہوں نے سفیان سے انہوں نے اعمش سے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابوزیاد سے اسی طرح کی روایت کی ہے"

احمد بن حنبل اپنی "مسند" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے یزید نے بیان کیا انہوں نے عوام سے انہوں نے اسود بن مسعود سے اور انہوں نے حنظلہ بن خویلد عبزی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں معاویہ کے پاس بیٹھا تھا دو آدمی عمار کے بارے میں جھگڑتے ہوئے آئے اور ہر ایک اپنے کو قاتل عمار بتا رہا تھا، عبداللہ بن عمرو بن عاص نے ان دونوں سے کہا کہ اس قضیہ کو تم ایک دوسرے پر چھوڑ دو، اس لئے کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا، معاویہ نے کہا تم کو ہمارے معاملے میں مداخلت کا کیا حق ہے؟ کہا میرے باپ نے رسول

خداؐ سے میری شکایت کی، حضرتؐ نے فرمایا: جب تک تیرا باپ زندہ ہے اس کی اطاعت کرنا نافرمانی نہ کرنا، میں تمھارے ساتھ تو ہوں مگر جنگ نہیں کروں گا"

نیز احمد لکھتے ہیں:

"ہم سے فضل بن دکین نے بیان کیا انہوں نے سفیان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے عبد الرحمٰن بن ابو زیاد سے اور انہوں نے عبد الرحمٰن بن حارث سے روایت کی ہے، ابن حارث کا کہنا ہے کہ میں عبد اللہ بن عمرو عاص اور معاویہ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، عبد اللہ بن عمرو نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، عمرو عاص نے معاویہ سے کہا سنو! میرا بیٹا کیا کہہ رہا ہے، پھر بیٹے کی بات دہرائی، معاویہ نے کہا: کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ نہیں! قتل تو اس نے کیا ہے جو انہیں یہاں لے کر آیا تھا، اسی طرح کی روایت ابو معاویہ نے اعمش سے اور انہوں نے عبد الرحمٰن بن زیاد سے نقل کی ہے"

نیز احمد لکھتے ہیں:

"ہم سے اسود بن عامر نے بیان کیا انہوں نے یزید بن ہارون سے انہوں نے عوام سے انہوں نے اسود بن مسعود سے اور انہوں نے حنظلہ بن خویلد عنبری سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں معاویہ کے پاس تھا، دو آدمی آئے اور دونوں ہی عمار کو قتل کرنے کے دعویدار تھے، عبد اللہ نے کہا بہتر ہے کہ اس کو

ایک دوسرے کی گردن پر ڈالو، اس لئے کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار کو باغی و ستمگر گروہ قتل کرے گا. معاویہ نے کہا: اے عمرو عاص! اپنے دیوانے کو روکو گے نہیں؟! پھر عبد اللہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا: تو ہمارے معاملات میں کیوں مداخلت کرتا ہے؟! عبداللہ نے کہا میرے باپ نے رسولؐ خدا سے میری شکایت کی، حضرتؐ نے فرمایا: جب تک تیرا باپ زندہ ہے اس وقت تک اس کی اطاعت کرنا اور نافرمانی نہ کرنا، لہذا میں تمھارے ساتھ تو ہوں مگر جنگ میں شرکت نہیں کروں گا"

احمد اپنی اسی "مسند" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا انہوں نے معمر سے انہوں نے طاؤس سے انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب عمار قتل ہوئے تو عمرو بن حزم، عمرو عاص کے پاس آئے اور انہوں نے کہا عمار قتل کر دیئے گئے اور رسولؐ خدا نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ انہیں باغی گروہ قتل کرے گا، عمرو عاص گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی زبان پر انا للّٰہ و انا الیہ راجعون جاری تھا، عمرو عاص، معاویہ کے پاس گیا، معاویہ نے پوچھا تیرا کیا حال ہو رہا ہے؟ عمرو عاص نے کہا: میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اسے (عمار کو) باغی گروہ قتل کرے گا، معاویہ نے کہا: تم تو خود اس میں ملوث ہو! اور پھر ہم نے کب قتل کیا؟ ان کو تو علیؑ اور ان کے لشکر

والوں نے قتل کیا ہے، کہ انہیں یہاں لا کر ہمارے نیزوں کے سامنے کھڑا کر دیا یا یہ کہا کہ ہماری تلواروں کے سامنے کھڑا کر دیا'' (۱)

ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب (امام) نسائی اپنی کتاب ''الخصائص'' میں طرق حدیث '' فئة باغية '' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ ''ہم سے احمد بن سلیمان نے بیان کیا انہوں نے سلیمان سے انہوں نے یزید سے انہوں نے عوام سے انہوں نے اسود بن مسعود سے اور انہوں حنظلہ بن خویلد سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں معاویہ کے پاس بیٹھا تھا، دو آدمی سرِ عمار کے بارے میں نزاع کرتے ہوئے آئے، دونوں ہی اپنے کو عمار کا قاتل بتا رہے تھے ، عبداللہ بن عمرو عاص نے کہا بھلائی اسی میں ہے کہ قضیے کو ایک دوسرے کی گردن پر ڈالو، اس لئے کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اے عمار تم کو گروہِ ستمگر قتل کرے گا. (امام نسائی کہتے ہیں) اس روایت کو شعبہ نے عوام سے انہوں نے ایک شخص سے اور انہوں نے حنظلہ بن سوید سے نقل کیا ہے۔

۲۔ ہم سے محمد بن مثنی نے بیان کیا انہوں نے شعبہ سے انہوں نے عوام بن حوشب سے انہوں نے بنی شیبان کی ایک فرد سے اور انہوں نے حنظلہ بن سوید سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: تم (عمار) کو باغی گروہ قتل کرے گا۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۱۶۴، ۲۰۶

۳۔ مجھ سے محمد بن قدامہ نے بیان کیا انہوں نے جریر سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے عبدالرحمٰن سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: عمار کو گروہ ستمگر قتل کرے گا (امام نسائی کہتے ہیں) اس روایت کو ابومعاویہ نے اعمش سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابو زیاد سے اور انہوں نے عبداللہ بن حارث سے نقل کیا ہے۔

۴۔ ہم سے عمرو بن منصور شیبانی نے بیان کیا انہوں نے ابونعیم سے انہوں نے سفیان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابو زیاد سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ میں عبداللہ بن عمر وعاص اور معاویہ کے ساتھ ساتھ تھا، عبداللہ بن عمرو عاص نے کہا میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عمار کو گروہِ ستمگر قتل کرے گا، عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: سنو یہ (عبداللہ) کیا کہتا ہے! معاویہ نے عمرو عاص کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا: کیا ہم نے قتل کیا ہے؟ ان کو تو اس نے قتل کیا ہے جو یہاں انہیں لے کر آیا تھا تو اپنے جال میں ہمیشہ پھنستا ہے'' (۱)

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ لکھتے ہیں:

''عمار اور ان کے ساتھیوں نے حملہ کیا، دو آدمیوں نے ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا اور سر قلم کر کے معاویہ کے پاس لائے، وہاں دونوں جھگڑنے لگے

۱۔ خصائص نسائی ص ۱۳۵۔۱۳۳

ہر ایک اپنے کو قاتل عمار کہتا تھا، عمرو عاص نے کہا خدا کی قسم تم سوائے جہنم کے کسی اور چیز پر نہیں جھگڑ رہے ہو! کیونکہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار کو ستمگر گروہ قتل کرے گا، معاویہ نے کہا: اے بڈھے خدا تیرا منھ جھلسائے! خود اپنے ہی جال میں پھنستا ہے! کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ انہیں تو اس نے قتل کیا جو یہاں انہیں لے کر آیا تھا، پھر شامیوں کی طرف رخ کر کے معاویہ نے حدیث پیغمبر کو توڑ مروڑ کر اس طرح پیش کیا کہ گویا ہم ہی وہ گروہ ہیں جو خون عثمان کے انتقام کی سعی وکوشش میں ہیں'' (۱)

طبری اپنی تاریخ میں معاویہ کے پاس حضرت علیؑ کے بھیجے ہوئے افراد کے بارے میں ایک طولانی روایت میں رقمطراز ہیں:

''یزید بن قیس نے معاویہ سے کہا ہم تمھارے پاس صرف ایک پیغام لے کر آئے ہیں تا کہ جو باتیں تمھاری طرف سے سنی ہیں ان کی وضاحت کر سکوں اور تمھیں کچھ نصیحتیں بھی کروں اور وہی بات تم سے کہوں جن کو حجت جانتا ہوں تا کہ ان کے ذریعے الفت و جماعت کے سائے میں آ سکو۔ ہمارے آقا و مولا (حضرت علیؑ) کی فضیلت سے تم بھی بخوبی واقف ہو اور سارے مسلمان بھی اور میں سمجھتا ہوں کہ تمھاری نظر میں علی کا نہ کوئی دیندار ہمطراز ہو گا نہ ہی کوئی ان سے افضل اور تم میں اور علی میں تو کوئی مماثلت ہی نہیں ہے، لہذا اے معاویہ خدا کا

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۲۶

خوف کھاؤ اور علی کی مخالفت نہ کرو، اس لئے کہ بخدا علی جیسا نہ کوئی زاہد دیکھا نہ ہی متقی اور نہ ہی ایسا جس میں ساری خوبیاں اکٹھا ہوگئی ہوں، معاویہ نے حمد الٰہی کے بعد کہا: تم نے ہمیں الفت و جماعت کی طرف دعوت دی ہے، جماعت کی جو بات کہی تو جماعت ہمارے ساتھ ہے رہی بات تمھارے آقا ومولا کی پیروی کی تو ہم اس کو نہیں مانتے کیونکہ تمھارے ہی آقا نے خلیفہ کو قتل کیا، ہماری جماعت میں درار ڈالا اور ہمارے قاتلوں کو پناہ دیا ہے، تمھارے آقا تو کہتے ہیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا، ہم بھی اس کی رد نہیں کرتے ہیں اور ان کی بات مانتے ہیں، لیکن کیا تم ہمارے امیر کے قاتلوں کو نہیں جانتے اور کیا نہیں جانتے کہ وہ تمھارے آقا ومولا کے اصحاب ہیں؟ تم انہیں ہمارے حوالے کردو تا کہ ان سے قصاص لوں پھر جماعت کے ساتھ رہنے کی تمھاری دعوت قبول کروں گا، شبث نے کہا کیا تم عمار کو قتل کر کے خوش ہوگے؟ معاویہ نے کہا میرے لئے کوئی بات نہیں ہے، خدا کی قسم اگر فرزند سمیہ (عمار) ہم کو ہاتھ لگ جائے تو اس کو عثمان کی وجہ سے تو قتل نہیں کروں گا مگر عثمان کے غلام ''ناتل'' کی وجہ سے ضرور قتل کروں گا، شبث نے جواب دیا خدائے آسمان وزمین کی قسم تم عدل وعدالت سے کام نہیں لوگے، واللہ تم عمار کو نہیں پاسکتے مگر یہ کہ سروں کا ٹال لگ جائے اور وسیع وعریض زمین چھوٹی ہوجائے، معاویہ نے کہا اگر ایسے حالات پیدا ہوگئے تو زمین تمھارے لئے بہت تنگ ہوجائے گی''

محمد جریر طبری اپنی اسی تاریخ میں عمار کے قتل کے بارے میں عبدالرحمٰن سلمی سے منقول اس روایت کو نقل کرتے ہیں کہ:

''جب رات آئی تو میں نے لشکر معاویہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تاکہ دیکھوں کہ انہیں عمار کے قتل کی خبر ہے یا نہیں اور اس حادثے کا جو اثر ہم پر ہے ان پر بھی ہے کہ نہیں، ہمیشہ ایسا ہوتا تھا کہ جب جنگ بند ہوتی تھی تو وہ ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم ان سے، چنانچہ رات کے سناٹے میں گھوڑے پر سوار ہو کر لشکرِ معاویہ کی طرف میں چلا، چار آدمیوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا، جب نزدیک پہونچا تو دیکھا کہ وہ معاویہ، ابواعور سلمی، عمرو عاص، اور عبداللہ بن عمرو عاص ہیں، عبداللہ ان سب میں بہتر تھا لہذا میں نے اپنا گھوڑا ان کے نزدیک کر لیا تاکہ ان کی باتیں سنوں، میں نے عبداللہ کو اپنے باپ سے کہتے ہوئے سنا کہ آج اس شخص (عمار) کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے، جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے بڑی اہم بات کہی تھی! عمرو عاص نے پوچھا وہ کونسی بات ہے؟ عبداللہ نے جواب دیا کیا تم ہمارے ساتھ نہیں تھے جب ہم مسجد (مسجد النبیؐ) بنا رہے تھے، لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور عمار دو دو اینٹیں، اور جب کام کی زیادتی کی وجہ سے عمار بے ہوش ہو کر زمین پر گرے تو رسول خداؐ سرہانے آئے اور ان کے چہرے سے گرد صاف کی اور فرمایا: ''لوگ تو ایک ایک اینٹ اٹھائیں مگر تم اخروی اجر کی خاطر دو دو اینٹیں اٹھاتے ہو، ان سب کے باوجود اے عمار تم کو ایک

باغی گروہ قتل کرے گا" یہ سن کر عمرو عاص معاویہ کو کنارے لے گیا اور کہا تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں؟ معاویہ نے پوچھا کونسی بات؟ عمرو عاص نے پورا واقعہ نقل کیا، معاویہ نے کہا اے خرانٹ بڈھے تو ہمیشہ حدیث بیان کرتا ہے اور خود بھی اپنے جال میں پھنستا ہے! کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ عمار کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان میں لے کر آیا، پھر سارے لوگ کہنے لگے کہ عمار کو اس نے قتل کیا جو میدان جنگ میں انہیں لے کر آیا. اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ معاویہ کی بات پر تعجب کروں یا لوگوں کی باتوں پر" (۱)

ابوعمر احمد بن محمد بن عبدربہ قرطبی مقتل عمار میں لکھتے ہیں:

"جنگ صفین میں جب دونوں لشکروں میں صف آرائی ہوئی تو معاویہ نے ہاشم بن عتبہ جنہیں مرقال کہتے تھے کی طرف دیکھا (مرقال کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسولؐ خدا نے ان سے کہ جو اعور یعنی ایک آنکھ والے تھے فرمایا: "ارقل یا میمون" یعنی اے بابرکت مخلوق جلدی کرو) انہوں نے علم ہاتھ میں لیا اور یہ رجز پڑھا: اعور یبغی نفسه محلاً، قد عالج الحیاة حتی ملّا، لا بد ان یفل او یفلاه (یعنی اعور اب ایک مقام کی تلاش میں ہے، اتنی زندگی گزاری ہے کہ اس سے خستہ ہو گیا ہے، اب چاہتا ہے کہ دوسروں کو شکست دے یا خود شکست کھا کر تنہائی کی زندگی گزارے) معاویہ نے

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۔۲ ج ۴ ص ۲۹۔۲۸

عمروعاص سے کہا اے عمرو! یہ مرقال ہے خدا کی قسم اگر علم اس کے ہاتھ میں رہا تو وہ دن اہل شام کا طولانی ترین دن ہوگا، لیکن اس کے پاس زن سیاہ (سمیہ) کے بیٹے عمار کو دیکھ رہا ہوں جو لڑنے کے لئے بے چین ہے، اس کی بے تابی اس کو موت کے گھاٹ اتار سکتی ہے، عمار کی زبان پر صرف یہ جملہ تھا کہ اے عتبہ آگے بڑھو اور عتبہ جواب دیتے تھے: اے ابو یقظان میں تم سے زیادہ فنون جنگ سے واقف ہوں، مجھے پیچھے ہی علم کو لئے رہنے دو، مگر عمار انہیں برابر آگے بلاتے تھے، جیسے ہی وہ تھوڑا آگے بڑھے معاویہ نے عمار کا محاصرہ کرلیا اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا اور شام کے لوگوں نے عمار کے قتل کو ''فتح الفتوح'' کا نام دیا''

قرطبی ''العقد الفرید'' ہی میں لکھتے ہیں:

''ابوذر نے محمد بن یحیٰی سے انہوں نے محمد بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنی جدہ ام سلمٰی زوجہ نبیؐ سے روایت کی ہے کہ جب رسول خداؐ نے مدینہ کی مسجد (مسجد النبی) بنانا چاہا تو لوگوں سے اینٹیں اور دوسری تعمیری ضروریات منگوائیں اور پھر عبا اتار کر مسجد بنانے لگے، مہاجرین و انصار نے جب حضرتؐ کو اس حال میں دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی عبائیں اور لباس اتار دیئے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے مسجد کی تعمیر میں مشغول ہوگئے کہ: لئن قعدنا و النبی یعمل ذاك اذاً لعمل مضمل یعنی اگر پیغمبرؐ کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں تو یہ ایک گمراہی ہے، ام سلمٰی کا بیان ہے کہ عثمان صفائی کا بڑا

خیال رکھتے تھے، وہ اینٹیں اٹھاتے مگر لباس کو ان سے دور رکھتے تھے اور جب انہیں زمین پر رکھتے تو ہاتھ صاف کر لیتے تھے اور اگر لباس پر خاک نظر آتی تھی تو اس کو جھاڑ دیتے تھے علی نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھے: لا یستوی من یعمر المساجد ، ید أب فیھا راکعاً و ساجداً .و قائما طوراً و طوراً قاعداً ، ومن یری عن التراب حائدا .(یعنی جو شخص مسجد بناتا ہے اور ہمیشہ رکوع وسجود میں رہتا ہے اور کبھی قیام کی حالت میں رہتا ہے تو کبھی قعود کی حالت میں وہ برابر نہیں ہوسکتا اس شخص کے جو اپنے کو خاک آلودہ ہونے سے بچاتا ہے) عمار ان اشعار کو سننے کے بعد انہیں دہرانے لگے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ اس سے مراد کون ہے، عثمان نے جب سنا تو کہا اے پسر سمیہ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کس کو کہہ رہے ہو، اور اپنی چھڑی اٹھا کر کہا: یا ان اشعار کو پڑھنا چھوڑ دو ورنہ اس سے تمھاری صورت بگاڑ دوں گا! رسولؐ خدا نے جو دیوار کے سائے میں بیٹھے تھے جیسے ہی ان کی بات سنی فرمایا: عمار میری آنکھ اور ناک کے بیچ کی کھال ہے جس نے اس کو مارا اس نے مجھ کو مارا، یہ سن کر لوگوں نے کام سے ہاتھ روک لیا اور عمار سے کہا کہ رسولؐ خدا تم سے متعلق باتیں سن کر غضبناک ہوئے ہیں اور ڈر رہے ہے کہ ہماری مذمت میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے عمار نے کہا اگر رسول خداؐ غضبناک ہو گئے ہیں تو میں انہیں خوش بھی کر دوں گا، پھر وہ حضرت کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ کیا میں نے آپ کے

اصحاب کا کچھ بگاڑا ہے! حضرتؐ نے پوچھا وہ تم سے کیا چاہتے ہیں؟ عمار نے جواب دیا ہمیں وہ مار ڈالنا چاہتے ہیں، خود تو ایک ایک اینٹ اٹھا رہے ہیں اور ہم سے دو دو اینٹیں اٹھوا رہے ہیں، رسولؐ خدا عمار کا ہاتھ پکڑے مسجد کے اطراف میں ٹہلنے لگے اور ان کے چہرے سے گرد صاف کر کے فرمایا: اے فرزند سمیہ تم کو میرے اصحاب قتل نہیں کریں گے بلکہ باغی گروہ تم کو قتل کرے گا، جب جنگ صفین میں عمار قتل کئے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص نے یہ حدیث (یعنی عمار تم کو باغی گروہ قتل کرے گا) بیان کی، معاویہ نے کہا علی والوں نے انہیں قتل کیا ہے کیونکہ وہی انہیں میدان جنگ میں لے کر آئے تھے، معاویہ کے اس جواب کی خبر جب علی بن ابی طالب تک پہونچی تو آپ نے فرمایا: پھر حمزہ کو بھی ہم نے قتل کیا کیونکہ انہیں بھی ہم میدان جنگ میں لے کر آئے تھے" (۱)

ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری "المستدرک" میں عمار کے حالات میں لکھتے ہیں:

"مجھے ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ صنعانی نے بتایا انہوں نے اسحاق بن ابراہیم بن عباد سے انہوں نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہوں نے ابن طاؤس سے انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب عمار بن یاسر قتل کر دیئے گئے تو عمرو بن عاص سے عمرو بن حزم نے کہا: عمار قتل کر دیئے گئے اور میں نے رسولؐ خدا کو فرماتے

۱۔ عقد الفرید ج ۲ ص ۲۰۴۔۲۰۳

ہوئے سنا ہے کہ ان (عمار) کو باغی گروہ قتل کرے گا، عمرو عاص سن کر بہت رنجیدہ ہوا اور معاویہ کے پاس آیا معاویہ نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے جو منھ بنائے ہوئے ہو!؟ عمرو نے کہا عمار بن یاسر مارڈالے گئے! معایہ نے کہا ہم نے کب انہیں قتل کیا، ان کو تو علی اور یاران علی نے قتل کیا ہے کیونکہ ان ہی نے عمار کو میدان جنگ میں لاکر ہمارے نیزوں (یا یہ کہا کہ ہماری تلواروں) کے سامنے لا کھڑا کیا، یہ روایت بخاری اور مسلم کے شرائط پر صحیح ہے، لیکن ان دونوں نے اس سیاق میں اس کو نقل نہیں کیا ہے۔

اور ہم (نیشاپوری) کو ابوزکریا عنبری نے بتایا انہوں نے محمد بن عبدالسلام سے انہوں نے اسحاق سے اور انہوں نے عطا بن مسلم حلبی سے روایت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ میں نے اعمش کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوعبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ ہم نے جنگ صفین میں شرکت کی اور جنگ جب رکتی تھی تو طرفین کے کچھ افراد ایک دوسرے کے پاس جاتے تھے، ایک دن میں نے معاویہ بن ابوسفیان، ابو الاعور سلمی، عمرو بن عاص اور اس کے بیٹے (عبداللہ بن عمرو بن عاص) کو ٹہلتے دیکھا، میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اپنے باپ سے کہتے ہوئے سنا کہ تم نے ایسے شخص (عمار) کو قتل کیا ہے جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے ایسا ایسا فرمایا ہے، عمرو بن عاص نے پوچھا کون شخص؟ جواب دیا عمار بن یاسر، کیا یاد نہیں ہے کہ ایک دن جب رسول خداؐ مسجد بنا رہے تھے تو ہم لوگ ایک ایک اینٹ

اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے، رسولؐ خدا ادھر سے گزرے تو عمار سے فرمایا: تم دو دو اینٹیں اٹھا رہے ہو اور شراب بور ہو؟ آگاہ ہو جاؤ تمھیں عنقریب ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور تم اہل بہشت سے ہو گے، یہ سن کر عمر و عاص معاویہ کے پاس گیا اور کہا تم نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے ایسا کہا ہے (یعنی تم کو باغی گروہ قتل کرے گا) معاویہ نے کہا چپ رہو! خدا کی قسم تم خود اپنے جال میں پھنستے ہو! کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے؟! ان کو علی اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے کہ انہیں ہمارے مقابلے میں لا کھڑا کیا!''

ابوالمؤید موفق بن احمد خوارزمی فصل قتال شام میں لکھتے ہیں:

''عمار کو ابو غادیہ مزنی نے نیزہ مار کر قتل کیا تھا اس وقت وہ چورانوے سال کے تھے، جب وہ زمین پر گرے تو ایک شخص نے بڑھ کر ان کا سر تن سے جدا کیا اور پھر دونوں معاویہ کے پاس پہونچے، دونوں ہی اپنے کو عمار کا قاتل بتاتے تھے ،عمر و عاص نے کہا بخدا یہ دونوں حصول جہنم پر جھگڑ رہے ہیں! معاویہ نے عمر و عاص کی بات سن لی، جب دونوں واپس چلے گئے تو عمر و بن عاص سے کہا: جو حرکت تم نے آج کی ہے اس سے پہلے تم سے ایسی حرکت نہیں دیکھی! جو ہم پر جان دیں ان کے بارے میں تم کہو کہ حصول جہنم پر جھگڑا کر رہے ہیں؟ عمر و بن عاص نے کہا بخدا صحیح بات تو وہی ہے جو میں نے کہی ہے، اور تم بھی اس کو جانتے

ہو، خدا کی قسم میں آج سے بیس سال پہلے مر جانا چاہتا تھا''

خوارزمی اسی فصل میں لکھتے ہیں:

''جنگ صفین کے شروع ہونے کے چھبیسویں دن ابوالیقظان عمار بن یاسر اور رسول خداؐ کے نقیب ابوالہیثم بن تیہان قتل کر دیئے گئے، روایت میں ہے کہ عمار کے مقابلہ میں ذی الکلاع کا ہم پیمان حارث بن باقور آیا اور اس کو عمار نے زمین پر مار گرایا پھر جو بھی سامنے آتا اس کو آپ تہ تیغ کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے: نحن ضربناکم علی تنزیله ، والیوم نضربکم علی تاویله ، ضرباً یزیل الهام عن مقیله ، ویذهل الخلیل عن خلیله او یرجع الحق الی سبیله (یعنی ہم نے تم کو تنزیل قرآن پر مارا تھا اور آج اس کی تاویل پر مار رہا ہوں ایسی مار جس سے سر تن سے جدا ہو جائے اور ایک دوست دوسرے دوست کو بھول جائے تاکہ حق اپنے راستے پر آجائے) عمار پیاسے تھے ایک پیالہ دودھ کا انہیں دیا گیا جب عمار کی نظر اس پر پڑی تو تکبیر کہہ کر اس کو پی لیا اور کہا کہ رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس دنیا میں میرا آخری رزق پانی میں ملا دودھ ہوگا اور تم کو باغی گروہ قتل کرے گا، اب ہماری عمر کے آخری ایام ہیں، پھر شامیوں پر حملہ کیا مگر انہوں نے عمار کو اپنے محاصرہ میں لے کر ان پر حملہ کر دیا۔ ابوالغادیہ فزاری نے عمار پر نیزہ مارا اور ابن جونی نے سر کو تن سے جدا کر دیا، ذوالکلاع نے عمرو بن عاص کو کہتے ہوئے سنا کہ

رسولؐ خدا نے عمار بن یاسر سے فرمایا تھا: اے فرزند سمیہ تجھ کو باغی گروہ قتل کرے گا ذوالکلاع نے جو ساٹھ ہزار گھوڑ سواروں کا سپہ سالار تھا عمرو عاص سے کہا: وائے ہو تم پر! کیا ہم باغی گروہ ہیں؟ اس کو ذہنی پریشانی لاحق ہوئی، عمرو بن عاص نے کہا وہ (عمار) عنقریب ہماری طرف آئے گا، اتفاق ایسا کہ جس دن عمار قتل کیے گئے اسی دن ذوالکلاع کا بھی خاتمہ ہو گیا، عمرو بن عاص نے کہا اگر ذوالکلاع زندہ بچ گیا ہوتا تو اپنی پوری قوم کو منحرف کر کے ہمارے لشکر کو تباہ و برباد کر دیتا۔

جب عبداللہ بن عمرو بن عاص نے ابوالہیثم اور چند اصحاب پیغمبرؐ کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنے باپ سے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسولؐ خدا کو عمار سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تجھ کو باغی گروہ قتل کرے گا عمرو بن عاص نے معاویہ سے کہا رسولؐ خدا نے سچ کہا تھا، معاویہ نے کہا کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ قتل تو اس نے کیا ہے جس نے ہمارے نیزوں اور تلواروں کے سامنے عمار کو لا کھڑا کیا۔

عمار کے قتل سے شامی بہت خوش ہوئے تھے معاویہ نے کہا ہم نے عبداللہ بن بدیل، ہاشم بن عتبہ اور عمار بن یاسر کو قتل کیا ہے، نعمان بن بشیر نے کلمۂ استرجاع (انا للّٰہ و انا الیہ راجعون) پڑھا اور کہا خدا کی قسم جب لات وعزیٰ کو ہم پوج رہے تھے تو عمار خدا کی پرستش کر رہے تھے، مشرکین انہیں جھلتی

زمین پر مختلف قسم کی ایذائیں پہونچا رہے تھے اور وہ ایک خدا کی عبادت میں مشغول تھے، ان کے خاندان کے بارے میں رسول خداؐ نے فرمایا تھا: اے خاندان یاسر استقامت کرو تمھاری وعدہ گاہ بہشت ہے اور خود ان کے بارے میں فرمایا: عمار تو لوگوں کو بہشت کی طرف دعوت دے گا اور لوگ اسے جہنم کی طرف بلائیں گے۔

ابن جوفی نے جو شام کا رہنے والا تھا کہا: عمار کو میں نے قتل کیا ہے، عمرو بن عاص نے اس سے پوچھا جب تو نے انہیں زمین پر گرایا تو انہوں نے کیا کہا تھا؟ جواب دیا کہ عمار نے کہا تھا آج میں محمدؐ اور ان کے اصحاب سے ملوں گا، عمرو بن عاص نے کہا سچ کہتا ہے تو ہی ان کا قاتل ہے، خدا کی قسم تجھے کامیابی نہیں ملی ہے بلکہ تو نے اپنے پرودگار کو غضبناک کیا ہے۔

سدی نے یعقوب بن اسباط سے نقل کیا ہے کہ عمار کو قتل کرنے اور ان کا سامانِ جنگ چھیننے پر صفین میں دو آدمیوں میں اختلاف ہوا، حلِ اختلاف کے لئے وہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس گئے، عبداللہ نے کہا تم پرے ہٹ جاؤ! میرے پاس سے چلے جاؤ! اس لئے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے: قریش عمار کے سلسلے میں لجاجت سے کام لیں گے، عمار تو انہیں جنت کی طرف دعوت دے گا مگر وہ اسے جہنم کی طرف بلائیں گے، اس (عمار) کو قتل کرنے والا اور اس کا سامان جنگ چھیننے والا جہنمی ہوگا''

سہیلی لکھتے ہیں:

''جامع معمر بن راشد میں ہے کہ عمار مسجد بنانے میں دو دو اینٹیں اٹھا کر دیتے تھے ایک اپنی طرف سے اور دوسری رسول خداؐ کی طرف سے، حضرتؐ نے ان سے فرمایا: لوگ ایک اجر پائیں گے اور تم دوہرا اجر پاؤ گے، اور اس دنیا میں تمھاری آخری غذا دودھ ہوگا اور تم کو باغی گروہ قتل کرے گا، چنانچہ صفین میں جب عمار قتل کر دیئے گئے تو عمرو بن عاص ملول چہرہ لئے معاویہ کے پاس گیا اور کہا عمار قتل کر دیئے گئے! معاویہ نے کہا اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ عمرو بن عاص نے کہا میں نے رسول خداؐ کو عمار سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم کو باغی گروہ قتل کرے گا! معاویہ نے کہا تم خود اپنے بچھائے جال میں پھنس گئے ہو! اور پھر ہم نے کب قتل کیا ہے؟! قتل اس نے کیا ہے جو انہیں گھر سے میدان میں لے کر آیا ہے''(۱)

ابن اثیر جزری، معایہ کے پاس حضرت علیؑ کے بھیجے ہوئے افراد کے متعلق لکھتے ہیں:

''یزید بن قیس نے معاویہ سے کہا ہم تمھارے پاس ایک پیغام لے کر آئے ہیں اور جو باتیں تمھاری طرف سے سنی ہے ان کی وضاحت کرنی ہے اور تم کو نصیحت کرنے اور تم پر اتمام حجت کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے، تم کو ہم الفت و محبت اور جماعت کے ساتھ رہنے کی نصیحت کرتے ہیں، ہمارا صاحب (

۱۔ روض الانف ج۴ ص ۲۶۵۔۲۶۴

علی) وہ ہے جس کی فضیلت سے سارے مسلمان آگاہ ہیں اور تم پر بھی ان کی فضیلت پوشیدہ نہیں ہے، لہذا اے معاویہ خدا کا خوف کھاؤ اوران کی مخالفت نہ کرو، خدا کی قسم میں نے لوگوں میں علی جیسا زاہد و متقی اور سارے کمالات کا جامع شخص نہیں دیکھا ہے۔

معاویہ نے حمد الہی کے بعد کہا: تم نے جو جماعت کے ساتھ رہنے کے لئے کہا ہے تو جماعت ہمارے ساتھ ہے اور تم نے اپنے صاحب کی پیروی کی طرف دعوت دی ہے تو اس کو ہم نہیں مانتے کیونکہ تمھارے ہی صاحب (علیؑ) کہتے ہیں کہ ہم نے عثمان کو قتل نہیں کیا، ہم بھی ان کی بات مانتے ہیں مگر وہ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ان سے قصاص لوں اس کے بعد جماعت کے ساتھ رہنے کی تمھاری دعوت قبول کروں گا!

شبث بن ربعی نے کہا: اے معاویہ تم عمار کو قتل کر کے خوشحال ہو گے ؟ جواب دیا ایسا کرنے میں میرے لئے کوئی مانع نہیں ہے۔ اگر ہم کو ابن سمیہ (عمار) ہاتھ لگ جائے تو عثمان کے بدلے انہیں قتل کروں گا! شبث خدائے وحدہ لاشریک کی قسم ایسا تم نہیں کر سکتے مگر یہ کہ سروں کا انبار لگ جائے اور زمین و آسمان تنگ ہو جائیں۔ معاویہ نے کہا اگر ایسا ہوا تو تجھ پر یہ چیزیں زیادہ تنگ ہو جائیں گی، پھر لوگ معاویہ کے پاس سے چلے گئے“

ابن اثیر تاریخ کامل ہی میں ”مقتل عمار“ میں لکھتے ہیں:

''عمار بن یاسر لوگوں کے سامنے آئے اور کہا: خدایا اگر میں جان جاؤں کہ تیری رضا اس میں ہے کہ اپنے کو دریا میں ڈال دوں تو اس کو بھی کروں گا، خدایا تو جانتا ہے کہ اگر میں جان جاؤں کہ تیری رضا اس میں ہے کہ میں تلوار کی نوک اپنے پیٹ پر رکھ کر اس طرح دباؤں کہ وہ پیٹھ سے نکل جائے تو اس کام کو بھی انجام دوں گا۔ اس وقت ان فاسقوں سے جہاد کرنے میں سب سے زیادہ تیری رضا پاتا ہوں، اگر کسی کام میں اس سے زیادہ تیری رضا ہوتی تو اسی کو انجام دیتا۔ خدا کی قسم میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تم سے ایسی جنگ کریں گے کہ باطل پرست شک وشبہ میں پڑ جائیں گے۔ خدا کی قسم اگر مجھے اتنا ماریں کہ مارتے مارتے مجھے ''ھجر'' (جو بحرین کا مشہور شہر اور اطراف مدینہ کے قریوں میں سے ایک ہے) کے نخلستانوں تک پہونچا دیں تب بھی ہم اپنے کو حق پر اور انہیں باطل پر سمجھیں گے۔ اس کے بعد کہا: تم میں کون ہے جو خدا کی خوشنودی کا خواہاں اور مال واولاد کی طرف پلٹنا نہیں چاہتا؟ ایک جماعت آگے بڑھی اور اس نے کہا تم بھی ہمارے ہمراہ ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جو خون عثمان کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ عمار نے کہا خدا کی قسم یہ لوگ خون عثمان کا بدلہ لینا نہیں چاہتے صرف حصول دنیا کی سعی میں لگے ہوئے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اگر حق سے وابستہ ہو جائیں تو ان کی خواہشاتِ نفسانی دم توڑ لیں گی۔ ان کا کردار ایسا نہیں ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کرنے لگیں اور حکومت ان کے حوالے کر دیں،

لہذا وہ لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دے رہے ہیں کہ ہمارے مظلوم امام قتل کر دیئے گئے ہیں تا کہ اس بہانے حکومت تک پہونچ جائیں، ان ہی عیاری و مکاری سے وہ یہاں تک پہونچے ہیں، اگر وہ ایسا بہانہ نہ کرتے تو دو آدمی بھی ان کی پیروی نہیں کرتے، خداوندا تو ہماری نصرت فرما جیسا کہ تو نے پہلے بھی نصرت کی ہے اور اگر وہ حکومت تک پہونچ جائیں تو لوگوں میں بدعت گزاری کے سبب ان پر عذاب نازل کر۔ پھر عمار وہاں سے چلے اور وہ جماعت بھی ان کے ہمراہ ہوگئی اور جب وہ کسی درّہ یا صفین کے بیابان سے گزرے تو وہاں موجود اصحاب پیغمبرؐ میں سے کچھ اصحاب ان کے ہمراہ ہوگئے۔ پھر عمار، ہاشم بن عتبہ بن ابووقاص کہ جنہیں ''مرقال'' کہتے تھے اور وہ لشکر علی کے علمبردار اور یک آنکھ والے تھے کے پاس آئے اور ان سے سوار ہونے کو کہا۔ ہاشم، عمار کے ساتھ یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے: اعور یبغی اهله محلاً ، قد عالج الحیاة حتیٰ ملاّ۔ لا بد ان یفل او یفلا، یتلهم بذی الکعوب تلا، عمار کہتے ہیں اے ہاشم آگے بڑھو بہشت تلواروں کے سائے میں ہے اور موت نیزے کی انیوں میں۔ آسمان کے دروازے کھلے اور حوریں سجی ہوئی ہیں۔ آج اپنے دوستوں اور محمدؐ اور آپ کے اصحاب کا دیدار کروں گا اس کے بعد عمرو بن عاص کے پاس عمار آئے اور اس سے کہا: اے عمرو تو نے حکومت مصر کے عوض دین بیچ دیا ہے؟! تیرا برا ہو۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا نہیں میں تو خونِ عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہوں!

عمار نے کہا جہاں تک میں تجھے پہچانتا ہوں اس کو مدنظر رکھتے ہوئے گواہی دیتا ہوں کہ تو کسی بھی کام میں رضائے الٰہی کو سامنے نہیں رکھتا ہے، اگر تو آج قتل نہ کیا گیا تو کل تو تجھے مرنا ہی ہے، لہذا اس وقت کو یاد کر جب لوگوں کو اجر ان کی نیتوں کے مطابق ملے گا۔ تمہاری نیت کیا ہے معلوم ہے۔ لہذا اپنی نیت پر نظر کر لے۔ رسولؐ خدا کے ہمراہ تین بار معاویہ سے میں نے جنگ کی ہے اب چوتھی مرتبہ اس سے جنگ کر رہا ہوں۔ جس پرچم کے سائے میں جنگ کر رہا ہوں معاویہ کا پرچم اس سے پاک و پاکیزہ نہیں ہے۔ پھر عمار نے جنگ کی یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے''

ابن اثیر ہی لکھتے ہیں:

''عبدالرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ جب عمار قتل کر دیئے گئے تو میں لشکر معاویہ میں گیا تا کہ دیکھوں کہ ان پر قتل عمار کا کیا اثر پڑا ہے۔ جب بھی جنگ بند ہوتی تھی تو طرفین کے لوگ ایک دوسرے کے لشکر میں جا کر دوسرے کے حالت سے باخبر ہوتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ معاویہ، عمرو بن عاص، ابوالاعور اور عبداللہ بن عمرو بن عاص ایک ساتھ کہیں جا رہے ہیں، میں نے اپنے گھوڑے کو ان سے قریب کر دیا تا کہ ان کی پوری باتیں سنوں، میں نے عبداللہ کو اپنے باپ سے کہتے ہوئے سنا کہ اے بابا! آج تم نے ایسے شخص کو مار ڈالا جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے ایسا ایسا فرمایا تھا۔ عمرو عاص نے پوچھا کیا فرمایا تھا؟ عبداللہ نے

جواب دیا: جب مدینہ کی مسجد بن رہی تھی اور لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور عمار دو دو اینٹیں کہ عمار بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے تو رسول خدا ان کے سرہانے تشریف لے گئے اور چہرے سے گرد صاف کر کے فرمایا: آہ اے عمار! لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا رہے ہیں اور تم اخروی اجر کی خاطر دو دو اینٹیں اٹھا رہے ہو، اس کے باوجود تم کو باغی گروہ قتل کرے گا! عمرو بن عاص نے معاویہ سے کہا سنا تم نے عبداللہ نے کیا کہا؟ پوچھا کیا کہہ رہا ہے، عمرو بن عاص نے پورا واقعہ نقل کیا، معاویہ نے جواب دیا: ہم نے کب عمار کو قتل کیا ہے؟ جو لایا اس نے قتل کیا ہے، (راوی کا بیان ہے کہ) میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس کی بات پر تعجب کرتا اس پر یا ان پر" (۱)

محیی الدین ابن عربی اندلسی " وان طائفتان من المومنین اقتتلوا ...." کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" دنیاوی میلان اور ہویٰ و ہوس کے پورا کرنے کے لئے " اقتتال" ہوتا ہے اور اصلاح اس نفسانی عدالت کا نتیجہ ہے جو محبت کے سائے میں وحدت کو جنم دیتی ہے، اسی لئے خدا نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو دھڑوں میں جنگ ہو جائے تو ان میں صلح کرا دیں، اور اگر ان میں کوئی دوسرے پر تجاوز کرے تو اس سے جنگ کریں تا کہ وہ راہ حق پر آجائے اس لئے کہ دوسرے پر

۱۔ تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۴۸، ۱۵۷، ۱۵۸

تجاوز کرنے والا حق کے خلاف جنگ کرتا ہے، چنانچہ عمار نے اپنی کہنسالی اور پیری کے باوجود لشکر معاویہ سے جنگ کیا تاکہ بتائیں کہ وہ (لشکر معاویہ) باغی گروہ ہے"(۱)

سبط ابن جوزی لکھتے ہیں:

"ابن سعد نے اپنی طبقات میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے حکایت کی ہے کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ تم نے عمار کو قتل کر دیا جب کہ رسول خداؐ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ باغی گروہ قتل کرے گا! معاویہ نے جب یہ حدیث سنی تو (عبداللہ کے باپ عمرو عاص) سے کہا تو ایسا خراٹ بڈھا ہے جو ہمیشہ بری ہی خبر لاتا ہے اور پھر خود بھی اپنے جال میں پھنس جاتا ہے! عمار کو اس نے قتل کیا جو انہیں گھر سے لے کر آیا تھا، اور دوسری روایت میں ہے کہ علی کو معاویہ کے اس جواب کی جب خبر ملی تو فرمایا: پھر حمزہ کو بھی ہم نے قتل کیا، کیونکہ جنگ احد میں انہیں بھی ہم ہی لے کر آئے تھے!! ابن سعد ہی لکھتے ہیں کہ جب ذوالکلاع اس حدیث سے آگاہ ہوا تو اس نے عمرو بن عاص سے کہا: ہم ہی باغی گروہ ہیں! اور وہ چاہتا تھا کہ لشکر علی سے جا ملے وہ ساٹھ ہزار سپاہیوں کا سپہ سالار تھا، معاویہ نے اس کے قتل ہو جانے کے بعد کہا: اگر ذوالکلاع زندہ ہوتا تو علی کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے ہمارے لشکر کے شیرازے کو بکھیر دیتا اور ہمیں تباہ و برباد کر دیتا"

۱۔ تفسیر ابن عربی ج۲ ص ۵۱۹

نیز وہ لکھتے ہیں:

''واقدی کا کہنا ہے کہ جب ابوالغادیہ نے عمار پر نیزہ مارا اور وہ زمین پر گرے تو ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے سر جدا کر دیا، تھوڑی دیر بعد دو آدمی جھگڑتے ہوئے معاویہ کے پاس آئے اور دونوں ہی اپنے کو عمار کا قاتل بتا رہے تھے! ان دونوں سے عمرو بن عاص نے کہا خدا کی قسم تم جہنم کے حصول پر جھگڑ رہے ہو! معاویہ نے اس سے کہا یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ لوگ تو مجھ پر جان دیں اور تو انہیں ایسا کہے؟ عمرو بن عاص نے کہا خدا کی قسم حقیقت تو یہی ہے اور تو بھی اس بات سے اچھی طرح واقف ہے، خدا کی قسم میں آج سے بیس سال پہلے مرجانا چاہتا تھا''

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''حدیث: تقتل عماراً لفئة باغیه (باغی گروہ کے ہاتھوں عمار قتل کیا جائے گا) کی اصحاب کی ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ ان ہی میں قتادہ بن نعمان ہیں جیسا کہ بیان کیا ہے، اور ام سلمی سے مسلم نے، ابوہریرہ سے ترمذی نے، عبداللہ بن عمرو بن عاص سے نسائی نے، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابوایوب، ابورافع، خزیمہ بن ثابت، معاویہ، عمرو بن عاص، ابوالیسر اور خود عمار سے طبرانی وغیرہ نے روایت کی ہے، ان میں اکثر روایتیں صحیح یا حسن طریق سے مروی ہیں، ان کے علاوہ اوروں نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے جن کا بیان طول کا باعث

ہوگا، یہ حدیث نبی کی نبوت اور علی اور عمار کی فضیلت پر واضح دلیل ہے اور ان ناصبیوں کا جواب ہے جو خیال کرتے تھے کہ جنگ کے سلسلے میں علی حق پر نہیں تھے"(١)

بدرالدین عینی اس حدیث " اذا تواجه المسلمان بسيفهما فكلاهما من اهل النار "(یعنی جب دو مسلمان ایک دوسرے پر تلوار اٹھائیں تو دونوں ہی جہنمی ہیں) کی تشریح میں لکھتے ہیں:

" کرمانی کا کہنا ہے کہ علی اور معاویہ دونوں مجتہد تھے مگر چونکہ معاویہ سے اجتھاد میں غلطی ہوگئی اس لئے ان کو ایک اجر اور علی کو دو اجر ملے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ حدیث میں جو ہے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے سے جنگ کریں .... یہ اس صورت میں ہے جب کسی دلیل اجتہادی کے بغیر جنگ کریں، یہ تھا کرمانی کا بیان، مگر میں (عینی) کہتا ہوں کہ معاویہ کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان سے اجتہاد میں غلطی ہوگئی؟ ان کو اجتھاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ ان کو عمار کے بارے میں رسولؐ خدا کی یہ حدیث معلوم تھی کہ "فرزند سمیہ پر افسوس ہے اس کو باغی گروہ قتل کرے گا" اور فرزند سمیہ عمار ہیں اور ان کو معاویہ کے لشکر والوں نے قتل کیا تھا، اب اگر ہم معاویہ کے لئے ایک اجر کے قائل ہو جائیں تو اس سے کیا وہ خوش نہیں ہوں گے"(٢)

١۔ فتح الباری فی شرح صحیح البخاری ج ١٣ ص ٢٦

٢۔ عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری ج ٢٤ ص ١٩٢

محمد بن خلفہ وشتانی آبی ''شرح صحیح مسلم'' میں حدیث قتل عمار کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث اس نظریئے کی حقانیت پر واضح دلیل ہے کہ علی اوران کے لشکر والے حق پر تھے، گر چہ دوسروں نے اجتہاد کو بہانا بنایا ہے، اور ''بغی'' کے اصل معنی حسد کے ہیں پھر یہ لفظ ظلم کے معنی میں استعمال ہونے لگا، عبداللہ بن عمرو بن عاص نے عمار کے قتل کے دن حدیث کو اسی معنی میں بیان کیا تھا، دوسروں نے بھی اس کی توجیہ کی ہے، معاویہ نے پہلے اس حدیث کی یہ توجیہ کی کہ ''عمار کا قاتل وہ شخص ہے جو انہیں میدان جنگ میں لے کر آیا تھا'' تا کہ اس توجیہ سے اپنے کو صفت ''بغی'' سے بچا سکے، پھر معاویہ نے اس کے معنی ''طلب'' کے لئے اور کہا'' نحن الفئة الباغيه '' یعنی ہم ہی خون عثمان کے طلب کرنے والے ہیں، اس نے حدیث میں لفظ ''باغیہ'' کو ''بغاء'' سے لیا جس کے معنی طلب کے ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ عرف میں ''بغی'' کے معنی امام پر غالب آنے کے قصد سے اس کی اطاعت سے خارج ہونا ہے، اور مذکورہ دونوں توجیہوں کا حقیقت سے دور رہنا کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، پہلی توجیہ (یعنی میدان جنگ میں لانے والا قاتل ہے) کا غلط ہونا تو بالکل واضح ہے اسی طرح دوسری توجیہ بھی غلط ہے اس لئے کہ علی نے قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے ارادے کو ترک نہیں کیا تھا کہ معاویہ کا لشکر قصاص لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہو بلکہ علی نے اس کو مناسب موقع پر چھوڑ دیا تھا، لہذا واقعاً معاویہ خون عثمان کا انتقام نہیں لینا چاہتا تھا، فرض کرتے

ہیں کہ علی نے قصاص لینے میں تاخیر کی اور قصاص میں تاخیر کرنا ایک فعل منکر (غلط کام) ہے اور فعل منکر سے روکنا واجب ہے مگر یہ اس صورت میں واجب ہے جب اس سے کوئی بڑا مفسدہ وجود میں نہ آئے ، جب کہ انہوں (معاویہ) نے نہی ازمنکر کی وجہ سے کہ وہ قصاص میں تاخیر ہے، خونی جنگ اور عظیم مفسدہ کو جنم دیا، تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مجتہد کی رائے اس وقت قابلِ توجیہ ہے جب اس نے اپنے اجتہاد کی وجہ نہ بیان کی ہو، لیکن اگر اس نے بیان کیا اور وہ غلط ہو تو پھر کس طرح اس میں توجیہ کی جا سکتی ہے؟ خدا شیخ کو اجر دے کہ انہوں نے کہا کہ علی سے جنگ کرنے کی وجہ سے صحابیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا''

ابوعبداللہ محمد بن یوسف سنوسی نے ''شرح صحیح مسلم'' میں حدیث قتل عمار کی توضیح میں بعینہ یہی بات تحریر کی ہے۔

عماد الدین یحیی بن ابوبکر عامری ''ریاض مستطابہ'' میں جناب عمار کے حالات میں لکھتے ہیں:

''عمار ۳۷ھ میں قتل کیے گئے تھے، وہ علی کے اصحاب میں سے تھے اور معاویہ کے لشکر نے ان کو قتل کیا تھا، اہلسنت ان کے قتل سے علی کی حقانیت کو ثابت کرتے ہیں، اس لئے کہ رسول خداؐ نے عمار کے لئے ارشاد فرمایا تھا: ''اے ابن سمیہ تجھ کو باغی گروہ قتل کرے گا'' نیز فرمایا تھا: ''افسوس ہے عمار پر کہ وہ تو انہیں (لشکر معاویہ کو) جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ (لشکر معاویہ) اس کو

جہنم کی طرف بلائیں گے'' عمار نے مرنے سے پہلے کہا کہ میرے لئے ایک کاسۂ شیر لاؤ اس لئے کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ اس دنیا میں سب کے آخر میں جو چیز پیو گے وہ دودھ ہے، وہ طویل القامت تھے اوران کے جسم پر پیری کا کوئی اثر نہیں تھا، خدا ان سے راضی ہو اوران پر اپنی رحمت نازل کرے''

نورالدین سمہودی ابن زبالہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''علی بن ابی طالب مدینہ کی مسجد (مسجد النبی) بناتے وقت ان اشعار کو پڑھ رہے تھے۔ لا یستوی من یعمر المساجد ، یدأب فیها قائما و قاعدا ، ومن یری عن الغبار حائدا''

نیز وہ لکھتے ہیں:

''رسول خداؐ نے جب مدینہ کی مسجد بنانی چاہی تو اینٹیں اور دوسری چیزیں وہاں اکٹھا کرائیں پھر عبا اتار کر اپنی جگہ سے اٹھے، مہاجرین اولین اور انصار نے بھی ایسا ہی کیا اور اپنی عبائیں اتار کر ان اشعار کو پڑھتے ہوئے مسجد کی تعمیر میں مشغول ہو گئے: لئن قعدنا و النبی یعمل .... عثمان بن عفان بہت صاف ستھرے رہتے تھے اسی وجہ سے وہ اینٹیں اٹھاتے تو تھے مگر اپنے لباس سے جدا رکھتے تھے اور لباس پر اگر گرد نظر آتی تھی تو اس کو صاف کر دیتے تھے علی نے ان کے اس عمل کو دیکھا اور یہ شعر پڑھے : لا یستوی من یعمر المساجد .... ۔عمار بن یاسر نے جب ان اشعار کو

سنا تو وہ بھی انہیں پڑھنے لگے مگر نہیں جانتے تھے کہ اس سے مراد کون ہے، عثمان ان کے پاس گئے اور کہا میں خوب سمجھتا ہوں کہ تم کس کو کہہ رہے ہو! عثمان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اس کو دیکھا کر کہا یا تم چپ ہو جاؤ ورنہ اسی سے تمھاری پٹائی کروں گا، رسول خداؐ جو ام سلمی ؑ کے گھر کے آڑ میں بیٹھے تھے، عثمان کی بات سن کر غضبناک ہو گئے اور فرمایا: عمار میری آنکھ اور ناک کے بیچ کی کھال ہے، ایسے موقع پر جو ہونا چاہیے وہ ہوا اور رسولؐ خدا نے کام سے ہاتھ کھینچ لیا اور لوگوں نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا اور عمار سے کہا: رسول خداؐ تمھارے بارے میں عثمان کی بات پر ناراض ہوئے ہیں اور ڈر ہے کہ کہیں ہماری مذمت میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے، عمار نے جواب دیا حضرتؐ جس طرح ہماری محبت میں ناراض ہوئے ہیں اسی طرح ہم انہیں راضی بھی کرلیں گے اور حضرت کے پاس آکر کہا یا رسولؐ اللہ میں نے اصحاب کا کیا بگاڑا ہے؟ حضرت نے پوچھا وہ کیا چاہتے ہیں؟ عمار نے جواب دیا وہ ہمیں مار ڈالنا چاہتے ہیں خود تو ایک ایک اینٹ اٹھا رہے ہیں اور ہم پر دو دو تین تین اینٹیں لاد دے رہے ہیں! حضرتؐ نے عمار کا ہاتھ پکڑا اور مسجد کے اطراف میں ٹہلنے لگے، آپ عمار کے چہرے سے گرد صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: اے فرزند سمیہ (عمار) تجھ کو میرے اصحاب قتل نہیں کریں گے باغی گروہ تجھے قتل کرے گا۔ ''تہذیب'' میں ابن ہشام کے بقول ابن اسحاق نے اس واقعہ کو بعینہ نقل کرنے بعد کہا ہے کہ میں

نے شعری ذوق رکھنے والے کئی لوگوں سے ان اشعار کے بارے میں دریافت کیا، سبھی نے کہا کہ یہ اشعار علی بن ابی طالب نے ہی پڑھے تھے مگر نہیں معلوم یہ اشعار خود ان کے ہیں یا کسی اور کے، ان اشعار کو علی نے مزاح میں پڑھا تھا، جیسا کہ اجتماعی کام کرتے وقت لوگ مزاح کرتے ہیں، طنز نہیں کیا تھا۔

ابن ابی شیبہ نے ابو جعفر خطمی سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ مدینہ کی مسجد بنا رہے تھے اور عبداللہ بن رواحہ نے یہ مصرعہ پڑھا: "افلح من یعالج المساجد" (یعنی کامیاب وہ شخص ہے جو مسجدیں بناتا ہے) رسولؐ خدا نے اس کے مصرعہ کو دہرایا، پھر ابن رواحہ نے یہ مصرعہ پڑھا: "یتلو القرآن قائما و قاعدا" (یعنی حالت قیام وقعود میں قرآن کی تلاوت کرتے ہیں) حضرتؐ نے اس مصرعہ کو بھی دہرایا، روایت صحیحہ میں مسجد کے تذکرے میں ہے کہ لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے جب کہ عمار دو دو اینٹیں، رسول خداؐ کی ان پر نظر پڑی آپ نے ان کے چہرے سے گرد صاف کر کے فرمایا: عمار پر افسوس ہے اس کو باغی گروہ قتل کرے گا، وہ تو انہیں بہشت کی طرف دعوت دے گا اور اس کو وہ جہنم کی طرف بلائیں گے۔

نیز یحیی نے ام سلمی سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ اور آپ کے اصحاب مسجد بنا رہے تھے، ہر شخص ایک ایک اینٹ اٹھاتا تھا اور عمار دو دو اینٹیں ایک اپنی طرف سے اور دوسری رسولؐ خدا کی طرف سے، حضرتؐ ان کے پاس گئے اور

ان کی پیٹھ سے گرد صاف کر کے فرمایا: اے پسر سمیہ (عمار) تم کو دو اجر ملیں گے اور تم کو باغی گروہ قتل کرے گا، اور سہیلی کی کتاب ''الروض الانف'' میں ہے کہ معمر بن راشد نے اس بات کو اپنی ''جامع'' میں تھوڑے اضافہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جنگ صفین میں جب عمار قتل کر دیئے گئے تو عمرو عاص پریشان ہو کر معاویہ کے پاس آیا اور کہا عمار قتل کر دیئے گئے! معاویہ نے کہا تو کیا ہوا؟ عمرو نے کہا کہ رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ انہیں باغی گروہ قتل کرے گا، معاویہ نے کہا تو خود اپنے جال میں پھنس گیا ہے! ہم نے کب انہیں قتل کیا ہے جو ان کو یہاں (میدان جنگ میں) لے کر آیا اس نے انہیں قتل کیا ہے۔

بیہقی نے کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں عبدالرحمٰن سلمی سے نقل کیا ہے کہ اس نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اپنے باپ سے کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے وہ بات کہی تھی! عمرو نے پوچھا کون شخص؟ کہا عمار بن یاسر، کیا تمھیں یاد نہیں ہے کہ جب مدینہ کی مسجد بن رہی تھی اور ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور عمار دو دو اینٹیں، اور رسولؐ خدا کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے عمار تم دو دو اینٹیں اٹھا رہے ہو جب کہ پسینے میں شراب بور ہو؟ آگاہ ہو جاؤ عنقریب تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور تم اہل بہشت سے ہو گے، عمرو بن عاص معاویہ کے پاس گیا اور کہا ہم نے ایسے

شخص کو قتل کر دیا جس کے بارے میں رسول خداؐ نے ایسا ایسا فرمایا تھا، معاویہ نے کہا خاموش رہ! خدا کی قسم تو ہمیشہ اپنے جال میں پھنستا ہے! ہم نے قتل کیا ہے؟ ان کو علی اور ان کے اصحاب نے قتل کیا ہے کیونکہ ان ہی نے انہیں ہمارے مقابلے میں لا کھڑا کیا، میں (سمہودی) کہتا ہوں کہ حضرت نے عمار کے متعلق یہ بات دوسری مرتبہ مسجد بناتے وقت ارشاد فرمائی تھی، اس لئے کہ عمرو بن عاص ۵ھ میں مسلمان ہوا تھا جیسا کہ بیان کیا ہے" (۱)

سمہودی "خلاصۃ الوفا" میں لکھتے ہیں:

"احمد نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ مسجد میں اینٹیں لے جا رہے تھے پھر کہتے ہیں کہ میں رسول خداؐ کے پاس گیا حضرتؐ ایک اینٹ اپنے پیٹ پر رکھے ہوئے تھے میں سمجھا کہ وہ آپ کے لئے بھاری ہے، میں نے عرض کیا: اے رسول خداؐ اس کو مجھے دے دیجئے، حضرتؐ نے فرمایا: جاؤ ایک اور اینٹ اٹھا لو، اس لئے کہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے. یہ بات حضرتؐ نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب آپ دوسری مرتبہ مسجد بنا رہے تھے، اس لئے کہ حضرتؐ کی زندگی کے آخری سالوں میں ابو ہریرہ اسلام لائے تھے، اسی طرح تعمیر مسجد کے سلسلے میں صحیح روایت میں اصحاب سے مروی ہے کہ ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹیں، حضرتؐ کی نظر جب ان پر پڑی

۱۔ وفاء الوفا ج ۱ ص ۳۳۲۔۳۲۹

تو ان کے جسم سے گرد صاف کر کے فرمایا: عمار پر افسوس ہے! اس کو باغی گروہ قتل کرے گا، وہ انہیں جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ اسے جہنم کی طرف بلائیں گے، چنانچہ بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی ہے کہ اس نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اپنے باپ سے کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے ایسے شخص کو قتل کر دیا ہے جس کے بارے میں رسول خداؐ نے وہ بات کہی تھی، عمرو نے پوچھا کون شخص؟ کہا عمار بن یاسر، کیا تمھیں یاد نہیں ہے ایک دن جب رسولؐ خدا مسجد بنا رہے تھے اور عمار دو دو اینٹیں وہاں سے رسول خداؐ کا گزر ہوا ....(اس کے بعد روایت صحیح کی مانند روایت نقل کی ہے) پھر عمرو معاویہ کے پاس آیا اور کہا ہم نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے ایسا ایسا فرمایا ہے، معاویہ نے کہا چپ رہو، خدا کی قسم تو ہمیشہ اپنے جال میں پھنستا ہے! کیا ہم نے انہیں قتل کیا؟ انہیں تو علی اور ان کے اصحاب نے قتل کیا ہے کہ ہمارے سامنے انہیں لا کھڑا کیا، عمرو عاص ۸ھ میں اسلام لایا اور صرف دوسری مرتبہ مسجد بنانے میں شریک ہوا تھا''

ملا متقی ھندی لکھتے ہیں:

''خالد بن ولید نے دختر ہشام بن ولید بن مغیرہ جو عمار کی تیمارداری کر رہی تھیں سے نقل کیا ہے کہ معاویہ، عمار کی عیادت کے لئے آئے اور جب جانے

لگے تو کہا خداوندا! ہمارے ہاتھوں ان کو موت نہ دے اس لئے کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا'' (۱)

ملا علی قاری ''شرح الفقہ الاکبر'' میں خلافت حضرت علیؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علیؑ کی خلافت کے صحیح ہونے پر نہ کہ دوسروں کی خلافت کی صحت پر جو چیزیں دلالت کرتی ہیں ان میں ایک رسولؐ خدا کی یہ مشہور حدیث ہے کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت کا سلسلہ رہے گا پھر ظلم و جور کی بادشاہت شروع ہو گی اور علی رحلت پیغمبر کے ٹھیک تیسویں سال شہید کئے گئے. علی کے اجتہاد کی صحت اور معاویہ کے اجتہاد کے غلط ہونے پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ عمار کے متعلق رسول خداؐ کی یہ صحیح حدیث ہے کہ تم (عمار) کو باغی گروہ قتل کرے گا، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ معاویہ یا ان کے کسی چاہنے والے نے کہا تھا کہ ہم نے عمار کو قتل نہیں کیا، علی نے انہیں قتل کیا ہے کیونکہ وہی انہیں میدان جنگ میں لے کر آئے تھے تو علی نے اس کا جواب دیا تھا کہ معاویہ کی بات کا لازمہ یہ ہے کہ جناب حمزہ کو رسول خداؐ نے قتل کیا تھا (کیونکہ حضرتؐ ہی جناب حمزہ کو جنگ احد میں لے کر آئے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ معاویہ اور ان کے بعد آنے والے افراد خلیفہ نہیں تھے امیر اور بادشاہ تھے''

ملا علی قاری ''شرح شفا'' میں فصل اخبار بالغیوب میں لکھتے ہیں:

۱۔ کنز العمال ج ۶ ص ۱۴۳

’’حدیث میں ہے کہ عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا، اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے، مسلم کی عبارت یہ ہے: رسولؐ خدا نے عمار سے فرمایا: تجھ کو باغی گروہ قتل کرے گا اور قاتل جہنمی ہوگا، عمار کو جنگ صفین میں معاویہ کے لشکر نے قتل کیا تھا، علی نے اپنے کپڑے میں کفن دے کر دفن کیا اس وقت ان کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی، اس حدیث کی روشنی میں معاویہ ہی کا گروہ تجاوز کرنے والا اور علی پر ستم کرنے والا تھا، نیز حدیث میں ہے کہ ’’جب بھی لوگ اختلاف کریں گے تو فرزند سمیہ (عمار) حق پر ہوگا‘‘ اور عمار علی کے ساتھ تھے، اور معاویہ یا عمرو بن عاص کا یہ کہنا کہ باغی علی ہیں کیونکہ عمار کے قتل کے موجب وہی تھے لہٰذا وہ قاتل ٹھہرے، تو اس کا جواب وہی ہے جو علی نے دیا تھا کہ معاویہ کی بات کا لازمہ یہ ہے کہ رسول خداؐ جناب حمزہ کے قاتل ہیں (کیونکہ حضرتؐ ہی انہیں جنگ احد میں لے کر آئے تھے) خلاصہ یہ ہے کہ عبارت کے حقیقی معنی مجازی معنی میں اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک کوئی واضح عقلی یا نقلی دلیل نہ ہو، جو اس کے ظاہری معنیٰ کو دوسرے معنیٰ میں منتقل کر دے، معاویہ کے ماننے والوں کے پاس صرف ایک ہی بہانہ ہے کہ معاویہ نے اجتہاد کیا اور اس میں ان سے غلطی ہوگئی تھی اور ’’باغیۃ‘‘ سے مراد تجاوز کرنے والا ہے نہ کہ طلب کرنے والا، جیسا کہ اس دوسرے معنیٰ کو بعض اشخاص نے بیان کیا ہے‘‘

ملا علی قاری ’’المرقاۃ شرح المشکواۃ‘‘ میں لکھتے ہیں:

''مشہور صحابی ابو قتادہ سے منقول ہے کہ جب عمار خندق کھود رہے تھے تو رسول خداؐ نے ان کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا:'' بؤس ابن سمیة تقتلك الفئة الباغية ''سمیہ، عمار کی ماں تھیں جو مکہ میں اسلام لائی تھیں، اسلام چھڑوانے کی خاطر ان پر بہت ستم ہوا تھا یہاں تک کہ ابو جہل نے نیزہ مار کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا، ابن الملک نے ابو حذیفہ مخزومی کی بیٹی کو ان کی ماں بتایا ہے ''بؤس'' کے معنی سختیوں کے ہیں اور '' فئة باغية '' اس گروہ کو کہتے ہیں جو اپنے وقت کے امام اور اپنے زمانے کے خلیفہ پر خروج کرے، طیبی کا کہنا ہے کہ عمار پر باغی گروہ کی طرف سے جو سختیاں ہوئی تھیں ان کی وجہ سے رسولؐ خدا نے ان پر شفقت کیا تھا، اور باغی گروہ سے مراد معاویہ اور ان کے لشکر والے ہیں کیونکہ ان ہی نے عمار کو جنگ صفین میں قتل کیا تھا، ابن الملک کا کہنا ہے کہ عمار کو معاویہ اور ان کے لشکر والوں نے قتل کیا تھا، لہذا اس حدیث کی روشنی میں وہی طاغی اور تجاوز کرنے والے ہیں، اس لئے کہ عمار لشکر علی میں تھے اور علی امامت کے لئے شائستہ تھے اور معاویہ اور ان کے لشکر والوں نے علی کی بیعت سے سرپیچی کی تھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ معاویہ نے حدیث کے معنی میں توجیہ کی تھی اور کہا تھا کہ ہم وہ باغی گروہ ہیں جو خون عثمان کے انتقام لینے والے ہیں لیکن یہ توجیہ غیر مناسب ہے اس لئے کہ حضرتؐ اس حدیث میں عمار کی فضیلت اور ان کے قاتل کی مذمت کر رہے ہیں کیونکہ حدیث میں لفظ ''ویح'' ہے اور اس لفظ کا استعمال

اس شخص کے لئے کیا جاتا ہے جس پر بغیر کسی جرم کے سختیاں کی جائیں اور اس لفظ ''ویح'' سے اس سے اظہار ہمدردی کی جاتی ہے اور اس کے حالت زار پر مرثیہ سرائی ہوتی ہے، اسی لفظ کے برخلاف لفظ ''ویل'' ہے جس کو ایسے شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو مستحق عقاب ہوتا ہے۔ ''الجامع الصغیر'' میں امام احمد اور بخاری سے ابوسعید کی مرفوع حدیث نقل ہوئی ہے کہ '' ویح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة و يدعونه الى النار '' (یعنی افسوس ہے عمار پر اس کو باغی گروہ قتل کرے گا، وہ تو انہیں جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ اسے جہنم کی طرف بلائیں گے) کہ اس میں ''بغی'' کے وہی معنی ذہن میں آتے ہیں جو قرآن کی اس آیت میں ذہن میں آتا ہے: '' و ینهى عن الفحشاء و المنكر والبغى '' (نحل۔۹۰) نیز ارشاد ہوتا ہے: '' فان بغت احداهما على الاخرى '' (حجرات۔۹) لہذا شرعی لفظ سے لغوی معنی مراد لینا عدالت سے انحراف اور ظلم کی طرف رجحان ہے اس لئے کہ ایک شئی کو اس کی جگہ سے ہٹا کر رکھنا ظلم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ '' بغی '' کے شرعی اور عرفی معنی لغوی عام طلب کے معنی کو محدود کر دے گا اور یہ صحیح نہیں ہے کہ اس سے مراد خلیفۂ وقت عثمان کے خون کا انتقام لیا جائے، اور معاویہ کی اس سے گری توجیہ یہ ہے کہ عمار کو علی نے قتل کیا تھا کیونکہ وہی انہیں میدان میں لے کر آئے تھے، اور ان ہی کی وجہ سے عمار قتل

ہوئے تھے چنانچہ اس توجیہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ پھر حمزہ کے قاتل رسولؐ خدا ٹھہرے کیونکہ وہی انہیں میدان جنگ میں لائے تھے، بلکہ (معاذ اللہ) خدا قاتل ہوا اس لئے کہ اس نے مومنین کو مشرکین سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس حدیث میں حضرت نے تین باتیں کہیں ا۔عنقریب عمار قتل کئے جائیں گے ۲۔ وہ مظلوم ہوں گے ۳۔ ان کا قاتل متجاوز اور باغی ہے اور یہ ساری باتیں صحیح ہیں۔

شیخ اکمل الدین کو دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں: یہ دونوں توجیہیں کہ "ہم خون عثمان کا بدلہ لینے والے ہیں" یا "جو میدان جنگ میں عمار کو لے کر آیا وہی ان کا قاتل ہے" معاویہ بن ابوسفیان پر تہمت ہے، پہلی توجیہ تو حدیث میں تحریف ہے اور دوسری توجیہ اس لئے غلط ہے کہ عمار جنگ صفین میں واجب کی ادائیگی کی خاطر خود سے گئے تھے کسی نے زبردستی ان کو گھر سے باہر نہیں کیا تھا، لہذا یہ دونوں توجیہیں ہم کو معاویہ پر تہمت نظر آتی ہیں، کیونکہ اس جیسے عقلمند سے بعید ہے کہ وہ ایسی بات کہے جس کا غلط ہونا ہر خاص وعام پر واضح وآشکار ہے۔

میں (قاری) کہتا ہوں کہ جب ایسا ہے تو پھر انہیں (معاویہ کو) بغاوت وسر کشی چھوڑ کر زمانہ کے امام اور رسولؐ خدا کے خلیفہ کی پیروی کرنی چاہئے تھی اور علی بن ابی طالب کی مخالفت سے ہاتھ اٹھالینا چاہئے تھا، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطن میں طاغی وباغی اور ظاہر میں خون عثمان کے

انتقام کا شعار لگا کر اپنے اصلی چہرے کو چھپائے ہوئے تھے، چنانچہ اس حدیث نے ان کو اس عمل سے منع کیا تھا، مگر انہوں نے قرآن و حدیث کی بات کو بالائے طاق رکھ دیا تھا'' (۱)

نورالدین حلبی ''انسان العیون'' (معروف بہ سیرۂ حلبیہ) میں لکھتے ہیں:

''جب عمار قتل کر دیئے گئے تو عمرو بن عاص ملول چہرہ بنائے معاویہ کے پاس آیا اور کہا عمار قتل کر دیئے گئے! معاویہ نے کہا عمار کے قتل ہو جانے سے کیا ہوا؟ عمرو بن عاص نے کہا میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، معاویہ نے کہا تو خود اپنے جال میں پھنستا ہے، کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے؟ انہیں تو اس نے قتل کیا ہے جو میدان جنگ میں لے کر آیا تھا، اور دوسری روایت میں ہے کہ معاویہ نے عمرو بن عاص سے کہا: چپ رہو! خدا کی قسم تو ہمیشہ اپنے جال میں پھنستا ہے! ان کو علی اور ان کے اصحاب نے قتل کیا ہے کیونکہ ان ہی نے ہمارے مقابلے میں ان کو لا کھڑا کیا تھا، روایت میں ہے کہ جب علی بن ابی طالب نے معاویہ کے سامنے یہ حدیث (تقتلك فئة باغية) بیان کی اور معاویہ اس حدیث سے انکار نہ کر سکے تو کہا: عمار کو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں گھر سے باہر لایا، یعنی علی انہیں میدان میں لائے تھے، علی نے معاویہ کے جواب میں کہا: پھر حمزہ کو رسول خداؐ نے قتل کیا کیونکہ حضرتؐ ہی حمزہ کو میدان

۱۔ المرقاۃ فی شرح المشکواۃ ج ۵ ص ۴۴۷

جنگ میں لے کر آئے تھے"

نورالدین حلبی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ذوالکلاع، معاویہ کے لشکر میں تھا اس نے معاویہ اور عمرو عاص سے کہا: ہم کیسے علی اور عمار سے جنگ کر سکتے ہیں؟ ذوالکلاع سے کہا گیا: عمار ہماری طرف آنا ہی چاہتے ہیں اور ہمارے ہی ہمرکاب ہو کر جنگ کرتے ہوئے قتل ہوں گے، عمار سے پہلے ذولکلاع قتل کر دیا گیا اور جب عمار قتل کر دیئے گئے تو معاویہ نے کہا: اگر ذوالکلاع زندہ ہوتا تو آدھے لشکر کو علی کی طرف لے جاتا، اس لئے کہ چار ہزار خانوادے اس کے اختیار میں تھے، دس ہزار کی بھی روایت ملتی ہے"

عبدالحق دہلوی "اشعۃ اللمعات" میں تحریر کرتے ہیں:

"مشہور صحابی ابو قتادہ سے مروی ہے کہ رسول خداؐ عمار کے ساتھ خندق کھودتے وقت ان کے سر سے گرد صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے "بؤس ابن سمیہ" یعنی اے پسر سمیہ کو گھیرنے والی سختیاں "سمیہ" عمار کی والدہ کا نام تھا جو مکہ میں مسلمان ہوئی تھیں اور اس قبول اسلام کی وجہ سے اذیتوں کا شکار بنی تھیں یہاں تک کہ ابوالجہل نے ناف کے نیچے نیزہ مار کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا تھا، آنحضرتؐ عمار کی سختیوں کو یاد کر کے انہیں آواز دیتے تھے۔

اس (ابن سمیہ) سے مراد عمار تھے اس لئے کہ اس کے بعد فرمایا: " تقتلك

الفئة الباغية ''یعنی تجھے ایسا گروہ قتل کرے گا جو باغی اور امام برحق کی اطاعت سے نافرمانی کرے گا، اور '' فئة باغية '' سے مراد معاویہ اور ان کے لشکر والے ہیں کیونکہ جنگ صفین میں عمار کی شہادت ہوئی تھی اور عمار امیر المومنین علی کے ساتھ تھے اور جنگ صفین میں علی کے برحق ہونے کی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہی حدیث پیغمبرؐ ہے، چنانچہ مروی ہے کہ عمرو بن عاص معاویہ کے پاس آیا اور اس نے کہا: بڑی مشکل ہوگئی عمار بن یاسر ہمارے ہاتھوں مارے گئے! معاویہ نے کہا اس میں مشکل کی کیا بات ہے؟ عمرو بن عاص نے کہا میں نے رسولؐ خدا کو عمار سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ'' تقتلك فئة باغية '' (یعنی تجھ کو ایسا گروہ قتل کرے گا جو باغی ہوگا اور امام برحق کی اطاعت نہیں کرے گا) معاویہ نے کہا عمار کو ہم نے کب قتل کیا ہے علی نے ان کو قتل کیا ہے اس لئے کہ وہی انہیں لے کر آئے تھے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ معاویہ نے عمرو بن عاص سے کہا تو ایسا آدمی ہے جو خود اپنے ہی جال میں پھس جاتا ہے، واللہ اعلم۔

یہ حدیث (تقتلك الفئة الباغية) بہت سے طرق سے منقول ہے جو شہرت اور تواتر کی حد تک پہونچی ہوئی ہے جیسا کہ میں نے رسالہ ''تعمیم البشارۃ'' میں ذکر کیا ہے، اس حدیث میں حضرت نے غیب کی خبر دی ہے اور وہ قتل عمار ہے''

شہاب الدین خفاجی تحریر کرتے ہیں:

''غیب کی جن باتوں کے بارے میں رسول خداؐ نے خبر دی ہے ان میں

ایک مشہور صحابی عمار بن یاسر کا باغی گروہ کے ہاتھوں قتل ہونا ہے۔ لفظ" باغية "
"بغی" سے ہے اور اس کے معنی بغیر کسی وجہ کے امام پر خروج کرنا ہے۔ مسلم کی
عبارت یہ ہے: رسول خداؐ نے عمار سے فرمایا:" تقتلك الفئة الباغية " یعنی
تجھ کو باغی گروہ قتل کرے گا اور یہ بھی مروی ہے " و قاتله فی النار "اس (
عمار) کا قاتل جہنمی ہے، عمار کو معاویہ کے لشکر نے قتل کیا تھا اور وہ جنگ صفین
میں علی کے ساتھ تھے اور یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ خلیفہ برحق علی رضی اللہ
عنہ تھے اور معاویہ سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ "
اذا اختلف الناس كان ابن سميه مع الحق " یعنی جب لوگ
اختلاف کریں تو پسر سمیہ حق پر ہے اور پسر سمیہ عمار ہیں جو علی کے ساتھ تھے۔ اسی
وجہ سے ہم علی کی حقانیت کے قائل ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ قاتلان عثمان
کو حوالے نہ کرنے کا ان کا فیصلہ برحق تھا جب کہ معاویہ ایسے مجتہد تھے جن سے
اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی لہذا قیل و قال سے کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ حق کے
بعد سوائے گمراہی کے کسی اور چیز کا تصور نہیں ہے، معاویہ جب حدیث عمار سے
انکار نہ کر سکے تو انہوں نے تاویل و توجیہ کا سہارا لیا اور کہا: ان کو اس نے قتل کیا جو
انہیں گھر سے میدان جنگ میں لے کر آیا اور جب اس توجیہ کی خبر علی کرم اللہ
وجہہ تک پہونچی تو انہوں نے جواب دیا: اس کا مطلب یہ ہے کہ حمزہ کو رسولؐ خدا
نے قتل کیا کیونکہ ان کو آپ ہی "احد" میں لے کر آئے تھے، حضرت کے اس

جواب کو ابن دحیہ نے نقل کیا ہے عمار ستر سال کی عمر میں صفین میں ابن العمادیہ کے ہاتھوں قتل کئے گئے، ابن جزء نے ان کے سر کو تن سے جدا کیا اور علی نے انہیں دفن کیا تھا''(۱)

حسین بن محمد دیار بکری تحریر کرتے ہیں:

''عقائد شیخ ابواسحاق فیروز آبادی اور خلاصۃ الوفا میں ہے کہ عمرو بن عاص، معاویہ کا وزیر تھا، جب عمار بن یاسر قتل کئے گئے تو اس نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا اور بہت سوں نے اس کی تاسی کی، معاویہ نے اس سے کہا تو کیوں جنگ نہیں کرتا؟ عمرو نے جواب دیا ہم نے اس شخص کو قتل کر ڈالا جس کے بارے میں رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ انہیں (عمار کو) باغی گروہ قتل کرے گا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم باغی ہیں، معاویہ نے کہا چپ رہو! خدا کی قسم تو ہمیشہ اپنے جال میں پھنستا ہے! ہم نے کب قتل کیا ہے ان کو علی اور ان کے اصحاب نے قتل کیا ہے کیونکہ ان ہی نے ان کو ہمارے مقابلہ میں لا کھڑا کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ معاویہ نے کہا ان کو اس نے قتل کیا جس نے انہیں ہم سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا اور ہم نے اپنا دفاع کیا اور وہ قتل ہو گئے، جب اس بات کی خبر علی تک پہونچی تو انہوں نے جواب دیا: اگر ہم نے عمار کو قتل کیا تو پھر حمزہ کو رسولؐ خدا نے قتل کیا کیونکہ حضرتؐ نے ہی حمزہ کو کفار سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا

۱۔ نسیم الریاض فی شرح شفا القاضی عیاض ج ۳ ص ۱۶۶

"(۱)

محمد بن عبد الباقی زرقانی "شرح المواهب اللدنیہ" میں حدیث "ویح عمار تقتله الفئة الباغية" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"یہ حدیث متواتر ہے، قرطبی کا بیان ہے کہ جب معاویہ حدیث سے انکار نہ کر سکے تو انہوں نے کہا ان (عمار) کو اس نے قتل کیا جو انہیں گھر سے میدان جنگ میں لے کر آیا، علی نے جواب دیا: اس رو سے رسولؐ خدا نے حمزہ کو قتل کیا کیونکہ ان ہی نے ان کو میدان جنگ میں بھیجا تھا، یہ ایسا جواب تھا جس کا کوئی جواب نہیں تھا، اور ایسی دلیل تھی جس پر اعتراض کی تھوڑی سی بھی گنجائش نہیں تھی

-

قرطبی کا کہنا ہے کہ معاویہ اپنی بات سے پلٹ گئے اور لفظ "باغية" کو "انتقام" کے معنی میں بدل دیا اور کہا "ہم گروہ باغی ہیں یعنی خون عثمان کا بدلہ لینے والے ہیں" انہوں نے لفظ "باغیہ" کو "بغاء" سے لیا جس کے معنی طلب کے ہیں، آبی کا کہنا ہے کہ عرف میں "بغی" کے معنی امام کی مخالفت اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی نیت سے ان کی اطاعت سے سرپیچی کرنا ہے معاویہ کی دونوں توجیہوں کا غلط ہونا کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ پہلی توجیہ (یعنی لانے والا قاتل ہے) کا غلط ہونا تو بالکل واضح ہے (کیونکہ عمار خود سے آئے تھے) اور دوسری توجیہ (

۱۔ تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۲۷۷

کہ ہم خون عثمان کا انتقام لینے والے ہیں) اس لئے غلط ہے کہ علی نے قاتلان عثمان سے قصاص لینے کو جس کے وہ (معاویہ) خواہاں تھے اور اس کو اپنے اجتہاد کی دلیل بتا رہے تھے، بالکل سے ترک نہیں کیا تھا، بلکہ بعض مذکورہ وجوہات کی بناء پر وقتی طور پر روک دیا تھا تا کہ سب کے سب اطاعت کرنے لگیں اور پھر سب کو بلا کر ان سے قصاص لیں۔

آبی کا بیان ہے کہ یہ صحیح ہے کہ قصاص نہ لینا ایک برا فعل ہے اور معاویہ کے لشکر والوں نے اس برائی کے مقابلے کو بہانہ بنا کر قیام کیا، مگر برائی ختم کرنے کے لئے قیام اس وقت کیا جاتا ہے جب اس کی وجہ سے کوئی بڑا مفسدہ پیدا نہ ہو، نیز کسی مجتہد کی رائے کے بارے میں اس وقت حسن ظن کیا جا سکتا ہے جب اس نے اپنے اجتہاد کی دلیل نہ بیان کی ہو، لیکن اگر اس نے اپنے اجتہاد کی دلیل بیان کی اور وہ غلط ہوئی تو اس صورت میں اس کے فتویٰ کے بارے میں حسن ظن نہیں کیا جا سکتا''

محمد بن اسماعیل بن صلاح امیر یمانی ''الروضۃ الندیہ'' میں ناکثین وقاسطین و مارقین کے ساتھ حضرت علیؑ کی جنگ کے متعلق بعض حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''تنبیہ: میں کہتا ہوں کہ یہ داستانیں معجزات نبوی، کرامات علوی اور خدا کی نظر میں پسندیدہ اخلاق پر مشتمل ہیں، ان میں چند یہ ہیں: آپ کے معجزات میں سے ایک رسولؐ خدا کا اپنے جانشین کو تین گروہوں سے جنگ کرنے کی خبر دینا

اوراس کا حکم دینا ہے اور یہی غیب کی خبر دینا آپ کے معجزات میں سے ایک ہے،
نیز حضرتؑ نے تینوں گروہوں کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ پیمان شکن، ستمگر
اور خروج کرنے والے ہوں گے، ہم نے ناکثین (جنگ جمل میں شر بپا کرنے
والوں) کے ساتھ جنگ کے سلسلے میں کچھ معجزات بیان کئے ہیں اور محدثین کی
نظر میں قاسطین (صفین والوں) کے ساتھ جنگ سے متعلق یہ حدیث متواتر
ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، وہ (عمار) تو انہیں جنت کی طرف بلائے گا
اور اس کو وہ لوگ جہنم کی طرف، اس حدیث کی صحت پر سارے محدثین کا اتفاق
ہے اور اس کے تواتر میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، اور سبھی نے کہا ہے کہ اس
باغی گروہ کے رأس و رئیس معاویہ بن ابوسفیان تھے، اسی وجہ سے انہوں نے اس
حدیث سے انکار تو نہیں کیا غلط توجیہ کرنے لگے بلکہ یہ کہدیا کہ عمار کو میدان
جنگ میں لانے والا ان کا قاتل ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جنگ احد میں حمزہ
کے قاتل رسولؐ خدا تھے. یہ حدیث آپ کے نبی ہونے پر ایک دلیل ہے، اس
لئے کہ رسول خداؐ نے مدینہ پہونچتے ہی مسجد بناتے وقت یہ حدیث ارشاد فرمائی
تھی، سیرت و حدیث کی مشہور کتابیں اس کی شاہد ہیں، اس وقت میرے پاس وہ
مآخذ نہیں ہیں، جن کی من وعن عبارتیں نقل کروں، البتہ واقعے کے مفہوم کو بیان
کرر ہا ہوں۔

جب مدینہ کی مسجد بن رہی تھی تو لوگ عمار کی پشت پر زیادہ سے زیادہ اینٹیں

رکھ دیتے تھے، عمار نے حضرتؐ سے کہا: یا رسول اللہ یہ لوگ ہمیں مار ڈالنا چاہ رہے ہیں کیونکہ میری توانائی سے زیادہ مجھ پر بار کر رہے ہیں یا عمار نے کہا کہ دو آدمیوں کے حصے کی اینٹیں ہماری پشت پر رکھ دے رہے ہیں! رسول خداؐ نے ان کے جسم سے گرد صاف کی اور فرمایا: یہ تمھارے قاتل نہیں ہیں تم کو باغی گروہ قتل کرے گا، حضرتؐ نے یہ جملہ جنگ بدر سے قبل، فتح مکہ سے پہلے اور باغی گروہ کے رأس ورئیس (معاویہ) کے (بہ ظاہر) اسلام لانے سے پہلے ارشاد فرمایا تھا، جب ایک بالشت زمین مسلمانوں کے ہاتھ نہیں لگی تھی۔

رسول خداؐ نے اس بات کو کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا کئی مواقع پر بیان فرمایا تھا، عمار حضرتؐ کے بزرگ صحابہ میں تھے، عامر کا بیان ہے کہ حضرتؐ نے انہیں بشارت ہو، خوش خلق اور پاک دامن جیسے الفاظ سے یاد کیا تھا، رسولؐ خدا نے فرمایا تھا: مرحبا اے پاک و پاکیزہ، نیز فرمایا: عمار میری آنکھ اور ناک کے بیچ کی کھال ہے، نیز فرمایا: عمار سے روش ہدایت سیکھو، حضرتؐ نے ہی فرمایا: جس نے عمار سے دشمنی کی اس سے خدا نے دشمنی کی، جس نے عمار سے کینہ رکھا اس سے خدا کینہ رکھے گا، ان احادیث کو ان کے فضائل میں فقیہ علامہ شافعی محدث یحیی بن ابوبکر عامری نے اپنی کتاب ''الریاض المستطابہ'' میں عمار کے شرح حال میں نقل کیا ہے، عامری کا بیان ہے کہ عمار علی کے لشکر میں تھے اور معاویہ کے لشکر نے ان کو قتل کیا تھا اور ان کے قتل سے اہلسنت علی کی امامت وخلافت کو صحیح مانتے

ہیں، حضرتؐ نے ان کے بارے میں فرمایا: افسوس ابن سمیہ پر ہے! اس کو باغی گروہ قتل کرے گا، نیز فرمایا: افسوس عمار پر ہے وہ لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دے گا اور لوگ اس کو جہنم کی طرف بلائیں گے، یہ تھا عامری کا بیان۔

میں کہتا ہوں: ابن عساکر اور ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ جب عمار قتل کیے گئے تو علی نے فرمایا: " ان امراء من المسلمین لم یعظم علیه قتل عمار بن یاسر و تدخل علیه المصیبة الموجعه بغیر رشید " اللہ رحمت نازل کرے اس دن پر جس دن وہ مسلمان ہوا، خدا رحمت نازل کرے اس دن پر جس دن وہ قتل کیا گیا اور خدا رحمت نازل کرے اس دن پر جس دن وہ مبعوث ہوگا، میں نے عمار کو اس دن دیکھا جب چار اصحاب پیغمبرؐ کا ذکر ہوا تو چوتھا وہ تھا اور اگر پانچ کا ذکر ہوا تو پانچواں وہ تھا، عمار کے جنتی ہونے میں کسی صحابی کو شک نہیں تھا، ان کے لئے کئی جگہوں پر جنت واجب ہوئی، عمار کو جنت مبارک ہو، ان کے لئے کہا گیا ہے کہ عمار حق کے ساتھ تھے اور حق عمار کے ساتھ، جہاں کہیں بھی حق ہوتا تھا وہ اس کے گرد گھومنے لگتے تھے، قاتل عمار جہنمی ہے (عبارت تمام ہوئی)

میں کہتا ہوں کہ عمار کے قتل سے معاویہ کے جنگ میں باغی، ظالم اور مجتہد نہ ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض علمائے اہلسنت نے بھی کہا ہے کہ معاویہ مجتہد تھے اور ان سے اجتہاد میں غلطی ہوگئی تھی، عامری بھی اسی بات کے

قائل ہیں، مگر عامری کے مخالفین نے معاویہ کے رفتار و کردار کی توجیہ کی ہے اس کو میں نے زبیر کے حالات میں بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو بھی معاویہ کے حالات سے آشنائی رکھتا ہے وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ معاویہ کے رفتار و کردار کا اجتہاد سے کوئی ربط نہیں تھا، وہ ایک سیاستمدار تھے جو خون عثمان کے انتقام کے بہانے لوگوں کے ذہنوں کو گمراہ کر کے حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے، جب ان کے باغی ہونے پر نص موجود ہے تو پھر اجتہاد کی گنجائش کہاں سے ہے اور جب علی کے بارے میں رسول خداؐ کی یہ حدیث موجود ہے کہ وہ قاسطین (صفین والوں) سے جنگ کریں گے تو پھر اجتہاد کا یہ کونسا مقام ہے، میں نے اہلسنت کے امام المتاخرین حافظ ابن حجر سے سنا ہے، انہوں نے کہا کہ اس حدیث کی صحت نسائی کے نزدیک ثابت ہے، انہوں نے اس کو نقل کر کے اس کی تفسیر کی اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے، یہ حدیث متعدد طرق سے ثابت ہے۔

اور جب خود عمار نے تصریح کر دیا تھا اور قرآن کا کھلا حکم ہے کہ باغی گروہ سے جنگ کرو تاکہ حکم الٰہی پورا ہو تو پھر اجتہاد کرنا کیسا؟ اور حدیث عمار اس بات کی توضیح ہے کہ باغی گروہ معاویہ کا گروہ ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

قال النواصب قد اخطاء معاویه — فی الاجتہاد و اخطا فیہ صاحبه

والعفو فی ذلك من حق لفاعله — و فی اعان جنان الخلد راکبه

قلنا کذبتم فلم قال النبی لنا — فی النار قاتل عمار و سالبه

یعنی ناصبی کہتے ہیں کہ معاویہ سے اجتہاد میں غلطی ہوگئی تھی اسی طرح ان کے رفیق (عمرو بن عاص) سے خطائے اجتہادی ہوگئی تھی، خدا ان کو معاف کر دے گا اور انہیں جنت کے بلند درجات عطا کرے گا، میں کہتا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو! اگر ایسا ہوتا تو نبیؐ کیوں فرماتے کہ عمار کو قتل کرنے والا اور اس کا سامان جنگ چھیننے والا جہنمی ہے؟!

علی سے جنگ کے سلسلے میں معاویہ کا اجتہاد ابن حزم کے بالکل اس دعویٰ جیسا ہے کہ اشقی الآخرین ابن ملجم نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے علی کو قتل کیا تھا، جیسا کہ ابن حجر نے اپنی ''تلخیص'' میں اس کی حکایت کی ہے، اگر ایسا ہے تو پھر ہر شخص اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے اجتہاد کو سپر بنا سکتا ہے اور دنیا میں کوئی کام غلط نہیں ہوگا، اس لئے کہ جب بھی کوئی شخص کسی کام کو انجام دیتا ہے پہلے اس کے لئے ایک بہانہ تلاش کر لیتا ہے، بت پرست بھی کہتے ہیں کہ ہم ان بتوں کی پرستش نہیں کرتے ہیں ان کو خدا سے نزدیک کرتے ہیں، نہ جانے کتنے احتجاجات و استدلال ہیں جو خدا کی خوشنودی کے بجائے اس کے غضب کا باعث بنتے ہیں''

مولوی عبد العلی بن ملا نظام الدین سہالوی ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' میں لکھتے ہیں:

''رہی معاویہ کے باغی ہونے کی بات تو اس پر بھی اکثر علمائے اہلسنت کا

اتفاق ہے کہ ان سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی، لیکن اس سے ان کی عدالت ساقط نہیں ہوتی، مگر یہ بات اس وجہ سے مخدوش ہو جاتی ہے کہ انہوں نے امیر المومنین علی کے سامنے جو حق سے سب سے زیادہ قریب تھے، دلیل پیش نہیں کی، اور علی کے حق پر ہونے کی ایک واضح دلیل عمار کا قتل ہونا ہے، اور یہ بات تو حقیقت سے بہت دور کی ہے کہ جو عمار کو لے کر آیا تھا وہی ان کا قاتل ہے''

نیز وہ ''فواتح الرحموت'' ہی میں لکھتے ہیں:

''بعض حضرات کا کہنا ہے کہ معاویہ نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے مخالفت کی تھی، مگر یہ بات اس وقت درست ہوتی جب وہ اپنے اجتہاد پر دلیل رکھتے ہوتے اور جب امیر المومنین علی نے جو حق کی تکیہ گاہ تھے معاویہ کے سامنے دلیل پیش کی تو معاویہ نے اس پر کان نہیں دھرا اور عمار کی شہادت کے وقت کہا: ان کو علی نے قتل کیا ہے کیونکہ اس پیر مرد (عمار) کو وہی لے کر آئے تھے، لیکن معاویہ کی اس دلیل میں کوئی جان نہیں ہے، اسی وجہ سے جب اس کی خبر علی تک پہونچی تو انہوں نے فرمایا: حمزہ کو بھی رسولؐ خدا اور آپ کے اصحاب نے قتل کیا تھا، ان سب باتوں سے قطع نظر خود معاویہ کا اجتہاد مشکوک ہے، کیسے ہم ان کو مجتہد مان لیں جب کہ صاحب کتاب ''الھدایۃ'' نے انہیں ظالم و جابر بادشاہ کہا ہے، اگر ان کی باتیں از روئے اجتہاد ہوتیں تو پھر سلطان جور میں ان کا شمار نہیں ہوتا، ان کا ایک بھی فتویٰ شرعی اصول کے مطابق نقل نہیں ہوا ہے''

شیخ سلیمان بن ابراہیم بلخی نے ''ینابیع المودۃ'' باب ۴۳ میں لکھا ہے:

''جمع الفوائد میں عبداللہ بن حارث سے منقول ہے کہ عمرو عاص نے معاویہ سے کہا جب مسجد بن رہی تھی تو کیا تو نے عمار سے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ تم جہاد کے حریص ہو گے اور تم اہل بہشت سے ہو گے اور تم کو باغی گروہ قتل کرے گا؟! معاویہ نے کہا ہاں حضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا! عمرو عاص نے کہا پھر تو نے کیوں ان کو قتل کیا؟! معاویہ نے جواب دیا تو ہمیشہ اپنے جال میں پھنستا ہے! ہم نے کب انہیں قتل کیا؟ ان کو تو اس نے قتل کیا جو یہاں لے کر آیا تھا اور لے کر آنے والے علی ہیں۔ اس کی احمد نے روایت کی ہے

-

عبداللہ بن عمرو عاص نے دو آدمیوں کو عمار کے بارے میں لڑتے ہوئے دیکھا ان میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا کہ عمار کو میں نے قتل کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا میں نے رسول خداؐ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، یہ سن کر معاویہ نے کہا پھر تو کیوں ہمارے ساتھ ہے؟! عبداللہ نے جواب دیا ایک دن میرے باپ نے رسولؐ خدا سے میری شکایت کی حضرتؐ نے فرمایا: جب تک تیرا باپ زندہ ہے تو اس کی اطاعت کرنا نافرمانی نہ کرنا، اسی وجہ سے میں تمھارے ساتھ ہوں مگر تمھارے ہمرکاب ہو کر جنگ نہیں کروں گا، اس کی بھی احمد نے روایت کی ہے''

۱۵۔ یہ حدیث (اهتدوا بهدی عمار) عمرو بن عاص کی کھلی گمراہی پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ عمرو بن عاص نے عمار کی ہدایتوں سے استفادہ کرنے کے بجائے عمار کے قتل میں مدد کی تھی، اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، پھر بھی اطمینان کی خاطر چند مستند علمائے اہلسنت کی عبارتوں کو نقل کر رہا ہوں جو میرے دعوے کو ثابت کریں گی۔

محمد بن سعد بصری معروف بہ کاتب واقدی اپنی کتاب "الطبقات الکبریٰ" میں حالات عمار بن یاسر میں لکھتے ہیں:

"............عمرو عاص سے کہا گیا کہ رسولؐ خدا تو تمہیں چاہتے تھے اور تم سے کام لیتے تھے، عمرو عاص نے کہا یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ حضرتؐ مجھے واقعا چاہتے تھے یا مجھے جذب کرنا چاہتے تھے لیکن ہاں ایک شخص کو دیکھا ہے جس کو رسولؐ خدا واقعاً چاہتے تھے لوگوں نے پوچھا وہ کون شخص ہے؟ جواب دیا عمار بن یاسر! لوگوں نے عمرو عاص سے کہا ان کو تو تم لوگوں نے قتل کیا ہے! عمرو عاص نے کہا بخدا نہیں ہم ہی لوگوں نے قتل کیا ہے"

ابن سعد نے "الطبقات" میں اور احمد بن حنبل نے اپنی "مسند" میں اس بات کا متعدد بار اعتراف کیا ہے، ابن اثیر تحریر کرتے ہیں:

"ذوالکلاع نے عمرو بن عاص کو کہتے ہوئے سنا کہ رسولؐ خدا نے عمار سے فرمایا تھا: تم کو باغی گروہ قتل کرے گا اور اس دنیا میں تمہاری آخری غذا دودھ میں ملا پانی ہوگا۔ یہ سن کر ذوالکلاع نے عمرو بن عاص سے کہا وائے ہو تم پر اے عمرو!

یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟! عمرو نے جواب دیا عمار عنقریب ہم سے مل جائیں گے، عمار کے قتل سے پہلے ذوالکلاع قتل کر دیا گیا وہ لشکر معاویہ میں تھا اور عمار قتل کئے گئے تو وہ لشکر علی میں تھے، اس پر عمرو بن عاص نے معاویہ سے کہا تھا نہیں معلوم کس کے قتل کئے جانے پر میں زیادہ خوش ہوں عمار کے قتل کئے جانے پر یا ذوالکلاع کے مارے جانے پر! خدا کی قسم عمار کے قتل کئے جانے کے بعد اگر ذوالکلاع زندہ ہوتا تو وہ شامیوں کو لے کر لشکر علی سے جا ملتا۔ چند لوگ معاویہ کے پاس آئے ان میں کا ہر ایک کہہ رہا تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا ہے۔ عمرو عاص نے پوچھا عمار نے قتل ہوتے وقت کیا کہا تھا، انہوں نے کچھ بھی جواب نہیں دیا! اتنے میں ابن جزء آ گیا اور اس نے کہا میں نے عمار کو قتل کیا ہے اور عمار اس وقت کہہ رہے تھے آج میں دوستوں سے ملاقات کروں گا محمدؐ سے بھی اور ان کے اصحاب سے بھی، عمرو بن عاص نے اس سے کہا تو صحیح کہتا ہے، تو ہی عمار کا قاتل ہے، پھر عمرو بن عاص نے کہا جلدی نہ کرو! تھوڑا ٹھہرو! (اور میری بات دھیان سے سنو) خدا کی قسم تم کامیاب نہیں ہوئے ہو تم نے اپنے عمل سے خدا کو غضبناک کیا ہے''(۱)

نیز ملاحظہ کیجئے تاریخ طبری ج ۴ ص ۷، ۸، کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۴۱، ۱۴۵، المستدرک علی الصحیحین ج ۳ ص ۳۸۶، ۳۸۷، مروج الذہب ج ۳ ص ۲۱، اسد الغابہ ج ۴ ص ۴۷،

۱۔ الکامل ج ۳ ص ۱۵۷

تذکرۃ الخواص ص۹۱، ۹۲، تاریخ ابن خلدون ج۲ ص۱۷۴

۱۶۔ یہ حدیث (اهتد و بهدی عمار) ''ابوالغادیہ'' کے قعرِ مذلت میں ہونے کی نشاندہی کرتی ہے، کیونکہ ابوالغادیہ نے ہی جناب عمار کو قتل کیا تھا، ابن سعد اپنی کتاب ''الطبقات'' میں عمار کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

''خزیمہ بن ثابت نے جنگ جمل میں شرکت کی مگر نیام سے تلوار نہیں نکالی، جنگ صفین میں بھی شرکت کی مگر کہا اس وقت تک تلوار نیام سے نہیں نکالوں گا جب تک عمار قتل نہیں کر دیئے جاتے تاکہ دیکھوں کہ کون انہیں قتل کرتا ہے، کیونکہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ انہیں باغی گروہ قتل کرے گا، راوی کا بیان ہے کہ جب عمار قتل کر دیئے گئے تو خزیمہ نے کہا اب ہم پر گمراہی آشکار ہوگئی (کہ گمراہ کون ہے) اور پھر تلوار نیام سے نکال کر جنگ کی یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے، عمار کو ابوغادیہ مزنی نے نیزہ مار کر قتل کیا تھا اس وقت وہ تخت رواں پر بیٹھے تھے اور ان کی عمر چورانوے سال کی تھی، جب عمار زمین پر گرے تو ایک دوسرے شخص نے ان کے سر کو تن سے جدا کیا اس سے بعد یہ دونوں معاویہ کے پاس پہونچے مگر دونوں وہاں جا کر جھگڑنے لگے ہر ایک اپنے کو عمار کا قاتل بتاتا تھا، عمرو بن عاص نے ان سے کہا بخدا تم حصول جہنم پر جھگڑ رہے ہو! معاویہ نے جب عمرو بن عاص کی زبان سے یہ جملہ سنا تو ان دونوں کے جانے کے بعد کہا کہ اے عمرو جیسی حرکت تو نے آج کی ہے اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھی تھی! جو ہم پر جان

قربان کرر ہے ہیں ان سے تو کہہ رہا ہے کہ جہنم کے حصول پر جھگڑا کرر ہے ہو؟ عمرو بن عاص نے کہا بات تو وہی ہے جو میں نے کہی ہے اور تو بھی اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہے، میں تو آج سے بیس سال پہلے مرجانا چاہتا تھا''(۱)

اس سلسلے میں ابن سعد نے ''الطبقات'' میں اور بھی روایتیں نقل کی ہیں۔

ابن عبدالبر ''استیعاب'' میں لکھتے ہیں:

''ابوالغادیہ جہنی کے نام کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے یسا بن سبع بتایا ہے بعض نے یار بن ازھر اور بعض نے مسلم۔ وہ شام کا رہنے والا تھا اور واسط چلا آیا تھا مگر اس کا شمار شامیوں میں ہوتا تھا، اس نے نبی کو درک کیا تھا اور آپ کا وہ غلام تھا اس نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: میرے بعد تم لوگ (اصحاب) کفر کی طرف نہ پلٹ جانا اور ایک دوسرے کی گردن نہ اڑانا۔ ابو الغادیہ عثمان کے طرفداروں میں سے تھا اسی نے عمار بن یاسر کو قتل کیا تھا اور جب وہ معاویہ کے پاس جاتا تھا تو دروازے پر کھڑے ہو کر کہتا تھا: قاتل عمار دروازے پر ہے اور جب لوگ اس سے قتل عمار کے بارے میں سوال کرتے تھے تو وہ بے جھجک ساری باتیں بیان کرتا تھا، علماء اور دانشوروں کو اس کی داستان پر حیرت ہوتی ہے اس لئے کہ حضرتؐ سے مذکورہ حدیث سننے کے باوجود اس نے عمار بن یاسر کو قتل کیا تھا''(۲)

۱۔ الطبقات ج۳ ص۳۵۹ ۲۔ استیعاب ج۴ ص۱۷۲۵

ابن اثیر لکھتے ہیں:

''ابوالغادیہ جہنی نے رسول خداؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اسی نے مسلمانوں کے مال و جان کی حرمت والی حدیث کی روایت کی تھی، وہ عثمان کے طرفداروں میں تھا اور اسی نے عمار بن یاسر کو قتل کیا تھا اور وہ جب بھی معاویہ یا دوسروں سے اذن ورود لیتا تھا تو کہتا تھا: قاتل عمار دروازے پر کھڑا ہے، قتل کی حرمت سے متعلق حدیث کو اسی نے نقل کیا اس کے باوجود عمار کو اسی نے قتل کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے محمد بن ابی معشر سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ ایک دن حجاج بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آہستہ قدموں سے داخل ہوا ،حجاج نے اس کو دیکھ کر کہا: خوش آمدید اے ابوالغادیہ! اس کو اپنے تخت پر بیٹھا لا اور پوچھا کیا تم نے ہی پسر سمیہ کو قتل کیا تھا؟ اس نے کہا ہاں، حجاج نے شامیوں سے مخاطب ہو کر کہا: جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت کے دن عظیم مرتبے پر فائز شخص کو دیکھے اس کو چاہئے کہ اس شخص (ابوالغادیہ) کو دیکھے، کچھ دنوں کے بعد ابو الغادیہ، حجاج کے پاس آیا اور اس نے کسی چیز کی درخواست کی، حجاج نے اس کی درخواست رد کر دی، ابوالغادیہ نے کہا ہم نے تو دنیا کی راہ ان کے لئے ہموار کی اور جب ان سے کسی چیز کی درخواست کرتے ہیں تو ہماری درخواست رد کر دی جاتی ہے! اور کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن میرا بہت بلند مرتبہ ہے! خدا کی قسم جس کے دانت کوہ احد جیسے ہیں، جس کی رانیں کوہ ورقان جیسی ہیں اور جس کی

نشست گاہ مدینہ سے ربذہ تک کی مسافت کے برابر ہے اس کا مرتبہ قیامت کے دن عظیم ہو سکتا ہے! خدا کی قسم عمار کے قتل میں اگر تمام اہل زمین شریک ہوتے تو سبھی جہنم میں جاتے''

ان کے علاوہ جن مستند کتابوں نے ابوالغادیہ کو قاتل عمار بتایا ہے یہ ہیں: بخاری کی ''التاریخ الصغیر'' ابن قتیبہ کی ''المعارف'' ج۳ص۲۵۶، مسعودی کی ''مروج الذہب'' ج۲ ص۳۸۱، حاکم نیشاپوری کی ''المستدرک علی الصحیحین'' ج۳ص۳۸۶، یعقوب بن شیبہ کی ''مسند'' طبری کی ''ذیل المذیل'' (حالات عمار)، ملا متقی ھندی کی ''کنز العمال'' ج۱۶ ص۱۳۹، ۱۴۶۔ ۱۴۵، سبط ابن جوزی کی ''تذکرۃ الخواص'' ص۹۴، سہیلی کی ''الروض الانیف'' ج۷ص۲۸، زبیدی کی ''شرح شفا'' اور ''تاج العروس'' وغیرہ۔

چوتھی معارض حدیث کا جواب

مخاطب (دہلوی) نے کہا ہے: نیز حدیث صحیح میں ہے " تمسکوا بعهدابن ام عبد "یعنی عبداللہ بن مسعود کی وصیت کومظبوطی سے تھام لو۔

میں (حامد حسین) کہتا ہوں کہ مخاطب کا مذکورہ حدیث سے احتجاج کرنا چندوجوہات کی بناء پر غلط ہے۔

ا۔ یہ حدیث صرف اہلسنت کی کتابوں میں موجود ہے، جب کہ حدیث ثقلین شیعہ اور سنی دونوں کی معتبر کتابوں میں موجود ہے، لہذا اس متفق علیہ حدیث کی مذکورہ حدیث معارض نہیں بن سکتی۔

۲۔ مذکورہ حدیث (تمسکوا ....) کو بخاری اور مسلم نے نقل نہیں کیا ہے اور اکابر علمائے اہلسنت کی نظر میں شیخین (بخاری اور مسلم) کا کسی حدیث کونقل نہ کرنا اس کے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔

۳۔خود سند کے لحاظ سے یہ حدیث ضعیف ہے ملاحظہ کیجئے ابن اثیر کی یہ روایت جس کو انہوں نے ابن مسعود کے شرح حال میں نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ہم کو ابوالبرکات حسن بن محمد بن حسن بن ھبۃ اللہ دمشقی نے بتایا انہوں نے ابوالعشائر محمد بن خلیل بن فارس قیسی سے انہوں نے ابوالقاسم علی بن محمد بن علی مصیصی سے انہوں نے ابومحمد عبدالرحمٰن بن عثمان بن قاسم بن ابونصیر سے انہوں نے ابوالحسن خشیمہ بن سلیمان بن حیدرۃ اطرابلسی سے انہوں نے ابوعبیدہ سہری بن یحیی سے کوفہ میں انہوں نے قبیصہ بن عقبہ سے انہوں نے سفیان ثوری سے انہوں نے عبدالملک بن عمیر سے انہوں نے غلام ربعی سے انہوں نے ربعی سے اور انہوں نے حذیفہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا کہ: عبداللہ بن مسعود کی وصیت کو مظبوطی سے تھام لو، اس حدیث کو سلمہ بن کہیل نے ابو الزعراء سے اور انہوں نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے''(۱)

راویان حدیث پر ایک نظر

اس حدیث (تمسکوا..............) کے سلسلہء سند میں ''قبیصہ بن عقبہ'' ہے جس کو اہلسنت کے بزرگ نقاد حدیث ''ابن معین'' نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ابن معین کا کہنا ہے کہ وہ موثق ہیں سوائے حدیث ثوری کے'' (یعنی ثوری

۱۔اسدالغابہ ج۳ص ۱۲۵۸

سے اگر وہ حدیث نقل کریں تو بھروسے کے لائق نہیں ہیں)

نیز ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ابن معین کا بیان ہے کہ وہ قوی نہیں ہیں اور یہ بھی (ابن معین نے) کہا ہے کہ وہ ہر ایک سے نقل حدیث میں بھروسے کے لائق ہیں مگر سفیان سے نقل حدیث میں اطمینان کے قابل نہیں ہیں''(۱)

جب کہ مذکورہ حدیث (تمسکوا ....) کو قبیصہ نے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے لہذا ابن معین کے بقول اس روایت میں وہ غیر ثقہ ہیں۔

اس حدیث کے سلسلۂ سند میں ''سفیان ثوری'' ہیں جن کی رکیک حرکتوں اور حدیث کے سلسلے میں ان کی خیانتوں کو عبقات الانوار حدیث مدینہ کی جلد دوم میں تفصیل سے بیان کیا ہے (لہذا یہ بھی اعتماد کے لائق نہیں ہیں)

اس حدیث کے سلسلہء سند میں ''عبدالملک بن عمیر'' ہے جس کے ضعیف ہونے کو عبقات الانوار حدیث طیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس حدیث کے سلسلۂ سند میں ربعی کا غلام ہے جو مجھول اور ناشناختہ ہے۔

اسی حدیث کو ابن اثیر نے دوسرے سلسلۂ سند سے بطور معلق نقل کیا ہے لیکن یہ بھی ضعیف روایت ہے، اس لئے کہ اس میں ''ابوالزعراء'' ہے جو کئی لحاظ سے ضعیف ہے، ذہبی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

۱۔ میزان الاعتدال ج۳ ص۳۸۳

''ابن مسعود کے دوست ابوالزعرا عبداللہ بن ہانی کے بارے میں بخاری کا کہنا ہے کہ حدیث کے سلسلے میں ان کی پیروی نہیں کی جاسکتی ہے، شفاعت کے سلسلے میں سلمہ بن کہیل نے ان سے ابن مسعود کی یہ حدیث سنی کہ ''چوتھی مرتبہ تمھارا نبی شفاعت کرے گا'' جب کہ سبھی جانتے ہیں کہ حضرتؑ پہلے شفاعت کرنے والے ہیں، یہ بات بخاری نے کہی ہے اور نسائی نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے''(۱)

ابن حجران کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن ہانی کندی ازدی ابوالزعراء الکبیر کندی کوفی نے عمرو بن مسعود سے اوران سے ان کے بھانجے سملہ بن کہیل نے روایت کی ہے بخاری کا کہنا ہے کہ حدیث میں ان کی پیروی نہیں کی جاسکتی ہے''(۲)

ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ''جامع ترمذی'' کے باب مناقب ابن مسعود پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس حدیث کے راوی سلمہ بن کہیل ہیں اوران سے یحییٰ بن سلمہ بن کہیل نے ان سے ان کے بیٹے اسماعیل نے اوران سے ان کے بیٹے ابراہیم نے اس کی روایت کی ہے اور یہ سب کے سب اہلسنت کے ناقدین حدیث کی نظر میں ضعیف ہیں جیسا کہ عبقات الانوار کی حدیث طیر میں تفصیل سے اس کو ثابت کیا ہے اوراس جلد (حدیث ثقلین) میں بھی اس پر بحث کروں گا خاص طور سے یحییٰ بن سلمہ جو سب سے زیادہ ضعیف

۱۔میزان الاعتدال ج۲ص۵۱۶ ۲۔تہذیب التہذیب ج۶ص۶۱

ہے، چنانچہ ترمذی ان کی حدیث کو نقل کرنے کے بعد ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث ابن مسعود کی غریب حدیثوں میں سے ہے جس کو صرف یحیی بن سلمہ بن کہیل نے نقل کیا ہے اور یحیی بن سلمہ نقل حدیث میں ضعیف ہے"(۱)

ایسی ضعیف حدیث کا سہارا لینا مخاطب (دہلوی) کی لاچارگی کی دلیل ہے۔

۱۔ صحیح ترمذی ج ۵ ص ۶۳۱

پانچویں معارض حدیث کا جواب

مخاطب (دہلوی) نے کہا ہے: اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا: "رضیت لکم ما رضی به ابن ام عبد" یعنی جس بات پر عبداللہ بن مسعود تم سے خوش ہوں میں بھی اس پر خوش ہوں۔

میں (میر حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ شیعوں کے سامنے اس حدیث سے چند وجوہات کی بناء پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ یہ حدیث خبر واحد ہے، جب کہ حدیث ثقلین متواترات میں سے ہے اور خبر واحد حدیث متواتر کی معارض نہیں بن سکتی ہے۔

۲۔ اس حدیث کو صرف اہلسنت نے نقل کیا ہے، شیعوں کے یہاں یہ حدیث نظر نہیں آتی ہے، لہذا مناظرہ میں ایسی حدیث پیش کرنا شاہ صاحب کا اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرنا ہے (کیونکہ انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ میں متعدد جگہوں پر لکھا ہے کہ اس کتاب میں صرف وہ باتیں پیش کی جائیں گی جن کو فریقین تسلیم کرتے ہیں اور وہ ان کی معتبر کتابوں

میں موجود ہیں)

۳۔ بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے اور اس کے ذکر سے چشم پوشی کی ہے، اور بزرگ علمائے اہلسنت کی نظر میں بخاری اور مسلم کا کسی حدیث کو نقل نہ کرنا اس کے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔ چنانچہ حدیث غدیر جس کے تواتر تک کم ہی حدیث پہونچی ہوگی اس کو بعض متعصب علمائے اہلسنت نے صرف اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ بخاری اور مسلم نے اس کو نقل نہیں کیا ہے، لہذا حدیث "رضیت لکم............" میں تو یقیناً اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اس سے احتجاج واستدلال کیا جاسکے۔

۴۔ بخاری اور مسلم کے علاوہ ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، اور نسائی نے بھی اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے، تو جب بخاری اور مسلم کے کسی حدیث کے نقل نہ کرنے کی وجہ سے وہ حدیث ضعیف ہوسکتی ہے تو پھر جس حدیث کو جملہ ارباب صحاح ستہ نقل نہ کریں وہ بدرجہ اولیٰ لائق احتجاج نہ ہوگی، سمجھ میں نہیں آتا کہ جس حدیث (رضیت لکم ....) کو ارباب صحاح ستہ میں سے کسی نے نقل نہیں کیا اس سے کس طرح مخاطب نے استدلال کرلیا !

۵۔ بالفرض اس حدیث کو صحیح مانیں تب بھی یہ حدیث، حدیث ثقلین کی معارض نہیں بن سکتی، کیونکہ حدیث ثقلین اہلبیتؑ کی خلافت، امامت، عصمت، طہارت، اعلمیت اور افضلیت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اس سے قبل تفصیل سے بیان کیا ہے، جب کہ مذکورہ حدیث مذکورہ کمالات میں سے کسی ایک کمال کو بھی ابن مسعود کیلئے ثابت نہیں کرتی، بلکہ ان

کے عالم ہونے کی بھی نشاندہی نہیں کرتی ہے، سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے ارشاد پیغمبرؐ اسلام سے صرف اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ جس چیز سے خدا اور رسولؐ راضی ہیں اس سے ابن مسعود بھی راضی ہیں ، اس بات کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی حاکم نیشاپوری نے ''المستدرک'' میں روایت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ہم سے ابوالفضل حسن بن یعقوب بن یوسف عدل نے بیان کیا انہوں نے محمد بن عبدالوھاب عبدی سے انہوں نے جعفر بن عون سے انہوں نے مسعودی سے انہوں نے جعفر بن عمرو بن حریث سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے عبداللہ بن مسعود سے فرمایا: قرآن پڑھو، ابن مسعود نے کہا میں قرآن پڑھوں جب کہ وہ آپ پر نازل ہوا ہے؟! حضرتؐ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں اس کو دوسروں کی زبان سے سنوں، راوی کا بیان ہے کہ ابن مسعود نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ وہ اس آیت پر پہونچے'' فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنا بك على هؤلاء شهيدا '' (نساء آیت ۴۱) رسولؐ خدا گریہ کرنے لگے، ابن مسعود نے تلاوت روک دی، حضرتؐ نے فرمایا: کچھ بولو، ابن مسعود نے خدا کی حمد وثنا کی، رسولؐ خدا پر درود بھیجا اور حق کی شہادت دی اور کہا: '' رضينا با الله رباً وبا الاسلام دينا و رضيت لكم ما رضى الله و رسوله '' (یعنی خدا کے پرودگار ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں اور تمھارے

لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو خدا اور اس کا رسولؐ پسند کرتے ہیں) جب رسولؐ خدا نے ان کلمات کو سنا تو آپ نے فرمایا: " رضیت ما رضی لکم ابن ام عبد " (یعنی جن چیزوں کو ابن ام عبد (ابن مسعود) نے تمھارے لئے پسند کیا ان کو میں بھی تمھارے لئے پسند کرتا ہوں) یہ حدیث صحیح ہے مگر بخاری اور مسلم نے نقل نہیں کیا ہے" (۱)

یہ روایت بتاتی ہے کہ رسولؐ خدا نے ایک دن عبداللہ بن مسعود کو قرآن کی تلاوت کرنے کا حکم دیا، ابن مسعود نے یہ کہتے ہوئے عذر خواہی کی کہ قرآن تو نازل آپ پر ہوا ہے اور پڑھوں میں؟! حضرتؐ نے مصلحت کی خاطر کہا کہ میں دوسروں کی زبان سے سننا چاہتا ہوں، ابن مسعود نے سورہ نساء کی تلاوت کی یہاں تک کہ آیت " فکیف اذا جئنا .... " تک پہونچے تو حضرت گریہ کرنے لگے، یہ دیکھ کر ابن مسعود نے تلاوت روک دی، حضرت نے ان سے کہا کچھ بولو، ابن مسعود نے تعمیل حکم لئے زبان سے خدا کی حمد وثنا کی اور حضرتؐ پر درود بھیجا اور حق کی شہادت دی اور پھر کہا" رضینا با اللہ رباً و باالاسلام دینا و رضیت لکم ما رضی اللہ و رسولہ " چونکہ ابن مسعود کی یہ بات صحیح اور نصیحت پر مشتمل تھی لہذا حضرتؐ نے بھی تائید کرتے ہوئے فرمایا:" رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد " اس سے حضرتؐ کی مراد یہ تھی کہ خدا و رسولؐ کی جس پسند کو ابن مسعود نے تمھارے لئے پسند کیا اس کو میں بھی پسند کرتا ہوں۔

۱۔ المستدرک علی الصحیحین ج ۳ ص ۳۱۹

sabeelesakina@gmail.com 03333589401

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی شان صدور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابن مسعود کی صرف یہ بات کہ " رضیت لکم ما رضی الله و رسوله "کی حضرتؐ نے تائید کی تھی اور اس کو آپ نے پسند کیا تھا نہ یہ کہ ابن مسعود آئندہ جس چیز کو لوگوں کے لئے پسند کریں وہ بھی حضرتؐ کی پسند ہے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) حدیث "تمسکوا بعهد ابن ام عبد" سے تو تمسک کریں اور اس کو حدیث ثقلین کا معارض قرار دیں اور یہ بھول جائیں کہ ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی کو خلیفۂ ثانی نے فتوا دینے سے منع کیا تھا، چنانچہ دارمی اپنی "مسند" میں روایت کرتے ہیں کہ:

"ہم سے محمد بن صلت نے بیان کیا انہوں نے ابن مبارک سے انہوں نے ابن عون سے اور انہوں نے محمد سے روایت کی ہے کہ عمر نے ابن مسعود سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم فتوا دیتے ہو، جب کہ تم امیر نہیں ہو؟ لہذا اپنی زحمتوں کو ان کے حوالے کر دو جن کے ذمے تمھارے آسان کام ہیں" (۱)

اسی روایت کو شاہ ولی اللہ دہلوی نے "ازالۃ الخفا" (عمر کا رعایہ کی تربیت کے باب) میں اور "قرۃ العینین" (شیخین کا صحابہ کی تربیت کے باب) میں نقل کیا ہے۔

ظاہری بات ہے کہ حضرت عمر کی اس حرکت کا حدیث " تمسکوا بعهد ابن ام عبد " سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ قضیہ اس کے برعکس ہے، لہذا حضرات اہلسنت یا اس

۱۔ مسند دارمی ج ۱ ص ۶۱

حدیث (تمسکوا ....) کو چھوڑ دیں یا خلیفۂ دوم پر حکم پیغمبر کی مخالفت کا حکم لگائیں (کسی ایک ہی کا بھرم رکھ سکتے ہیں) بلکہ ابن مسعود کو عمر نقل حدیث سے منع کرتے تھے اور دیگر اصحاب کی طرح ان کو بھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ مدینہ سے باہر جائیں (کہ وہاں جا کر کہیں حدیث بیان نہ کرنے لگیں) چنانچہ ابن سعد اپنی ''الطبقات'' میں ان لوگوں کے ذکر میں جو مدینہ میں فتوا دیتے تھے لکھتے ہیں:

''ہم کو حجاج بن محمد نے بتایا انہوں نے شعبہ سے انہوں نے سعد بن ابراہیم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب نے عبداللہ بن مسعود، ابو دردا اور ابو ذر سے کہا یہ کونسی حدیث ہے جس کو تم لوگ رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہو؟! راوی کا بیان ہے کہ جب تک عمر زندہ رہے ان لوگوں کو اجازت نہیں دی کہ وہ مدینہ سے باہر جائیں'' (۱)

اسی روایت کو حاکم نیشا پوری نے ''المستدرک علی الصحیحین'' میں نقل کیا ہے۔

ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حالات عمر میں لکھتے ہیں:

''مالک نے عبداللہ بن ادریس سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے سعید بن ابراہیم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ عمر نے تین آدمیوں کو حبس کر رکھا تھا ابن مسعود کو، ابو دردا کو اور ابو مسعود انصاری کو اور ان سے عمر نے کہا تھا کہ تم لوگ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے لگے ہو'' (۲)

۱۔ الطبقات ج ۲ ص ۳۳۶

۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۔۸

لہذا حضرات اہلسنت یا حدیث " تمسکوا ...." اور اس جیسی حدیثوں کو چھوڑ دیں اور ان سے استدلال نہ کریں، یا ابن مسعود جیسے صحابیوں کو جس کرنے کی وجہ سے حضرت عمر کے ظالم ہونے کا اعتراف کریں، جس بات کو بھی تسلیم کریں پلہ ہمارا ہی بھاری رہے گا اور کامیابی ہمارے ہی قدم چومے گی۔

اس سے بڑھ کر تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابن مسعود کے فضائل تو بیان کرتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ خلیفۂ سوم (عثمان بن عفان) اور ان کے ہم نوالوں کا کیا ہوگا جنہوں نے ابن مسعود کے فرامین پر عمل کرنے کے بجائے ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"عثمان نے ہر طرف سے قرآن جمع کروایا اور ان کو ایک ایک کر کے نذر آتش کر دیا، صرف ابن مسعود کے پاس قرآن بچا تھا، وہ اس وقت کوفہ میں تھے اور ان کو عبداللہ عامر کو قرآن دینے سے منع کیا......... عثمان مسجد میں آئے اور ابن مسعود سے سخت لہجے میں گفتگو کی اور پھر عثمان نے ابن مسعود کو پکڑنے کا حکم دیا اور ان کے حکم سے ابن مسعود کے پاؤں کو پکڑ کر اس طرح کھینچا گیا کہ ان کی پسلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں .... جب ابن مسعود بستر سے لگ گئے تو عثمان ان کی عیادت کو آئے اور کہا تم ہمارے بارے میں کیا کیا کہہ رہے ہو؟ ابن مسعود نے کہا جو تم نے ہمارے ساتھ کیا ہے اسی کو بیان کرتا ہوں تم ہی نے مجھے پامال

کرنے کا حکم دیا تھا جس کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا اور نماز ظہر وعصر نہ پڑھ سکا، دوسرا کام تم نے یہ کیا کہ جو وظیفہ مجھے بیت المال سے ملتا تھا اس کو تم نے روک دیا، عثمان نے کہا جو تم کہو گے وہ میں دوں گا مگر جو میں کہوں وہ تمھیں انجام دینا ہو گا ابن مسعود نے کہا میں خلیفہ سے قصاص لینے میں پہل نہیں کرنا چاہتا، عثمان نے کہا یہ اپنا حصہ لو، ابن مسعود نے کہا جب مجھے اس کی ضرورت تھی تو تم نے نہیں دیا اور آج جب اس کی ضرورت نہیں ہے تو تم دے رہے ہو! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ سن کر عثمان وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے، ابن مسعود مرتے دم تک عثمان سے ناراض رہے، ان کے مرنے کے بعد عمار نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اس دن عثمان وہاں نہیں تھے اور ان سے اس واقعے کو پوشیدہ رکھا گیا تھا، جب عثمان واپس آئے اور انہوں نے ایک نئی قبر دیکھی تو پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ عبداللہ بن مسعود کی قبر ہے، عثمان نے پوچھا مجھے بتائے بغیر کیوں دفن کر دیا گیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ابن مسعود نے وصیت کی تھی کہ ان کے مرنے کی خبر عثمان کو نہ دی جائے اور عمار بن یاسر نے کفن و دفن کا انتظام کیا تھا، تھوڑے دنوں کے بعد مقداد کا انتقال ہو گیا اور حسب وصیت ان کی بھی نماز جنازہ عمار نے پڑھائی اور اسکی بھی خبر عثمان کو نہیں دی گئی، یہی باتیں عمار کے سلسلے میں عثمان کے غصے کی موجب بنتی گئیں اور انہوں نے غصے میں کہا: وائے ہو زن

sabeelesakina@gmail.com 03333589401

سیاہ کے بیٹے (عمار) پراس کو میں اچھی طرح پہچانتا ہوں''(۱)

ابن قتیبہ اپنی کتاب ''المعارف'' میں خلافت عثمان بن عفان کے ذیل میں بہت سارے واقعات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''عثمان پر جو اعتراضات ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ خالد بن اسید کی درخواست پر عثمان نے انہیں چار لاکھ دینار بیت المال سے دیئے جس پر ابن مسعود نے اعتراض کیا اور اس اعتراض کی وجہ سے ابن مسعود کو اتنا مارا گیا کہ ان کی پسلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور ابوذر کو ربذہ اور عامر بن عبدالقیس کو بصرہ سے شام بھیج دیا گیا''(۲)

اس سلسلے میں مزید معلومات کے لئے ملاحظ کیجئے مسعودی کی ''مروج الذھب'' حوادث ۳۵ھ، طبری کی ''تاریخ طبری'' ج ۳ ص ۳۱۱، ۳۲۵، ۳۲۶، ابن عبدربہ کی ''العقد الفرید'' ج ۲ ص ۱۸۶، ۱۹۲، ابو ہلال کی ''الاوائل'' ص ۱۵۲، فخرالدین رازی کی ''نہایۃ العقول'' بحث جواب مطاعن عثمان، عزالدین ابن اثیر کی ''تاریخ کامل'' ج ۳ ص ۴۲ اور ''اسدالغابہ'' ج ۳ ص ۲۵۹، ابن ابی دم کی ''تاریخ مظفری'' محب الدین طبری کی ''الریاض النضرہ'' ج ۲ ص ۱۶۳، دیاربکری کی ''تاریخ الخمیس'' ج ۲ ص ۲۶۱، سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' ص ۱۵۸، ابن حجر مکی کی ''الصواعق المحرقہ'' جمال الدین محدث شیرازی کی ''روضۃ الاحباب'' ملامحسن کشمیری کا رسالہ ''نجاۃ المومنین'' شاہ ولی اللہ دہلوی کی ''ازالۃ الخفا''

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۹ ۲۔ المعارف ص ۱۹۴

مخاطب کی ''تحفہ اثنا عشریہ'' اور مفتی مکہ احمد زینی کی ''فتح مبین''

مذکورہ ساری کتابیں ابن مسعود پر عثمان بن عفان کے ظلم کی نشاندہی اوران کے کرتوت کو بیان کرتی ہیں، گرچہ بعض علمائے اہلسنت نے عثمان کے اس کرتوت کی توجیہ کی ہے مگر والد ماجد احلہ اللہ دارالسلام نے ''تشئید المطاعن'' میں تفصیل سے ان کا جواب دیا ہے، جو شخص بھی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اس کے دل میں ذرہ برابر شک باقی نہیں رہے گا اور حقیقت اس کے سامنے آشکار ہو جائے گی۔

چھٹی معارض حدیث کا جواب

مخاطب نے کہا ہے: نیز حدیث صحیح میں ہے" اعلمکم با الحلال والحرام معاذ بن جبل "یعنی تم میں معاذ بن جبل حلال وحرام کا زیادہ جاننے والا ہے۔

میں (میر حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ مخاطب کا اس حدیث سے استدلال کرنا کئی لحاظ سے غلط ہے۔

ا۔ یہ شیعوں کی حدیث نہیں ہے لہذا اس کو ان کے سامنے پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۲۔ مخاطب کے والد کے بقول اس حدیث سے احتجاج کرنا درست نہیں ہے کیونکہ انہوں نے شیعوں سے مناظرہ کرتے وقت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں سے احتجاج کرنے سے منع کیا ہے پس کس طرح ایسی حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے جو نہ صحیح بخاری میں موجود ہے نہ ہی صحیح مسلم میں۔

۳۔شیعوں کے سامنے اس حدیث (اعلمکم ....) سے احتجاج کرنا خود مخاطب کا اپنے عہد کی خلاف ورزی کرنا ہے جیسا کہ اس کے پہلے کئی مرتبہ ان کے تعہد کو بیان کیا گیا ہے (کیونکہ شاہ صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں متعدد جگہوں پر اس بات کا عہد کیا ہے کہ میں شیعوں کی معتبر کتابوں میں موجود حدیثوں سے استناد کروں گا جب کہ یہ حدیث خود ان کی معتبر کتاب میں نظر نہیں آتی ہے)

۴۔ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، کیونکہ یہ حدیث اس طویل حدیث "ارحم امتی با متی ابو بکر" کا جز ہے جس کے ضعیف ہونے کو عبقات الانوار حدیث مدینہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۵۔ابن تیمیہ جنہوں نے بہت سارے کبار علمائے اہلسنت کو اپنے جال میں پھنسا رکھا ہے نے "منہاج السنۃ" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اعلمیت معاذ والی حدیث کو بعض علمائے اہلسنت نے ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ وہ حدیث "اقضاکم علی" کے جواب میں لکھتے ہیں:

"وہ حدیث جس میں معاذ اور زید کا نام ہے اس کو بعض علماء نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض نے حسن" (۱)

البتہ جن علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ان کی دلیلیں اتنی ٹھوس ہیں جو متعصبین کے منہ بند کرنے کے لئے کافی ہیں، اور ابن تیمیہ کے بقول جنہوں نے اس

۱۔منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۸

حدیث کوحسن کہا ہے ان کے لئے علامہ ابن عبدالھادی کا جواب کافی ہے۔

۶۔ مذکورہ اعلمیت معاذ والی حدیث جس کی بعض علماء نے تحسین کی ہے بلکہ اس کو صحیح کہا ہے، علامہ ابن عبدالھادی نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ: ''اس کے متن ہی سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے'' ان کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کے ضعیف ہونے کو محققین اہلسنت نے ثابت کیا ہے، اس کے باوجود مخاطب کا اس حدیث کو حدیث ثقلین کا معارض قرار دینا بڑے تعجب کی بات ہے۔

۷۔ علامہ ابن عبدالھادی نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں اپنے استاد سے اس کے ضعیف ہونے کو نقل کیا ہے بلکہ کہا ہے کہ میرے استاد نے اس حدیث کو جعلی بتایا ہے، ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا مخاطب کے لئے سزاوار تھا کہ وہ اس حدیث کو حدیث ثقلین کا معارض قرار دیں؟

۸۔ علامہ شمس الدین ذہبی نے جن کی باتوں سے مخاطب (دہلوی) نے حدیث طیر کے جواب میں سہارا لیا ہے اپنی کتاب ''میزان الاعتدال'' میں سلام بن مسلم کے شرح حال میں اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

۹۔ مناوی نے ''فیض القدیر'' میں اس حدیث پر اعتراض کیا ہے، کیونکہ اس کے سلسلہء سند میں ''ابن بیلمانی'' ہے جس کو ناقدین حدیث نے ضعیف کہا ہے، مناوی نے اپنی بات کی تائید میں علامہ ابن عبدالھادی کے نظریئے کو پیش کیا ہے، مناوی، معاذ بن جبل کے متعلق طویل حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کوابویعلی نے ابن بیلمانی کے طریق سے اورانہوں نے اپنے باپ سے اورانہوں نے ابن عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے، ابن بیلمانی سے تو سبھی واقف ہیں (کہ ضعیف ہے) لیکن اس حدیث کی ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ نے انس اور جابر سے روایت کی ہے، مگران لوگوں کی روایت میں ''ارأف'' کے بجائے ''ارحم'' ہے اوراس حدیث کوترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ بخاری اور مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے۔لیکن ابن عبدالھادی نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں کہا ہے کہ متن حدیث سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث **ضعیف** ہے اوراس حدیث کوابن عبدالھادی کے استاد نے بھی ضعیف کہا ہے بلکہ جعلی بتایا ہے''(۱)

واضح رہے کہ اس حدیث کی ابن بیلمانی اوران کے باپ نے ابن عمر سے روایت کی ہے اوران دونوں باپ بیٹے کا ضعیف ہونا اظہر من الشمس ہے، اسی وجہ سے مناوی نے ''ابن بیلمانی'' کے بارے میں کہا کہ ''ان کے ضعیف ہونے سے تو سبھی واقف ہیں'' اوراس سلسلے میں اقوال نقل کر کے کلام کوطولانی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، مگرہم یہاں اتمام حجت کی خاطر باپ بیٹے کے ضعیف ہونے کواہلسنت کے چند ناقدین حدیث کی کتابوں سے پیش کرر ہے ہیں۔

ابن بیلمانی اوران کے باپ کے بارے میں ناقدین حدیث کی رائے

۱۔فیض القدیرج اص ۴۶۰

(الف) بخاری لکھتے ہیں:

''محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور یہ منکر الحدیث ہے، حمیدی نے بھی اس پر اعتراض کیا ہے''(۱)

(ب) نسائی کہتے ہیں:

''محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور وہ منکر الحدیث ہے''(۲)

(ج) محمد بن طاہر بن احمد مقدسی اپنی کتاب ''تذکرۃ الموضوعات'' میں متعدد جگہوں پر ان کی تضعیف اور ان کی کئی جعلی حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''حدیث: جب آخری زمانہ آئے گا اور لوگوں کے نظریات مختلف ہو جائیں گے تو تم بادیہ نشینوں اور عورتوں کے دین کی پیروی کرنا، کے سلسلہء سند میں محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی ہے جس کے بارے میں ابن معین نے کہا ہے کہ وہ معتبر نہیں ہے''(۳)

مقدسی نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۶، ۴۲، ۴۹، ۸۲، ۱۱۲، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۳۶ اور ۱۴۱ پر ابن بیلمانی کی حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کے سلسلہء سند میں محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی ہے جو معتبر نہیں ہے۔

۱۔ بخاری کی الضعفاء والمتروکین ص ۱۰۲
۲۔ نسائی کی الضعفاء والمتروکین ص ۹۳
۳۔ تذکرۃ الموضوعات ص ۲۵

(د) ابن جوزی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں متعدد مقامات پر ابن بیلمانی پر طعن کیا ہے اور ان کو ضعیف ثابت کیا ہے، چنانچہ وہ (باب ما یصنع عند حدوث الاختلاف میں) لکھتے ہیں:

''ہم سے ابن خیرون نے بتایا انہوں نے جوہری سے انہوں نے دارقطنی سے انہوں نے ابو حاتم سے انہوں نے محمد بن یعقوب بن اسحاق خطیب سے انہوں نے عبداللہ بن محمد حارثی سے انہوں نے محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آخری زمانہ آئے گا اور نظریات مختلف ہو جائیں گے تو تمھیں بادیہ نشینوں کے دین کو اختیار کرنا چاہئے اور دوسری روایت میں ہے کہ بادیہ نشینوں اور عورتوں کے دین کو اختیار کرنا چاہئے، لیکن مصنف کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب یہ حدیث صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کے سلسلہء سند میں محمد بن حارث اور محمد بن عبدالرحمٰن ہیں جو معتبر نہیں ہیں اور ابو حاتم کا بیان ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن نے اپنے باپ کی ایک ایسی کتاب سے حدیثیں بیان کیں جس میں تقریباً دوسو حدیثیں تھی اور وہ سب کے سب جعلی تھیں، ان سے نہ تو احتجاج و استدلال کیا جا سکتا ہے نہ ہی انہیں کتابوں میں نقل کیا جا سکتا ہے، مگر اظہار تعجب کی خاطر'' (۱)

۱۔ الموضوعات ج۱ص۲۷۱

نیز ابن جوزی اپنی اسی کتاب ''الموضوعات'' کے باب فضل جدہ میں لکھتے ہیں:

''ہم کو محمد بن عبدالملک نے بتایا انہوں نے اسماعیل بن مسعدہ سے انہوں نے حمزہ سے انہوں نے ابواحمد بن عدی سے انہوں نے محمد بن ابراہیم دیبلی سے انہوں نے عبدالحمید بن صبیح سے انہوں نے صالح بن عبدالجبار سے انہوں نے محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابو حاتم بستی سے انہوں نے محمد بن مسیّب سے انہوں نے اسماعیل بن مالک سے انہوں نے حجاج بن خالد سے انہوں نے عبدالملک کے دادا (عشرہ) سے اور انہوں نے علی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے چار دروازے دنیا کی طرف کھلتے ہیں ان میں کا ایک اسکندریہ، عسقلان اور قزوین کی طرف اور ان سب پر جدہ کو اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح بیت اللہ کو سارے گھروں پر۔ مصنف کہتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ پہلی اس لئے کہ اس کے سلسلۂ سند میں محمد بن عبدالرحمٰن ہے جس کے بارے میں یحیی نے کہا ہے کہ وہ معتبر نہیں ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس نے اپنے باپ کی ایسی کتاب سے حدیث بیان کی جس میں تقریباً دو سو حدیثیں تھیں اور وہ سب کی سب جعلی تھیں جن سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا............''

(ھ) ذہبی لکھتے ہیں:

''محمد بن عبدالرحمٰن بن بیلمانی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور اس کو

ناقدین حدیث نے ضعیف کہا ہے، بخاری اور ابو حاتم نے منکر الحدیث بتایا ہے اور دار قطنی نے ضعیف کہا ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس نے اپنے باپ کی کتاب سے حدیث بیان کی جس میں تقریباً دوسو حدیثیں تھیں اور وہ سب کی سب گڑھی ہوئی تھیں (پھر ذہبی اس کی چند جعلی حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ) ابن عدی کا بیان ہے کہ جس حدیث کی ابن بیلمانی روایت کرے اس میں ضعف خود اسی کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے"(۱)

ان کے علاوہ اور بھی بزرگ ناقدین حدیث نے ابن بیلمانی کو واضح الفاظ میں ضعیف کہا ہے، ملاحظہ کیجئے ذہبی کی "المغنی فی الضعفاء" ج ۲ ص ۶۰۳، زین الدین عراقی کی "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار" ھیثمی کی "مجمع الزوائد" ج ۲ ص ۱۹۶، سبط ابن عجمی کی "الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث" ابن حجر عسقلانی کی "تلخیص الحبیر" ج ۱ ص ۸۴ اور تہذیب التہذیب" ج ۲ ص ۱۸۲، کمال الدین محمد بن عبدالواحد سیواسی معروف بہ ابن ہمام کی "فتح القدیر" ج ۲ ص ۴۳۶، سخاوی کی "المقاصد الحسنۃ" ص ۲۹۰، خزرجی کی "خلاصۃ التذھیب" ج ۲ ص ۴۲۹، سندھی کی "مختصر تنزیہ الشریعۃ" ملا علی قاری کی "الموضوعات" ص ۴۱۹، مناوی کی "فیض القدیر" ج ۱ ص ۴۲۴ محمد مرتضی زبیدی کی "شرح احیاء العلوم" شوکانی کی "نیل الاوطار" ج ۱ ص ۱۹۷، ج ۶ ص ۸۷۔

ابن بیلمانی کے باپ عبدالرحمٰن بن بیلمانی کو بھی ناقدین حدیث نے کھلے لفظوں میں

۱۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۱۷

ضعیف کہا ہے، ملاحظہ کیجئے دار قطنی کی ''المجتبیٰ'' حاکم نیشاپوری کی ''المستدرک علی الصحیحین'' ج ۴ ص ۴۸۵، ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' ج ۲ ص ۱۵۵ اور ''المغنی'' ج ۲ ص ۳۷۷ اور ''الکاشف'' ج ۲ ص ۱۵۸ اور تلخیص المستدرک'' ج ۱ ص ۴۷۴، خزرجی کی ''مختصر تذہیب التہذیب'' ج ۲ ص ۱۲۷، ابن امیر الحاج کی ''التقریر والتحبیر'' ج ۱ ص ۱۹۷، ملا متقی ھندی کی ''کنز العمال'' ج ۶ ص ۱۴۶، شوکانی کی ''نیل الاوطار'' ج ۱ ص ۱۹۷، مناوی کی ''فیض القدیر'' ج ۱ ص ۱۶۳ اور زبیدی کی ''تاج العروس'' مادہ ''بلم''۔

۱۰۔علامہ مناوی نے ''فیض القدیر'' میں حدیث '' معاذ بن جبل اعلم الناس بحلال الله و حرامه '' کی شرح میں لکھا ہے:

''یہ حدیث ابو سعید خدری سے مروی ہے مگر اس کے سلسلۂ سند میں زید عمی ہے جس کے ضعیف ہونے کو اس کے قبل بیان کر چکے ہیں اور سلام بن سلیم ہے جس کے بارے میں ابن عدی نے کہا ہے ان کی روایت لائق عمل نہیں ہے''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے سلسلۂ سند میں زید عمی ہے جو ضعیف ہے اور سلام بن سلیم ہے جس کی روایت پر عمل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مناوی نے صرف اتنے ہی پر اکتفا کیا ہے مگر ہم اور ناقدین حدیث کو پیش کریں گے جنھوں نے زید عمی کو واضح لفظوں میں ضعیف کہا ہے، پھر سلام بن سلیم کے بارے میں علمائے کی آرا نقل کریں گے۔

نسائی کا کہنا کہ: ''زید عمی ضعیف ہے'' (۱)

۱۔نسائی کی الضعفاء والمتروکین ص ۱۸۰

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی کا بیان ہے کہ ''زید عمی ضعیف الحدیث ہے'' (۱)

ان کے علاوہ اور بھی کبار ناقدین حدیث نے ان کو ضعیف کہا ہے، ملاحظہ کیجئے ابن جوزی کی ''الموضوعات'' ج ۳ ص ۳۱۵، ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' اور ''الکاشف'' ج ۱ ص ۳۳۸، عبدالرحیم بن حسین عراقی کی ''المغنی عن حمل الاسفار'' ابن حجر عسقلانی کی ''تقریب التہذیب'' ج ۱ ص ۲۷۴ اور ''تہذیب التہذیب'' ج ۳ ص ۴۰۸، محمد طاہر گجراتی کی ''قانون الموضوعات'' اور سندھی کی ''مختصر تنزیہ الشریعۃ''۔

سلام بن سلیم کو بھی کبار علمائے اہلسنت نے ضعیف اور متروک الحدیث کہا ہے، ملاحظہ کیجئے بخاری کی ''الضعفاء'' ص ۵۵، نسائی کی ''الضعفاء والمتروکین'' ص ۴۷، ابن ابی حاتم کی ''العلل'' ج ۱ ص ۶۳، ابونعیم اصفہانی کی ''حلیۃ الاولیاء'' ج ۴ ص ۳۳۶، ابن جوزی کی ''الموضوعات'' ج ۲ ص ۸۹، ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' ج ۱ ص ۱۷۵ اور ''المغنی'' ج ۱ ص ۲۷۰ اور ''الکاشف'' ج ۱ ص ۴۱۳، ابن ترکمانی کی ''الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث'' ابن حجر کی ''تہذیب التہذیب'' (حالات سلیم) اور ''تقریب التہذیب'' ج ۱ ص ۳۴۲ اور ''تلخیص الحبیر'' ج ۱ ص ۲۲۲، خزرجی کی ''مختصر تذہیب التہذیب'' ج ۱ ص ۴۳۳، سندھی کی ''مختصر تنزیہ الشریعۃ'' محمد بن طاہر فتنی کی ''قانون الموضوعات'' زبیدی کی ''تاج العروس'' شوکانی کی ''نیل الاوطار'' عبدالوہاب بن محمد غوث مدراسی کی ''کشف الاحوال فی نقد الرجال''

۱۔ العلل ج ۱ ص ۴۵

۱۱۔علامہ مناوی ''تیسیر شرح جامع صغیر'' میں معاذ بن جبل کی اعلمیت والی حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''یہ حدیث ابو سعید سے مروی ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے'' (۱) ان محققین کا حدیث کو ضعیف قرار دینا مخاطب کے جواب کے لئے کافی ہے۔

۱۲۔علامہ علی بن احمد بن محمد بن ابراہیم عزیزی نے بھی اعلمیت معاذ والی حدیث کو ضعیف بتایا ہے، چنانچہ وہ ''سراج منیر شرح جامع الصغیر'' میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابو سعید سے نقل کیا، مگر اس کے اسناد ضعیف ہیں'' (۲)

۱۳۔معاذ کی اعلمیت سے متعلق حدیث کی خود معاذ نے اپنے عمل سے تضعیف کی ہے کیونکہ انہوں نے ایسے مال میں تصرف کیا تھا جو ان کا نہیں تھا (اگر وہ حلال وحرام کے مسئلے میں اعلم ہوتے تو ایسا کبھی نہیں کرتے) چنانچہ ابن سعد ''الطبقات'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے عبید اللہ بن موسی نے بیان کیا انہوں نے شیبان سے انہوں نے اعمش سے اور انہوں نے شقیق سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے معاذ کو یمن کا گورنر بنایا مگر کچھ ہی دنوں میں اس دنیا سے رحلت کر گئے، اس وقت معاذ یمن ہی میں تھے، ابو بکر خلیفہ بنے اور اس سال عمر حاجیوں کے امیر تھے، معاذ اپنے خاص خدمتگزاروں اور غلاموں کے ہمراہ مکہ آئے، عمر نے کہا اے معاذ یہ خدمتگزار کس کے ہیں؟ معاذ نے جواب دیا میرے ہیں، عمر نے پوچھا یہ کس

۱۔التیسیر ج۲ص۳۷۶ ۲۔السراج المنیر ج۳ص۲۸۲

طرح تمھارے ہیں؟ معاذ نے جواب دیا مجھے یہ ہدیہ دیئے گئے ہیں۔عمر نے کہا میری اطاعت کرواور انہیں ابوبکر کے پاس بھیج دو، اگر انہوں نے تمھیں واپس کر دیا تو یہ تمھارے ہیں، معاذ نے جواب دیا: میں تمھاری بات نہیں مانوں گا، جو چیز مجھے ہدیے میں ملی ہے اس کو کیوں ابوبکر کے پاس بھیجوں؟ راوی کا بیان ہے کہ معاذ رات میں سوئے اور صبح کے وقت عمر کے پاس گئے اور ان سے کہا اے پسر خطاب میں تمھاری اطاعت کرتا ہوں، میں نے شب میں خواب میں دیکھا کہ مجھے جہنم کی طرف لے جایا جارہا ہے اور تم میری کمر پکڑے ہوئے ہو، لہذا تم مجھے اور میرے ان خدمتگزاروں کو ابوبکر کے پاس لے چلو، عمر نے کہا تم ہی ان سب کو لے کر جاؤ، معاذ ان خدمتگزاروں کو ابوبکر کے پاس لے گئے، ابوبکر نے کہا یہ سب تمھارے ہیں، یہ سن کر معاذ ان سب کو لے کر آئے پھر غلاموں نے معاذ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد معاذ نے ان سب سے پوچھا کس کے لئے تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا خدائے تبارک وتعالی کے لئے، معاذ نے کہا تم سب آزاد ہو تم سب خدا کے لئے ہو" (۱)

اسی واقعے کو دوسرے الفاظ میں ابن سعد نے "الطبقات" میں معاذ بن جبل کے حالات میں، ابن عبدالبر نے "استیعاب" ج ۳ ص ۱۴۰۴ پر (حالات معاذ میں)، ملا متقی ھندی نے "کنز العمال" ج ۵ ص ۳۴۲ پر (کتاب الخلافۃ میں) شاہ ولی اللہ دہلوی نے "

۱۔ الطبقات ج ۳ ص ۵۸۵

ازالۃ الخفا'' اور'' قرۃ العینین'' میں نقل کیا ہے۔

یہ روایت مسئلہ حلال وحرام میں معاذ کے جہل پر دلالت کررہی ہے اور بتارہی ہے کہ وہ اموال کی جمع آوری میں دقت نہیں کرتے تھے اور حلال وحرام کا خیال نہیں رکھتے تھے، ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے معاذ کو شریعتِ پیغمبرؐ کے حلال وحرام کا عالم کہنا خلاف واقع بات ہے چہ جائیکہ ان کو حلال وحرام کا اعلم کہیں! اوراس سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اس جعلی حدیث کو حدیث ثقلین جیسی متواتر حدیث کا معارض قرار دیں۔

بعض متعصب علمائے اہلسنت نے معاذ بن جبل کی وکالت کرتے ہوئے پیغمبرؐ اسلام کی شان میں گستاخی کی ہے جس کا تفصیلی جواب میں نے عبقات الانوار حدیثِ مدینہ میں دیا ہے۔

ساتویں معارض حدیث کا جواب

مخاطب (دہلوی) نے کہا ہے کہ: خاص طور سے یہ حدیث "اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر" (یعنی میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرو) تو شہرت و تواتر کی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔

میں (میر حامد حسین) کہتا ہوں کہ مخاطب کا اس حدیث کو صحیح کہنا ان کا صرف جھوٹا دعویٰ ہے، کیونکہ میں نے عبقات الانوار حدیث طیر میں اس حدیث کے جعلی ہونے کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد جس کسی میں تھوڑی سی بھی حیا ہوگی وہ اس حدیث کے صحیح ہونے کو ثابت نہیں کرسکتا، اس کے تواتر کو ثابت کرنا تو دور کی بات ہے، پھر بھی ہم یہاں اس حدیث کے باطل ہونے کو چند دلیلوں سے ثابت کررہے ہیں۔

ا۔ ابوحاتم محمد بن ادریس حنظلی رازی جو اہلسنت کی نظر میں حافظ تبحر، نقاد ماہر اور بخاری اور مسلم کے ہم پلہ ہیں انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے چنانچہ علامہ مناوی لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے اور بزار نے ابن حزم کی طرح کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو عبد الملک نے ربعی سے اور ربعی نے حزیفہ سے نہیں سنا ہے جب کہ شواہد اس کے برخلاف ہیں'' (۱)

احوال و آثار

اہلسنت کی نظر میں علم حدیث کے حوالے سے ابو حاتم رازی کی جو عظمت ہے وہ بیان سے بالاتر ہے، پھر بھی قارئین کی معلومات کی خاطر ان کے بارے میں چند جید علمائے اہلسنت کے نظریئے پیش کر رہے ہیں۔

سمعانی لکھتے ہیں:

''ابو حاتم امام، حافظ، فہیم اور مشاہیر علماء میں سے تھے، انہوں نے حصول حدیث کی خاطر شام، مصر اور عراق کا سفر کیا تھا۔ ۲۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا'' (۲)

سمعانی ہی لکھتے ہیں:

''شہر رے میں ایک دروازہ ہے جو ''دروازۂ حنظلہ'' سے مشہور ہے، یہیں پر ابو حاتم محمد بن ادریس بن منذر بن داؤد بن مہران رازی حنظلی رہتے تھے جو اپنے زمانہ کے امام تھے اور مشکلاتِ حدیث میں ان ہی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ یہ بزرگ عالم، با فضیلت، حافظ اور حصول حدیث کی خاطر بہت زیادہ سفر

۱۔ فیض القدیر فی شرح الجامع الصغیر ج۲ ص ۵۶

۲۔ الانساب مادہ ''الجزی''

کرنے والے تھے، انہوں نے کبار علماء سے ملاقاتیں کی تھیں اور محمد بن عبداللہ انصاری، ابوزید نحوی، عبیداللہ بن موسی، ہوذہ بن خلیفہ، ابومسہر دمشقی، عثمان بن ہثیم موذن، سعید بن ابومریم مصری اور ابوالیمن حمصی جیسے محدثین سے حدیثیں سنی تھیں اور ان سے بھی یونس بن عبدالاعلی اور ربیع بن سلیمان مصریان جیسے بزرگ ائمہ حدیث نے استماع حدیث کیا تھا کہ یہ دونوں عمر میں ابوحاتم سے بڑے اور سماع میں مقدم تھے........ابوحاتم کا شعبان ۲۷۷ھ میں شہر رے میں انتقال ہوا "(۱)

ابن ثیر وقائع ۲۷۷ھ میں لکھتے ہیں:

"اس سال ابوحاتم رازی نے انتقال کیا، ان کا نام محمد بن ادریس بن منذر تھا وہ بخاری اور مسلم کے ہم مرتبہ تھے"(۲)

ذہبی "سیر اعلام النبلاء" میں ابوحاتم کے حالات میں لکھتے ہیں:

"ابوحاتم رازی اور ان کے بیٹے محمد بن ادریس بن منذر بن داؤد بن مہران امام، ناقد حدیث اور شیخ المحدثین تھے، وہ قبیلہ تمیم بن حنظلہ بن یربوع سے تھے اور حنظلی سے اس لئے مشہور ہوئے کہ یہ شہر رے کے دروازے حنظلہ میں رہتے تھے۔ وہ علم کے دریا اور حصول حدیث کی خاطر شہروں کا چکر لگاتے تھے، حدیث کے متن، اس کی اسناد، اس کی جمع آوری، اس کی جرح وتعدیل اور اس کے صحیح و

۱۔ الانساب مادہ "الحنظلی" ۲۔ تاریخ کامل ج۶ص ۶۷

ضعیف کی شناخت میں یکتا تھے۔ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۹ھ سے (تیرہ سال کی عمر میں) کتابت حدیث کا آغاز کیا، وہ بخاری کے مثل اور ان کے ہم طبقہ تھے مگر بخاری کے بعد بیس سال تک زندہ رہے، انہوں نے عبید اللہ، محمد موسی، محمد بن عبد اللہ انصاری، اصمعی .... سے استماع حدیث کیا تھا، ان کے سارے مشائخ واساتید کا احصاء اور ان کو بیان کرنے سے انسان معذور ہے۔

حافظ ابو حاتم ابان نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں نے ان لوگوں کی فہرست تیار کی جن سے ابو حاتم رازی نے روایت کیا تھا تو ان کی تعداد تقریباً تین ہزار تک پہونچ گئی.ان سے ان کے بیٹے حافظ امام ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، یونس بن عبد الاعلی، ان کے استاد ربیع بن موذن، ان کے دوست اور رشتہ دار ابو زرعہ رازی، ابو زرعہ دمشقی، ابراہیم حربی، احمد رمادی، موسی بن اسحاق انصاری، ابو بکر بن ابی الدنیا، ابو عبد اللہ بخاری، ابو داؤد اور ابو عبد الرحمٰن نسائی نے اپنی سنن میں ان کے علاوہ ابن صاعد اور ابو عوانہ اسفرائنی وغیرہ نے روایت کی ہے ''.................

ذہبی نے اپنی اسی کتاب میں کئی جگہوں پر نیز ''الکاشف'' ج ۳ ص ۱۸ ''دول الاسلام'' ج ۱ ص ۱۳۲ ''العبر'' ج ۲ ص ۵۸ اور تذکرۃ الحفاظ'' ج ۲ ص ۲۶۷ پر ان کے محامد بیان کئے ہیں۔

ان کے علاوہ عبد الوھاب سبکی نے ''طبقات الشافعیہ'' میں، یافعی نے ''مرآۃ الجنان''

وقائع ۲۷۷ھ میں، ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب التہذیب'' ج ۲ ص ۱۴۲ پر اور سیوطی نے ''الطبقات الحفاظ'' ص ۲۵۵ پر ابو حاتم کے علم و فضل اور حفظ و اتقان کی تعریف و تمجید کی ہے۔

۲۔ترمذی جو ارباب صحاح ستہ میں سے ہیں نے گرچہ حدیث اقتدا کو بروایت حذیفہ کئی بار اپنی ''جامع'' (صحیح ترمذی) میں نقل کیا ہے اور ضعیف ہونے کے باوجود اس حدیث کو حسن کہا ہے، مگر جب ابن مسعود سے اس روایت کو نقل کیا تو اس کے بعض راویوں کو ضعیف کہا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ہم سے ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی بن سلمہ بن کہیل نے بیان کیا انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے باپ سلمہ بن کہیل سے انہوں نے ابوالزعراء سے اور انہوں نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: میرے بعد اصحاب میں سے ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرو، اور عمار سے روش ہدایت سیکھو اور ابن مسعود کی وصیت کو مضبوطی سے تھام لو۔ ابن مسعود سے اس سند سے یہ حدیث غریب ہے، میں نے اس حدیث کو یحیٰی بن سلمہ بن کہیل کے طریق کے علاوہ کسی اور سے نہیں سنا اور حدیث کے سلسلے میں یحیی بن سلمہ بن کہیل ضعیف ہے، اور اس کے سلسلہء میں ابوالزعرا ہے جس کا نام عبد اللہ بن ہانی ہے اور جس ابوالزعرائی سے شعبہ، ثوری اور ابن عینیہ نے روایت کی ہے اس کا عمرو بن عمرو ہے، اور وہ ابوالاحوص کا بھتیجا اور ابن مسعود کا دوست ہے

"(۱)

اس عبارت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔۱۔ترمذی نے اس حدیث کو بہ روایت ابن مسعود غریب جانا ہے۔۲۔یہ حدیث صرف از طریق یحیی بن سلمہ بن کہیل نقل ہوئی ہے ۔۳۔اس بات کی ترمذی نے تصریح کی ہے کہ حدیث کے سلسلے میں محدثین نے یحیی بن سلمہ کی تضعیف کی ہے۔۴۔اس خیال سے کہ کہیں لوگ اس حدیث کے راوی کے بارے میں دھوکے میں نہ پڑ جائیں وضاحت کردی کہ ابوالزّعراء جوراوی حدیث ہے اس کا نام عبداللہ بن ہانی ہے اور جس ابوالزّعرائی سے شعبہ،ثوری اور ابن عینیہ نے روایت کی ہے اس کا نام عمرو بن عمرو ہے۔

ترمذی نے تو صرف چند ہی راویوں کے ضعیف ہونے کو بیان کیا ہے،مگر میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے سارے راوی ضعیف ہیں ملاحظہ کیجئے۔

راویان حدیث پرایک نظر

ابراہیم بن اسماعیل

ابوزرعہ نے اس کی تضعیف کی ہے اور ان کے بقول وہ ایک وقت میں ایک حدیث کو اپنے باپ سے نقل کرتا تھا اور پھر اسی حدیث کو دوسرے وقت اپنے چچا کی طرف منسوب کرتا تھا،ابوزرعہ کے علاوہ اور بھی بہت سارے ناقدین حدیث ہیں جنہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے،چند یہ ہیں۔

۱۔صحیح ترمذی ج۵ص۶۷۲(حدیث نمبر۳۸۰۵)

sabeelesakina@gmail.com 03333589401

ذہبی کہتے ہیں:

''ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی بن سلمہ بن کہیل کو ابو زرعہ نے لیّن کہا ہے (کہ اس لفظ سے بھی راوی کی تضعیف کی جاتی ہے) اور ابو حاتم نے اس کی حدیثوں سے صرف نظر کیا ہے، اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور وہ متاخرین میں سے ہے'' (۱)

نیز ذہبی لکھتے ہیں:

''ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی بن سلمہ بن کہیل کی حدیثوں سے ابو زرعہ نے چشم پوشی کی ہے اور ابو حاتم نے اس کی حدیثیں چھوڑ دی ہیں'' (۲)

ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے:

''ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی بن سلمہ بن کہیل حضرمی ابو اسحاق کوفی نے اپنے باپ اور ابو نعیم سے روایت کی اور اس سے ترمذی نے، اسکے بیٹے سلمہ بن ابراہیم، ابن صاعد، یعقوب بن سفیان، ابن وارہ اور سراج وغیرہ نے روایت کی ہے، ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میرے باپ نے اس سے حدیثیں لکھیں تو مگر انہیں اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا، میں نے ابو زرعہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک حدیث کو اپنے باپ سے نقل کرتا تھا پھر اسی حدیث کو اپنے چچا سے منسوب کر کے بیان

۱۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۰ ۲۔ المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۱۰

کرتا تھا، کیونکہ اس کا چچا لوگوں کی نظر میں معزز تھا، عقیلی نے مطیّن سے نقل کیا ہے کہ ابن نمیر اس کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی تضعیف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ منکر حدیثوں کی روایت کرتا تھا، عقیلی کا بیان ہے کہ اس کی حدیثیں معتبر نہیں ہیں، مطیّن کے بقول ۲۵۸ھ میں اس کا انتقال ہوا، ابن حبان نے اپنی ''الثقات'' میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کہا ہے کہ اس نے اپنے باپ سے بعض منکر حدیثوں کی روایت کی ہے''(۱)

خزرجی کا کہنا ہے کہ:

''ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی بن سلمہ بن کہیل حضرمی ابو اسحاق کوفی نے اپنے باپ اور ابونعیم سے روایت کی ہے اور ابراہیم سے ترمذی نے، ابوزرعہ نے ضعیف کہا ہے اور مطیّن نے مرنے کا سن ۲۵۸ھ بتایا ہے''(۲)

اسماعیل بن یحیی

ان کی حدیثیں دارقطنی کے نزدیک متروک ہیں یعنی وہ قابل عمل نہیں ہیں، ابن جوزی کا بھی ان کے بارے میں یہی نظریہ ہے ملاحظہ کیجئے۔

ذہبی کہتے ہیں:

''اسماعیل بن یحیی بن سلمہ بن کہیل نے اپنے باپ اور چچا سے روایت کی

۱۔تہذیب التہذیب ج ا ص ۱۰۶ ۲۔مختصر تذھیب تہذیب الکمال ج ا ص ۱۴

ہے اور ان سے ابراہیم نے اور دارقطنی نے ان کی حدیثوں کو متروک کہا ہے" (۱)

اسی بات کو ذہبی نے "المغنی" میں نقل کیا ہے" (۲)

ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

"اسماعیل بن یحیی بن سلمہ بن کہیل حضرمی کوفی نے اپنے باپ اور چچا محمد سے روایت کی ہے اور اسماعیل سے اس کے بیٹے ابراہیم نے اور ابو العوام احمد بن یزید ریاحی نے نقل روایت کیا ہے، دارقطنی نے متروک کہا ہے جیسا کہ اس کے بیٹے کے حالات میں میں نے بیان کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ ابن جوزی نے ازدی سے نقل کیا ہے کہ ان کی نظر میں یہ متروک ہے" (۳)

خزرجی نے "مختصر تذھیب الکمال" میں یہی بات کہی ہے۔

یحیی بن سلمہ بن کہیل

ترمذی نے ان کی قدح میں صرف اتنا کہا ہے کہ "حدیث کے سلسلے میں ان کی تضعیف کی گئی ہے" لیکن رجالی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے، ابن معین نے انہیں ایک جگہ "لیس بشئی" کہا ہے تو دوسری جگہ "ضعیف الحدیث" کہا ہے، بخاری کا کہنا ہے کہ ان کی بیان شدہ حدیثوں میں منکر حدیثیں بھی ہیں، اور بخاری نے اپنی "تاریخ اوسط" میں کہا ہے کہ وہ "منکر الحدیث" ہیں، ابو حاتم کا بیان ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں قوی نہیں ہیں، نسائی نے غیر ثقہ اور متروک بتایا ہے، عباس

۱۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۵۴ ۲۔ المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۸۹ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۳۶

نے کہا ہے کہ ان کی حدیثیں لکھی نہیں جاتیں، ابن حبان نے گرچہ اپنی ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے مگر کہا ہے کہ ان کے بیٹے کے توسط سے ان کی منکر حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔

ظاہری بات ہے کہ حدیث ''اقتداء'' کو یحیی بن سلمہ سے ان کے بیٹے اسماعیل بن یحیی نے نقل کیا ہے لہذا ابن حبان کے قول کی روشنی میں اس حدیث کے ضعیف ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے، بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن حبان نے یحیی بن سلمہ کا ذکر اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور ان کی حدیثوں سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا ہے، ابن نمیر کا کہنا ہے کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی حدیثیں لکھی جائیں، دارقطنی نے انہیں متروک اور ضعیف کہا ہے، عجلی نے ضعیف الحدیث بتایا ہے، ابن سعد نے کہا ہے وہ بہت زیادہ ضعیف ہے، یعقوب بن سفیان نے انہیں ان لوگوں کی فہرست میں بتایا ہے جن کی حدیثوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور کہا ہے کہ میں نے اپنے اساتیذ کو ان کی تضعیف کرتے دیکھا ہے، اپنی بات کی تائید میں علمائے اہلسنت کی عبارتیں نقل کرر ہا ہوں۔

بخاری ''تاریخ صغیر'' میں لکھتے ہیں: ''یحیی منکر الحدیث ہے''

نیز وہ ''الضعفاء'' میں لکھتے ہیں:

''یحیی بن سلمہ بن کہیل نے اپنے باپ سے حدیثیں نقل کی ہیں اس کی حدیثوں میں منکر حدیثیں ہیں''(۱)

ا۔ بخاری کی الضعفاء ص ۱۱۹

نسائی تحریر کرتے ہیں:

''یحیی بن سلمہ بن کہیل متروک الحدیث ہے''(۱)

عبدالغنی مقدسی ''الکمال فی اسماء الرجال'' میں لکھتے ہیں:

''ابن معین نے ضعیف کہا ہے، ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے، بخاری نے اس کی حدیثوں کو منکر حدیثیں کہا ہے، نسائی نے کہا ہے وہ ثقہ نہیں ہے، ترمذی نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن حبان نے اپنی ثقات میں اس کا ذکر کیا ہے، مطیّن کے بقول ۱۷۲ھ میں انتقال ہوا''

ذہبی کہتے ہیں:

''یحیی بن سلمہ بن کہیل نے اپنے باپ اور بیان بن بشر سے روایت کی ہے اور اس سے قبیضہ اور یحیی حمانی نے، وہ ضعیف ہے ۱۷۲ھ میں انتقال ہوا''(۲)

ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں ابو حاتم اور نسائی وغیرہ سے اس کے ضعیف اور متروک الحدیث ہونے کو نقل کیا ہے۔

ابن حجر عسقلانی تحریر کرتے ہیں:

''دوری نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ وہ ضعیف الحدیث ہے، مضر بن محمد نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو'' لیس بشئی '' سے تعبیر کیا

۱۔ نسائی کی الضعفاء والمتروکین ص ۱۰۹

۲۔ الکاشف ج ۳ ص ۲۵۱

ہے، ابو حاتم نے منکر الحدیث اور ضعیف کہا ہے، بخاری نے اس کی حدیثوں میں منکر حدیثوں کی نشاندہی کی ہے، ترمذی نے ضعیف کہا ہے، نسائی نے غیر ثقہ کہا ہے، ابن حبان نے اپنی ثقات میں اس کا ذکر کیا ہے مگر کہا ہے کہ اسی سے اس کے بیٹے نے منکر حدیثیں نقل کی ہیں۔ ۱۷۹ھ میں انتقال ہوا، مطین نے ۱۷۲ھ سن وفات بتایا ہے۔ میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ ابن حبان نے اپنی ''ضعفاء'' میں اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کی حدیثیں اتنی منکر ہیں جن سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ نسائی نے ''الکنی'' میں اس کو متروک الحدیث بتایا ہے، ابن نمیر نے کہا ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن سے حدیثیں نہیں لکھی جا سکتیں، دار قطنی نے ایک جگہ متروک تو دوسری جگہ ضعیف کہا ہے، عجلی نے ضعیف الحدیث کہا ہے، ابن سعد نے ضعیف ترین فرد بتایا ہے، بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں اس کو شمار کیا ہے جن کی حدیثوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے، خود میں نے محدثین کی زبان سے اس کی تضعیف کرتے ہوئے سنا، آجری کا بیان ہے کہ ابوداؤد نے اس کو غیر معتبر کہا ہے'' (۱)

خزرجی نے ''مختصر تذھیب التھذیب'' میں ابن معین سے ان کی تضعیف کو نقل کیا ہے۔

ابوالزعراء

حدیث'' و تمسکوا بعھد ابن ام عبد '' کے جواب میں میں نے بیان کیا ہے

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۵

کہ بخاری نے ان کی تضعیف کی ہے اوران کی حدیث کولائق احتجاج نہیں مانا ہے۔

۳۔ابوبکراحمد بن عمر بن عبدالخالق بصری معروف بہ''بزّار'' نے جواہلسنت کے عظیم محدث اورناقد حدیث ہیں حدیث اقتدا کے بارے میں کہا ہے کہ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' ان کی اس بات کومناوی نے''فیض القدیر''(۱) میں نقل کیا ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ مخاطب نے حاشیۂ تحفہ میں بزّار کی اس حدیث سے استدلال تو کیا ہے جس کوانہوں نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ ابوبکر،امیرالمومنین سے زیادہ بہادر تھے،مگر اس بات پردھیان نہیں دیا کہ خود بزّار نے حدیث اقتداء کوغیرصحیح کہا ہے،اوراس پرطرّہ یہ کہ انہوں نے حدیث اقتداء کے تواتر اورشہرت کادعویٰ ٹھوک دیا،جب کہ تحفہ کے باب ہفتم میں بزّار کوانہوں نے محدثین اہلسنت کی تکیہ گاہ قراردیا ہے اورمعاویہ وغیرہ کی خلافت کی رد میں بزّار سے مروی حدیث سے تمسک کیا ہے۔

اس بناء پرمخاطب (مؤلف تحفہ) کوکیا یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ ایسی حدیث سے استدلال کریں جس کوایسے شخص (بزّار) نے ضعیف کہا ہے جومحدثین اہلسنت کی تکیہ گاہ ہے ؟بزّار کی عظمت کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ مخاطب نے انہیں''محدثین اہلسنت کی تکیہ گاہ'' کہا ہے پھربھی ان کے بارے میں ناقدین حدیث کے نظریئے ہدیۂ قارئین ہیں۔

ابونعیم لکھتے ہیں:

''حافظ ابوبکراحمد بن عمرو بن عبدالخالق بصری (معروف بہ) بزّار دومرتبہ

۱۔فیض القدیرج۲ص۵۶

اصفہان آئے تھے"(۱)

سیوطی کہتے ہیں:

"مشہور علامہ وحافظ ابوبکر بزّار کی کتاب "المسند الکبیر المعلل" ہے، آخری عمر میں انہوں نے اصفہان اور شام کا سفر کیا تھا اور وہاں علم حدیث کی نشر اشاعت کی تھی، رملہ میں ۲۹۲ھ میں انتقال کیا"(۲)

محمد امیر زہری مالکی اپنے "رسالۂ اسانید" میں لکھتے ہیں:

"حافظ ابوبکر احمد بن عبدالخالق بزّار کی "سنن بزّار" ہے انہوں نے رملہ میں ۲۹۲ھ میں انتقال کیا تھا، ان کو ابن خثیمہ نے اسلام کا ایک رکن کہا ہے، وہ زہد و ورع میں احمد بن حنبل سے بہت مشابہ تھے، ان کی "المسند الکبیر" ہے، زندگی کے آخری ایام میں شام اور اصفہان کا سفر کیا تھا اور وہاں کے لوگوں کو اپنے علم سے بہرہ مند کیا تھا"

۴۔ عقیلی نے جن کا شمار کبار حفاظ اہلسنت میں ہوتا ہے، حدیث اقتداء کو بہ روایت ابن عمر اپنی کتاب "الضعفاء" میں نقل کیا ہے (جو اس حدیث کے ضعیف ہونے کی علامت ہے) اور اس کو جعلی بتایا ہے (ملاحظہ کیجئے ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان ج ۵ ص ۲۴۷)

ظاہری بات ہے کہ عقیلی کی تضعیف حدیث کے بعد عقلمندی کی بات نہیں ہے کہ اس حدیث سے استدلال کیا جائے اور اس کے بارے میں مشہور اور متواتر ہونے کا جھوٹا دعویٰ

۱۔ تاریخ اصفہان ج ۱ ص ۱۰۴ ۲۔ طبقات الحفاظ ص ۲۸۵

کیا جائے۔

احوال وآثار

اسی حدیث کی تضعیف کرنے والے عقیلی کی عظمت حضرات اہلسنت کی نظر میں ڈھکی چھپی نہیں ہے، صرف اتمام حجت کی خاطر چند ناقدین حدیث کے نظریے پیش کرر ہا ہوں۔

ذہبی لکھتے ہیں:

''حافظ امام ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسی بن حماد عقیلی ''الضعفاء الکبیر'' کے مؤلف ہیں، انہوں نے اپنے نانا یزید بن محمد عقیلی سے اور محمد بن اسماعیل صائغ، ابو یحیی بن ابومسیرہ، محمد بن احمد بن ولید بن بردانطاکی، یحیی بن ایوب علاف، محمد بن اسماعیل ترمذی، اسحاق بن ابراہیم دیری، علی بن عبدالعزیز بن بغوی، محمد بن خزیمہ، محمد بن موسی بلخی اور بہت سارے محدثین سے حدیثیں سنی تھیں، اور ان سے ابوالحسن محمد بن نافع خزاعی، یوسف بن برجیل مصری اور ابوبکر بن مقری جیسے بے شمار محدثین نے حدیثیں نقل کی ہیں، سلمہ بن قاسم کا بیان ہے کہ عقیلی بڑے جلیل القدر عالم تھے میں نے ان جیسا عالم نہیں دیکھا، ان کی بہت ساری کتابیں ہیں، ان کے پاس جب بھی کوئی محدث آتا تھا تو اس سے وہ کہتے تھے کہ جو حدیث تم نے لکھی ہے اس کو سناؤ اصل کو کھول کر نہ دیکھو، ایک مرتبہ ہم لوگوں نے آپس میں کہا کہ ان (عقیلی) کا حافظہ یا تو سب سے زیادہ ہے یا وہ بہت بڑے جھوٹے ہیں، چنانچہ ایک دن ہمارے ہمراہ کئی آدمی ان کے پاس گئے اور اپنی

کتاب سے میں نے عمداً کم وزیاد کر کے حدیث ان کے سامنے پڑھی، وہ فوراً اس طرف متوجہ ہوئے اور میری کتاب لے کر حدیث کی اصلاح کی، جب ہم لوگ وہاں سے واپس ہوئے تو بہت خوش تھے اور پھر یقین ہو گیا ہے یقیناً وہ احفظ الناس ہیں۔ حافظ ابوالحسن بن سہل قطان کا کہنا ہے کہ ابوجعفر ثقہ اور حدیث کے جلیل القدر عالم ہیں اور حفظ میں سب پر مقدم ہیں، ۳۲۲ھ میں وفات پائی'' (۱)

عقیلی کی مزید تعریف و تمجید کے لئے ملاحظہ کیجئے ذہبی کی ''العبر'' ج ۲ ص ۱۹۸ اور سیوطی کی ''طبقات الحفاظ''

۵۔ ابوبکر محمد بن حسن موصلی معروف بہ ''نقاش'' نے بہ روایت ابن عمر اس حدیث کے ''واہی'' ہونے کی تصریح کی ہے، چنانچہ ذہبی، احمد بن محمد بن غالب باہلی کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

''اس کی غلط حدیثوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ہم سے محمد بن عبداللہ عمری نے بیان کیا انہوں نے مالک سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''میرے بعد ابوبکر اور عمر کی پیروی کرو'' اس حدیث کو مالک سے چپکایا گیا ہے، جس کو ابوبکر نقاش نے واہی حدیث کہا ہے'' (۲)

نقاش کا اس حدیث کو ''واہی'' کہہ دینا اس کے ضعیف ہونے پر محکم دلیل ہے، کیونکہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۳۳ ۲۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۴۲

جعلی حدیثوں کی جمع آوری میں نقاش کو یدطولی حاصل تھا، اوران کی تفسیر جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں سے پُر ہے جیسا کہ سیوطی نے ''طبقات الحفاظ'' ص ۳۷۱ پر اس بات کی تصریح کی ہے، اب اگر ایسا شخص کسی حدیث کو ''واہی'' کہدے تو پھر اس کو کس خانے میں رکھیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ نقاش کے تضعیف حدیث کے بعد اس حدیث اقتداء میں کوئی دم خم باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

۶۔ دار قطنی نے جو مشاہیر حفاظ اور کبار ناقدین اہلسنت میں سے ہیں اس حدیث کو بہ روایت ابن عمر ضعیف کہا ہے، اس بات کو ابن حجر عسقلانی کی ''لسان المیزان'' (ج ۵ ص ۲۳۷) کی عبارت جو آگے بیان ہوگی ثابت کرے گی۔

احوال وآثار

دار قطنی جنہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، ان کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے، ان کی تعریف وتمجید سے رجال وتاریخ کی کتابیں پُر ہیں، بطور نمونہ چند کتابوں کے نام پیش کررہا ہوں۔

سمعانی کی ''الانساب'' مادہ ''دارقطنی'' ابن اثیر کی ''تاریخ کامل'' وقائع ۳۸۵ھ، نووی کی ''التقریب والتیسیر'' ابن خلکان کی ''وفیات الاعیان'' ج ۲ ص ۴۵۹، ذہبی کی ''العبر'' ج ۳ ص ۲۸ اور ''تذکرۃ الحفاظ'' ج ۳ ص ۱۹۱ اور ''سیر اعلام النبلاء'' ابن تیمیہ کی ''منہاج السنۃ'' سبکی کی ''طبقات الشافعیہ'' ج ۳ ص ۴۶۲، اسنوی کی ''طبقات الشافعیہ'' ج ۱ ص ۵۰۸، محمد جزری کی ''طبقات القراء'' ج ۱ ص ۵۵۹، سیوطی کی ''طبقات الحفاظ'' ص ۳۹۳ کہ ان

میں سے اکثر کتابوں کی عبارتیں عبقات الانوار حدیث طیر میں پیش کی گئی ہیں ، چند کی عبارتیں خود اسی جلد میں نقل ہوئی ہیں۔

۷۔ ابن حزم ظاہری جو اکابر محققین اور اعاظم متقدین اہلسنت میں سے ہیں ، نے حدیث اقتداء کے غیر صحیح ہونے کی تصریح کی ہے، اور اس حدیث سے احتجاج کرنے پر خدا سے پناہ مانگی ہے، چنانچہ وہ (بزعم خود) خلافت ابوبکر کی حقانیت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''نیز راویت صحیح میں ہے کہ ایک عورت نے رسولؐ خدا سے پوچھا اگر میں مدینہ پلٹی اور آپ کو نہیں پایا (یعنی آپ کا انتقال ہوگیا) تو میں کیا کروں گی؟ حضرتؐ نے فرمایا ابوبکر کے پاس جانا ، یہ روایت ابوبکر کی خلافت کی حقانیت پر واضح دلیل ہے نیز دوسری روایت میں ہے کہ رسولؐ خدا نے مرض الموت میں عائشہ سے فرمایا: میں تمھارے باپ اور بھائی کے پاس کسی کو بھیجنا چاہتا ہوں تا کہ ان کے بارے میں ایسی چیز لکھ دوں اور ایسی وصیت کردوں کہ پھر کوئی نہ کہے کہ خلافت کے لئے میں سزاوار ہوں ، خدا اور مومنین ابوبکر کی خلافت کے علاوہ کسی اور کی خلافت سے راضی نہیں ہوں گے ، نیز روایت میں ہے کہ خدا اور اس کا رسولؐ صرف ابوبکر کو چاہتے ہیں۔ پس یہ حدیث ابوبکر کے جانشین پیغمبر ہونے اور آپ کے بعد ان کے ولی امت پر واضح دلیل ہے۔

ابومحمد (یعنی خود ابن حزم) کہتا ہے کہ اگر ہم تدلیس حدیث کو جائز جانتے تو اس حدیث سے بھی استدلال کرتے کہ '' میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرو

''مگر کیا کروں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور جو حدیث صحیح نہ ہو اس کے احتجاج پر خدا سے پناہ مانگتے ہیں'' (۱)

ابن حزم کی عبارت سے کئی باتیں سامنے آئیں ۱۔ ابن حزم نے جمہور اہلسنت کے نظریئے کے برخلاف ابوبکر کی خلافت کو نص پیغمبرؐ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے باوجود حدیث اقتداء سے نہ یہ کہ استدلال نہیں کیا بلکہ اس بات کی تصریح کی کہ اس سے احتجاج واستدلال نہیں کیا جا سکتا ہے ۲۔ ابن حزم نے بصراحت کہا ہے کہ اگر میں تدلیس کو جائز سمجھتا تو حدیث اقتدا سے ضرور احتجاج کرتا جس کا مطلب یہ ہوا کہ مخاطب اور دیگر کبار علمائے اہلسنت نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے انہوں نے تدلیس کیا ہے ۳۔ ابن حزم نے واضح لفظوں میں کہہ دیا کہ حدیث اقتداء صحیح نہیں ہے، کہ اس تصریح نے مخاطب کی عمارتِ تدلیس وتلبیس کو خاک میں ملا دیا ۴۔ ابن حزم کی نظر میں حدیث اقتداء اتنی غیر معتبر ہے کہ اس سے احتجاج کرنے پر خدا سے پناہ مانگی ہے۔

ان باتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مخاطب اور دیگر علمائے اہلسنت نے حدیث اقتداء سے تمسک کر کے ایسے فعل کو انجام دیا ہے جس سے ابن حزم خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔

ابن حزم کی اس بات کو کہ حدیث اقتداء صحیح نہیں ہے، مناوی نے ''فیض القدیر شرح جامع الصغیر'' ج ۲ ص ۵۶ پر نقل کیا ہے۔

احوال وآثار

۱۔ الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۸۸

ابن حزم جنہوں نے حدیث اقتداء کو غیر صحیح کہا ہے اور اس سے استدلال کرنے پر خدا سے پناہ مانگی ہے، اہلسنت کے بہت بڑے حافظ و ناقد حدیث ہیں، ان کے بارے میں جو کچھ لکھا جائے کم ہے، اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف چند علماء کی آراء پر اکتفا کر رہے ہیں۔

سمعانی لکھتے ہیں:

''ابو محمد علی بن احمد بن سعید اندلسی معروف بہ ابن حزم حافظ حدیث تھے انہیں یزیدی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے جد اعلی یزید بن ابوسفیان کے موالی میں سے تھے، ابن حزم اندلس اور بلاد مغرب میں اپنے ہم عصروں میں سب سے افضل تھے، ان کی کتابیں بہت مفید ہیں، وہ حدیث کے حافظ اور ظاہری مذہب کی طرف تمایل رکھتے تھے، انہوں نے اندلسیوں کی ایک بڑی جماعت سے استماع حدیث کیا تھا، عراق اور خراسان میں ان کی حدیثیں اور تصنیفیں حافظ ابو عبداللہ محمد بن ابی نصر کے توسط سے پہونچی تھیں'' (۱)

ذہبی لکھتے ہیں:

''وہ ذکاوت و ذہانت میں اپنی آپ مثال تھے۔ قرآن وحدیث، مذاہب و ملل ونحل، عربی ادب اور صنعت شعر کی وسیع معلومات رکھتے تھے، صداقت و امانتداری ودینداری کا دامن ہاتھ میں تھا................'' (۲)

۱۔ الانساب مادہ ''الیزیدی'' ۲۔ العبر ج۳ ص۲۳۹

نیز ذہبی نے ''دول الاسلام'' (وقائع ۴۵۰ھ) ج۱ص ۲۰۷ پر ان کا ذکر کیا ہے۔

سیوطی تحریر کرتے ہیں:

''ابن حزم امام، علامہ، حافظ اور فقیہ تھے، پہلے وہ شافعی تھے پھر ظاہری ہو گئے، وہ متقی وزاہد تھے اور مختلف علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے، سارے اندلسیوں میں ان کی ذات علوم اسلامی کی جامع تھی، عقائد میں ''المجلی'' اور اس کی شرح ''المحلی'' لکھی، اس کتاب میں اپنے اجتہادی نظریات پیش کئے ہیں۔ ان کے علاوہ ''الملل والنحل'' ''الایصال فی فقہ الحدیث'' وغیرہ ان کی تالیفات ہیں، جمادی الاولی ۴۵۷ھ میں انتقال ہوا'' (۱)

مرزا محمد بدخشانی نے ''تراجم الحفاظ'' اور صدیق حسن خان نے ''اتحاف النبلاء'' میں تفصیل سے ان کے حالات تحریر کئے ہیں۔

۸۔ علامہ برہان الدین عبیداللہ بن محمد عبری فرغانی نے جو اہلسنت کے ائمہ حدیث میں سے ہیں، واضح لفظوں میں اس حدیث اقتداء کو جعلی اور گڑھی ہوئی بتایا ہے، چنانچہ وہ ''شرح منہاج بیضاوی'' میں لکھتے ہیں:

''کہا گیا ہے کہ اجماع شیخین حجت ہے کیونکہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے'' میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتدا کرو'' پس رسولؐ خدا نے ان کی پیروی کا حکم دیا ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے، لہذا آپ کے حکم کی خلاف ورزی حرام ہو

۱۔ طبقات الحفاظ ص ۳۶

گی، اوران دونوں کے اجماع کی حجیت سے مراد یہی ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اقتداء جعلی ہے جیسا کہ میں نے ''شرح المطالع'' میں اس بات کو ثابت کیا۔ ہے، اور اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیں تو یہ حضور کی اس حدیث کی معارض ہوگی،'' اصحابی کالنجوم بایهم اقتد یتم اهتد یتم '' جو سارے اصحاب کی پیروی پر دلالت کر رہی ہے، جب کہ اجماعاً سب کی پیروی واجب نہیں ہے۔''

احوال و آثار

اسنوی لکھتے ہیں:

''شریف برہان الدین عبید اللہ ہاشمی حسینی معروف بہ ''عبری'' علم کلام اور معقولات کی مشہور شخصیت ہیں، وہ سلطانیہ میں تھے پھر تبریز چلے گئے اور وہیں ۱۳ رجب ۷۴۳ھ کو ان کا انتقال ہوا تھا'' (۱)

ابن حجر عسقلانی نے ''الدرر الکامنۃ'' ج ۲ ص ۴۳۳ پر، یافعی نے ''مرأۃ الجنان'' ج ۴ ص ۳۰۶ پر اور شوکانی نے ''البدر الطالع'' ج اص ۴۱۱ پر عبری کی بڑی تعریف و تمجید کرنے کے بعد ان کی توثیق کی ہے۔

۹۔ علامہ ذہبی نے جو اہلسنت کے مشہور ناقد حدیث اور رجالی ہیں اور جن کو مخاطب نے حدیث طیر کے جواب میں ''امام الحدیث'' کے لقب سے یاد کیا ہے، ابن عمر سے منقول

۱۔ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۳۶

حدیث اقتداء کو غلط بتایا ہے اور کئی جگہوں پر اس پر جرح و بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''احمد بن صلیح نے ذی النون مصری سے انہوں نے مالک سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے حدیث'' اقتدوا باالذین من بعدی'' کی روایت کی ہے، مگر یہ حدیث غلط ہے کیونکہ احمد بھروسے کا آدمی نہیں ہے''(۱)

نیز ذہبی لکھتے ہیں:

''اس حدیث کی احمد بن محمد بن غالب باہلی غلام خلیل نے اسماعیل بن اویس اور شیبان اور قرہ حبیب سے روایت کی ہے اور اس سے ابن کامل اور ابن سماک اور ایک جماعت نے روایت کی ہے، وہ بغداد کے بزرگ زاہدوں میں سے تھا، ابن عدی کا بیان ہے کہ ابوعبداللہ نہاوندی کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں (نہاوندی) نے خلیل کے غلام سے پوچھا یہ میٹھی میٹھی باتیں کہاں سے کہہ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا انہیں میں نے اپنی طرف سے گڑھا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں کو نرم کروں۔

ابوداؤد کا کہنا ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ بغداد کا دجال نہ ہو، دارقطنی نے اس کو متروک کہا ہے، اس کی غلط حدیثوں میں سے ایک یہ ہے جس کے بارے میں اس نے کہا ہے کہ ہم سے محمد بن عبداللہ عمری نے بیان کیا ہے انہوں

۱۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۵

نے مالک سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتداء کرو، مگر اس نے اس حدیث کی مالک کی طرف غلط نسبت دی ہے اور ابو بکر نقاش نے اس حدیث کو ''واہی'' کہا ہے۔

ابو جعفر بن شعیری کا کہنا ہے کہ جب غلام خلیل نے ابو عوانی کی روایت کو بکر بن عیسی کے توسط سے نقل کیا تو اس سے میں نے کہا: اے ابو عبداللہ یہ کون شخص ہے! یہ تو وہ ہے جس سے احمد بن حنبل نے روایت کی ہے اور تم سے پہلے کا ہے! یہ سن کر وہ سوچنے لگا، میں نے کہا کوئی اور نام ہے؟ وہ چپ رہا اور دوسرے دن مجھ سے کہا اس کو عیسی بن بکر کہتے ہیں، جب میں نے مطالعہ کیا تو دیکھا کہ اس نام کے ساٹھ آدمی ہیں'' (۱)

نیز ذہبی تحریر کرتے ہیں:

''محمد بن عبداللہ بن عمر بن قاسم بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عاصم بن عمر بن خطاب عدوی عمری کے بارے میں عقیلی نے کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہے اور وہ بعنوان ناقل حدیث نہیں پہچانا جاتا ہے، چنانچہ احمد بن خلیل نے ابراہیم بن محمد حلبی سے انہوں نے محمد بن عبداللہ بن عمر بن قاسم سے انہوں نے مالک سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے مرفوعاً ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ (

۱۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۴۱

رسولؐ خدا نے فرمایا) ''اقتدوا باالذین من بعدی'' یعنی تم اقتدا کرو میرے بعد آنے والے ان دونوں کی۔ لیکن یہ حدیث جعلی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی ربط نہیں ہے، بلکہ یہ تو حدیث حذیفہ یمانی سے مشہور ہے، اور دار قطنی کا کہنا ہے کہ بصری، مالک سے منسوب کر کے غلط سلط باتیں بیان کرتا ہے، ابن مندہ کا کہنا ہے اس کی حدیثیں منکر ہیں'' (۱)

آپ نے دیکھا کہ ذہبی نے واضح لفظوں میں اس حدیث کو جعلی کہا ہے، ذہبی نے ''تلخیص المستدرک'' میں بھی حدیث اقتدا کو ضعیف بتایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''یحیی بن سلمہ بن کہیل نے اپنے باپ سے انہوں نے ابوالزعراء سے اور انہوں نے ابن مسعود سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ (رسولؐ خدا نے فرمایا) میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرو، اور عمار سے روش ہدایت سیکھو، اور ابن مسعود کی وصیت کو مضبوطی سے پکڑو، لیکن میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ اس حدیث کی سند بہت ہی ضعیف ہے'' (۲)

مناوی نے ''فیض القدیر'' ج ۲ ص ۵۷ پر حدیث اقتداء بہ روایتِ ابن مسعود کی شرح میں تحریر کیا ہے کہ:

''اس حدیث کو حاکم نے ابن مسعود سے ان ہی الفاظ میں نقل کیا ہے مگر ذہبی نے اس کی سند کو بہت ضعیف بتایا ہے''

۱۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۱۰ ۲۔ تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۷۵

۱۰۔ابن حجر عسقلانی نے ذہبی کے تضعیف حدیثِ اقتداء کی نہ یہ کہ تائید کی ہے بلکہ ''لسان المیزان'' میں اس کے ضعیف ہونے کو تفصیل سے بیان کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''احمد بن صلیح نے ذی النون مصری سے انہوں نے مالک سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث'' اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر '' کی روایت کی، لیکن یہ حدیث غلط ہے، اور احمد بھروسے کا آدمی نہیں ہے''(۱)

نیز ابن حجر عسقلانی اپنی اسی کتاب میں احمد بن محمد بن غالب باہلی غلامِ خلیل کے بارے میں ذہبی کی مذکورہ عبارت کو تفصیل سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''حاکم کا بیان ہے کہ شیخ ابو بکر بن اسحاق کو کہتے ہوئے سنا کہ احمد بن محمد بن غالب ان لوگوں میں ہے جن کے جھوٹے ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، ابو احمد حاکم کا کہنا ہے کہ اس کی حدیثیں بے شمار ہیں اور اس کا ضعیف ہونا واضح ہے، ابوداؤد کا بیان ہے کہ اس نے اپنی چار سو حدیثیں مجھے دیکھائیں، وہ سب کی سب متن وسند کے لحاظ سے جھوٹی تھیں، اور قاضی احمد بن کامل نے ہم سے بتایا کہ وہ جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کو موثق افراد سے منسوب کرکے بیان کرتا تھا، باوجودیکہ وہ بہت بڑا زاہد ومتقی تھا مگر خدا سے پناہ مانگتا ہوں ایسے زہد وتقویٰ سے جو اس صفت سے متصف انسان کو ایسی جگہ لا کھڑا کرے

۱۔لسان المیزان ج۱ص۱۸۸

............"(۱)

ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" ج ۵ ص ۲۳۷ پر اس حدیث کی تضعیف کرنے والے اور بہت سارے ناقدین کے اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۱۔ شیخ الاسلام احمد بن یحیی بن محمد ہروی شافعی نے "الدر النضید" ص ۹۷ پر حدیث اقتدا کو واضح لفظوں میں جعلی حدیث بتایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"احمد جرجانی کی جعلی حدیثوں میں سے یہ حدیثیں ہیں:" من قال القرآن مخلوق فهو كافر " " الايمان يزيد و ينقص " " ليس كالمعاينة " " الباذنجان شفاء من كل داء " " رد دائق من حرام افضل عند الله من سبعين حجة مبرورة " " اقتدوا بالّذين من بعدی ابی بکر و عمر " " ان الله يتجلى للخلائق يوم القيامة عامة و يتجلى لابی بکر خاصه " یہ ساری حدیثیں جعلی اور باطل ہیں"

خلاصہ یہ کہ حدیث " اقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکر و عمر " غلط ہے اور اتنے ناقدین حدیث اہلسنت کا اس حدیث کے جعلی ہونے کی تصریح کرنا، مخاطب (مؤلف تحفہ) کے اس دعویٰ کے غلط اور جھوٹے ہونے کے لئے کافی ہے کہ یہ حدیث متواتر و مشہور ہے۔

۱۔ لسان المیزان ج ۱ ص ۲۷۲

شاہ صاحب کی اختراع اور اس کا جواب

شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے حدیث اقتداء کو صرف متن کتاب (تحفہ) میں نقل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو تھوڑے اور اضافے کے ساتھ تحفہ کے حاشیہ پر بھی نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکر و عمر فانهما حبل الله الممدود، من تمسك بهما فقد تمسك با لعروة الوثقی لا انفصام لها ۔اس حدیث کو طبرانی نے ابی درداء سے نقل کیا ہے، یہ حدیث اور طرق سے بھی وارد ہوئی ہے'' (یعنی رسولؐ خدا نے فرمایا میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتداء کرو کیونکہ یہ خدا کی دراز رسی ہیں جس نے ان کو مضبوطی سے پکڑا اس نے مضبوط رسی کو پکڑا جو ٹوٹنے والی نہیں ہے)

میں (میر حامد حسین) کہتا ہوں کہ جو شخص بھی عبقات الانوار حدیث طیر یا اس حدیث کے سلسلے میں میری گزشتہ بحث پر نظر کرے گا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حدیث اقتداء جتنے بھی طرق واسناد سے نقل ہوئی ہے وہ سب کی سب ضعیف ہے، اور شاہ صاحب نے ابی درداء کے توسط سے جو حدیث نقل کی ہے درج ذیل وجوہات کی بناء پر وہ بھی ضعیف ہے۔

۱۔ معلوم نہیں کہ طبرانی نے کس سند سے اس حدیث کی روایت کی ہے، کیونکہ جس

حدیث کی سند کے بارے میں معلوم نہ ہو تو شاہ صاحب کے بقول اہلسنت کی نظر میں وہ حدیث شتر بے مہار جیسی ہے، چنانچہ وہ اسی تحفہ اثنا عشری میں مطاعن ابوبکر کے طعن دوم متعلق بہ لعن پیغمبر بہ متخلفین لشکر اسامہ کے جواب میں لکھتے ہیں:

''بعض فارسی مؤرخین جو اپنے کو محدث اہلسنت سمجھتے ہیں انہوں نے اس جملے (لعن الله من تخلف عن جیش اسامه) کو اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، جب کہ یہ اہلسنت کی نظر میں معتبر نہیں ہے کیونکہ اہلسنت کے نزدیک وہ حدیث معتبر ہے جو محدثین کی مستند کتاب میں پائی جائے اور اس کو انہوں نے معتبر بھی قرار دیا ہو اس لئے کہ بغیر سند کی حدیث ان کی نظر میں شتر بے مہار کی مانند ہے، جس طرف اصلاً توجہ نہیں دی جاتی..............''

لہذا جب تک اس حدیث کی سند معلوم نہ ہو یہ بھی شتر بے مہار جیسی ہوگی اور اس پر بھی توجہ نہیں دینی چاہیئے۔

۲۔ اگر اس حدیث کی سند کا پتہ لگ بھی جائے تب بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ شاہ صاحب نے خود ہی کہا ہے کہ حدیث معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ محدثین کی مستند کتاب میں ہو اور مؤلف نے اس کی صحت کا اعتراف بھی کیا ہو، جب کہ اس حدیث کو کسی نے صحیح نہیں کہا ہے۔

۳۔ شاہ صاحب نے تحفہ کے باب امامت میں حدیث تشبیہ کے جواب میں لکھا ہے:

''علمائے اہلسنت کا قاعدۂ کلیہ ہے کہ جس حدیث کو کسی محدث نے اپنی

کتاب میں نقل کیا ہواور انہوں نے بخاری، مسلم یا دیگر ارباب صحاح کی طرح نہ کہا ہو کہ اس کتاب میں موجود ساری حدیثیں صحیح ہیں، یا صرف اس حدیث کو خود مؤلف یا مؤثق محدث نے صحیح نہ کہا ہو تو اس حدیث سے احتجاج واستدلال نہیں کیا جاسکتا..........''

جب ایسا ہے تو حدیث اقتداء بہ روایت ابی درداء گرچہ معجم کبیر میں موجود ہے جیسا کہ ملا متقی ھندی نے ''کنز العمال'' ج ۱۲ص ۱۷۱پر طبرانی سے نقل کیا ہے، مگر طبرانی نے بخاری، مسلم یا دیگر ارباب صحاح کی طرح اس بات کی تصریح نہیں کی ہے کہ جتنی بھی حدیثیں اس معجم کبیر میں موجود ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں، نہ ہی کسی ثقہ محدث نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے، حتی غیر ثقہ نے بھی اس حدیث کو صحیح نہیں کہا ہے، لہذا مخاطب (دہلوی) کے بیان شدہ قاعدے کی رو سے اس حدیث (مذکورہ حدیث اقتداء) سے بھی احتجاج واستدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۴۔شاہ صاحب نے ''رسالہ اصول حدیث'' میں تیسرے طبقے کی حدیث کے سلسلے میں اپنے والد کی تأسی کرتے ہوئے طبرانؒی کی تالیفات کو ان کتابوں میں شمار کیا ہے جن کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں موجود ساری حدیثوں کے صحیح ہونے کا اعتراف نہیں کیا ہے نہ ہی وہ کتابیں شہرت ومقبولیت کے لحاظ سے پہلے دوسرے مرتبے تک پہونچی ہیں اوران میں صحیح، حسن، ضعیف بلکہ جعلی حدیثیں موجود ہیں اوران حدیثوں کے بعض راوی عادل تو بعض مجہول ہیں اوران میں کی اکثر حدیثوں پر فقہاء نے عمل نہیں کیا ہے بلکہ ان پر عمل نہ

کرنے پر اجماع ہے۔

جب شاہ صاحب کی نظر میں طبرانی کی کتابیں ایسی ہیں تو پھران کی کتابوں میں کسی حدیث کے ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ شاہ صاحب نے کس طرح ابودرداء کی روایت سے استدلال کر دیا؟ (۱) اور مرعوب کرنے کے لئے کہہ دیا کہ یہ حدیث اور طریق سے بھی نقل ہوئی ہے جب کہ سارے طرق کو میں نے غلط ثابت کر دیا ہے. شاہ صاحب نے اس جعلی حدیث کو صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ واضع (حدیث گڑھنے والے) نے اس حدیث میں ابوبکر اور عمر کو ''حبل اللہ الممدود'' کہا ہے، تا کہ اس حدیث کو حدیث ثقلین کا معارض بتائیں (کیونکہ حدیث ثقلین میں بھی پیغمبرؐ اسلام نے اہلبیت کو '' حبل اللہ الممدود '' کہا ہے) مگر وہ بھول گئے کہ منصف ناقد حدیث کی اس حدیث پر اگر نظر پڑ گئی تو وہ اس کی کھال کھینچ لیں گے۔

شاہ صاحب نے حدیث اقتداء کی تائید میں بعض متکلمین اہلسنت کی بھی عبارتیں نقل کی ہیں، وہ حدیث اقتداء کے حاشیہ پر ''شرح مواقف'' سے نقل کرتے ہیں:

''شیعہ کہتے ہیں کہ یہ (حدیث) خبر واحد ہے، اور جس کے بارے میں یقین پیدا کرنا ضروری ہے اس کے سلسلے میں خبر واحد سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت حدیث طیر اور حدیث منزلت سے مرتبے کے لحاظ

۱۔ علامہ میلانی مدظلہ کے بقول ھیثمی نے اپنی کتاب ''مجمع الزوائد'' ج ۹ ص ۵۳ پر شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) کی پیش کردہ حدیث کو من وعن نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث کے راویوں کو میں نہیں پہچانتا، جو اس کے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔ مترجم

سے کم نہیں ہے، جو حدیث ان (شیعوں) کے عقیدے کے مطابق ہوتی ہے، اس کے بارے میں تواتر کا دعوی کر بیٹھتے ہیں۔ مگر جو ان کے مطلب کی نہیں ہوتی اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے، لہذا حدیث اقتداء کے سلسلے میں ان کی بات ماننے کے لائق نہیں ہے"

میں (میر حامد حسین) کہتا ہوں کہ شاہ صاحب نے چونکہ "شرح مواقف" کی عبارت میں کتر بیونت کی ہے لہذا پہلے اس کی پوری عبارت نقل کررہا ہوں، پھر اس کا جواب دوں گا ملاحظہ کیجئے۔

"ششم: پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرو، اس حدیث سے کم سے کم جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی اقتدا کرنا جائز ہے، شیعہ کہتے ہیں کہ یہ (حدیث اقتداء) خبر واحد ہے اور جس چیز کو جزم ویقین کے ساتھ انجام دینا چاہئے اس کو خبر واحد سے نہیں لینا چاہئے، مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث (اقتداء) حدیث طیر سے (سند کے لحاظ سے) کم نہیں ہے جس سے شیعہ (حضرت علیؑ کی) افضلیت کو ثابت کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، اور نہ ہی حدیث منزلت سے کم ہے جس پر بحث کر چکے ہیں، ان (شیعوں) کا حال تو یہ ہے کہ جو حدیث ان کے مطلب کی ہوتی ہے اس کو متواتر کہہ دیتے ہیں اور جو ان کے خلاف ہوتی ہے اس کو خبر واحد، لہذا حدیث اقتداء کے سلسلے میں ان کی باتیں ماننے کے لائق نہیں ہیں"

میں (میر حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ یہ بات چند وجوہات کی بناء پر غلط ہے۔

ا۔ مؤلف ''شرح مواقف'' کا یہ کہنا کہ شیعہ حدیث اقتداء کو خبر واحد کہتے ہیں غلط ہے ، کیونکہ جو شخص بھی بزرگ علمائے شیعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا جیسے سید مرتضی کی ''الشافی'' اور علامہ حلی کی ''منہاج الکرامہ'' اس کو معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے اس حدیث کو جعلی حدیث کہا ہے، بلکہ اس بات کا اعتراف خود اہلسنت کے جید علماء نے کیا ہے، اور جن علمائے شیعہ نے اس کو خبر واحد کہا ہے وہ صرف حضرات اہلسنت کے سمجھانے کے لئے کہا ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ (حدیث اقتداء) ایسی حدیث ہے جس کی حیثیت خود تمھاری نظر میں خبر واحد سے زیادہ نہیں ہے، جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا۔

۲۔ ان کا یہ دعویٰ کہ حدیث اقتداء اعتبار کے لحاظ سے حدیث طیر سے کم نہیں ہے، اس کے غلط ہونے کے لئے عبقات الانوار حدیث طیر کافی ہے، کیونکہ ان جلد میں میں نے اس کے تواتر کو ثابت کیا ہے جو مؤلف ''مواقف'' اور اس کے شارح دونوں کے رخسار پر ایک طمانچہ ہے۔

۳۔ ان کا یہ کہنا کہ حدیث اقتداء اعتبار کے لحاظ سے حدیث منزلت سے کم نہیں ہے، اس دعوے کے غلط ہونے کے لئے عبقات الانوار حدیث منزلت کافی ہے، کیونکہ اس جلد میں اہلسنت کے اکابر محدثین اور ان کے بزرگ ناقدین حدیث کے اقوال کی روشنی میں حدیث منزلت کے کثیر الطرق، تواتر اور قطعی الصدور ہونے کو میں نے ثابت کیا ہے کہ متعصب اہلسنت اگر ہزاروں سال حسد کی آگ میں جلتے رہیں تو وہ سوائے اس حدیث

کے متواتر ہونے کے کسی اور چیز کا اعتراف نہیں کر سکتے کہ جو صاحب ''مواقف'' اور اس کے شارح کے جھوٹے ہونے کے لئے کافی ہے۔

۴۔ ان کا یہ دعویٰ کہ جو حدیث شیعوں کے موافق ہوتی ہے اس کو وہ متواتر اور جو ان کے مخالف ہوتی ہے اس کو زبردستی خبر واحد کہہ دیتے ہیں، یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ علمائے شیعہ جس حدیث کے بارے میں تواتر کا دعویٰ کرتے ہیں جیسے حدیث غدیر اور حدیث منزلت وغیرہ اس کو خود علمائے اہلسنت کی کتابوں اور ان کے اقوال کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں، جس پر ہمارے علماء کی کتابیں عموماً اور میری کتابیں خصوصاً شاہد ہیں، خود حضرات اہلسنت کی عادت ہے کہ جو حدیثیں ان کے مطلب کی ہوتی ہیں انہیں خبر متواتر (جیسے حدیث ثقلین کی معارض پیش کی جانے والی حدیثیں) اور جو ان کے مفاد کی نہیں ہوتی ہیں انہیں خبر واحد کہہ دیتے ہیں، چنانچہ جو شخص میری کتاب عبقات الانوار کا مطالعہ کرے گا خاص طور سے یہ جلد جو حدیث ثقلین سے متعلق ہے اس پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ جو حدیث ان کے مطلب کی مل گئی اور وہ اعتبار کے لحاظ سے کسی خانے کی نہیں اس کے بارے میں تواتر کا دعویٰ کر دیا، کیا یہ خود ان کی زبردستی نہیں ہے؟

۵۔ ان کا یہ کہنا کہ حدیث اقتداء خبر واحد نہیں ہے، ان کی کٹ حجتی ہے، کیونکہ میں نے اس حدیث کے جعلی ہونے کو ثابت کیا ہے (اس کا خبر واحد ہونا تو دور کی بات ہے) اور جس نے اس حدیث کو خبر واحد کہا ہے وہ بر بناء تنزل اور حضرات اہلسنت کو سمجھانے کے لئے کہا ہے، اس لئے کہ اس حدیث (اقتداء) کے بارے میں علمائے اہلسنت کے درمیان دو

نظریئے پائے جاتے ہیں، ایک جماعت اس حدیث کو جعلی اور گڑھی ہوئی بتاتی ہے اور دوسری جماعت اس حدیث کے جعلی ہونے کی تو معترف نہیں ہے مگر اس کے مرتبے کو خبر واحد سے زیادہ نہیں مانتی، اور جب میں نے اس حدیث کے جعلی ہونے کو ثابت کر دیا تو پھر دوسرے نظریئے کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں تھی، مگر صاحب ''مواقف'' اس کے شارح اور شاہ صاحب کے جھوٹ کو آشکار کرنے کے لئے ان علماء کی عبارتیں نقل کر رہا ہوں اور جو شیخین کی محبت میں اس حدیث کے جعلی ہونے کے معترف تو نہیں ہوئے مگر خبر واحد کے اعتراف سے آگے نہیں بڑھے، اور جب شیعوں نے اس حدیث کو خبر واحد کہا تو ان کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ''شیعوں کی یہ بات ماننے کے لائق نہیں ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے'' صاحب مواقف اور اس کے شارح یہ بات کہنے کو تو کہہ گئے، مگر یہ بھول گئے کہ ان ہی جیسوں پر یہ آیت صادق آتی ہے'' ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع و البصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا '' اس حدیث کے سلسلے میں شاہ صاحب کی علمی قلعی کھولنے کے لئے چند جید علمائے اہلسنت کی عبارتیں نقل کر رہا ہوں۔

ابوالحسن علی بن ابوعلی آمدی اپنی کتاب ''ابکار الافکار'' میں مطاعن عمر کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ان (عمر) کے بارے میں اتنی ساری حدیثیں ہیں جو ان کے متعلق ساری غلط سلط باتوں کو رد کرتی ہیں، گرچہ وہ سب کی سب جدا جدا خبر واحد ہیں،

مگر وہ سب مل کر متواتر جیسی ہو جاتی ہیں کہ ان ہی (خبر واحد) میں پیغمبر کی یہ حدیث ہے ''میری امت میں محدث ہیں کہ ان ہی میں عمر بھی ہیں'' یا ان ہی (خبر واحد) میں حضرت کی یہ حدیث ہے ''میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتداء کرو ....''

علامہ ابن ہمام سیواسی حنفی جو اہلسنت کے ''شیخ الاسلام'' ہیں اپنی کتاب ''التحریر'' میں اجماع کی بحث میں ''حدیث اقتداء'' اور حدیث '' علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین '' کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''جواب دیا گیا ہے کہ یہ دونوں حدثیں اقتداء کی اہلبیت کو ثابت کرتی ہیں اجتہاد سے منع نہیں کرتیں، مگر یہ کہ ان دونوں حدیثوں کو خبر واحد ہونے کی وجہ سے کوئی شخص رد کر دے اور ان پر عمل نہ کرے''(۱)

علامہ ابن امیر الحاج ''التحریر'' کی شرح ''التقریر والتحبیر'' میں اجماع کی بحث میں ''حدیث اقتداء'' اور حدیث '' علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین'' کو نقل کرنے بعد کہتے ہیں:

''جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں، شیخین کی اقتداء اور ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے پر دلالت تو کرتی ہیں مگر ان کے علاوہ اور مجتہدین کو اجتہاد کرنے سے منع نہیں کرتیں، لہذا ان مجتہدین کی رائے دوسروں کے لئے حجت ہے

۱۔التحریر باشرح ابن امیر الحاج ج۳ص۹۸

.........مگر یہ کہ کہا جائے کہ یہ دونوں حدیثیں (حدیث اقتداء اور حدیث علیکم بسنتی ....) خبر واحد ہیں، جس کی وجہ سے قطع وجزم کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ان کا اجماع حجت ہے"(۱)

ملا نظام الدین سہالوی "صبح صادق شرح منار" میں بحث اجماع میں "حدیث اقتداء" اور حدیث " علیکم بسنتی ...."کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں خبر واحد ہیں جن سے یقینی طور پر اجماع کی حجیت ثابت نہیں ہوتی"

نیز سہالوی اسی کتاب میں ان دونوں حدیثوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ممکن ہے اس کا یہ جواب دیا جائے کہ یہ دونوں حدیثیں (حدیث اقتداء اور علیکم بسنتی ....) اخبار احاد میں سے ہیں، اور جو دلیلیں اجماع کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں وہ قطعی ہیں (جب کہ بعنوان دلیل مذکورہ حدیثیں ظنی ہیں) لہذا ان دونوں دلیلوں میں تعارض نہیں ہے"

مولوی عبد العلی نے "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں بحث اجماع میں ان دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے۔

"یہ بھی جواب ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں اخبار احاد میں سے ہیں (یعنی دونوں ہی خبر واحد ہیں) لہذا ان سے قطع و یقین پیدا نہیں ہوسکتا، اس وجہ

۱۔ التقریر والتحبیر فی شرح التحریر ج۳ ص ۹۸

سے ان کا اتفاق، اجماع نہیں ہوگا.........''(۱)

تعجب کی بات یہ ہے کہ امام اہلسنت فخر الدین رازی نے بھی ''نہایۃ العقول'' میں ''حدیث اقتداء'' کے خبر واحد ہونے کا اعتراف کیا ہے، گرچہ انہوں نے اسی زمرے میں ان حدیثوں کو بھی شمار کیا ہے جو خلافت حضرت علیؑ پر دلالت کرتی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''پانچواں طریقہ، پیغمبرؐ اسلام سے منقول اخبار احاد سے تمسک کرنا ہے کہ ان احادیث پیغمبرؐ میں یہ حدیثیں ہیں۔۱۔ انه سيد المسلمين و امام المتقين و قائد الغر المحجبين ۲۔ هذا ولى كل مومن و مومنة ۳۔ قال عليه السلام لعلى : انت اخى و وصيى و خليفتى من بعدى و قاضى دينى ''ان استدلالات پر اعتراض یہ ہوا ہے کہ یہ حدیثیں ان حدیثوں کی معارض ہیں جن میں حضرتؐ نے فرمایا: قلم و دوات لاؤ تا کہ ابو بکر کے لئے ایسی بات لکھدوں کہ پھر کوئی بھی شخص اختلاف نہ کرنے پائے، پھر فرمایا: خدا اور مسلمان صرف ابو بکر کو چاہتے ہیں، نیز آپ کو نماز پڑھانے کے لئے امام بنایا اور اس منصب سے معزول نہیں کیا، لہذا نماز کی امامت ان ہی کے لئے ہے اور جس کے لئے بعد پیغمبرؐ نماز کی امامت ثابت ہو جائے اس کے لئے امامتِ مطلقہ ہے، لہذا واجب ہے کہ ان کی امامت کے ہم قائل ہو جائیں، اور انس سے مروی ہے کہ نبیؐ نے ابو بکر کو جنت کی بشارت اور اپنے بعد خلافت کا

۱۔ فواتح ج ۲ ص ۵۰۹

مژدہ سنایا، اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت خدمت پیغمبرؐ میں آئی اور آپ سے کچھ باتیں کیں، پھر حضرتؐ نے اس کو واپس جانے کے لئے کہا، اس عورت نے پوچھا یا رسول اللہ اگر میں پلٹی اور آپ کو نہیں پایا (یعنی انتقال ہوگیا) تو کس کے پاس جاؤں گی؟ حضرتؐ نے جواب دیا: اگر مجھے نہ پانا تو ابو بکر کے پاس چلی جانا۔ اور حضرتؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتدا کرنا، ان حدیثوں کی صحت اور دلالت پر فریقین نے طویل بحثیں کی ہیں، لیکن ان میں کی کوئی بھی حدیث مفید یقین نہیں ہے، کیونکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کی سب خبر واحد ہیں، گرچہ دونوں فرقوں (شیعہ وسنی) نے جس حدیث کو نقل کیا اس کے متواتر ہونے کا دعوی کیا اور جس کو ان کے مخالفین نے نقل کیا اس کو ضعیف کہا ہے"

آپ نے دیکھا کہ امام رازی نے حدیث اقتداء کو خبر واحد کہا ہے نہ کہ متواتر، لہذا صاحب "مواقف" اس کے شارح اور ان دونوں کی تاسی میں شاہ صاحب (مؤلفہ تحفہ) کا یہ کہنا کہ حدیث اقتداء متواتر ہے غلط ہے۔

بحمد اللہ چونکہ ہم نے حدیث ثقلین کے تواتر کو بڑے ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے، لہذا بالفرض محال اگر ہم اس جعلی حدیث (اقتداء) کو اہلسنت کے طرق سے صحیح مانیں تب بھی خود اہلسنت کے نزدیک یہ حدیث، حدیث ثقلین کی معارض نہیں بن سکتی۔

شاہ صاحب نے کہا ہے "اس کا مطلب یہ ہوا کہ سارے ہی افراد امام ہوں"

میں (میر حامد حسین) کہتا ہوں کہ یہ بات اس صورت میں درست ہوتی جب حدیث ثقلین کی معارض پیش کی جانے والی حدیثیں صحیح ہوتیں، جب کہ ابھی ثابت کیا گیا ہے کہ وہ سب کی سب سند اور دلالت کے لحاظ سے بے اعتبار ہیں، لہذا عائشہ، عمار، ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابوبکر اور عمر کی امامت کے بارے میں دعویٰ کرنا غلط ہے۔

آٹھویں معارض حدیث کا جواب

حدیث نجوم کی حقیقت

شاہ صاحب نے حدیث ثقلین کی معارض اتنی ساری جعلی حدیثیں پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ کے حاشیہ پر حدیث ثقلین کے مقابلے میں حدیث نجوم کو پیش کیا ہے، وہ حاشیہ تحفہ پر لکھتے ہیں:

" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أوتيتم من كتاب الله فالعمل به لا عذر لا حد فى تركه ، فان لم يكن فى كتاب الله فبسنة منى مافيه ، فان لم يكن منى سنة ما فيه فما قال اصحابى ، ان اصحابى بمنزلة النجوم فى السماء ،فيما اخذتم به أهتديتم ، و اختلاف اصحابى لكم رحمة اخرجه البيهقى بسنده فى " المدخل "

عن ابن عباس "(یعنی رسولؐ خدا نے فرمایا: تمھیں کتاب خدا (قرآن) دے دی گئی ہے لہذا اس پر عمل کرو، اور عمل نہ کرنے کی صورت میں تمھارا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا، اگر کوئی بات کتاب خدا میں نہ پاؤ تو میری انجام دی ہوئی سنت پر عمل کرو اور اگر اس چیز کو میری سنت میں نہ پاؤ تو جو اصحاب کہیں اس پر عمل کرو، کیونکہ میرے اصحاب آسمان میں ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی بات مانو گے ہدایت پا جاؤ گے، اور ہمارے اصحاب کا اختلاف تمھارے لئے رحمت ہے، اس حدیث کو بیہقی نے اپنی کتاب "المدخل" میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے)

میں (میر حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ شاہ صاحب کا اس حدیث سے احتجاج و استدلال کرنا درجہ ذیل وجوہات کی بناء پر غلط ہے (اس لئے کہ اس حدیث کو جید اور مستند علمائے اہلسنت نے ضعیف کہا ہے، ملاحظہ کیجئے)

۱۔ حنبلیوں کے امام، احمد بن حنبل نے اس حدیث کو غیر صحیح بلکہ جعلی اور گڑھی ہوئی بتایا ہے، چنانچہ علامہ ابن امیر الحاج حلبی اپنی کتاب میں اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"احمد نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے" (۱)

ملا نظام الدین سہالوی "صبح صادق شرح منار" میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ابن حزم نے اپنے رسالہ الکبریٰ میں کہا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی، گڑھی

۱۔ التقریر والتحبیر فی شرح التحریر ج۳ ص۹۹

ہوئی اور باطل ہے، اور یہی بات احمد اور بزار نے کہی ہے"

مولوی عبد العلی معروف بہ بحر العلوم اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ابن حزم نے اپنے رسالہ الکبری میں اس حدیث کو جھوٹی، جعلی اور غلط بتایا ہے، اور احمد اور بزار کا بھی یہی کہنا ہے" (۱)

احمد بن حنبل کا اس حدیث (نجوم) کو غیر صحیح قرار دینا، اس کے ضعیف ہونے کے لئے کافی ہے، کیونکہ تنقید حدیث اور تحقیق روایات میں اہلسنت کی نظر میں جو ان کا مرتبہ ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، ان کے مرتبۂ علمی کو اس کے پہلے کی جلدوں میں بیان کر چکا ہوں، ان کی عظمت کے لئے یہی بس کہ انہیں علمائے اہلسنت نے قائم مقام انبیاء اور اسلام کی ترویج میں ابوبکر سے بہتر کہا ہے (ملاحظہ کیجئے ذہبی کی سیر اعلام النبلاء)

۲۔ امام شافعی کے خاص شاگرد ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیی مزنی نے اس حدیث کو صحیح نہیں جانا ہے، اور صحیح ہونے کی صورت میں اس حدیث کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں جو حقیقت سے کوسوں دور ہے، چنانچہ علامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ نمری قرطبی (ابن عبد البر) لکھتے ہیں:

"مزنی رحمہ اللہ نے پیغمبر اسلام کی اس حدیث "اصحابی کالنجوم" کے بارے میں کہا ہے کہ اگر اس حدیث کو صحیح مانیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو بھی (اصحاب) نقل کریں اور اس پر شاہد پیش کریں تو اس کے بارے میں

۱۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۵۱۰

وہ ثقہ اور مورد اطمینان ہیں ، ورنہ ان کی اقتداء جائز نہیں ہے ، لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے کچھ کہیں اور وہ ان کو پسند بھی ہو اور (اصحاب میں سے) کوئی اس کو غلط نہ کہے اور نہ کوئی انکار کرے اور نہ ہی ایک دوسرے کی بات سے پلٹ جائے تو اس صورت میں ان کی بات پر غور کرنا چاہیئے''(۱)

احوال وآثار

ابن خلکان لکھتے ہیں:

''ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیی بن اسماعیل بن عمرو بن اسحاق مزنی ، امام شافعی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے ، وہ مصر کے رہنے والے اور زاہد ، عالم ، مجتہد ، مناظر اور دقیق النظر تھے ، وہ شافعیوں کے امام اور امام شافعی کے نظریات سے سب سے زیادہ آگاہی رکھتے تھے ، شافعی مسلک پر انہوں نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں کہ ان ہی میں ''الجامع الکبیر'' الجامع الصغیر'' ''مختصر المختصر'' ''المنثور'' ''المسائل المعتبرہ'' ''الترغیب فی العلم'' اور کتاب ''الوثائق'' وغیرہ ہیں ، شافعی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ میرے مذہب کا ناصر و مددگار ہے............''(۲)

ذہبی اپنی کتاب ''العبر'' میں وقائع سنہ ۲۶۴ھ میں لکھتے ہیں:

''اسی سال ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیی بن اسماعیل مزنی مصری نے جو فقیہ

۱۔جامع بیان العلم ج۲ص۹۰۔۸۹ ۲۔وفیات الاعیان ج۱ص۱۹۶

اور امام شافعی کے شاگرد تھے نوے سال کی عمر میں انتقال کیا، شافعی نے ان کو اپنے مذہب کا معین ومددگار بتایا ہے، وہ زاہد، عابد اور مردوں کو فی سبیل اللہ غسل دیتے تھے، انہوں نے ''الجامع الکبیر'' اور ''الجامع الصغیر'' لکھی ہیں، ان کو سبھی دل وجان سے مانتے تھے''(۱)

ان کی مزید تصدیق وتوثیق کے لئے ملاحظہ کیجئے سبکی کی ''طبقات الشافعیہ'' ج ۲ ص ۹۳، یافعی کی ''مرأة الجنان'' ج ۲ ص ۱۷۸۔۱۶۷، اسدی کی ''طبقات الشافعیہ'' سیوطی کی ''حسن المحاضرہ'' ج ۱ ص ۳۰۷

۳۔ ابوبکر احمد بن عمر بن عبدالخالق بصری معروف بہ بزّار نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، چنانچہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

''محمد بن ایوب رقی کا کہنا ہے کہ ہم سے ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بزّار نے کہا کہ تم نے اس حدیث کے بارے میں مجھ سے سوال کیا ہے کہ جس کو لوگ رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اصحابی کالنجوم فبایھا اقتدوا اھتدوا'' (یعنی میرے اصحاب مثل ستارے کے ہیں، جنکی بھی اقتداء کرلو ہدایت پاجاؤ) مگر رسولؐ خدا سے منسوب یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ نقل نہیں ہوئی ہے، اس حدیث کو عبدالرحیم بن زید عمی نے اپنے باپ سے انہوں نے سعید بن مسیّب سے انہوں نے ابن عمر سے اور انہوں نے

۱۔ العبر ج ۲ ص ۲۸

رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے، اور اسی حدیث کی عبدالرحیم نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے، لیکن عبدالرحیم بن زید کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے کہ محدثین نے اس سے نقل روایت میں چشم پوشی کی ہے، بلکہ خود عبارت ہی سے معلوم ہے کہ یہ قول پیغمبرؐ نہیں ہے، کیونکہ صحیح اسناد سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشد ین المهد یین بعدی ' فعضوا علیها با لنواجذ ''(یعنی تم پر میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، اس کو تھام لو اور مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑلو) یہ روایت، عبدالرحیم سے منقول حدیث (کہ اگر وہ صحیح ہو کہ صحیح نہیں ہے) کی معارض ہے، کیونکہ حضرتؐ نے اپنے بعد اپنے اصحاب کے درمیان اختلاف کو صحیح نہیں بتایا ہے، واللہ اعلم، یہ تھا بزار کا آخری بیان''(۱)

آپ نے دیکھا کہ بزار نے حدیث نجوم کی کئی لحاظ سے تضعیف کی ہے، میں نے عبقات الانوار حدیث مدینہ کی ج ۲ میں تفصیل سے بحث کی ہے، مراجعہ کیجئے۔

حدیث نجوم پر بزّار کے قدح و جرح کو درج ذیل مستند علمائے اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، ابن حزم نے ''ابطال رائے و قیاس'' میں، ابن تیمیہ نے ''منہاج السنۃ'' میں، ابوحیان نے اپنی دونوں تفسیروں ''تفسیر بحر محیط'' اور ''تفسیر نھر ماذّ'' میں، تاج الدین احمد

۱۔ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۹۰

قیسی معروف بہ ابن مکتوم نے ''الدر اللقیط'' میں، ابن قیم نے ''اعلام الموقعین'' میں، ابو الفضل عراقی نے ''تخریج احادیث منہاج'' میں، ابن حجر عسقلانی نے ''تلخیص الخبیر'' اور ''تخریج احادیث مختصر'' میں، ابن امیر الحاج حلبی نے ''التقریر والتحبیر'' میں، قاری نے ''شرح الشفاء'' میں، مناوی نے ''فیض القدیر شرح الجامع الصغیر'' میں، ملا نظام الدین سہالوی نے ''صبح صادق'' میں اور مولوی عبدالعلی نے ''فواتح الرحموت'' میں نقل کیا ہے۔

۴۔ ابو احمد عبداللہ بن محمد بن جرجانی معروف بہ ابن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں، جس میں ضعیف راویوں اور ضعیف حدیثوں کا ذکر کیا ہے قاضی جعفر بن عبدالواحد ہاشمی اور حمزہ بن ابی حمزہ جزری نصیبی کے شرح حال میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس پر جرح وقدح کیا ہے، جیسا کہ زین الدین عراقی کے حوالے سے عنقریب اس کو بیان کروں گا۔

احوال وآثار

ابن عدی کی تعریف وتمجید سے علمائے اہلسنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ان کے بارے میں سمعانی ''الانساب'' میں لکھتے ہیں:

''حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد جرجانی معروف بہ ابن قطان، جرجان کے رہنے والے تھے اور اپنے زمانے کے حافظ حدیث تھے، اسکندریہ اور سمرقند جاکر وہاں کے شیوخ حدیث سے کسب فیض کیا تھا، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، علی بن سعد رازی، قاسم بن عبداللہ اخیمی، قاسم بن زکریا طراز ان کے علاوہ اور بہت سارے محدثین سے حدیثیں سنیں جن کا ذکر

طول کا باعث ہوگا، اور ان سے حاکم ابوعبداللہ حافظ، ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی اور ابوبکر احمد بن حسن حیری وغیرہ نے روایت کی ہے، جرجان میں سب سے پہلے ان ہی نے حدیثیں جمع کیں اور اس سلسلے میں عراق وشام ومصر کا سفر کیا، ضعیف محدثین کے بارے میں ساٹھ جلدوں میں ''الکامل'' نامی کتاب لکھی، اور مالک بن انس، اوزاعی، سفیان ثوری، شعبہ اور اسماعیل بن ابی خالد کی حدیثیں جمع کیں اور مزنی کی کتاب پر ''الانتصار'' نامی کتاب لکھی، وہ حافظ اور متقن تھے، ان کے زمانے میں ان جیسا کوئی اور نہیں تھا، انہوں نے نادر حدیثیں جمع کیں اور انہیں اپنے بیٹوں، ابوزرعہ اور منصور کو بخشی تھیں، کہ وہ بھی اپنے باپ سے ان حدیثوں کے نقل کرنے میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، سیستان میں مقیم تھے، وہاں حدیث کا درس دیتے تھے، حمزہ بن یوسف سہمی کا بیان ہے کہ جب میں نے دارقطنی سے ضعیف محدثین کے بارے میں کتاب لکھنے کے لئے کہا تو انہوں نے پوچھا کیا تمھارے پاس ابن عدی کی کتاب نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں ہے، بولے بس وہی کافی ہے، اس میں اضافہ کی ضرورت نہیں ہے، وہ ذیقعدہ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے، اسی سال ابو حاتم رازی کا انتقال ہوا تھا، اور جمادی الثانی ۳۶۵ھ میں وفات پائی تھی'' (۱)

ابن عدی کی مزید تعریف وتمجید وتوثیق کے لئے ملاحظہ کیجئے ذہبی کی ''تذکرۃ الحفاظ''

۱۔ الانساب، جرجانی

ج ۳ ص ۹۰۴ اور ''العبر'' ج ۶ ص ۳۴۷، یافعی کی ''مراٰۃ الجنان'' ج ۲ ص ۳۸۱ اور جلال الدین سیوطی کی ''طبقات الحفاظ''

۵۔ جید عالم اہلسنت حافظ ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی نے اپنی کتاب ''غرائب مالک'' میں حدیث نجوم کو ضعیف کہا ہے، چنانچہ ابن حجر عسقلانی ''لسان المیز ان'' میں لکھتے ہیں

''جمیل بن یزید نے مالک سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے جابر سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو بھی کتاب خدا میں ہو اس پر عمل کرو، اس کے علاوہ کسی اور پر عمل نہ کرو.........(حدیث طولانی ہے)اور اسی روایت میں ہے ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم '' اس حدیث کو دار قطنی نے ''غرائب مالک'' میں نقل کیا ہے، اور خطیب نے مالک کے راویوں سے حسن بن مہدی کے طریق سے انہوں نے عبدہ مروزی سے انہوں نے محمد بن احمد سکونی سے انہوں نے بکر بن عیسیٰ مروزی سے انہوں نے ابو یحییٰ سے اور انہوں نے جمیل سے نقل کیا ہے، لیکن دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مالک کے طریق سے ثابت نہیں ہے، اور اس کے راوی مجہول و ناشناختہ ہیں''(۱)

غرائب مالک میں دار قطنی کا حدیث نجوم کی تضعیف کو ابن حجر عسقلانی نے ''تخریج احادیث کشاف'' میں بیان کیا ہے جس کو آئندہ (شمارہ ۱۷ میں) پیش کیا جائے گا۔

۱۔ لسان المیز ان ج ۲ ص ۱۳۷

۶۔ابو محمد علی بن محمد بن احمد بن حزم اندلسی ظاہری نے اپنی کتاب ''ابطال رائے وقیاس و استحسان وتعلیل وتقلید'' میں واضح لفظوں میں حدیث نجوم کو جھوٹی، باطل اور غیر صحیح حدیث کہا ہے، چنانچہ ابوحیان اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں لکھتے ہیں:

''حافظ ابو محمد علی بن احمد بن حزم نے اپنے رسالہ ''ابطال الرای والقیاس والاستحسان والتعلیل والتقلید'' میں اس حدیث (نجوم) کو جھوٹی اور جعلی بتایا ہے، اور کہا ہے کہ ہرگز یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' (۱)

ابن حزم کی اس عبارت کو ابوحیان غرناطی نے تفسیر ''النہر المادہ من البحر'' میں، تاج الدین ابو محمد احمد بن عبد القادر بن احمد بن مکتوم قیسی حنفی نے ''الدر اللقیط'' میں، حافظ زین الدین عراقی نے ''تخریج احادیث منہاج'' میں، ابن حجر عسقلانی نے ''تلخیص الخبیر'' میں، ابن امیر الحاج حلبی نے ''التقریر والتحبیر'' میں، ملا علی قاری نے ''مرقاۃ'' میں، شہاب الدین خفاجی نے ''نسیم الریاض'' میں، ملا نظام الدین سہالوی نے ''صبح صادق'' میں اور مولوی عبد العلی لکھنوی نے ''فواتح الرحموت'' میں نقل کیا ہے جو آئندہ بیان ہوگی۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابن حزم نے اپنے اسی رسالہ ''ابطال رائے وقیاس'' میں حافظ بزار کے حدیث نجوم کی تضعیف کو بھی نقل کیا ہے، نیز ابن حزم نے اپنی کتاب ''الاحکام'' میں بھی حدیث نجوم کو ضعیف ثابت کیا ہے، کہ ان دونوں کا اس حدیث پر قدح کرنا اس کے ضعیف ہونے کے لئے کافی ہے۔

۱۔البحر المحیط ج ۵ ص ۵۲۸

۷۔ حافظ ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی نے جن کے مخاطب (صاحب تحفہ) نے ''بستان المحدثین'' میں فضائل و مناقب بیان کئے ہیں، اپنی کتاب ''المدخل'' میں حدیث نجوم کو نقل کرنے کے بعد اس کے ضعیف ہونے کو تفصیل سے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ زین الدین عراقی ''تخریج احادیث منہاج'' میں حدیث نجوم کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''بیہقی نے المدخل میں اس حدیث (نجوم) کی عمر کے توسط سے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اسی کی مانند حدیث ابن عباس سے نقل کی ہے اور اسی کو مرسل نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث متن کے لحاظ سے مشہور تو ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے بلکہ جس طریق سے بھی منقول ہوئی ہے ان میں کی کوئی بھی سند صحیح نہیں ہے''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بیہقی نے اپنی کتاب ''المدخل'' میں حدیث نجوم کی عمر، ابن عباس اور ایک مرسل طریق سے روایت کرنے کے بعد اس کے متن کو مشہور مگر سند کو ضعیف کہا ہے، جو اس کے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔

مگر شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے اپنی خیانت کا اظہار اس طرح کیا کہ حدیث نجوم کو بیہقی کی کتاب ''المدخل'' سے ابن عباس کے طریق سے نقل تو کیا مگر بیہقی کے اس اعتراف کو حذف کر دیا جو حدیث نجوم کے ضعف سے متعلق تھا، ان کا استدلال ان ملحدین جیسا ہے جو ''لا تقربوا الصلواۃ'' کو تو پیش کرتے ہیں اور ''وانتم سکاریٰ'' کو ہضم کر جاتے ہیں۔

بیہقی نے اپنی کتاب ''الاعتقاد'' میں بھی حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، جیسا کہ عنقریب (شمارہ ۱۸ میں) ابن حجر عسقلانی کی کتاب ''تلخیص الخبیر'' سے معلوم ہوگا کہ بیہقی نے اپنی اس کتاب میں عبدالرحیم سے مروی حدیث نجوم کو غیر قوی اور ضحاک بن مزاحم سے منقول حدیث کو حدیث منقطع سے تعبیر کیا ہے، اور بیہقی کے اس قدح و جرح کو علامہ ابن امیر الحاج حلبی نے اپنی کتاب ''التقریر والتحبیر'' میں کتاب ''الاعتقاد'' سے نقل کیا ہے جیسا کہ آئندہ اس کو بیان کیا جائے گا۔

۸۔ حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ معروف بہ ابن عبدالبر نمری قرطبی نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں دلائل کے ساتھ حدیث نجوم کو ضعیف ثابت کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''مزنی رحمہ اللہ نے رسولؐ خدا کی اس حدیث'' اصحابی کالنجوم '' کے بارے میں کہا ہے کہ اس حدیث کو اگر صحیح مانیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اصحاب جو بھی نقل کریں اور اس پر شاہد پیش کریں تو اس سلسلے میں وہ ثقہ اور مورد اعتماد ہیں ورنہ ان کی پیروی جائز نہیں ہے، لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے کچھ کہیں اور وہ ان کو پسند بھی ہو اور کوئی صحابی اس کو غلط نہ کہے اور نہ انکار کرے اور نہ ہی ایک دوسرے کی بات سے پلٹ جائے، تو اس صورت میں ان کی بات پر غور کرنا چاہئے، اور محمد بن ایوب رقی کا کہنا ہے کہ ہم سے ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بزار نے کہا کہ تم نے اس حدیث کے بارے میں مجھ سے سوال کیا ہے جس کو لوگ رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اصحابی مثل

النجوم یا اصحابی کالنجوم فبایها اقتد وا اهتد وا ' ' مگر رسولؐ خدا سے منسوب یہ حدیث صحیح طریق سے نقل نہیں ہوئی ہے، اس حدیث کو عبد الرحیم بن زید عمی نے اپنے باپ سے انہوں نے سعید بن مسیّب سے انہوں نے ابن عمر سے اور انہوں نے رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے، اور اسی حدیث کو عبد الرحیم بن زید نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے، مگر یہ حدیث عبدالرحیم بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ محدثین نے اس سے حدیثیں نہیں لی ہیں، نیز یہ حدیث، نبیؐ کے منھ سے نکلی ہوئی بھی نہیں لگتی ہے، اور اگر عبدالرحیم کی اس روایت کو صحیح مانیں کہ صحیح نہیں ہے، تو صحیح اسناد سے مروی رسولؐ خدا کی یہ حدیث '' علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین بعدی ، فعضوا علیها با لنواجذ ''عبدالرحیم کی حدیث کی معارض ہے ، اور پھر نبیؐ اپنے بعد اصحاب میں اختلاف دیکھنا نہیں چاہتے تھے واللہ اعلم، یہ تھا بزار کا آخری بیان، اور ابو عمر کا بیان ہے کہ ابو شہاب حناط نے حمزہ جزری سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:'' انما اصحابی مثل النجوم فایهم اخذتم بقوله اهتدیتم '' (یعنی میرے اصحاب تو ستاروں کے مثل ہیں جن کی بھی بات پر عمل کر لیا ہدایت پا گئے) مگر اس کی سند صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ نافع سے کسی نے روایت کی ہی نہیں جس سے احتجاج کیا جا سکے، نہ ہی بزار کی بات صحیح ہے، اس لئے کہ

اصحاب میں سے ہرایک کی جدا جدا اقتدا کرنے کا حکم امت کے جاہل افراد کے لئے ہے، کیونکہ ایسے افراد پر تقلید واجب ہے، اور اصحاب کو حضرتؐ نے حکم نہیں دیا ہے کہ جب تک وہ بتائے ہوئے صحیح اصولوں پر اجتہاد کر سکتے ہوں ایک دوسرے کی تقلید کریں، اس لئے کہ ان میں کا ہرایک ستارہ ہے، جس کی ہر وہ شخص اقتدا کرے جو دینی امور سے ناواقف ہے، نیز سارے علماء ان کی اقتداء کریں (۱)"

بزار نے جس سلسلۂ سند سے اس کی روایت کی ہے اس کے علاوہ بھی اس حدیث کی سلام بن سلیم سے روایت ہوئی ہے، سلام کہتے ہیں کہ مجھ سے حارث بن غصین نے بیان کیا انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابوسفیان سے اور انہوں جابر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: "اصحابی کا لنجوم بایهم اقتد یتم اهتد یتم " مگر ابو عمر کا کہنا ہے کہ یہ سند محکم اور ٹھوس نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے سلسلۂ سند میں حارث بن غصین ہے جو مجہول وناشناختہ ہے" (۲)

میں نے اس عبارت کے مفید نتائج کو مع تنقید کے عبقات الانوار حدیث مدینہ کی ج میں تفصیل سے بیان کیا ہے، جس سے اس حدیث کے ضعیف ہونے کا ٹھوس پتہ ملتا ہے۔

۹۔ حافظ ابوالقاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ دمشقی معروف بہ ابن عساکر نے وار

۱۔ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۹۱۔۹۰ ۲۔ جامع بیان العلم ص ۳۵۸

لفظوں میں حدیث نجوم کوضعیف کہا ہے، جیسا کہ آئندہ (شمارہ ۲۶ میں) مناوی کی ''فیض القدیر'' سے معلوم ہوگا۔

احوال وآثار

ابن عساکر جنہوں نے حدیث نجوم کے ضعیف ہونے کی تصریح کی ہے، ان کی شخصیت کسی پر ڈھکی چھپی نہیں ہے، میں نے ان کے فضائل ومحامد، عبقات الانوار حدیث طیر میں درج ذیل کتابوں سے بیان کیے ہیں۔ یاقوت حموی کی ''معجم الادباء'' ج ۱۳ص ۷۸۔ ۷۳، ابن خلکان کی ''وفیات الاعیان'' ج ۲ص ۴۷۱، ذہبی کی ''تذکرۃ الحفاظ'' ج ۴ص ۱۳۲۸ ور ''دول الاسلام'' ج ۲ص ۵۸، یافعی کی ''مرأۃ الجنان'' ج ۳ص ۳۹۳، سبکی کی ''طبقات الشافعیہ'' ج ۴ص ۲۷۳، ابوالفداءایوبی کی ''المختصر فی اخبار البشر'' ج ۳ص ۵۹، جلال الدین سیوطی کی ''طبقات الحفاظ'' ص ۴۷۴، اسنوی کی ''طبقات الشافعیہ'' ج ۲ص ۲۱۶، خوارزمی کی ''جامع مسانید ابی حنیفہ'' ازنیقی کی ''مدینۃ العلوم'' اور مولوی صدیق حسن کی ''ابجد العلوم'' اور ''تاج المکلل'' اور ''اتحاف النبلاء''

۱۰۔ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بکری بغدادی معروف بہ ابن جوزی نے ''العلل المتناھیہ فی الاحادیث الواھیہ'' میں حدیث نجوم پر قدح وجرح کیا ہے اور اس کے سلسلہء سند میں ایک راوی کے ضعیف اور دوسرے راوی کے کذّاب ہونے کی تصریح کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''نعیم بن حماد نے عبدالرحیم بن زید عمی سے انہوں نے اپنے باپ سے

انہوں نے سعید بن مسیّب سے اور انہوں نے عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جن کے بارے میں میرے اصحاب میرے بعد اختلاف کریں گے، اللہ نے مجھ پر وحی نازل کی کہ اے محمدؐ تمھارے اصحاب میری نظر میں آسمان میں ستاروں کے مانند ہیں کہ ان میں بعض، بعض سے نورانی تر ہیں، جس بات پر وہ اختلاف کریں اور ان میں سے کسی ایک کو کوئی شخص لے لے تو وہ ہدایت یافتہ ہے۔ مؤلف کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ نعیم ضعیف ہے اور یحیی بن معین نے عبدالرحیم کو کذّاب کہا ہے'' (۱)

۱۱۔ حافظ ابوالخطاب عمر بن حسن بن علی کلبی اندلسی معروف بہ ابن دحیہ نے واضح لفظوں میں حدیث نجوم کو ضعیف کہا ہے، چنانچہ حافظ زین الدین عراقی ''تعلیق تخریج احادیث منہاج بیضاوی'' میں لکھتے ہیں:

''ابن دحیہ نے حدیث ''اصحابی کالنجوم'' کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے''

احوال و آثار

علمائے اہلسنت کی نظر میں ابن دحیہ کی جو عظمت و منزلت ہے اس کو عبقات الانوار حدیث ولایت میں درج ذیل کتابوں سے نقل کیا ہے، ابن خلکان کی ''وفیات الاعیان'' ج

۱۔ العلل المتناھیہ فی الاحادیث الواھیہ ج ۱ ص ۲۸۳

۱۳اص ۱۲۱، سیوطی کی ''بغیۃ الوعاۃ'' ج ۲ص ۲۱۸ اور ''حسن المحاضرہ'' ج اص ۳۵۵، مقری کی ''نفح الطیب'' ج ۲ص ۳۰۱، زرقانی کی ''شرح المواھب اللدنیہ'' ج اص ۸۰۔۷۹

۱۲۔ متعصب عالم اہلسنت (بلکہ محی نظریہء وہابیت) احمد بن عبدالحلیم حنبلی معروف بہ ابن تیمیہ نے لاچار ہو کر حدیث نجوم کے ضعیف ہونے کا اعتراف کیا ہے، وہ علامہ حلی کے جواب میں اپنی کتاب ''منہاج السنۃ'' میں لکھتے ہیں:

'' اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم ضعیف حدیث ہے، ائمہ حدیث نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی وضاحت کی ہے، بزّار نے کہا ہے کہ رسولؐ خدا سے منسوب یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور نہ ہی یہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نظر آتی ہے''

ابن تیمیہ کی عبارت سے کئی لحاظ سے حدیث نجوم کا ضعف ثابت ہوتا ہے، جس کو میں نے عبقات الانوار حدیث مدینہ کی ج ۲ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱۳۔ حافظ ابوحیان اندلسی غرناطی نے تفسیر ''بحر محیط'' میں حدیث نجوم کو کئی جہات سے ضعیف ثابت کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''زمخشری کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ قرآن کس طرح ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے تو میں کہوں گا کہ اس'' تبیانا لکل شئی '' سے مراد یہ ہے کہ جتنی باتیں دین سے متعلق ہیں، ان سب کو اس نے بیان کر دیا ہے، بعض کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور بعض کے لئے کہا ہے کہ وہ سنت پیغمبرؐ میں ہیں، اور

آپ کی اتباع اور آپ کی باتوں کی پیروی کا حکم دیا ہے اور کہا ہے "وما ینطق عن الھوی" اور اجماع کی ترغیب وتشویق اس طرح کیا" و یتبع غیر سبیل المومنین" اور خود رسولؐ خدا بھی چاہتے تھے کہ آپ کی امت آپ کے اصحاب کی اتباع کرے، اسی وجہ سے حضرت نے فرمایا: اصحابی کالنجوم بایھم اقتد یتم اھتد یتم "امت اسلامی نے سعی وکوشش کی اور راہ قیاس واجتہاد کو پالیا، اس طرح سنت واجماع اور قیاس واجتہاد مبیّن کتاب بن گئے، ان ہی ذرائع سے قرآن مجید ہر چیز کو بیان کرتا ہے. یہ تھی زمخشری کی بات، مگر ان (زمخشری) کا یہ کہنا کہ رسولؐ خدا یہ چاہتے تھے کہ آپ کی امت اصحاب کی پیروی کرے، اور انہوں نے اس سلسلے میں حدیث نجوم کو پیش کیا، تو یہ غلط ہے، کیونکہ رسولؐ خدا نے یہ حدیث (نجوم) ارشاد نہیں فرمائی ہے، بلکہ یہ جعلی اور گڑھی ہوئی حدیث ہے، اس کی حضرتؐ کی طرف نسبت دینا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہے، اور حافظ ابو محمد علی بن احمد بن حزم نے اپنے رسالہ "ابطال الرائ والقیاس والاستحسان والتعلیل والتقلید" میں کہا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی، گڑھی ہوئی اور باطل ہے، کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہے، اور بزار کا کہنا ہے کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: انما مثل اصحابی کمثل النجوم او کالنجوم بایھما اقتد وا اھتد وا، لیکن رسولؐ خدا کی طرف اس حدیث کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس حدیث کی عبد

الرحیم بن زید عمی نے اپنے باپ سے انہوں نے سعید بن مسیّب سے انہوں نے ابن عمر سے اور انہوں نے رسولؐ خدا سے روایت کی ہے، مگر اس حدیث کا ضعف عبدالرحیم کی وجہ سے ہے، کیونکہ محدثین نے اس سے اخذ حدیث میں چشم پوشی کی ہے اور اس کی حدیثیں نقل نہیں کی ہیں، بلکہ خود عبارت حدیث زبان پیغمبرؐ سے نکلی ہوئی نہیں لگتی ہے، کیونکہ حضرتؐ اپنے بعد اصحاب کے درمیان اختلاف دیکھنا نہیں چاہتے تھے یہ تھی بزار کی عبارت۔ ابن معین کا کہنا ہے کہ اس کی حدیثیں چھوئی تک نہیں جاتیں، نیز اسی حدیث کی حمزہ جزری نے روایت کی ہے مگر حمزہ اعتبار کے کسی خانے میں نہیں ہے اور وہ متروک الحدیث ہے"(۱)

ابوحیان کی اس عبارت سے کئی جہات سے اس حدیث کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ ابوحیان نے زمخشری کی عبارت نقل کرنے کے بعد جس میں حدیث نجوم کا بھی ذکر ہے، واضح لفظوں میں کہا ہے کہ حضرتؐ نے یہ حدیث ارشاد نہیں فرمائی ہے۔

۲۔ اس حدیث کے جعلی اور گڑھی ہونے کی تصریح کی ہے۔

۳۔ بڑے اعتماد سے کہا ہے کہ کسی بھی لحاظ سے رسولؐ خدا کی طرف اس حدیث کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے۔

۴۔ ابن حزم کے رسالہ "ابطال رائے وقیاس" سے اس حدیث کے جھوٹی ہونے کو نقل کیا ہے۔

۱۔ البحر المحیط ج۵ ص۵۲۷

۵۔ ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ ان کی نظر میں یہ حدیث جعلی ہے۔

۶۔ ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتی۔

۷۔ ابن حزم کے توسط سے بزار سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو عوام الناس بیان کرتے ہیں (نہ کہ فضلاء و محدثین)

۸۔ بزار سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا کی طرف اس حدیث کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے۔

۹۔ بزار سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث عبد الرحیم کے روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۰۔ بزار سے نقل کیا ہے کہ محدثین عبد الرحیم کی حدیثیں نقل کرنے سے کتراتے ہیں۔

۱۱۔ بزار سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر کی زبان سے "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" کا صدور ثابت نہیں ہے۔

۱۲۔ بزار سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

۱۳۔ بزار سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا اپنے بعد اپنے اصحاب کے درمیان اختلاف دیکھنا نہیں چاہتے تھے کہ حضرتؐ کی یہ حدیث، حدیث نجوم کے جعلی ہونے پر ایک عقلی دلیل ہے، اس سلسلے میں میں نے عبقات الانوار حدیث مدینہ میں مفید باتیں بیان کی ہیں۔

۱۴۔ اس حدیث کا راوی عبد الرحیم بن زید ہے جس کے کذّاب ہونے کو ابن معین سے نقل کیا ہے۔

۱۵۔راوی حدیث عبدالرحیم بن زید کے خبیث ہونے کو ابن معین سے نقل کیا ہے۔

۱۶۔ابن معین سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحیم بن زید اعتبار کے کسی خانے میں نہیں ہے۔

۱۷۔بخاری سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحیم متروک الحدیث ہے۔

۱۸۔تحقیق کے بعد پتہ چلایا کہ اس حدیث کی حمزہ جزری نے بھی روایت کی ہے جو معتبر آدمی نہیں ہے۔

۱۹۔حمزہ کی تضعیف لفظ ''ساقط'' اور لفظ ''متروک'' سے کی ہے۔

ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا کوئی شخص حدیث نجوم کے ضعیف ہونے میں شک کر سکتا ہے؟

ابوحیان نے ''البحر المحیط'' کی عبارت کو اپنی کتاب ''النھر المادمن البحر المحیط'' میں بھی نقل کیا ہے، لہذا جو نتائج اس عبارت سے نکلے وہی اس سے بھی نکلیں گے۔

احوال و آثار

بزرگان اہلسنت کی نظر میں ابوحیان کی شخصیت پوشیدہ نہیں ہے، اکابر علمائے اہلسنت نے ان کے بارے یہ تأثر پیش کئے ہیں۔

صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی ''وافی بالوفیات'' میں لکھتے ہیں:

''اثیر الدین ابوحیان غرناطی امام، حافظ، علامہ، یکتائے زمانہ، اپنے زمانے کے شیخ اور نحویوں کے پیشوا تھے، انہوں نے قرآن کی روائی قرائت کی اور اندلس، بلاد افریقہ، اسکندریہ اور مصر و حجاز جا کر استماع حدیث کیا اور شام و عراق

وغیرہ کے علماء سے اجازۂ روایت کسب کیا تھا اور حصول حدیث اور کتابت حدیث میں اپنی پوری توانائی صرف کردی تھی۔

میں نے اپنے اساتیذ میں ان سے زیادہ کسی کو علمی کام انجام دیتے نہیں دیکھا وہ کبھی بیکار نہیں بیٹھتے تھے یا حدیثیں سنتے تھے یا انہیں لکھتے تھے یا کسی اور کام میں مشغول رہتے تھے، وہ جو بھی نقل کرتے تھے ٹھوس ثبوت کے ساتھ نقل کرتے تھے، ان کی تحریر حشو وزوائد سے پاک وصاف تھی، وہ لغت سے آشنا اور اس کے الفاظ ان کے حافظے میں محفوظ تھے، اور نحو اور صرف میں تو دنیا کے وہ امام تھے، علم عربی میں گوشہ وکنار میں ان جیسا کوئی اور نہیں تھا، تفسیر وحدیث، تذکروں اور ان کے طبقات وغیرہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا، ان کی تالیفات دنیا کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہیں، لوگ ان کو پڑھتے پڑھاتے ہیں اور ان کی نسخہ برداری کرتے ہیں، ان کی کتابوں نے پہلے کی کتابوں سے بے نیاز اور اپنے زمانہ یا آنے والے اہل قلم کو سوچنے پر مجبور کردیا ہے، علماء نے انکے سامنے حدیثوں کی قرائت کی اور ان ہی کی زندگی میں ائمہ اور شیخ الحدیث بن گئے............"(۱)

تاج الدین عبدالوہاب بن علی سبکی کا کہنا ہے:

"ہمارے استاد ابوحیان نحو کے بزرگ عالم تھے، اس فن میں ان جیسا کوئی اور نہیں تھا، وہ ایسے سمندر تھے جس کے جزر ومد کو پہچانا نہیں جاسکتا، وہ زمانہ کے

۱۔ الوافی بالوفیات ج۵ ص۲۶۷

سیبویہ اور مبرد تھے، وہ کعبۂ علم تھے جس کا طواف تو کیا جاتا ہے، وہ خود کسی کا طواف نہیں کرتا لوگ اس تک جوق در جوق آتے ہیں وہ کسی کے پاس نہیں جاتا، وہ دوسروں کے لئے مشعل راہ تھے، ان کے ہمعصر دوسروں پر ان کے مقدم ہونے کے معترف ہیں، چھوٹوں نے ان کی چھوٹی کتابوں کے حفظ میں اور بڑوں نے ان کی بڑی کتابوں کی تحقیق میں اپنی زندگی کو وقف کر دیا ہے۔ صداقت، اتقان اور تحقیق میں ان کا نام ضرب المثل بنا ہوا ہے، فقہ کے ایک بڑے حصے کو انہوں نے استحکام بخشا ہے، ان کی تصنیفات یہ ہیں "مختصر منہاج نووی" "البحر المحیط فی التفسیر" "شرح التسہیل" "الارتشاف" "تجرید احکام سیبویہ" "التذکرہ" "الغایۃ" "التقریب" "المبدع" "اللمحۃ" "عقد اللآلی" وغیرہ ان کے علاوہ ان کے منظوم شاہکار بھی ہیں، ۲۸ صفر ۷۴۵ھ کو قاہرہ میں انتقال کیا اور مقبرہ صوفیہ میں دفن ہوئے" (۱)

جمال الدین اسنوی اپنی "طبقات" میں لکھتے ہیں:

"ہمارے شیخ اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف بن علی بن حیان اندلسی اپنے زمانے میں نحو کے امام تھے، نحو اور تفسیر میں ان کی تصنیفات شرق و غرب میں پھیلی ہوئی ہیں اور دنیا کے گوشہ و کنار میں ان کے شاگرد پائے جاتے ہیں، اسی طرح وہ لغت کے امام، ساتوں قراءتوں کے جاننے والے، حدیث کی آشنائی رکھنے

۱۔ طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۴۷۵

والے اور بہت اچھے شاعر تھے، وہ سچے اور ٹھوس صلاحیتوں کے مالک تھے، آخری سانس تک علمی کاموں میں مشغول رہے بہت حاضر جواب تھے اور جزئی مسائل میں بہت کم الجھتے تھے، نووی کی ''المنہاج'' کا اختصار تو کیا مگر ظاہری مسلک کی طرف رجحان رکھتے تھے، غرناطہ میں اوائل شوال ۶۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور وہاں اور مصر میں محدثین کی ایک جماعت سے استماع حدیث کیا، ۲۷ صفر ۷۴۵ھ کو انتقال کیا اور مقبرہ صوفیہ میں دفن ہوئے، میں ان کی قبر کی بہت زیادہ زیارت کرتا ہوں، کیونکہ ان کی قبر میرے والد اور میرے بھائی کی قبر کے پاس ہے''(۱)

شمس الدین محمد بن محمد جزری ''طبقات القراء'' میں لکھتے ہیں:

''اثیر الدین محمد بن یوسف بن علی بن حیان (معروف بہ) ابوحیان اندلسی غرناطی امام، حافظ اور عربی، ادبیات اور قرائتوں کے استاد و شیخ تھے، وہ عادل بھی تھے اور مؤثق بھی، ذہبی کا کہنا ہے کہ اس کے باوجودیکہ علوم عربی میں وہ بہت بلند مرتبے پر فائز تھے مگر فقہ، حدیث، قرائت اور لغات میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، ان کی تصنیفات وتحقیقات اہل مصر کے لئے باعث فخر ہیں، ان ہی کے زیر نظر بہت سے ائمہ حدیث بنے...............''(۲)

مزید معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے ذہبی کی ''المعجم المختص''، کتبی کی ''فوات الوفیات''

۱۔ طبقات الشافعیہ ج۱ ص ۴۵۷

۲۔ طبقات القراء ج۲ ص ۲۸۵

ج۴ص ۱۷، ابن حجر عسقلانی کی ''الدرر الکامنۃ'' ج۵ص ۷۰، سیوطی کی ''بغیۃ الوعاۃ ''ص۱۲۱، اسدی کی ''طبقات الشافعیہ'' شوکانی کی ''البدر الطالع'' ج۲ص ۲۸۸، صدیق حسن خان کی ''التاج المکلل'' اور ''اتحاف النبلاء''

۱۴۔محمد بن احمد ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں تین جگہوں پر حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے۔

۱۔جعفر بن عبدالواحد ہاشمی کے احوال میں (۱) ۲۔زید عمی کے شرح حال میں (۲) ۳۔عبدالرحیم بن زید کے حالات میں (۳)۔

۱۵۔تاج الدین ابومحمد احمد بن عبدالقادر احمد بن مکتوم قیسی حنفی نے ''الدر اللقیط من البحر المحیط'' میں حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے پھر اپنے استاد ابوحیان کی کتاب ''البحر المحیط'' (ج۵ص ۵۲۷) کی پوری عبارت نقل کی ہے۔

- احوال و آثار

میں نے عبقات الانوار حدیث غدیر کی ج ۲ میں ان کے فضائل ومحامد صفدی کی ''وافی بالوفیات'' محمد بن محمد جزری کی ''طبقات القراء'' (ج۱ص ۷۰) سیوطی کی ''طبقات النحاۃ'' اور ''حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر وقاهرہ'' (ج۱ص ۴۷) اور ''بغیۃ الوعاۃ'' سے نقل کیے ہیں، یہاں صرف ابن حجر عسقلانی کی عبارت پر اکتفا کرر ہاہوں، وہ لکھتے ہیں:

۱۔میزان الاعتدال ج۱ص ۴۱۳ ۲۔میزان الاعتدال ج۲ص ۱۰۲ ۳۔میزان الاعتدال ج۲ص ۶۰۵

''تاج الدین ابو محمد احمد بن عبدالقادر بن احمد بن مکتوم محمد بن سلیم بن محمد قیسی حنفی نحوی ذی الحجہ ۶۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور بہاء الدین ابن النحاس اور دمیاطی سے کسب علم کیا تھا، فقہ، نحو اور لغت میں دوسروں پر سبقت رکھتے تھے، قضاوت کا انہوں نے درس دیا تھا۔''الھدایۃ'' پر تعلیقہ ''الجمع بین العباب والمحکم ''، ''الجمع المتناہ فی اخبار النحاۃ''، ''الدر اللقیط من البحر المحیط'' ان کی تالیفات ہیں'' (۱)

۱۶۔ محمد بن ابی بکر قیم جوزی حنبلی دمشقی نے ''اعلام الموقعین'' میں حدیث نجوم کو ضعیف بتایا ہے، وہ تقلید کی رد میں لکھتے ہیں:

''تقلید کے قائلین کی پینتالیسویں دلیل وہی مشہور حدیث 'اصحابی کالنجوم '' ہے، مگر اس کے کئی جوابات ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ اس حدیث کی اعمش کی سند سے ابوسفیان سے اور انہوں نے جابر سے روایت کی ہے اور اسی حدیث کو سعید بن مسیب نے ابن عمر نے نقل کیا ہے، نیز اسی کی حمزہ جزری نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے، مگر کسی ایک سے اس حدیث کی صحت ثابت نہیں ہے، اور ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ ہم (ابن عبدالبر) سے محمد بن ابراہیم بن سعید نے بیان کیا انہوں نے ابوعبداللہ بن مفرح سے اور انہوں نے محمد بن ایوب صموت سے روایت کی ہے، صموت کا بیان ہے کہ ہم سے بزار نے کہا کہ نبی کی یہ حدیث جو بیان کی جاتی ہے کہ '' اصحابی

۱۔ الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۷۴

کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم " تو اس حدیث کی رسولؐ خدا کی طرف نسبت دینی صحیح نہیں ہے"(۱)

ابن قیم کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حدیث نجوم اعمش کے طریق سے ابوسفیان سے اور ان کے توسط سے جابر سے، اسی طرح یہ حدیث سعید بن مسیب کے توسط سے ابن عمر سے، نیز حمزہ جزری کے طریق سے نافع سے اور ان کے توسط سے ابن عمر سے مروی ہے ، مگر کوئی ایک بھی سند صحیح نہیں ہے، اور اپنی بات کی تائید میں ابن قیم نے حافظ بزار کی عبارت نقل کی جو صریح لفظوں میں اس حدیث کو ضعیف بتاتی ہے۔

۱۷۔ حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی نے "تخریج احادیث منہاج بیضاوی" میں حدیث نجوم کو ضعیف ثابت کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

" حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم کی دارقطنی نے "الفضائل" میں اور ابن عبدالبر نے "العلم" میں اپنی سند سے جابر سے روایت کی ہے، مگر نقل روایت کے بعد کہا ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کے سلسلۂ سند میں حارث بن غصین ہے جو مجہول ہے، اسی حدیث کو عبد بن حمید نے اپنی مسند میں عبدالرحیم بن زید عمی سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابن مسیّب سے اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے، مگر بزار نے کہا ہے یہ حدیث منکر ہے صحیح نہیں ہے، اور ابن عدی نے "الکامل" میں حمزہ

۱۔ اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۲۳

بن ابی حمزہ بیہقی سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے اس حدیث کو لفظ ''اقتدیتم'' کے بجائے لفظ'' فایھم اخذ تم'' کے ساتھ نقل کیا ہے، مگر یہ حدیث حمزہ کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ وہ کذب سے متہم ہے، اور بیہقی نے ''المدخل'' میں عمر اور ابن عباس سے نیز ایک مرسل طریق سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، مگر انہوں نے نقل حدیث کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث کا متن تو مشہور ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے، بلکہ اس کی کوئی بھی سند صحیح ثابت نہیں ہو پائی ہے، اور ابن حزم نے اس حدیث کو جھوٹی، جعلی اور باطل بتایا ہے، اور بیہقی نے کہا ہے کہ حدیث مذکور کے بعض معنی کو ابوموسی کی یہ حدیث بیان کرتی ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ہے '' النجوم امنة لاهل السماء '' کہ اسی حدیث کا یہ فقرہ بھی ہے ''اصحابی امنة لامتی ''

حافظ عراقی کی عبارت سے چند طریقے سے حدیث نجوم کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ا۔ حدیث نجوم کو جابر سے نقل کرنے کے بعد اس حدیث پر حافظ ابن عبد البر کے قدح و جرح کو بعینہ نقل کیا ہے۔

۲۔ ابن عمر سے حدیث نجوم کو نقل کرنے کے بعد حافظ بزار سے نقل کیا کہ یہ حدیث منکر ہے صحیح نہیں ہے۔

۳۔ ابن عدی کی ''الکامل'' سے بہ روایت حمزہ بن ابی حمزہ نصیبی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کی حمزہ نے روایت کی ہے جس کو علمائے

رجال نے جھوٹا کہا ہے۔

۴۔ کہا ہے کہ بیہقی نے ''المدخل'' میں حدیث نجوم کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث کی (لفظیں اور) عبارت مشہور تو ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے، کسی بھی صحیح سند سے یہ حدیث نقل نہیں ہوئی ہے۔

۵۔ حافظ ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو جھوٹی، گڑھی ہوئی اور باطل کہا ہے۔

نیز حافظ زین الدین عراقی نے ''تعلیق کتاب تخریج احادیث منہاج'' میں حدیث نجوم کی تضعیف بھی کی ہے اور دوسروں کی تضعیف کو نقل بھی کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ابن دحیہ نے حدیث'' اصحابی کالنجوم'' کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کی قضاعی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ ہم سے ابوالفتح منصور بن علی انماطی نے بیان کیا انہوں نے ابومحمد حسن بن رشیق سے انہوں نے محمد بن جعفر بن محمد سے انہوں نے جعفر (یعنی ابن عبدالواحد) سے انہوں نے وہب بن جریر بن حازم سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابوصالح سے اور انہوں نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: مثل اصحابی مثل النجوم من اقتدیٰ بشئ منها اهتدی ۔مگر دارقطنی نے کہا ہے کہ (راوی حدیث) جعفر بن عبدالواحد حدیثیں گڑھتا تھا، اور ابواحمد بن عدی کا کہنا ہے کہ وہ حدیثیں جعل کرنے سے

متہم ہے، اس کی حدیثیں صحیح نہیں ہیں“

حافظ عراقی کی اس عبارت سے بھی چند لحاظ سے حدیث نجوم کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ ابن دحیہ سے حدیث نجوم نقل کرنے کے بعد ان کا یہ نظریہ بیان کیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

۲۔ حدیث نجوم کو قضاعی سے نقل کرنے کے بعد کہ جس حدیث کا سلسلۂ سند ابو ہریرہ پر ختم ہوتا ہے کہا کہ اس کی سند میں جعفر بن عبدالواحد ہے جس کے بارے میں دار قطنی نے کہا ہے کہ وہ حدیثیں گڑھتا تھا۔

۳۔ سلسلۂ سند میں واقع جعفر بن عبدالواحد کے بارے میں ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ وہ جعل حدیث سے متہم ہے۔

۴۔ ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ حدیث نجوم صحیح نہیں ہے۔

ان سب باتوں کو دیکھنے کے بعد حدیث نجوم پر تکیہ کرنے والوں کا یقیناً نشہ ہرا ہو جائے گا۔

نیز حافظ عراقی نے قاضی عیاض مصنف ”شفا“ پر اعتراض کر کے بھی حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے کیونکہ قاضی عیاض نے حدیث نجوم کو نقل کیا ہے، جس پر حافظ عراقی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مصنف ”شفا“ (قاضی عیاض) کو اعتماد کے ساتھ حدیث نجوم کی روایت نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ محدثین کو اس حدیث کی حقیقت معلوم ہے، اور وہ اس کو ضعیف

مانتے ہیں، عراقی کی یہ بات شہاب الدین خفاجی کی کتاب ''نسیم الریاض'' سے آئندہ معلوم ہوگی۔

احوال وآثار

حافظ زین الدین عراقی جنہوں نے حدیث نجوم کو بڑے اعتماد کے ساتھ ضعیف ثابت کیا ہے، اہلسنت کے بلند مرتبہ عالم ومحدث ہیں، ان کی تعریف وتمجید وتوثیق کے لئے ملاحظہ کیجئے ابن جزری کی ''طبقات القراء'' ج۱ص۳۸۲، سخاوی کی ''الضوء اللامع'' ج۴ص ۱۷۸۔۱۷۱، شوکانی کی ''البدر الطالع'' ج۱ص۳۵۶۔۳۵۴

۱۸۔ احمد بن علی بن حجر عسقلانی نے ٹھوس لہجے میں حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، وہ ''تلخیص الحبیر'' میں لکھتے ہیں:

''حدیث'' اصحابی کالنجوم بایهم اقتد تیم اهتد یتم'' کو عبد بن حمید نے اپنی مسند میں حمزہ نصیبی کے طریق سے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے، مگر حمزہ اعتبار کے لحاظ سے بہت ہی ضعیف ہے۔ اور دار قطنی نے ''غرائب مالک'' میں جمیل بن یزید کے طریق سے مالک سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے جابر سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، مگر جمیل کے بارے میں معلوم نہیں کہ یہ کون شخص ہے، نہ ہی مالک کے راویوں میں اس کا نام نظر آتا ہے اور نہ ہی ان کے پہلے کے محدثین کے راویوں میں، بزار نے اس حدیث کو عبد الرحیم بن زید بن عمی سے انہوں نے

اپنے باپ سے انہوں نے سعید بن مسیّب سے اور انہوں نے عمر سے نقل کیا ہے، مگر عبدالرحیم بن زید عمی بہت ہی جھوٹا انسان تھا، یہی حدیث انس سے بھی مروی ہے، مگر اس کے راوی ضعیف ہیں، اور قضاعی نے ''مسند الشھاب'' میں اعمش سے انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے ابو ہریرہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے، مگر اس کے سلسلہء سند میں جعفر بن عبدالواحد ہاشمی ہے جو بہت بڑا جھوٹا آدمی تھا، اسی حدیث کو ابوذر ہروی نے ''کتاب السنۃ'' میں مندل سے انہوں نے جویر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے مزاحم سے منقطعاً نقل کیا ہے جو کہ روایت کے بہت ہی ضعیف ہونے کی علامت ہے، اور ابوبکر بزار نے کہا ہے کہ اس حدیث کی پیغمبرؐ کی طرف نسبت دینی صحیح نہیں ہے، اور ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی، جعلی اور باطل ہے۔

اور بیہقی نے ''الاعتقاد'' میں ابوموسی اشعری کی اس حدیث کے بعد جس کو مسلم نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے ''النجوم امنة اهل السماء فاذا ذهبت النجوم اتى اهل السماء ما يوعدون'' لکھا ہے ''اصحابي امنة لامتي فاذا ذهب اصحابي امتي ما يوعدون'' (اس کے بعد ابن حجر لکھتے ہیں) بیہقی کا کہنا ہے کہ ضعیف سلسلہء سند سے مروی حدیث یعنی حدیث عبدالرحیم عمی اور منقطع حدیث یعنی حدیث ضحاک بن مزاحم میں ہے ''مثل اصحابي كمثل النجوم في السماء من اخذ بنجم

منہا اھتدی '' اس کے بارے میں میرے والد نے کہا ہے کہ میں نے جن صحیح حدیثوں کو یہاں نقل کیا ہے وہ مذکورہ حدیث کے بعض معنی کو بیان کرتی ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے صحیح بات کہی ہے کہ صحابہ کی تشبیہ ستاروں سے صحیح ہے، لیکن ابو موسیٰ کی روایت اصحاب کی اقتدا کو ثابت نہیں کررہی ہے، البتہ لفظ ''اھتدی '' سے اس مطلب کی طرف اشارہ ممکن ہے''(۱)

ابن حجر عسقلانی کی عبارت سے چند وجہوں سے حدیث نجوم کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۔حمزہ نصیبی کے طریق سے ابن عمر سے حدیث نجوم کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ حمزہ ضعیف ہے۔

۲۔جمیل کے طریق سے جابر سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ جمیل غیر معروف ہے۔

۳۔تصریح کی ہے کہ راوی حدیث کا نہ مالک کے راویوں میں کوئی پتہ ملتا ہے نہ ہی ان کے پہلے والوں کے راویوں میں۔

۴۔اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس حدیث کو بزار نے عبد الرحیم بن زید سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے سعید بن مسیّب سے اور انہوں نے عمر سے نقل کیا ہے، اور عبدالرحیم کذاب ہے۔

۱۔تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ج۴ص۱۹۱۔۱۹۰

۵۔لکھا ہے کہ یہ حدیث، انس سے مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

۶۔اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ یہ حدیث ابوہریرہ سے بھی نقل ہوئی ہے، مگر اس کے سلسلہء سند میں جعفر بن عبدالواحد ہاشمی ہے، جو بہت بڑا جھوٹا تھا۔

۷۔یہ بیان کیا کہ اس حدیث کو مندل نے جو یبر سے اور انہوں نے ضحاک بن مزاحم سے منقطعاً نقل کیا ہے، مگر اس کے بعد کہا کہ یہ بہت ہی ضعیف سند ہے۔

۸۔ابن حزم سے نقل کیا کہ یہ حدیث جھوٹی، گڑھی ہوئی اور باطل ہے۔

۹۔حافظ بزار سے نقل کیا کہ پیغمبرؐ اسلام سے منسوب حدیث نجوم صحیح نہیں ہے۔

۱۰۔بیہقی کی کتاب ''الاعتقاد'' سے عبدالرحیم عمی اور ضحاک بن مزاحم کی وجہ سے حدیث نجوم کے ضعیف ہونے کو نقل کیا ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ''تخریج احادیث کشاف'' میں بھی حدیث نجوم کی واضح لفظوں میں تضعیف کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حدیث:اصحابی کالنجوم فبا یھم اقتد یتم اھتد یتم کو دار قطنی نے'' المؤتلف'' میں سلام بن سلیم سے انہوں نے حرث بن غصین سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابوسفیان سے اور انہوں نے جابر سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور سلام ضعیف راوی ہے، دار قطنی نے ''غرائب مالک'' میں جمیل بن یزید کے طریق سے انہوں نے مالک سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے جابر سے اس حدیث کی روایت کی ہے جس

کے وسط کی یہ عبارت ہے ''فبای قول اصحابی اخذ تم اھتدیتم انما مثل اصحابی مثل النجوم من احذ بنجم منھا اھتدی '' مگر دار قطنی نے اس کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث مالک سے ثابت نہیں ہے، اس حدیث میں مالک کے علاوہ سارے راوی مجہول ہیں، اسی حدیث کو عبد اللہ بن حمید نے اور دار قطنی نے ''الفضائل'' میں حمزہ جزری سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے مگر اس کے سلسلہء سند میں حمزہ ہے جو حدیثیں جعل کرنے سے متہم ہے، اسی حدیث کو قضاعی نے ''مسند الشہاب'' میں ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے مگر اس کے سلسلہء سند میں جعفر بن عبد الواحد ہاشمی ہے جس کو علمائے رجال نے جھوٹا کہا ہے، اسی حدیث کو ابن طاہر نے بشر بن حسین سے انہوں نے زبیر سے انہوں نے عدی سے اور انہوں نے انس سے نقل کیا ہے مگر بشر بھی کذب و جعل حدیث سے متہم ہے، اور بیہقی نے ''المدخل'' میں جویبر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے ابن عباس سے اس حدیث کی روایت کی ہے مگر جویبر متروک الحدیث ہے، اور جویبر نے جواب بن عبد اللہ سے مرفوعاً اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر یہ حدیث مرسل ہے، اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا متن تو مشہور ہے لیکن اس کے سارے راوی مجہول ہیں۔ نیز بیہقی نے ''المدخل'' میں بھی عمر سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جن کے بارے

میں میرے اصحاب میرے بعد اختلاف کریں گے، وحی نازل ہوئی اے محمدؐ تمہارے اصحاب میری نظر میں آسمان میں ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے بعض بعض سے نورانی تر ہیں، پس جو شخص اپنے اختلاف میں ان میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرے میری نظر میں وہ ہدایت یافتہ ہے، مگر اس کے سلسلۂ سند میں عبدالرحیم بن زید عمی ہے جو متروک الحدیث ہے"(۱)

ابن حجر عسقلانی کی عبارت سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں کہ ان میں کی ہر ایک حدیث نجوم کی تضعیف کے لئے کافی ہے۔

۱۔ابن حجر نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ دارقطنی نے اپنی کتاب "المؤتلف" میں سلام بن سلیم سے انہوں نے حارث بن غصین سے انہوں نے ابوسفیان سے اور انہوں نے جابر سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور سلام ضعیف راوی ہے۔

۲۔ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ دارقطنی نے حدیث نجوم کو "غرائب مالک" میں جمیل بن یزید کے توسط سے نقل کیا ہے، مگر خود دارقطنی نے کہا کہ یہ حدیث مالک سے ثابت نہیں ہے، اور مالک کے سوا سارے راوی مجہول و ناشناختہ ہیں۔

۳۔ابن حجر نے کہا ہے کہ حدیث نجوم کو عبد بن حمید نے اور دارقطنی نے "الفضائل" میں حمزہ جزری سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے، اور حمزہ کو علمائے رجال نے حدیثیں گڑھنے والا بتایا ہے۔

۱۔الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف مطبوع بر حاشیہ کشاف ج۲ص ۶۲۸

۴۔ابن حجر نے وضاحت کی ہے کہ حدیث نجوم کو قضاعی نے ''مسند شہاب'' میں ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے، مگر اس کے سلسلہء سند میں جعفر بن عبدالواحد ہاشمی ہے جس کو علمائے رجال نے انتہائی جھوٹا آدمی بتایا ہے۔

۵۔ابن حجر نے کہا ہے کہ حدیث نجوم کی ابن طاہر نے بشر بن حسین سے انہوں نے زبیر بن عدی سے اور انہوں نے انس سے روایت کی ہے، اور بشر کذب وجعل حدیث سے متہم ہے۔

۶۔ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ حدیث نجوم کو بیہقی نے اپنی کتاب ''المدخل'' میں جویبر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے، اور جویبر متروک الحدیث ہے، نیز بیہقی نے جویبر کے توسط سے جواب بن عبداللہ سے مرفوعا اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کی سند مرسل ہے۔

۷۔ابن حجر نے واضح لفظوں میں کہا ہے کہ بیہقی نے ''المدخل'' میں حدیث نجوم کو نقل کرنے کے بعد اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس کے سارے راوی ضعیف ہیں۔

۸۔ابن حجر نے لکھا ہے کہ بیہقی نے ''المدخل'' میں حدیث نجوم کو عمر سے نقل کیا ہے اور اس کے سلسلۂ سند میں عبدالرحیم بن زید عمی ہے جو متروک الحدیث ہے۔

گر چہ ابن حجر کی مذکورہ آٹھ باتوں میں سے ہر ایک مخاطب (مؤلف تحفہ) کے منھ چھپانے کے لئے کافی ہے، مگر چھٹے اور ساتویں نکات نے تو حدیث نجوم سے ان کے استدلال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے، کیونکہ مخاطب نے حدیث نجوم کو بہ روایت ابن عباس

بیہقی کی کتاب ''المدخل'' سے نقل کیا ہے مگر اس کا ضعف اتنا واضح تھا کہ خود بیہقی بھی نہ چھپا سکے اور تھک ہار کر اس حدیث کے ضعیف ہونے کا اعتراف کر لیا، لہذا شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) کے چاہنے والوں کو چاہئے کہ حدیث نجوم سے ہاتھ اٹھا لیں اور مخاطب کی طرح اس کا سہارا نہ لیں۔

واضح رہے کہ ''تخریج احادیث کشاف'' میں ابن حجر عسقلانی کی باتیں، حدیث نجوم کے ضعیف ہونے کے لئے کافی ہیں، پھر بھی چند باتیں اور ہیں جن کا بیان فائدے سے خالی نہیں ہے۔

ا۔ ابن حجر نے سلام بن سلیم کی اجمالی تضعیف کی ہے، جب کہ محدثین اور رجالیوں نے مختلف انداز و بیان میں اس کی تضعیف کی ہے، جیسا کہ میں نے (حدیث ثقلین کی معارض پیش کی جانے والی چھٹی) حدیث '' اعلمکم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل '' کے جواب میں لکھا ہے کہ بخاری نے ''الضعفاء'' میں تحریر کیا ہے کہ محدثین نے اس کی طرف رخ بھی نہیں کیا ہے۔ نسائی نے کہا ہے کہ سلام، متروک الحدیث ہے، ابن جوزی نے ''الموضوعات'' میں باب فضل مؤذنین میں سلام کے بارے میں یحیی بن معین سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک ٹکہ کا بھی نہیں ہے اس کی حدیثیں نہیں لکھی جاتیں اور بخاری، نسائی اور دار قطنی سے اس کے متروک الحدیث ہونے کو نقل کیا ہے اور ابن حیان سے نقل کیا ہے کہ سلام موثق افراد سے منسوب جعلی حدیثیں اس طرح بیان کرتا ہے جیسے ان کو خود اسی نے عمداً جعل کی ہوں، نیز ابن جوزی نے ''الموضوعات'' میں حدیث زکواۃ فطرہ کی تضعیف میں یحیی بن

معین ، نسائی اور ابن حیان سے سلام کے ضعیف ہونے کو نقل کیا ہے، ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں سلام کے ضعیف راوی ہونے کو بخاری، یحیی بن معین ، احمد بن حنبل ، نسائی ، ابوزرعہ اور ابن عدی سے نقل کیا ہے، نیز ذہبی نے ''مغنی'' میں سلام کو متروک الحدیث کہا ہے اور ابوزرعہ نے اس کی تضعیف کی ہے. نیز ذہبی نے ''الکاشف'' میں سلام کے متروک ہونے کو بخاری سے نقل کیا ہے، سبط ابن العجمی نے ''الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث'' میں سلام کے حالات میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے، اور ابن جوزی اور ابن حیان سے نقل کیا ہے کہ سلام موثق افراد سے گڑھی ہوئی حدیثوں کی نسبت دے کر بیان کرتا تھا، خود ابن حیان سے نقل کیا ہے کہ سلام موثق افراد سے گڑھی ہوئی حدیثوں کی نسبت دے کر بیان کرتا تھا ، خود ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب'' میں سلام کے متروک ہونے کی وضاحت کی ہے، نیز ابن حجر نے ''تہذیب '' میں سلام کے ضعیف راوی ہونے کو تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ سلام نے منکر حدیثیں بیان کی ہیں ، جوز جانی نے کہا ہے وہ ثقہ نہیں ہے، بخاری کا بیان ہے کہ محدثین نے اس کی حدیثیں ترک کی ہیں ، بخاری نے دوسری جگہ کہا ہے کہ علماء سلام کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کہتے ہیں، ابوحاتم کا بیان ہے کہ سلام ضعیف الحدیث ہے علماء نے اس کی حدیثیں نقل نہیں کی ہیں، ابوزرعہ کا کہنا ہے کہ وہ ضعیف ہے، نسائی کا بیان ہے کہ وہ متروک ہے اور نسائی نے دوسری جگہ کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اس کی حدیثیں لکھی نہیں جاتی ہیں، ابن خراش نے کذّاب کہا ہے اور دوسری جگہ اس کو متروک

بتایا ہے، ابوالقاسم بغوی کا بیان ہے کہ سلام نقل حدیث کے سلسلے میں بہت ضعیف ہے، ابن عدی نے اس کی چند حدیثیں نقل کرنے کے بعد ان کو اصل سے ملایا مگر ان میں کی کسی کا حقیقت سے ربط نہیں تھا، نیز عدی نے حدیث نفساء اور حدیث مؤذن کو سلام سے نقل کرنے کے بعد ان کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن حیان کا بیان ہے کہ سلام ثقہ افراد سے منسوب کر کے جعلی حدیثیں بیان کرتا تھا، عجلی کا کہنا ہے کہ سلام ضعیف ہے، ساجی کا بیان ہے کہ سلام کے پاس منکر حدیثیں تھیں، حکم کا کہنا ہے کہ سلام نے جعلی حدیثیں نقل کی ہیں، ابونعیم کا بیان ہے کہ سلام باتفاق علماء متروک الحدیث ہے۔

۲۔ ابن حجر نے دار قطنی کی ''مؤتلف'' میں موجود حدیث نجوم کی سند میں سلام کے ضعیف ہونے کو اجمالی طور سے بیان کیا ہے اور حارث بن غصین کی تضعیف سے چشم پوشی کی ہے، جب کہ سابقہ بیانات سے معلوم ہوا کہ وہ بھی ضعیف راوی ہے، چنانچہ ابن عبدالبر'' جامع بیان العلم'' میں حدیث نجوم کی تضعیف میں لکھتے ہیں:

> ''بزار نے جس سلسلہء سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے اس کے علاوہ بھی اس کی سلام بن سلیم سے روایت ہوئی ہے، سلام کہتے ہیں کہ مجھ سے حارث بن غصین نے بیان کیا انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابوسفیان سے اور انہوں نے جابر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتد یتم اھتد یتم'' مگر ابوعمر کا کہنا ہے کہ اس کی سند پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ سلسلہء سند میں حارث بن غصین ہے

جو مجہول و ناشناختہ ہے''

ابن عبدالبر کی اس بات کو حافظ زین الدین عراقی نے بھی ''تخریج احادیث منہاج'' میں اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ابن حجر نے حمزہ جزری کی تضعیف میں صرف اتنا کہا ہے کہ وہ ''جعل حدیث سے متہم ہے'' جب کہ بہت سارے محدثین و ناقدین حدیث نے مختلف الفاظ و انداز میں اس کی تضعیف کی ہے، ملاحظہ کیجئے۔

بخاری کا بیان ہے: ''حمزہ بن ابی حمزہ نصیبی منکر الحدیث ہے''(۱)

نسائی کا کہنا ہے: ''حمزہ نصیبی متروک الحدیث ہے''(۲)

ابن جوزی نے اس حدیث ''ناک کا بال جذام سے بچاتا ہے'' کی تضعیف میں لکھا ہے:

''یہی حدیث حمزہ نصیبی کے طریق سے مروی ہے مگر اس کے بارے میں یحیی نے کہا ہے کہ وہ اعتبار کے کسی خانے میں نہیں ہے، اور ابن عدی کا کہنا ہے کہ وہ حدیثیں گڑھتا تھا''

نیز ابن جوزی حدیث فضل عسقلان کی تضعیف میں لکھتے ہیں:

''دوسری سند میں حمزہ بن ابی حمزہ ہے جس کو احمد بن حنبل نے مطروح الحدیث کہا ہے، یحیی کا بیان ہے کہ وہ ایک کوڑی کا آدمی نہیں ہے، ابن عدی کا

۱۔بخاری کی الضعفاء ص ۳۶

۲۔نسائی کی الضعفاء ص ۳۲

کہنا ہے کہ وہ حدیثیں گڑھتا تھا، اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے، اور دار قطنی نے متروک کہا ہے" (۱)

ابوحیان "تفسیر محیط" میں حدیث نجوم کی تضعیف میں تحریر کرتے ہیں:

"اسی حدیث کی حمزہ جزری نے روایت کی ہے، اور حمزہ اعتبار سے گرا ہوا اور متروک ہے"

ذہبی کا بیان ہے:

"حمزہ جزری کے بارے میں ابن معین نے کہا ہے کہ وہ ایک ٹکہ کا نہیں ہے، بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے اور دار قطنی نے متروک بتایا ہے، اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی ساری روایتیں جعلی اور گڑھی ہوئی ہیں" (۲)

نیز ذہبی نے "الکاشف" اور "المغنی" اور "تلخیص المستدرک" میں حمزہ کو متروک الحدیث، ضعیف اور حدیثیں گڑھنے والا کہا ہے۔

برہان الدین سبط ابن العجمی حلبی نے "الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث" میں ذہبی، ابن عدی اور ابن جوزی سے اس کے ضعیف ہونے کو نقل کیا ہے۔

خود ابن حجر عسقلانی نے "تہذیب التہذیب" ج ۳ ص ۲۹ پر محمد بن عوف، احمد، ابن ابی خثیمہ، ابن معین، دوری، یحیی، بخاری، ابوحاتم، ترمذی، نسائی، دار قطنی، ابن عدی، ابن حبان، مزی، عقیلی، آجری، ابوداؤد اور حاکم سے حمزہ کے ضعیف ہونے کو نقل کیا ہے۔

۱۔ الموضوعات ج ۳ ص ۳۴ ۲۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶۰۶

نیز ملا متقی هندی نے ''کنز العمال'' میں، صفی الدین خزرجی نے ''مختصر التذهیب'' میں ،محمد بن طاہر فتنی نے '' قانون الموضوعات'' میں ،شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں اور عبد الوہاب مدراسی نے 'کشف الاحوال فی نقد الرجال'' میں حمزہ کو ضعیف اور حدیثیں جعل کرنے والا بتایا ہے۔

۴۔ ابن حجر نے جعفر بن عبدالواحد کی تضعیف میں بھی بہت اختصار سے کام لیا ہے، جب کہ بزرگ ناقدین حدیث نے اس کے ضعیف ہونے کو تفصیل سے بیان کیا ہے. ملاحظہ کیجئے

ابن جوزی ''الموضوعات'' کے باب خشوع فی الصلوٰۃ میں جعفر بن عبدالواحد سے حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ حدیث جعلی ہے، ابن حبان کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اور کہا ہے کہ جعفر حدیثوں کو چراتا تھا اور اس میں ردو بدل کر دیتا تھا تا کہ کوئی اس کی چوری نہ پکڑ سکے، اور ابواحمد بن عدی کا کہنا ہے کہ جعفر حدیثیں جعل کرنے سے متہم ہے''(۱)

ابن جوزی نے اسی کتاب کے باب ''اجابت الدعا علی من لم یشکر الانعام''میں ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''رسولؐ خدا سے منسوب یہ حدیث صحیح نہیں ہے، کیونکہ پہلی سند میں جعفر بن

۱۔ الموضوعات ج۲ص۹۶

عبدالواحد ہے جس کو دارقطنی نے کذّاب اور حدیثیں گڑھنے والا کہا ہے'' (۱)

جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے کہ ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' ج ا ص ۴۱۴ پر دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ جعفر جعل حدیث کرتا تھا، ابوزرعہ سے نقل کیا ہے کہ جعفر ایسی حدیثوں کی روایت کرتا تھا جن کا حقیقت سے کوئی ربط نہیں تھا، ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ جعفر حدیثیں چراتا تھا اور مؤثقین کے نام سے الٹی سیدھی حدیثیں سناتا تھا، نیز ذہبی نے ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے '' واذا النفوس زوجت '' کی تفسیر میں جعفر سے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد اس کو باطل قرار دیا ہے، نیز ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے جعفر سے چند حدیثیں نقل کر کے کہا یہ ساری حدیثیں ہیں ان میں کی بعض چوری کی ہیں، نیز مولد نبی کے متعلق جعفر کی ایک حدیث نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس حدیث کو جعفر نے اپنی طرف سے بنایا ہے، اور ذہبی نے خطیب سے نقل کیا ہے کہ مستعین عباسی نے خلاف ورزی کی وجہ سے اس کو منصب قضاوت سے معزول کر کے بصرہ بھیج دیا تھا، ابوحاتم سے نقل کیا ہے کہ جعفر نے قعنبی کی حدیث میں اضافہ کیا تھا، جس پر قعنبی نے اس کو بددعا دیا تھا، آخر میں ذہبی نے بہ روایت جعفر حدیث نجوم کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث جعفر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۵۔ ابن حجر نے بشر بن حسین کی تضعیف میں بھی تکلف سے کام لیا ہے، اور بہت مختصر الفاظ میں اس کو ضعیف کہا ہے، جب کہ ناقدین حدیث نے اس کے ضعیف راوی ہونے کو

۱۔ الموضوعات ج ۳ ص ۱۷۲

بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، ملاحظہ کیجئے۔

ذہبی لکھتے ہیں:

''بشر بن حسین اصفہانی، زبیر بن عدی کا غلام تھا، بخاری نے اس کے بارے میں شک وتردید کا اظہار کیا ہے، دار قطنی نے متروک الحدیث کہا ہے، ابن عدی کا بیان ہے کہ اس کی ساری حدیثیں جعل وضعف سے محفوظ نہیں ہیں، ابو حاتم کا کہنا ہے کہ وہ زبیر کی طرف حدیث کی غلط نسبت دیتا تھا، حجاج بن یوسف بن قتیبہ کا کہنا ہے کہ بشر نے زبیر بن عدی کے توسط سے سو حدیثیں سنائیں ان میں کی ایک بھی صحیح نہیں تھی، ابن حبان کا بیان ہے کہ بشر بن حسین نے زبیر کے نام سے منسوب کتاب سے ڈیڑھ سو جعلی حدیثوں کی روایت کی ہے''(۱)

نیز ذہبی نے ''مغنی'' میں لکھا ہے:

''دار قطنی نے اس کو متروک الحدیث اور ابو حاتم نے زبیر کی طرف جھوٹی حدیثوں کی نسبت دینے والا کہا ہے''(۲)

اسی طرح عراقی نے ''تخریج احیاء العلوم'' میں اس کو بہت ضعیف راوی اور ھیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں کذّاب کہا ہے۔

خود ابن حجر ''لسان المیزان'' میں بشر کے حالات میں ''میزان'' کی عبارت نقل کرنے

۱۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۱۵ ۲۔ المغنی ج ۱ ص ۱۰۵

کے بعد تحریر کرتے ہیں:

''ابن حبان کے بقول اس نے زبیر کے نام سے جس حدیث کی روایت کی ،لوگوں نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا، ابونعیم کا بیان ہے کہ وہ ابوداؤدطیالسی کے پاس گیااور کہا کہ زبیر بن عدی نے مجھ سے فلاں حدیث بیان کی تھی، ابوداؤد نے اس کی تکذیب کی اور کہا کہ زبیر بن عدی کے توسط سے انس سے سوائے ایک حدیث کے کوئی اور حدیث نہیں ہے، اور جب ابوحاتم سے کہا گیا کہ بغداد میں کچھ لوگ ہیں جو محمد بن زیاد کے توسط سے بشر بن حسین سے اوران کے توسط سے زبیر بن عدی سے اوران کے توسط سے انس سے بیس حدیثیں بیان کرتے ہیں تو ابوحاتم نے جواب دیا کہ وہ سب کی سب جعلی ہیں، زبیر نے انس سے صرف چار حدیثوں کی روایت کی ہے، اور دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ زبیر کے نام سے الٹی سیدھی حدیثیں بیان کرتا رہتا ہے، خود زبیر تو ثقہ ہیں مگر جس کتاب کی نسبت ان کی طرف دیتا ہے وہ ان کی نہیں ہے خود اسی کی تیار کی ہوئی ہے، ابواحمد حاکم کا بیان ہے کہ اس کی حدیثوں میں لوچ ہے، اور ابن جارود نے ضعیف کہا ہے''(۱)

اسی طرح محمد بن طاہر فتنی نے ''قانون الموضوعات'' میں، شیخ رحمۃ اللہ سندھی نے ''مختصر تنزیہ الشریعۃ'' میں اور عبدالوہاب مدراسی نے ''کشف الاحوال'' میں بشر کی تضعیف

۱۔لسان المیزان ج ۲ ص ۱۱۷

بھی کی ہے اور دوسروں کی تضعیف کو نقل بھی کیا ہے۔

۶۔ابن حجر نے جویبر کی بھی تضعیف بڑے مختصر الفاظ میں کی ہے، جب کہ عظیم المرتبت ناقدین حدیث اہلسنت نے ان کے ضعیف راوی ہونے کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا ذکر آئندہ ہوگا۔

۷۔ابن حجر نے ضحاک کے بارے میں جس سے جویبر نے روایت کی ہے، خاموشی اختیار کی ہے اور اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا ہے، جب کہ اکابر علمائے اہلسنت کی نظر میں وہ ضعیف ہے، ابن حجر نے ''تہذیب'' میں اس کی تضعیف کو مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے، آئندہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔

۸۔ابن حجر نے جواب بن عبید اللہ تیمی جو جویبر کی دوسری روایت کے سلسلہء سند میں ہے، کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا ہے، جب کہ ناقدین حدیث اور علمائے رجال اہلسنت نے اس کے ضعیف ہونے کی وضاحت کی ہے، اور اس کے بدعقیدہ ہونے کو بیان کیا ہے، ملاحظہ کیجئے ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' ج۱ص ۴۲۶ اور ''المغنی'' ابن حجر عسقلانی کی ''تہذیب التہذیب'' ج۲ص۱۲۱ اور صفی الدین خزرجی کی ''خلاصۃ التذھیب''

۹۔ابن حجر نے اس راوی کا نام نہیں بتایا جس نے اس حدیث کو جویبر سے نقل کیا ہے، اور آئندہ (شمارہ۲۲ میں) سخاوی کی عبارت سے معلوم ہوگا کہ جویبر سے اس حدیث کو سلیمان بن ابی کریمہ نے نقل کیا ہے، جس کو مستند علمائے اہلسنت نے ضعیف کہا ہے۔خود ابن حجر نے ''لسان المیزان'' میں اس کے ضعیف ہونے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱۰۔ ابن حجر نے عبدالرحیم بن زید عمی کی بڑے چھوٹے لفظ سے تضعیف کی ہے، جب کہ اہلسنت کے محدثین اور رجالی علماء کی کتابیں اس کی تضعیف سے بھری پڑی ہیں، ملاحظہ کیجئے بخاری کی ''الضعفاء'' نسائی کی ''الضعفاء والمتروکین'' ابو حاتم کی ''العلل'' بیہقی کی ''السنن الکبری'' ابن عبدالبر کی ''جامع بیان العلم'' ابن جوزی کی ''الموضوعات'' ابوحیان کی ''تفسیر بحر محیط'' ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' اور ''الکاشف'' اور ''المغنی'' ابن مکثوم قیسی حنفی کی ''در لقیط'' ابن حجر کی ''تہذیب التہذیب'' اور ''تقریب التہذیب'' اور ''تلخیص الخبیر'' ملا متقی ھندی کی ''کنز العمال'' صفی الدین خزرجی کی ''مختصر التذہیب'' شوکانی کی ''فوائد مجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ'' اور عبدالوہاب مدراسی کی ''کشف الاحوال'' ان کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنے الفاظ کسی راوی یا ناقل کے ضعیف ہونے کی علامت ہیں، وہ سب کے سب اس کے بارے میں استعمال ہوئے ہیں، مثلاً متروک الحدیث ، غیر قوی ، کذّاب ، غیر ثقه ، واه ، ضعیف ، کذاب خبیث ، لیس بثقه ولا مامون ولا یکتب حدیثه وغیره۔

نیز ابن حجر عسقلانی نے ''تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب'' اور ''لسان المیزان'' (در شرح حال جمیل بن زید) میں بھی حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے۔

۱۹۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد سیواسی حنفی معروف بہ ابن ہمام اپنی اصولی کتاب ''التحریر'' میں بحث اجماع میں حدیث '' اقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکر و عمر '' اور حدیث '' علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین '' کے جواب

میں لکھتے ہیں:

''اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں اقتداء و پیروی کی صلاحیت کو تو بیان کرتی ہیں لیکن اجتہاد سے منع نہیں کرتی ہیں، مگر یہ کہ اس کا یہ جواب دیا جائے کہ یہ حدیث (اقتداء) خبر واحد ہے اور ان حدیثوں کی معارض ہے '' اصحابی کالنجوم بایھم اقتد یتم اھتد یتم'' اور'' خذوا شطر دینکم عن حمیرا '' مگر پہلی حدیث (حدیث نجوم) مجہول ہے''(۱)

۲۰۔ محمد بن محمد حلبی حنفی معروف بہ ابن امیر الحاج نے'' التقریر والتحبیر فی شرح التحریر'' میں دلائل کے ساتھ حدیث نجوم کو ضعیف ثابت کیا ہے، چنانچہ وہ مذکورہ کتاب کی بحث اجماع میں حدیث اقتداء اور حدیث '' علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین '' کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں حدیث'' اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم '' اور حدیث'' خذوا شطر دینکم عن الحمیرا'' کی معارض ہیں، لیکن پہلی حدیث یعنی اصحابی کالنجوم با یھم اقتدیتم اھتد یتم مجہول و ناشناختہ ہے، اور'' رسالہ کبریٰ'' میں ابن حزم کے بقول یہ حدیث (نجوم) جھوٹی، گڑھی ہوئی اور باطل

۱۔ التحریر با شرح ابن امیر الحاج ج ۳ ص ۹۹

ہے، یہ حدیث دوسری سند سے عمر سے، ابن عمر سے، جابر سے، ابن عباس سے اور انس سے مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے کہ ان میں الفاظ کے لحاظ سے مذکورہ حدیث سے وہ روایت قریب ہے جس کو ابن عدی نے ''کامل'' میں اور ابن عبد البر نے ''بیان العلم'' میں ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''مثل اصحابی مثل النجوم یهتدی بها فبایهم اخذتم بقوله اهتدیتم'' اور دار قطنی اور ابن عبد البر نے جابر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''مثل اصحابی فی امتی مثل النجوم فبایهم اقتد یتم اهتد یتم'' مگر ان میں کی کوئی بھی حدیث صحیح سند سے نقل نہیں ہوئی ہے، اسی وجہ سے احمد نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور بزار نے کہا ہے کہ پیغمبرؐ کی طرف اس حدیث کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے۔ البتہ بیہقی نے ''الاعتقاد'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث ایک غیر قوی سند سے نقل ہوئی ہے اور دوسری منقطع طور پر، مگر صحیح سند سے نقل ہونے والی حدیث ابو موسی کی مرفوعا روایت کے بعض معنی کو بیان کر رہی ہے'' (۱)

ابن امیر الحاج کی عبارت کی روشنی میں درج ذیل وجوہات کی بناء پر حدیث نجوم ضعیف ہے۔

۱۔ ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی، جعلی اور باطل ہے۔

۱۔ التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۹۹

۲۔ اس حدیث کو چند سندوں سے نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان میں کی کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔

۳۔ احمد بن حنبل سے واضح لفظوں میں نقل کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

۴۔ حافظ بزار سے نقل کیا کہ انہوں نے ''الاعتقاد'' میں کہا ہے کہ حدیث نجوم ایک غیر قوی سند سے نقل ہوئی ہے اور دوسری منقطع طور پر۔

ابن امیر الحاج جنہوں نے حدیث نجوم کو ضعیف ثابت کیا ہے، دسویں صدی ہجری کے جید عالم اہلسنت ہیں، ان کی تعریف و تمجید و توثیق کے لئے ملاحظہ کیجئے سخاوی کی ''الضوء اللامع'' ج۲ ص۲۱۰

۲۱۔ ابوذر احمد بن ابراہیم حلبی نے ''شرح شفاء'' میں حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے اور مؤلف شفا قاضی عیاض پر کڑی تنقید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''قاضی عیاض کے شایان شان نہیں تھا کہ وہ حدیث نجوم کو اعتماد کے ساتھ نقل کرتے، کیونکہ محدثین اس حدیث (نجوم) کی حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں، اپنے خلاف شان عمل کی کئی بار انہوں نے تکرار کی ہے''

ابوذر حلبی جنہوں نے حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے اور مؤلف شفا (قاضی) پر حدیث نجوم کو نقل کرنے کے بعد اس کی تضعیف نہ کرنے پر کڑی تنقید کی ہے، نویں صدی ہجری کے اہلسنت کے مستند عالم دین ہیں۔ شمس الدین سخاوی نے ''ضوء لامع'' میں بڑے شرح و بسط کے ساتھ ان کے حالات قلمبند کئے ہیں، اور ان کی ذکاوت و ذہانت اور احاطہ علمی کا ذکر کیا

ہے۔ان کی تالیفات یہ ہیں :۱۔التوضیح للاوھام الواقعہ فی الصحیح ،۲۔مبہمات مسلم ،۳۔قرۃ العین فی فضل الشیخین والصہرین والسبطین ،۴۔شرح الشفا۔۵۔المصابیح (ناقص) نیز تاریخ ابن خطیب ناصریہ وغیرہ پر ان کے مفید حواشی ہیں۔

۲۲۔حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی ''مقاصد حسنہ'' میں لکھتے ہیں:

''بیہقی نے ''المدخل'' میں حدیث اختلاف امتی رحمۃ کو اس طرح نقل کیا ہے: سلیمان بن ابی کریمہ نے جویبر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: مہما اوتیتم من کتاب اللہ فالعمل بہ لا عذر لا حد فی ترکہ فان لم یکن فی کتاب اللہ فسنۃ منی ماضیۃ فان اخذتم بہ اھتدیتم ،واختلاف اصحابی لکم رحمۃ '' (یعنی کتاب خدا پر عمل کرو،اس سلسلے میں کسی طرح کا عذر قابل قبول نہیں ہے،اگر کوئی حکم کتاب خدا میں نہ مل پائے تو میری سنت پر عمل کرو،اور اگر میری سنت میں بھی تم کو وہ حکم نہ معلوم ہو پائے تو پھر جو اصحاب کہیں ان پر عمل کرو،کیونکہ میرے اصحاب آسمان میں ستاروں کے مانند ہیں،جن کی بھی بات پر عمل کرلیا ہدایت پا گئے،اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے)اسی سلسلۂ سند اور متن کے ساتھ طبرانی اور دیلمی نے اپنی مسند میں اس حدیث کو نقل کیا ہے،مگر جویبر ضعیف ہے

اور ضحاک اور ابن عباس کے درمیان سلسلہ متصل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے'' (۱)

سخاوی کی عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ بیہقی نے ''المدخل'' میں حدیث نجوم کو سلیمان بن ابی کریمہ سے انہوں نے جویبر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے، اور اسی حدیث کو مخاطب نے (تحفہ میں) نقل کیا ہے، نیز اسی متن کو اسی سند کے ساتھ طبرانی اور دیلمی نے نقل کیا ہے، مگر سخاوی نے نقل حدیث کے بعد یہ کہہ کر اس کی تضعیف کی کہ جویبر ضعیف ہے اور ضحاک کا سلسلہ ابن عباس سے متصل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) کا حدیث نجوم سے استدلال کرنا بے سود ہے، بلکہ ایسا کرنا ان کے یا جہل کی علامت ہے یا تجاہل کی، کیونکہ بیہقی نے ''المدخل'' میں حدیث نجوم کو نقل کرنے کے بعد اس کی سند کو ضعیف ثابت کیا ہے، جیسا کہ حافظ زین الدین عراقی نے ''تخریج احادیث منہاج'' میں تحریر کیا ہے، مگر شاہ صاحب نے سند کے سلسلے میں بیہقی کی بات پر اصلاً توجہ ہی نہیں کیا، بیہقی نے اس حدیث کو کتاب ''الاعتقاد'' میں بھی ضعیف کہا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تلخیص الحبیر'' میں اس کا ذکر کیا ہے، مگر شاہ صاحب نے ان کی بھی بات پر دھیان نہیں دیا، سخاوی کی بھی باتوں سے شاہ صاحب نے چشم پوشی کی، اور قارئین کو فریب دینے کی کوشش کی، مگر یہ بھول گئے کہ سبھی بھولے بھالے نہیں ہوتے، دقیق نظر رکھنے والے بھی اس دنیا میں موجود ہیں، اور وہ حقیقت کو جان جائیں گے۔

۱۔ المقاصد الحسنۃ ص ۲۷۔۲۶

سخاوی نے گرچہ حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے مگر راویوں کے ضعیف ہونے کو مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے، ہم یہاں راویان حدیث (سلیمان، جویبراور ضحاک) کے بارے میں ناقدین حدیث اہلسنت کی آراء نقل کررہے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ علمائے رجال اہلسنت کی نظر میں وہ کیسے افراد ہیں، کہ اگر ان راویوں کا کریہہ چہرہ سامنے آجائے تو یقیناً حدیث نجوم نظر سے گر جائے گی۔

ا۔ سلیمان بن ابی کریمہ

ابن ابی حاتم ''العلل'' میں حدیث '' اعظم نساء امتی برکة اصبحهن وجها واقلهن مهرا '' کونقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''یہ حدیث باطل ہےاور ابن ابی کریمہ ضعیف الحدیث ہے''

ابن جوزی ''الموضوعات'' میں مرجئہ کی مذمت میں چند حدیثوں کونقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ ساری حدیثیں جعلی ہیں اور پیغمبرؐ کی طرف ان کی غلط نسبت دی گئی ہے ،پہلی حدیث اس لئے جعلی ہے کہ اس کے سلسلۂ سند میں سلیمان بن ابی کریمہ اور احمد بن ابراہیم ہیں جن کے بارے میں ابن عدی کا کہنا ہے کہ یہ دونوں منکر روایتیں نقل کرتے تھے'' (۱)

ذہبی ''میزان'' میں تحریر کرتے ہیں:

ا۔ الموضوعات ج اص ۲۷۷

''ابو حاتم نے اس کی تضعیف کی ہے اور ابن عدی نے اس کی ساری حدیثیں منکر بتائی ہیں، قدماء کی اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں دیکھی گئی''(۱)

نیز ذہبی ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

''سلیمان بن ابی کریمہ ضعیف راوی ہے، اس کے پاس منکر حدیثیں تھیں''(۲)

اسی طرح ابن حجر عسقلانی نے ''لسان المیزان'' (ج۳ص۱۰۲) میں، سیوطی نے ''جمع الجوامع'' میں، محمد بن طاہر فتنی نے ''قانون الموضوعات'' (ص۲۶۱) میں اور عبدالوہاب مدراسی نے ''کشف الاحوال فی نقد الرجال'' میں سلیمان بن ابی کریمہ کی تضعیف بھی کی ہے اور دوسروں کی تضعیف کو نقل بھی کیا ہے۔

۲۔ جویبر بن سعید

بخاری ''الضعفاء'' میں لکھتے ہیں:

''جویبر بن سعید بلخی نے ضحاک سے روایت کی ہے، اور اس کے بارے میں علی بن یحیی کا بیان ہے کہ مجھے جویبر کی صرف دو حدیثوں کا علم ہے اور ان کو نقل کر کے انہیں ضعیف قرار دیا ہے''(۳)

نسائی ''الضعفاء'' میں لکھتے ہیں:

۱۔ میزان الاعتدال ج۲ص۲۲۱ ۲۔ المغنی فی الضعفاء ج۱ص۲۸۲ ۳۔ بخاری کی الضعفاء ص۲۷

''جو یبر بن سعید خراسانی متروک الحدیث ہے''(۱)

ابن جوزی ''الموضوعات'' میں باب 'تحذیر من بلغ الاربعین'' میں لکھتے ہیں: ''جو یبر کے بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے، اور احمد کا کہنا ہے کہ اس کی روایتیں چھونی نہیں چاہئے'' نیز ابن جوزی اسی کتاب میں حدیث' اکتحال یوم عاشورا'' کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''حاکم کا کہنا ہے کہ میں جو یبر سے پناہ مانگتا ہوں، عاشور کے دن سرمہ لگانے کے بارے میں رسولؐ خدا کی کوئی حدیث نہیں ہے، یہ بدعت ہے جس کو قاتلین حسین نے ایجاد کیا تھا، احمد کا بیان ہے کہ جو یبر کی حدیث کو ہاتھ نہیں لگانا چاہئے، یحیی نے کہا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے اور نسائی اور دار قطنی نے متروک الحدیث کہا ہے'' ابن جوزی نے اسی کتاب ''الموضوعات'' کے دیگر ابواب میں بھی جو یبر کی تضعیف کی ہے۔

ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں جو یبر کے شرح حال میں لکھتے ہیں:

''عمرو بن علی کا کہنا ہے کہ یحیی اور عبدالرحمٰن اس سے حدیث نقل نہیں کرتے تھے، یہی بات ابوموسی نے بھی کہی ہے، عبداللہ بن احمد نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ وکیع جب بھی جو یبر کی حدیث بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ سفیان نے ایک شخص (جو یبر) سے نقل کیا ہے، اس (جو یبر) کا نام اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے نہیں لیتے تھے، دوری وغیرہ نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ حدیث

ا۔ نسائی کی الضعفاء ص ۲۸

کے سلسلے میں وہ کسی کام کا نہیں ہے اور دوری نے مزید کہا کہ وہ ضعیف ہے اور جابر جعفی اور عبیدہ ضبی سے کتنا نزدیک ہے، عبداللہ بن علی بن مدینی کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے جو یبر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا وہ بہت ضعیف راوی ہے اور کہا کہ میں نے اپنے باپ (مدینی) کو کہتے ہوئے سنا کہ جو یبر زیادہ تر روایتیں ضحاک سے نقل کرتا تھا اور وہ سب کی سب منکر ہیں، یعقوب بن سفیان نے اس کا نام ان لوگوں کی فہرست میں رکھا ہے جن کی روایتوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے، دار قطنی نے ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ جو یبر ضعیف راوی ہے، نسائی، علی بن جنید اور دار قطنی نے اس کو متروک کہا ہے، اور نسائی نے دوسری جگہ اس کو غیر ثقہ بتایا ہے، ابن عدی کا کہنا ہے کہ اس کی حدیث اور روایات کا ضعف واضح ہے، میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ ابوقدامہ سرخسی کا بیان ہے کہ یحیی قطان نے کہا کہ جنہیں حدیث کے سلسلے میں مؤثق نہ جانو ان سے تفسیر لینے میں زیادہ دقت نہ کرو، پھر ضحاک، جو یبر اور محمد بن سائب کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ ان کی حدیثیں لکھی نہیں جاتیں مگر تفسیریں لکھی جاتی ہیں، احمد بن سیار مروزی کا بیان ہے کہ جو یبر بن سعید بلخ کا رہنے والا تھا اور ضحاک کا دوست تھا، تاریخ سے آشنائی رکھتا تھا اور تفسیری صلاحیت اچھی تھی، مگر حدیث کے سلسلے میں بہت ڈھیلا ڈھالا تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ ضحاک سے محرّف باتیں نقل کرتا تھا، حاکم ابواحمد کا کہنا ہے کہ وہ حدیثیں چراتا تھا، اور حاکم ابوعبد

اللہ کا بیان ہے کہ میں جویبر کے بارے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں، بخاری نے "التاریخ الاوسط" میں ۱۴۰ھ سے ۱۵۰ھ کے درمیان مرنے والوں میں اس کا ذکر کیا ہے" (۱)

ابن حجر عسقلانی نے "تلخیص الخبیر" میں بھی جویبر کی تضعیف کی ہے، اسی طرح ذہبی نے "میزان الاعتدال" اور "المغنی فی الضعفاء" اور "الکاشف" میں، امیر صنعانی نے "سبل السلام" میں، شوکانی نے "نیل الاوطار" میں، خزرجی نے "مختصر التذھیب" میں، سیوطی نے "جمع الجوامع" میں، ملا متقی ھندی نے "کنز العمال" میں، محمد بن طاہر فتنی نے "قانون الموضوعات" میں اور عبدالوہاب مدراسی نے "کشف الاحوال" میں جویبر کی تضعیف بھی کی ہے اور دوسروں کی تضعیف کو نقل بھی کیا ہے۔

۳۔ ضحاک بن مزاحم

ابن جوزی اپنی کتاب "الموضوعات" کے باب "تحذیر من بلغ الاربعین" میں لکھتے ہیں:

"ضحاک کے بارے میں شعبہ کا کہنا ہے کہ اس کی حدیثیں نقل نہیں کی جاتیں اور بعید ہے کہ اس نے ابن عباس سے ملاقات کی ہو، اور یحیی بن سعید کا بیان ہے کہ وہ ہم محدثین کی نظر میں ضعیف راوی ہے"

ابن جوزی نے اسی کتاب کے باب "کراھیۃ الطلاق" اور باب "عوذۃ الاسیر" میں

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲۳

بھی ضحاک کی تضعیف کی ہے۔

ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں لکھتے ہیں:

''یحیی قطان کا کہنا ہے کہ شعبہ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ ضحاک نے ابن عباس سے ملاقات کیا ہے، اور طیالسی کا بیان ہے کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا کہ میں نے عبد الملک بن میسرہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ضحاک نے ابن عباس سے کبھی ملاقات نہیں کی اس نے شہر رے میں سعید بن جبیر سے ملاقات کی تھی اور ان سے تفسیری معلومات حاصل کی تھی، سلم بن قتیبہ کا کہنا ہے کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا کہ میں نے مشاش سے پوچھا کہ ضحاک نے ابن عباس سے حدیثیں سنی تھیں؟ انہوں نے جواب دیا اس نے ابن عباس کو دیکھا کب تھا! اور یحیی بن سعید کا کہنا ہے کہ ضحاک ہم محدثین کی نظر میں ضعیف ہے، اور ابن عدی کا بیان ہے کہ ضحاک بن مزاحم تفسیر کے حوالے سے جانا جاتا ہے، اور ابن عباس، ابو ہریرہ اور جس کسی سے اس نے روایت کی ہے وہ سب کی سب خدشہ دار ہیں''
(۱)

ذہبی نے ''المغنی فی الضعفاء'' (ج۱ص۳۱۲) اور ''الکاشف'' میں بھی ضحاک کی تضعیف کی ہے، اسی طرح ابن ترکمانی نے ''الجوھر النقی '' میں، ابن حجر عسقلانی نے ''تہذیب التھذیب'' (ج۴ص۵۴۔۴۵۳) میں، سیوطی نے ''لآلی المصنوعہ'' میں، محمد بن طاہر فتنی نے

۱۔ میزان الاعتدال ج۲ص۳۲۶

''' قانون الموضوعات'' میں اور عبدالوہاب مدراسی نے'' کشف الاحوال فی نقد الرجال'' میں ضحاک کو واضح لفظوں میں ضعیف راوی کہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ عبارتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ابن عباس سے مروی حدیث نجوم جس کو بیہقی نے'' المدخل'' میں اپنی سند سے نقل کیا ہے اور شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے اس کو حدیث ثقلین کے مقابلے میں پیش کیا ہے، اس کو خود بیہقی نے ضعیف بتایا ہے، اور سخاوی نے تو اس حدیث کو ضعف کی آخری منزل تک پہونچا دیا ہے۔

واضح رہے کہ ابن عباس سے مروی حدیث نجوم جس کو بیہقی نے'' المدخل'' میں ضعیف سند سے نقل کیا ہے اسی میں یہ فقرہ بھی ہے '' اختلاف اصحابی لکم رحمۃ '' مگر سخاوی کے علاوہ دیگر علماء و محققین اہلسنت نے حدیث '' اختلاف امتی رحمۃ '' کی تضعیف کے ساتھ تصریح کیا ہے کہ یہ حدیث (اختلاف اصحابی لکم رحمۃ) بھی ضعیف ہے، اور چونکہ اسی سیاق میں حدیث نجوم بھی ہے جس کو مخاطب (مؤلف تحفہ) نے نقل کیا ہے، لہذا اس سے بھی حدیث نجوم کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مخاطب کو تو چاہئے تھا کہ اس حدیث نجوم سے چشم پوشی کرتے نہ یہ کہ حدیث ثقلین کے مقابلے میں اس کو پیش کرتے، مگر کیا کیا جائے جب حیا اٹھ جاتی ہے تو انسان ہر کام کرنے لگتا ہے۔

جن محدثین نے حدیث '' اختلاف اصحابی لکم رحمۃ '' کو ضعیف قرار دیا ہے، ان کی عبارتوں کا یہاں نقل کرنا فائدے سے خالی نہیں ہے۔

زین الدین عراقی ''تخریج احادیث المنہاج'' میں لکھتے ہیں:

''حدیث اختلاف امتی رحمة کو بیہقی نے ''المدخل'' میں ابن عباس سے لفظ اصحابی کے ساتھ نقل کیا ہے (یعنی اختلاف اصحابی لکم رحمة) اور آدم بن ابی ایاس نے کتاب العلم والحلم میں اس طرح نقل کیا ہے'' اختلاف اصحابی لامتی رحمة '' مگر یہ حدیث مرسل اور ضعیف ہے ،بیہقی نے اپنے رسالہ ''اشعریہ'' میں اسی لفظ کے ساتھ بغیر سند کے اس حدیث کو ذکر کیا ہے''

نیز زین الدین عراقی ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

''حدیث اختلاف امتی رحمة کو بیہقی نے اپنے رسالہ ''الاشعریہ'' میں بہ صورت معلق نقل کیا ہے، اور انہوں نے ''المدخل'' میں ابن عباس سے اس طرح نقل کیا ہے '' اختلاف اصحابی لکم رحمة ''مگر اس کی سند ضعیف ہے''(۱)

محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن شافعی معروف بہ ابن امام الکاملیہ ''شرح منہاج'' میں لکھتے ہیں:

'' قیاس پر عمل نہ کرنے پر پانچویں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ قیاس پر عمل کرنے کی وجہ سے مجتہدین میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، کیونکہ یہ امارات (

۱۔المغنی عن حمل الاسفار (مطبوع بر حاشیہ احیاء العلوم) ج۱ ص۳۴

علامات) کے تابع ہے، اور امارات مختلف ہیں، پس اس اختلاف کی وجہ سے کس طرح اس پر عمل ہوسکتا ہے، کیونکہ ارشاد الٰہی ہے" ولا تنازعوا فتفشلوا " (انفال آیۃ ۴۶)لہذا قیاس پر عمل نہیں کرنا چاہئے ، میں کہتا ہوں کہ یہ آیت ذاتی اختلاف اور جنگوں سے متعلق ہے، کیونکہ قرینہ ہے " فتفشلوا و یذ ھب ریحکم " جب کہ احکام میں اختلاف جائز ہے کیونکہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے: " اختلاف امتی رحمة "جس کے بارے میں خطابی اور بیہقی نے کہا ہے کہ یہ رسولؐ خدا سے مروی ہے اور صحیح ہے، شیخ زین الدین عراقی کا کہنا ہے کہ بیہقی نے "المدخل" میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا: " اختلاف اصحابی لکم رحمة "لیکن اس کی سند ضعیف ہے"

محمد بن طاہر فتنی "تذکرۃ الموضوعات" میں لکھتے ہیں:

"کتاب المقاصد میں حدیث" اختلاف امتی رحمة " نقل ہوئی ہے، اور بیہقی نے ضحاک کے توسط سے ابن عباس سے ایک طولانی حدیث نقل کی ہے جس میں یہ فقرہ ہے" اختلاف اصحابی لکم رحمة "اسی طرح طبرانی اور دیلمی نے نقل کیا ہے، لیکن ضحاک کی روایت ابن عباس سے منقطع ہے ، اور عراقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف ہے"(۱)

مناوی "فیض القدیر شرح جامع الصغیر" میں حدیث" اختلاف امتی رحمة "

۱۔ تذکرۃ الموضوعات ص ۹۱۔۹۰

کی شرح میں لکھتے ہیں:

''بیہقی نے ''المدخل'' میں اور دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں ابن عباس سے مرفوعاً اس حدیث کونقل کیا ہے کہ'' اختلاف اصحابی رحمة و اختلاف الصحابه فی حکم اختلاف الامة '' لیکن حافظ عراقی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے''(۱)

علی عزیزی ''سراج منیر شرح جامع صغیر'' میں حدیث ''اختلاف امتی رحمة'' کی شرح میں سیوطی کے اس قول کی توضیح میں کہ ''ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث بعض حفاظ کی کتاب میں رہی ہو اور ہم تک نہیں پہونچی اور وہ نابود ہوگئی'' لکھتے ہیں:

''بیہقی نے ''المدخل'' میں اور دیلمی نے ''الفردوس'' میں ابن عباس سے حدیث یوں نقل کی ہے'' اختلاف اصحابی رحمة '' لیکن اس حدیث کے بارے میں شیخ محمد حجازی شعرانی کا کہنا ہے کہ یہ ضعیف ہے''(۲)

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سند کے ساتھ بیہقی نے ''المدخل'' میں حدیث نجوم کونقل کیا ہے، وہ نہ یہ کہ صرف بیہقی کی نظر میں ضعیف ہے، بلکہ بہت سارے محدثین و ناقدین حدیث اہلسنت کی نظر میں بھی ضعیف ہے جیسے حافظ زین الدین عراقی، علامہ سخاوی ،محمد بن طاہر فتنی، علامہ مناوی، شیخ محمد حجازی شعرانی اور شیخ علی عزیزی، کہ ان سب کا حدیث نجوم کی تضعیف کرنا، مخاطب (مؤلف تحفہ) کے منھ چھپانے کے لئے کافی ہے۔

۱۔ فیض القدیر ج۱ ص۲۱۲ ۲۔ السراج المنیر ج۱ ص۶۶

۲۳۔کمال الدین محمد بن محمد بن ابی بکر بن مسعود بن رضوان قدسی شافعی معروف بہ ابن ابی شریف نے اپنے استاد ابن حجر سے حدیث نجوم کی تضعیف کو نقل کرنے کے بعد خود بھی اس کو ضعیف حدیث ثابت کیا ہے، جیسا کہ مناوی کی عبارت (شمارہ ۲۷) سے معلوم ہوگا۔

احوال وآثار

ابن ابی شریف ۵ ذی الحجہ ۸۲۳ھ کو بیت المقدس میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور پھر وہاں کی عظیم شخصیت بن گئے۔سخاوی نے ''الضوء اللامع'' ج ۹ ص ۶۷۔۶۴، پر بڑی تفصیل سے ان کا شرح حال لکھا ہے اور ان کے اساتیذ، قوت حافظہ، وسعت علمی اور حصول حدیث کی خاطر مختلف دیار کے سفر کا تذکرہ کیا ہے، جاراللہ بن فہد مکی نے بھی ''ذیل ضوء لامع'' میں ان کی تمجید کی ہے۔

ابن ابی شریف کے شاگرد قاضی مجیر الدین ابوالیمن عبدالرحمٰن علیمی حنبلی نے ''الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل'' ج ۲ ص ۲۸۸ پر بڑے شرح وبسط کے ساتھ ان کے حالات قلمبند کئے ہیں اور شیخ الاسلام، ملک العلماء الاعلام، حافظ العصر والزمان، برکۃ الامۃ، علامۃ الائمہ، امام الحبر الھمام، العالم العلامۃ الرحلۃ القدوۃ، المجتہد العمدہ جیسے القاب سے ان کی ستائش کی ہے، اور کہا ہے کہ ان کے استاد ابن حجر عسقلانی نے اجازہ میں الفاضل البارع الاوحد سے ان کی توصیف کی ہے۔

شوکانی نے ''بدرالطالع'' ج ۲ ص ۲۴۴۔۲۴۳ پر ان کی ذکاوت وذہانت کی تعریف کی ہے اور ان کی درج ذیل تالیفات بیان کی ہیں۔محلی کی جمع الجوامع پر حاشیہ، حاشیہ بر تفسیر

بیضاوی، ابن مقری کی ارشاد، ابن ہمام کی فصول، ابن ارسلان کی الزبد، ابن النقیب کی مختصر التنبیہ اور قاضی عیاض کی شرحیں۔ ۲۵ جمادی الاولی ۹۰۶ھ کو انتقال کیا۔

۲۴۔ جلال الدین سیوطی نے ''اتمام الدرایۃ لقرا النقایۃ'' میں حدیث نجوم کی صریحا تضعیف کی ہے اور دوسروں کے لئے قول صحابی کے حجت نہونے کے سلسلے میں اس کو پیش کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''صحابی کا قول کسی اور کے لئے حجت نہیں ہے، البتہ ان کے قول کے حجت ہونے پر ایک حدیث پیش کی جاسکتی ہے، اور وہ 'اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم'' ہے، مگر کیا کیا جائے کہ یہ ضعیف حدیث ہے''

سیوطی نے ''جامع الصغیر'' میں حدیث نجوم کو ذکر کرنے کے بعد اس پر ''ض'' لکھا ہے، جو حدیث کے ضعیف ہونے کی علامت ہے، وہ لکھتے ہیں:

''(ض) میں (رسولؐ خدا) نے اپنے رب سے ان باتوں کے بارے میں سوال کیا جن پر میرے اصحاب میرے بعد اختلاف کریں گے، مجھ پر وحی نازل ہوئی اے محمدؐ! میری نظر میں تمھارے اصحاب آسمان میں ستاروں کے مانند ہیں، ان میں بعض بعض سے روشن تر ہیں، جس نے اس چیز پر جس کے بارے میں وہ اختلاف رکھتے ہیں عمل کرلیا میری نظر میں وہ ہدایت یافتہ ہے۔ اس حدیث کو سجزی نے ''الابانۃ'' میں اور ابن عساکر نے عمر سے نقل کیا ہے'' (۱)

۱۔ جامع الصغیر باشرح مناوی ج ۴ ص ۷۶

سیوطی نے ''جمع الجوامع'' میں حدیث نجوم پر قدح وجرح کیا ہے اور واضح لفظوں میں اس حدیث کے راویوں کی تضعیف کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حدیث: کتاب خدا کے ذریعے جتنا حکم تم تک پہونچایا گیا ہے ان پر عمل کرو، اس سلسلے میں کسی طرح کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا، اگر کوئی حکم قرآن میں نہ مل پائے تو میری سنت کی طرف نگاہ کرو اور اگر وہاں بھی نہ مل پائے تو اصحاب کے کہے پر عمل کرو، کیونکہ میرے اصحاب آسمان میں ستاروں کے مانند ہیں، جس کے بھی دامن سے وابستہ ہو گئے ہدایت پا گئے، اور میرے اصحاب کا اختلاف تمھارے لئے رحمت ہے، بیہقی نے ''المدخل'' میں اور سجزی نے ''الابانۃ'' میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ خطیب، ابن عساکر اور دیلمی نے اس حدیث کو سلیمان بن ابی کریمہ سے اس نے جویبر سے اس نے ضحاک سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے، لیکن سلیمان بھی ضعیف راوی ہے اور جویبر بھی''

واضح رہے کہ شاہ صاحب نے (تحفہ میں) اسی حدیث کو بطور احتجاج نقل کیا ہے، مگر راویوں کی تضعیف کو نقل کرنے کے بجائے بڑی دیانتداری کے ساتھ اس کو ہضم کر لیا۔

۲۵۔ ملا متقی ھندی نے ''کنز العمال'' ج ۶ ص ۱۳۳ پر حدیث نجوم کو سیوطی کی مذکورہ عبارت میں ان کی تضعیف راوی کے ساتھ نقل کیا ہے، نیز ملا متقی نے ''منتخب کنز العمال'' کے باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے کتاب الایمان والاسلام میں بھی مذکورہ حدیث کو ان

ہی الفاظ میں راویوں کی تضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۲۶۔ ملا علی قاری نے ''مرقاۃ شرح مشکواۃ'' میں حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ابن الربیع کا کہنا ہے کہ حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتد یتم اھتد یتم کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے، اسی طرح جلال الدین سیوطی نے ''تخریج احادیث الشفا'' میں بیان کیا ہے مگر بڑی تلاش کے باوجود مجھے یہ حدیث ''سنن ابن ماجہ'' میں نظر نہیں آئی، ابن حجر عسقلانی نے ''تخریج احادیث الرافعی'' کے باب ادب القضا میں اس کو نقل کرنے کے بعد بڑی طولانی بحث کی ہے مگر کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف وواہی ہے، بلکہ ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ یہ جعلی اور باطل حدیث ہے، لیکن بیہقی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مسلم کی حدیث اس حدیث (نجوم) کے بعض معنی کی تائید کرتی ہے، یعنی رسولؐ خدا نے فرمایا: النجوم امنة للسماء، اور ابن حجر کا کہنا ہے کہ بیہقی نے صحیح کہا ہے کہ یہ حدیث ستاروں سے صحابہ کی تشبیہ کو صحیح تو ثابت کرتی ہے مگر اس سے ان کی اقتداء ثابت نہیں ہوتی، البتہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کہے کہ '' الاھتداء با لنجوم '' اشارہ ہے ان کی اقتداء کی طرف، لیکن میں (قاری) جواب دوں گا کہ '' الاھتدی '' فرع ہے '' الاقتدی '' کی، ابن حجر کہتے ہیں کہ ظاہراً حدیث میں صحابہ کے بعد اٹھنے والے فتنوں کی طرف اشارہ ہے، جب سنتیں مٹ جائیں

گی، بدعتیں سر اٹھانے لگیں گی اور دنیا کے چپہ چپہ میں ظلم وجور نظر آئے گا (یہ تھی ابن حجر کی بات) ابن سبکی نے ''شرح ابن حاجب'' میں عدالت صحابہ کے سلسلے میں اس حدیث کو نقل کیا ہے، لیکن ابن ماجہ کی طرف اس کی نسبت نہیں دی ہے اور انہوں نے ''جامع الاصول'' میں ابن مسیّب کے توسط سے عمر بن خطاب سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ (پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا) سئلت ربی .... اهتدیتم ۔ اس کے بعد کہا کہ (اخرجہ) یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ہے جس کو رزین نے ''تجرید الاصول'' میں نقل کیا ہے، لیکن ابن اثیر کو مذکورہ اصول میں نہیں مل پائی، صاحب ''مشکواۃ'' نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو رزین نے نقل کیا ہے'' (۱)

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں

۱۔ جلال الدین سیوطی نے ابن ماجہ کی طرف نقل حدیث نجوم کی نسبت دی ہے، مگر تلاش کے باوجود سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث نظر نہیں آئی۔

۲۔ ابن حجر عسقلانی نے ''تخریج احادیث رافعی'' میں اس حدیث پر طولانی بحث کرنے کے بعد اس کو ضعیف وواہی بتایا ہے۔

۳۔ ابن حجر عسقلانی نے مذکورہ کتاب میں ابن حزم سے اس حدیث کے جعلی اور باطل ہونے کو نقل کیا ہے۔

۱۔ المرقاۃ شرح مشکواۃ ج۵ ص۵۲۳

۴۔ابن سبکی نے ''شرح مختصر ابن حاجب'' میں اس حدیث پر بحث کی ہے، اور ابن ماجہ کی طرف اس کی نسبت نہیں دی ہے۔

۵۔ابن اثیر جزری نے ''جامع الاصول'' میں سعید بن مسیب کے توسط سے عمر بن خطاب سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور صرف لفظ '' اخرجه '' پر اکتفا کیا ہے، مگر کس نے اخراج کیا اس کا ذکر نہیں کیا ہے، لہذا یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جس کو رزین نے ''تجرید الاصول'' میں ذکر تو کیا ہے مگر ابن اثیر کو مذکورہ اصول میں نہیں مل پائی ہے، اسی وجہ سے صاحب ''مشکواۃ'' نے اس کو نقل تو کیا ہے مگر اصول ستہ میں سے کسی بھی اصل کی طرف نسبت نہ دے سکے، اور صرف اس پر اکتفا کیا کہ اس حدیث کا رزین نے اخراج کیا ہے۔

ملا علی قاری نے ''شرح شفا'' میں حدیث نجوم کی تضعیف بھی کی ہے اور دوسروں کی تضعیف کو نقل بھی کیا ہے، چنانچہ وہ قاضی عیاض کی عبارت '' و قال اصحابی کالنجوم بایهم اقتد یتم اهتد یتم '' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''حدیث اصحابی..............دوسری طرح سے بھی نقل ہوئی ہے، جس کو دار قطنی نے ''الفضائل'' میں اور ابن عبد البر نے اپنی سند سے جابر سے نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کی سند ایسی نہیں ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکے، اور اس کو عبد بن حمید نے اپنی مسند میں ابن عمر سے نقل کیا ہے مگر بزار نے کہا ہے یہ حدیث منکر ہے صحیح نہیں ہے، اور ابن عدی نے ''الکامل'' میں اپنی اسناد سے نافع کے توسط سے ابن عمر سے نقل کیا ہے، مگر اس میں لفظ ''اقتد یتم '' کے بجائے

" فـايهـم اخـذتـم بقولـه " ہے۔لیکن اس کی سند ضعیف ہے، بیہقی نے" المدخل" میں اس حدیث کو عمر اور ابن عباس سے نقل کیا ہے اور دوسری طرح مرسل نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث اس عبارت میں مشہور تو ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے، حلبی نے کہا ہے کہ قاضی عیاض نے جس اعتماد کے ساتھ اس حدیث (نجوم) کو نقل کیا ہے وہ ان کے شایان شان نہیں ہے، کیونکہ محدثین وعلماء رجال کی نظر میں اس کی حقیقت واضح ہے، البتہ قاضی نے ایسی غلطی کئی بار کی ہے. میں (قاری) کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ قاضی کے نزدیک اس کی سند ثابت ہو، یا اتنے طریق سے نقل ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ ضعیف حدیث ان کی نظر میں حسن ہوگئی ہو، اس کے علاوہ فضائل اعمال سے متعلق ضعیف حدیث پر عمل ہوتا ہے ، والله اعلم بحقيقة الاحوال "

اس عبارت سے درج ذیل وجوہات کی بناء پر حدیث نجوم کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے

۱۔ جابر سے مروی حدیث نجوم کی سند اتنی ضعیف ہے کہ ابن عبد البر کو کہنا پڑا" هـذا اسناد لا تقوم به حجة "

۲۔ ابن عمر سے مروی حدیث نجوم کے بارے میں حافظ بزار نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث منکر ہے صحیح نہیں ہے۔

۳۔ ابن عدی نے" الکامل" میں ابن عمر سے حدیث نجوم کو نقل کیا ہے، اور اس کی سند

ضعیف ہے۔

۴۔ بیہقی نے ''المدخل'' میں حدیث نجوم کو عمر، ابن عباس اور دوسرے طریق سے نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے مگر سند ضعیف ہے۔

۵۔ شارح ''شفا'' حلبی نے مصنف ''شفا'' قاضی عیاض پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اتنے اطمینان کے ساتھ قاضی عیاض کو اس حدیث کو نقل نہیں کرنا چاہئے تھا، کیونکہ محدثین کی نظر میں یہ حدیث ضعیف ہے، اور اسی طرح کی غلطی قاضی عیاض سے کئی مرتبہ ہوئی ہے، یعنی انہوں نے کئی مرتبہ ضعیف حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے جس طرح صحیح حدیث کو نقل کیا جاتا ہے۔

اور قاری کا قاضی عیاض پر حلبی کے اعتراض کا یہ جواب دینا کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ قاضی عیاض کو مل گئی ہو، یا کثرت طرق کی وجہ سے حدیث کا ضعف دور ہو گیا ہو، نیز اعمال سے متعلق ضعیف احادیث پر عمل کیا جا سکتا ہے، درج ذیل وجوہات کی بناء پر غلط ہے۔

ا۔ جب بزرگ محدثین اہلسنت کو خواہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے، صحیح سند کے ساتھ حدیث نجوم نہ مل سکی، تو قاضی عیاض کے بارے میں خیال کرنا کہ ان کو صحیح السند حدیث مل گئی ہوگی بعید از عقل بات ہے، کیسے یہ بات مان لی جائے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو قاضی عیاض اس کا ضرور ذکر کرتے، اور اپنی تلاش پر فخر کرتے، نہ یہ کہ اپنے سینے میں رکھ کر ناقدین کی تنقید کا نشانہ بنتے۔

۲۔اس کے قبل تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ احمد بن حنبل نے اس حدیث کو غیر صحیح بلکہ جعلی بتایا ہے، شافعی کے شاگرد خاص مزنی نے غیر صحیح کہا ہے، حافظ بزار نے اس کی سند پر بھی جرح کیا ہے اور متن پر بھی، حافظ ابن عدی نے اس کی تضعیف کی ہے، دار قطنی نے بھی ضعیف کہا ہے، حافظ ابن حزم نے اس کو جھوٹی، گڑھی ہوئی اور باطل بتایا ہے اور کہا ہے کہ ہرگز یہ حدیث صحیح نہیں ہے، بیہقی نے بھی اس کی سند کی تضعیف کی ہے، اور ابن عبد البر نے حافظ مزنی اور حافظ ابو بکر بزار سے تضعیف حدیث کو نقل بھی کیا ہے، اور خود بھی تضعیف کی ہے۔

یہ سارے کے سارے اہلسنت کے بزرگ محدثین وحفاظ میں سے ہیں جو قاضی عیاض سے پہلے تھے، اگر قاضی کو ان سب کے نظریئے کی خبر نہ تھی تو بعض کی تو ہوئی ہوگی، اس صورت میں اگر ان کو صحیح سند کی خبر نہ تھی تو پھر کیوں نہیں اس کا ذکر کیا تا کہ حدیث کا دامن پاک ہو جاتا، قاضی کو چاہئے تھا کہ وہ سند کو بیان کرتے نہ یہ کہ اس سے چشم پوشی کر کے بڑے اعتماد سے حدیث کو نقل کرتے۔

۳۔اگر اس حدیث کی سند صحیح ہوتی اور قاضی عیاض اس کو ذکر نہ کر پائے، تو کم سے کم کتاب ''الشفا'' کے شارحین اور اس کتاب سے حدیث اخراج کرنے والے جو قاری سے پہلے تھے، اس کی سند کو بیان کرتے، اور قاضی کو جنجال سے نکالتے، مگر کسی نے ایسا نہیں کیا بلکہ قاضی کی روش پر حافظ زین الدین عراقی اور ابوذر حلبی جیسے مستند علماء نے اعتراض کیا ہے، ''مرقاۃ'' کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جلال الدین سیوطی نے ''تخریج احادیث شفا'' میں

ابن ماجہ سے منسوب کر کے حدیث نجوم کو نقل کیا ہے، جب کہ ابن ماجہ کی سنن میں اس کا پتہ نہیں ہے۔

۴۔ قاری نے حدیث نجوم کے سلسلے میں جو کثرت طرق کی بات کہی ہے، وہ ان کے شایان شان بات نہیں ہے، کیونکہ گذشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کا کثرت طرق و سند سے کوئی ربط نہیں ہے، اور جو ایک دو سندیں ملتی ہیں، وہ سب کی سب ضعیف ہیں اور کسی نے ایک دو سندوں کی وجہ سے اس ضعیف حدیث کو حسن حدیث نہیں کہا ہے، پھر کس طرح ہم قاضی عیاض کے بارے میں حسن ظن رکھ سکتے ہیں کہ ان کی نظر میں یہ حدیث حسن ہوگی؟ کیا ایسا ظن، ظن فاسد نہیں ہے۔

۵۔ قاری کا یہ کہنا کہ فضائل اعمال سے متعلق ضعیف حدیث پر عمل ہوتا ہے، اگر اس بات کو مان لیں تب بھی درج ذیل وجوہات کی بناء پر ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا ہے۔

الف: حدیث نجوم ضعیف حدیث نہیں ہے بلکہ جھوٹی، جعلی اور باطل ہے، اور جعلی حدیثیں کسی بھی موقع پر لائق عمل نہیں ہیں۔

ب: اس حدیث میں کسی عمل کی فضیلت بیان نہیں کی گئی ہے کہ اسی کے بہانے اس پر عمل کیا جا سکے، بلکہ اس حدیث کا ربط سارے صحابیوں کی اقتداء اور ان سے ہدایت حاصل کرنے کا ہے، اور یہ ایسا عظیم اور نازک مسئلہ ہے کہ اس مقصد کے حصول کی خاطر کوئی بھی عقلمند اس جیسی حدیث سے تمسک نہیں کر سکتا ہے۔

ج: اگر ان ساری باتوں سے چشم پوشی کر لی جائے اور فرض کیا جائے کہ چونکہ یہ حدیث

،فضائل صحابہ سے متعلق تھی لہذا قاضی عیاض نے اس کو نقل کر دیا، پھر بھی جو اعتراض قاضی پر وارد ہوا ہے وہ اپنی جگہ باقی ہے، اور وہ ضعیف حدیث کا قطع و جزم کے ساتھ نقل کرنا ہے، اس سلسلے میں قاری کی پیترے بازی قاضی کو ان پر ہوئے اعتراض سے نہیں بچا سکتی، آئندہ خفاجی اور شوکانی کی توجیہ کے جواب سے قاری کی حیلہ سازی مزید آشکار ہوگی۔

۲۷۔عبد الرؤوف مناوی نے ''تیسیر شرح جامع صغیر'' میں اکابر ناقدین حدیث سے تضعیف حدیث نجوم کو نقل کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: (بریکٹ میں عبارت جامع صغیر کی ہے اور بقیہ مناوی کی توضیح ہے)

''(میں نے اپنے پروردگار سے ان باتوں کے بارے میں جن میں میرے اصحاب اختلاف کریں گے سوال کیا) یعنی پوچھا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ (میرے بعد) یعنی میرے مرنے کے بعد (مجھ پر وحی نازل ہوئی اے محمدؐ تمھارے اصحاب میرے نزدیک آسمان میں ستاروں جیسے ہیں کہ ان میں بعض بعض سے روشن تر ہیں، پس جس نے ان چیزوں میں سے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں کسی ایک کی بات لے لیا وہ میری نظر میں ہدایت یافتہ ہے) کیونکہ توحید اور دین کی مدد کرنے میں وہ ایک ہیں، اختلاف اجتہاد کی وجہ سے ہے، ہر شخص اپنے اجتہاد پر ایک دلیل رکھتا ہے، اسی لئے ان کا اختلاف رحمت ہے، جیسا کہ (سجزی نے الابانہ میں) اصول الادیانۃ سے اور (ابن عساکر نے عمر سے حدیث نقل کی ہے) مگر ابن جوزی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور ذہبی نے اس

حدیث کو باطل بتایا ہے‘‘(۱)

عبدالرؤف مناوی نے ’’فیض القدیر شرح جامع صغیر‘‘ میں بھی حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، نیز بزرگ محدثین و مؤرخین کی تضعیف کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث ’’سئلت ربی فیما یختلف اصحابی من بعدی فاوحی الیّ یا محمد ان اصحابك عندی بمنزلة النجوم ....‘‘ کی شرح میں لکھتے ہیں:

’’اس حدیث کو سجزی نے کتاب ’’الابانۃ‘‘ میں ’’اصول الدیانۃ‘‘ سے اور ابن عساکر نے اپنی ’’تاریخ‘‘ میں عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے، مگر ابن جوزی نے ’’العلل‘‘ میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کے سلسلۂ سند میں نعیم ہے جو ضعیف ہے، اور عبدالرحیم ہے جس کو ابن معین نے کذاب کہا ہے۔ اور ’’لسان المیزان‘‘ میں اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے. ابن حجر نے ’’تخریج المختصر‘‘ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، جب کہ بزار سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ پیغمبرؐ کی طرف سے اس حدیث کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے (یعنی حضرتؐ نے یہ حدیث ارشاد نہیں فرمائی ہے) کمال ابن ابی شریف کا بیان ہے کہ ہمارے استاد (یعنی ابن حجر) کی باتوں سے یہ حدیث مضطرب نظر آتی ہے، ابن عساکر کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو سعید سے زید عمی ابوالحواری نے نقل کیا ہے اور وہ حدیث کے سلسلے میں ضعیف تھا، اور ابن

۱۔ التیسیر فی شرح الجامع الصغیر ج۲ ص ۴۸

عدی کا کہنا ہے کہ اس نے جس سے بھی روایت کی ہے اور اس سے جس نے بھی روایت کی ہے وہ سب کے سب ضعیف ہیں'' (۱)

۲۸۔ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی مصری حنفی نے ''نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض'' میں حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''رسول خداؐ نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے جس کو دارقطنی اور ابن عبدالبر نے ''العلم'' میں ایسے طریق سے نقل کیا ہے جس کے سلسلہء سند میں سارے کے سارے راوی ضعیف ہیں، بلکہ ابن حزم نے تو بڑے ٹھوس لہجے میں کہا ہے کہ یہ حدیث جعلی اور گڑھی ہوئی ہے، اور حافظ عراقی نے کہا ہے کہ مصنف (قاضی عیاض) نے جس اعتماد واطمینان کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے اس اعتماد کے ساتھ اس کو نقل نہیں کرنا چاہئے تھا، اور یہ جو کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض پر حافظ عراقی کا اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے کیونکہ مصنف (قاضی عیاض) نے اس حدیث کو فضائل صحابہ میں نقل کیا ہے اور اس بات کو سبھی مانتے ہیں کہ فضائل اعمال سے متعلق ضعیف حدیث پر عمل کیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ ایسی حدیث جو صحابہ سے متعلق ہو، غلط ہے کیونکہ حدیث '' اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم '' کا ربط ان احکام پر عمل کرنے سے ہے جن کو انہوں نے انجام دیا ہے یا بیان کیا ہے، اس کا ربط فضائل سے نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے

۱۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۴ ص ۷۴

ضعیف حدیث پر عمل کیا جا سکے۔"(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خفاجی نے چند طریقے سے حدیث نجوم کو ضعیف ثابت کیا ہے۔

۱۔ تصریح کی ہے کہ اس کے سارے راوی ضیف ہیں۔

۲۔ وضاحت کی ہے کہ ابن حزم نے بڑے یقین سے اس حدیث کو جعلی کہا ہے۔

۳۔ حافظ عراقی سے نقل کیا ہے کہ مصنف شفا کو ایسی حدیث کو اتنے یقین سے نقل نہیں کرنا چاہیئے۔

۴۔ قاضی عیاض پر حافظ عراقی کے اعتراض کو قبول کیا ہے، اور جنہوں نے قاضی کی طرفداری میں الٹی سیدھی توجیہیں کی ہیں ان کو رد کیا ہے۔

لیکن تعجب کی بات ہے کہ پہلے حافظ عراقی کے اعتراض کو خفاجی نے قبول کیا اور پھر قاضی عیاض کا اس طرح دفاع کیا کہ:

"اگر کہا جائے کہ یہ حدیث (نجوم) اس کے پہلے والی حدیث (اقتداء بر شیخین) کے ہم معنی ہے، اور چونکہ وہ حدیث (اقتداء) صحیح ہے لہذا اس حدیث (نجوم) کو پہلے والی حدیث (اقتداء) کی متابعت میں اس کے بعد ذکر کیا ہے، اور اعتماد کے ساتھ حدیث نجوم کو نقل کرنے کی وجہ یہی ہے تو یہ توجیہ سب سے بہتر ہوگی"

۱۔ نسیم الریاض شرح شفای قاضی عیاض ج ۴ ص ۲۴۔۴۲۳

مگر خفاجی کی یہ توجیہ درج ذیل وجوہات کی بناء پر ماننے کے لائق نہیں ہے۔

ا۔حدیث اقتداء اور حدیث ہے اور حدیث نجوم اور، پہلی حدیث صرف شیخین (ابوبکرو عمر) کے لئے جعل ہوئی ہے، جب کہ دوسری حدیث (نجوم) سارے صحابہ کے لئے وضع کی گئی ہے، اسی وجہ سے اہلسنت کے بہت سارے اصولی علماء نے حدیث نجوم کو حدیث اقتداء کا معارض قرار دیا ہے، چنانچہ جو شخص آمدی کی ''احکام الاحکام'' ابن حاجب کی ''مختصر الاصول'' عضدالدین لاہجی کی اس کی شرح، اس شرح پر تفتازانی کا حاشیہ، عبری کی ''شرح المنہاج'' مجدالدین ایکی کی ''معراج الوصول'' ابن ہمام سیواسی کی ''التحریر'' ابن امیر الحاج حلبی کی ''التقریر والتحریر'' امیر بادشاہ بخاری کی ''التیسیر'' محب اللہ بہاری کی ''مسلم الثبوت'' ملا نظام الدین سہالوی کی ''صبح صادق'' عبدالعلی لکھنوی کی ''فواتح الرحموت'' اور مولوی ولی اللہ لکھنوی کی ''شرح المسلم'' کا مطالعہ کرے گا وہ میری بات کی تائید وتصدیق کرے گا۔ لہذا جو حدیث کسی حدیث کی معارض ہو ان دونوں کو ایک معنی میں پیش کرنا ضدین کو جمع کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔حدیث اقتداء (یعنی اقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکر و عمر) کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے، غلط بات ہے، کیونکہ میں نے عبقات الانوار حدیث طیر میں اور خود اسی جلد (ثقلین) میں اکابر علمائے اہلسنت کے اقوال کی روشنی میں اس کے جعلی ہونے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے اسی کتاب میں ساتویں معارض حدیث کا جواب)

۳۔ یہ کہنا کہ قاضی عیاض نے حدیث نجوم کو حدیث اقتدا کے بعد اس کی متابعت میں پیش کیا ہے، غلط ہے، کیونکہ ابن الصلاح، علامہ نووی اور زین الدین عراقی جیسے علمائے علم درایہ نے وضاحت کی ہے کہ دو حدیثوں میں متابعت اس وقت ہوتی ہے جب وہ متعدد راویوں سے نقل ہوئی ہوں، اور دوسری حدیث پہلی حدیث کے ہم معنی ہو، اور یہ بات واضح ہے کہ حدیث نجوم اور حدیث اقتداء ایک حدیث نہیں اور نہ ہی حدیث نجوم، حدیث اقتداء کی ہم معنی ہے، بلکہ اس کی معارض ہے، لہذا حدیث نجوم اور حدیث اقتداء میں نہ تو متابعت کا رشتہ ہے نہ ہی حدیث نجوم حدیث اقتداء کی شاہد بن سکتی ہے، اور جب ایسا ہے تو خفاجی کا یہ کہنا کہ ''قاضی عیاض نے حدیث نجوم کو حدیث اقتدا کے بعد اس کی متابعت میں پیش کیا ہے'' (اسی وجہ سے بڑے اعتماد سے نقل کیا ہے) غلط ہے۔

۴۔ علمائے علم درایہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جعلی اور جھوٹی حدیثوں کو نہ تو کسی حدیث کی متابعت میں پیش کیا جا سکتا ہے نہ ہی شاہد کے طور پر سوائے چند مخصوص افراد کی ضعیف روایتوں کے، اور چونکہ میں نے حدیث نجوم کے جعلی، جھوٹی اور باطل ہونے کو ثابت کر دیا ہے، بلکہ خود خفاجی نے اس کے جعلی ہونے کو ابن حزم سے نقل کیا ہے، اور جیسا کہ میں نے اس کے راویوں کو حدیثیں گڑھنے والا ثابت کیا ہے، تو اس صورت میں اس حدیث کو متابعت میں پیش کرنا عقلاء کا کام نہیں ہے۔

۵۔ بالفرض حدیث اقتداء کے ہم معنی ہے، اور بالفرض حدیث اقتداء حدیث صحیح ہے کہ اس رو سے قاضی عیاض کے لئے متابعت کے سلسلے میں راہ جواز پیدا ہو جائے، تب بھی

خفاجی کی توجیہ کارگر ثابت نہیں ہوسکتی، کیونکہ ان کی توجیہ اس وقت سودمند ہوتی جب قاضی عیاض حدیث اقتداء کو بطور قطع و جزم نقل کرتے اور حدیث نجوم کو بصورت ضعیف، کیونکہ خفاجی کی نظر میں حدیث اقتداء صحیح حدیث ہے جب کہ حدیث نجوم صحیح حدیث نہیں ہے، مگر قاضی نے ایسا نہیں کیا اور حدیث اقتداء کو اپنی سند کے ساتھ اور حدیث نجوم کو بغیر ذکر سند کے بطور قطع و جزم نقل کیا ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ حدیث صحیح کو بغیر قطع و جزم کے نقل کرنا اور حدیث غیر صحیح کو قطع و جزم کے ساتھ بیان کرنا غیر مناسب بات ہے اور اس کے لئے کوئی راہ جواز نہیں ہے۔

لہٰذا خفاجی نے قاضی عیاض کی حمایت میں جس راہ حل کو اقویٰ و احسن کہا ہے وہ تار عنکبوت سے زیادہ کمزور ہے۔

۲۹۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد محمد معین سندھی نے "دراسات اللبیب" میں حدیث ثقلین کو نقل کر کے اس سے عصمت اہلبیتؑ کو ثابت کرنے کے بعد، حدیث نجوم کو صراحتاً جعلی بتایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص کہے کہ یہ حدیثیں بھی تو وارد ہوئی ہیں " اصحابی کالنجوم بایھم اقتد یتم اھتد یتم " اور " اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر " اور " علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین " جن میں اہلبیت کے علاوہ دوسروں کی اقتداء اور ان کی اقتداء سے ہدایت پانے کی تشویق کی گئی ہے، تو میں جواب دوں گا کہ ان میں پہلی

حدیث (نجوم) جعلی اور گڑھی ہوئی ہے"(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ محمد معین سندھی نے واضح لفظوں میں حدیث نجوم کو جعلی بتایا ہے اور حدیث ثقلین کے مقابلے میں اس کو رد کیا ہے، پس جس حدیث کو علمائے اہلسنت مردود قرار دیں، اور اس کے جعلی ہونے کی تصریح کریں، اس حدیث کو مخاطب (مؤلف تحفہ) حدیث ثقلین کی معارض قرار دیں؟!

۳۰۔ قاضی محب اللہ بہاری نے "مسلم الثبوت" میں حدیث نجوم کے ضعیف ہونے کی وضاحت کی ہے، چنانچہ وہ اجماع شیخین اور اجماع خلفائے اربعہ کی نفی حجیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حجیت اجماع شیخین اور حجیت اجماع خلفائے اربعہ کے قائلین ان حدیثوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں" اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر" اور" علیکم بسنتی .... "میں کہوں گا کہ ان حدیثوں کے مخاطب مقلدین ہیں، اور اس بات کی بیان گر ہیں کہ ان (خلفاء) میں اتباع کی اہلیت پائی جاتی ہے، کیونکہ مجتہدین ان کی مخالفت کرتے تھے اور مقلدین کبھی اوروں کی تقلید کرتے تھے، اور اگر ان کو حدیث " اصحابی کالنجوم "اور حدیث" خذوا شطر دینکم عن الحمیرا" کا معارض قرار دیا جائے جیسا کہ المختصر میں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں

۱۔ دراسات اللبیب فی الاسوۃ بالحبیب ص ۲۴۰

حدیثیں ضعیف ہیں'' (۱)

احوال و آثار

قاضی محبّ اللہ بہاری، ہندوستان میں اپنے وقت میں اہلسنت کے جید عالم دین تھے، غلام علی آزاد بلگرامی، ''سبحۃ المرجان'' میں لکھتے ہیں:

''قاضی محبّ اللہ، ہندوستان کے صوبہ بہار کے رہنے والے تھے، وہ علوم کے دریا اور علمی ستاروں کے درمیان ماہ تاباں تھے، کسب علم کے لئے بہت سارے اساتید کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تھا، سب سے زیادہ مولوی قطب الدین شمس آبادی سے کسب فیض کیا تھا، تکمیل درس کے بعد جنوب ہند دکن گئے تھے، اور جب سلطان عالمگیر تک رسائی ہوئی تو سلطان نے انہیں لکھنؤ کا قاضی بنا دیا، کچھ سالوں کے بعد انہیں معزول کر دیا اور وہ دوبارہ دکن واپس چلے گئے، مگر پھر سلطان عالمگیر نے دکن کا پایہ تخت حیدآباد کا قاضی منصوب کر دیا، کسی وجہ سے سلطان ناراض ہو گئے اور انہوں نے ان کو معزول کر دیا مگر بعد میں معاملہ رفع دفع ہو گیا اور اپنے پوتے رفیع قدر کی تعلیمی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی، جب سلطان عالمگیر نے کابل کی حکومت اپنے بیٹے محمد معظم ملقب بہ شاہ عالم کے حوالے کی اور شاہ عالم اور رفیع قدر دکن سے کابل کے لئے روانہ ہوئے، تو

۱۔ مسلم الثبوت باشرح عبد العلی ج۲ص ۵۱۰

قاضی بھی ساتھ چلے گئے، کچھ دنوں کے بعد ۱۱۱۸ھ میں عالمگیر کا دکن میں انتقال ہوگیا اور شاہ عالم کابل سے ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، اور قاضی کو عظیم منصب عطا کیا اور فاضل خان کے لقب سے ان کو نوازا ۔منطق میں ''سلم العلوم'' اصول فقہ میں ''مسلم الثبوت'' اور فلسفہ میں ''الجوھر الفرد'' ان کی مشہور تصنیفات ہیں''(۱)

صدیق حسن خان نے ''ابجد العلوم'' میں تفصیل سے ان کا شرح حال لکھا ہے۔

۴۳۱۔ ملا نظام الدین سہالوی نے ''صبح صادق شرح منار'' میں واضح لفظوں میں حدیث نجوم کو جعلی بتایا ہے، چنانچہ وہ بحث اجماع میں ان لوگوں کی رد میں جو حدیث اقتداء اور حدیث ''علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین'' سے احتجاج کرتے ہیں لکھتے ہیں:

''اس کا یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ان حدیثوں کی معارض ہیں:'' اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم '' اور ''خذوا شطر دینکم عن ھذہ الحمیرا '' مگر اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث (نجوم) گر چہ معتبر کتابوں میں نظر آتی ہے مگر یہ مجہول حدیث ہے، ابن حزم نے اپنے ''رسالۃ الکبری'' میں اس کو جھوٹی، جعلی اور باطل حدیث بتایا ہے، اور احمد اور بزار نے بھی یہی بات کہی ہے، اور دوسری حدیث بھی مجہول و

۱۔ سبحۃ المرجان بذکر آثار ھندوستان ص ۷۷

ناشناختہ ہے جیسا کہ مزی اور ذہبی وغیرہ نے کہا ہے، اور ذہبی نے کہا ہے کہ یہ ان حدیثوں میں سے ہے جس کی سند کا پتہ ہی نہیں ہے، سبکی اور ابوالحجاج کا کہنا ہے کہ جس حدیث میں لفظ ''حمیرا'' ہو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے سوائے ایک حدیث کے جس کو نسائی نے نقل کیا ہے، اسی طرح کی باتیں ''التحریر'' کی بعض شروح میں نظر آتی ہیں''

۳۲۔ مولوی عبدالعلی لکھنوی معروف بہ بحر العلوم نے ''فواتح الرحموت'' میں بحث اجماع شیخین اور اجماع خلفائے اربعہ میں حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''رہی بات حدیث ''اصحابی کالنجوم فبایهم اقتد یتم اهتد یتم'' کے معارض ہونے کی، جس کو ابن عدی اور ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے اور حدیث ''خذوا شطر دینکم عن الحمیرا'' یعنی ام المومنین عائشہ کی، جیسا کہ ''المختصر'' میں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں، ان میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ ان پر عمل کیا جا سکے، صحیح حدیث کے معارض ہونے کی بات تو بہت دور کی ہے۔ پہلی حدیث (نجوم) مجہول وشناختہ شدہ نہیں ہے، ابن حزم نے ''رسالۃ الکبریٰ'' میں اس حدیث کو جھوٹی، جعلی اور باطل بتایا ہے، اور احمد اور بزار نے بھی یہی کہا ہے، اور دوسری حدیث کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے کہ یہ واہی حدیثوں میں سے ہے، اس کی سند کا پتہ ہی نہیں ہے، سبکی اور ابوالحجاج کا بیان ہے کہ جس حدیث میں لفظ ''حمیرا'' ہو اس کی کوئی

حقیقت نہیں ہے، سوائے ایک حدیث کے جس کو نسائی نے نقل کیا ہے، یہی بات ''التیسیر'' میں بھی نظر آتی ہے''(۱)

۳۳۔ حافظ محمد بن علی بن شوکانی نے ''ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول'' میں بحث اجماع میں حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اسی طرح یہ حدیث ہے "اصحابی کالنجوم بایهم اقتد یتم اهتد یتم '' کہ جس سے ہر صحابی کے قول کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے، مگر اس حدیث پر مشہور و معروف اعتراض یہ ہے کہ اس کے سلسلۂ سند میں عبدالرحیم ہے جس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، اور دونوں ہی بہت ضعیف راوی ہیں، بلکہ ابن معین نے کہا ہے کہ عبدالرحیم کذّاب ہے، بخاری اور ابو حاتم نے متروک الحدیث بتایا ہے۔ یہی حدیث دوسرے طریق سے نقل ہوئی ہے مگر اس کے سلسلہ ءسند میں حمزہ نصیبی ہے جو بہت ضعیف راوی ہے، بخاری نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے، اور ابن معین نے کہا ہے کہ وہ ایک پیسہ کا آدمی نہیں ہے، اور ابن عدی کا بیان ہے کہ اس کی عام طور سے روایتیں جعلی اور گڑھی ہوئی ہیں، اسی طرح یہ حدیث جمیل بن زید کے طریق سے مروی ہے مگر یہ شخص مجہول و ناشناختہ ہے''(۲)

شوکانی کی عبارت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۵۱۰ ۲۔ ارشاد الفحول ص ۸۳

۱۔تصریح کیا ہے کہ اس حدیث کے متعلق بات مشہور ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی قدح وجرح کے متعلق ناقدین و محققین کی رائے سے علماء باخبر تھے۔

۲۔اس حدیث کی عبدالرحیم بن عمی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور دونوں ضعیف ہیں۔

۳۔عبدالرحیم کی قدح میں ابن معین سے نقل کیا کہ وہ کذّاب ہے۔

۴۔عبدالرحیم کے متروک الحدیث ہونے کو بخاری سے نقل کیا۔

۵۔تصریح کیا کہ ابوحاتم نے بھی عبدالرحیم کو متروک کہا ہے۔

۶۔وضاحت کیا ہے کہ حدیث نجوم دوسرے طریق سے بھی نقل ہوئی ہے، مگر اس کے سلسلۂ سند میں حمزۂ نصیبی ہے جو بہت ضعیف راوی ہے۔

۷۔حمزہ نصیبی کی تضعیف میں بخاری سے نقل کیا ہے کہ وہ منکرالحدیث ہے۔

۸۔حمزہ نصیبی کے بارے میں ابن معین سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک کوڑی کا بھی آدمی نہیں ہے، کیا اس سے بڑھ کر بھی توہین ہوسکتی ہے۔

۹۔ابن عدی سے نقل کیا کہ حمزہ کی عام طور سے روایتیں جعلی اور گڑھی ہوئی ہیں۔

۱۰۔اس بات کی وضاحت کی کہ حدیث نجوم جمیل بن زید کے طریق سے بھی منقول ہے، مگر وہ مجہول راوی ہے۔

شوکانی نے ''ارشاد الفحول'' ہی میں بحث عدم حجیت قول صحابی میں بھی حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

’’قول صحابی کی حجیت کے قائلین نے اس حدیث سے تمسک کیا ہے ’’اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم‘‘ مگر اس حدیث کی صحت ثابت نہیں ہے۔ اور اس پر ہوئے اعتراض سے محدثین باخبر ہیں، کہ اس اعتراض کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حدیث سے ایک چھوٹے سے حکم پر عمل نہیں کر سکتے، پس کس طرح ایک امر عظیم کے سلسلے میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے‘‘

شوکانی کی اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حدیث نجوم ان احادیث میں سے ہے جس کی صحت ثابت نہیں ہے۔

۲۔ محدثین اس حدیث کی حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں، اور وہ اس کو صحیح نہیں مانتے ہیں۔

۳۔ تصریح کیا ہے کہ یہ حدیث اتنی ضعیف ہے کہ اس جیسی حدیث پر تکیہ کرتے ہوئے کسی چھوٹے سے احکام شرعی پر بھی عمل نہیں کیا جا سکتا ہے، پھر کس طرح ایک امر عظیم کے سلسلے میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ وہ قول صحابی کا حجت ہونا ہے۔

شوکانی نے ’’القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید‘‘ میں بھی حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، چنانچہ انہوں نے جس جگہ ادلہ مقلدین کو نقل کیا ہے لکھا ہے:

’’جن حدیثوں سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے ان میں ایک حدیث یہ ہے ’’اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم‘‘ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی جابر اور ابن عمر کے طریق سے روایت کی گئی ہے،

اور ائمۂ جرح وتعدیل نے تصریح کیا ہے کہ ان میں کی کوئی بھی سند صحیح نہیں ہے، اور اس کا بیان پیغمبرؐ ہونا ثابت نہیں ہے، اور حفاظ ومحدثین نے اس حدیث کے بارے میں بہت ساری باتیں کہی ہیں، جو شخص اس کی سند اور تضعیف کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ اس موضوع سے متعلق لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ کرے، خلاصہ یہ کہ یہ حدیث مدعیٰ پر دلیل نہیں بن سکتی''

شوکانی کی اس عبارت سے کئی لحاظ سے حدیث نجوم کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ ائمہ جرح وتعدیل نے تصریح کیا ہے کہ حدیث نجوم جتنے طرق واسناد سے نقل ہوئی ہے ان میں کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔

۲۔ ائمہ جرح وتعدیل سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث، پیغمبر اسلامؐ سے ثابت نہیں ہے۔

۳۔ اس بات کی وضاحت کیا ہے کہ حفاظ ومحدثین نے اس حدیث کے سلسلے میں کافی جرح وبحث کیا ہے۔

۴۔ بڑے اعتماد سے کہا ہے کہ جو شخص اس حدیث کی سند اور اس کی تضعیف کے سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کو چاہیئے کہ اس سلسلے میں لکھی جانے والی کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

۵۔ آخر میں اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ حدیث مدعیٰ کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

۳۴۔ ولی اللہ بن حبیب اللہ لکھنوی نے ''شرح مسلم الثبوت'' میں حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے، چنانچہ وہ حدیث اقتداء اور حدیث سنۃ الخلفاء سے بعض علماء کے احتجاج کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مذکورہ دونوں حدیثوں کی معارض یہ حدیثیں ہیں' اصحابی کالنجوم بایھم اقتد یتم '' جس کو ابن عدی اور ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے، اور حدیث'' خذوا شطر دینکم عن الحمیرا ''یعنی عائشہ، گرچہ ان کا قول شیخین (ابوبکر وعمر) یا خلفائے اربعہ کے قول کے مخالف ہو، اس بناء پر اس تعارض سے سارا احتجاج واستدلال غلط ہو جائے گا، جیسا کہ ابن حاجب نے'' المختصر'' میں بیان کیا ہے، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں، اور مصنف (مسلم الثبوت) نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ'' دوسری حدیث(خذوا شطر دینکم ....) سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حدیث پیغمبر گو عائشہ سے لو نہ کہ خود ان کی باتوں کو، پہلی حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ احمد نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور بزار نے کہا ہے کہ اس جیسی حدیث کی پیغمبر کی طرف نسبت دینا صحیح نہیں ہے، اور دوسری حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ ذہبی نے اس کو احادیث واہیہ میں شمار کیا ہے، اور سبکی نے اپنے استاد (مزّی) سے نقل کیا ہے کہ جس حدیث میں بھی لفظ'' الحمیرا '' ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہی بات'' التقریر'' میں نظر آتی

ہے'' نیز معلوم ہونا چاہئے کہ پہلی حدیث (نجوم) گرچہ معتبر کتابوں میں عمر، ابن عمر، جابر، ابن عباس اور انس سے مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے جن میں الفاظ کے لحاظ سے وہ حدیث قریب ہے جس کو ابن عدی نے ''الکامل'' میں اور ابن عبد البر نے اپنی کتاب ''بیان العلم'' میں ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا : میرے اصحاب کی مثال ستاروں جیسی ہے جن سے ہدایت پائی جاتی ہے پس جس کی بھی بات پر تم نے عمل کر لیا ہدایت پا گئے، مگر احمد اور بزار کے بقول یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور ابن حزم نے اپنے رسالۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی، جعلی اور باطل ہے، البتہ ایک صحیح حدیث ہے جو اس کے بعض معنی کی نشاندہی کرتی ہے (ان کی بات کس حد تک درست ہے آئندہ آنے والی بحث اس کو روشن کرے گی) اور وہ ابو موسی کی مرفوع حدیث ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا : ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں اگر ستارے ختم ہو جائیں تو جس عذاب کا اہل آسمان سے وعدہ کیا گیا ہے ان پر نازل ہوگا، اور اصحاب کے لئے میں امان ہوں اگر میں چلا جاؤں تو میرے اصحاب پر وہ بلا آئے جس کا وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے اصحاب میری امت کے لئے امان ہیں، اگر اصحاب اٹھ جائیں تو میری امت پر وہ ساری بلائیں نازل ہوں جن کا وعدہ کیا گیا ہے، اسی روایت کو'' التیسیر'' میں ''التقریر'' سے نقل کیا گیا ہے، اور دوسری حدیث (خذوا شطر ....) کے بارے میں مرقوم ہے کہ حافظ عماد الدین بن کثیر نے حافظ مزی

اور حافظ ذہبی سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے اس حدیث کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ یہی بات بہت سارے حفاظ نے کہی ہے، اور ذہبی کا کہنا ہے کہ یہ واہی حدیثوں میں سے ہے جن کی اسناد کا پتہ نہیں ہے، اور سبکی اور حافظ ابوالحجاج مزی کا بیان ہے کہ جس حدیث میں لفظ ''الحمیرا'' ہے وہ بے بنیاد حدیث ہے سوائے ایک حدیث کے جس کو نسائی نے نقل کیا ہے، لہذا یہ دونوں حدیثیں (حدیث نجوم اور حدیث خذوا شطر ....) پہلی دونوں حدیثوں (حدیث اقتداء اور حدیث سنة الخلفاء) کی معارض نہیں بن سکتیں''

احوال وآثار

ولی اللہ لکھنوی، ھندوستان کے جید علمائے اہلسنت میں سے ہیں وہ اپنی کتاب'' اغصان اربعہ'' میں اپنے والد حبیب اللہ کی اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عمر کی لحاظ سے سب سے بڑی اولاد خود راقم الحروف ہے، ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، اور شرح جامی سے مسلم الثبوت تک کی کتابیں اپنے چچا ملا مبین سے پڑھیں، تکمیل درس کے بعد اکثر اوقات قدماء کی کتابوں کے مطالعے اور متاخرین کے اقوال کی تحقیق میں صرف کیے، ایک عرصہ تدریس میں گزارے اور ایک زمانہ تالیف میں، بہت سارے ناگوار واقعات دیکھنے کو آئے، مگر ہمیشہ تائید الٰہی ہوتی رہی، ایک زمانہ تک اولاد نرینہ سے محروم رہا اور جب یہ دولت ملی

تو اسی کو موت کی آغوش میں سوتا ہوا دیکھا، اب جب کہ ساٹھ سال کی عمر ہوگئی ہے، اللہ نے دو بیٹے اور ایک بیٹی عنایت کی ہے، خدا ان سب کو عمر طبعی تک پہونچائے، اور علم کی دولت سے مالا مال کرے، انہ علی کل شئی قدیر''

ولی اللہ لکھنوی کے بیٹے مولوی محمد انعام اللہ نے ''ضمیمہ اغصان اربعہ'' میں بھی اپنے باپ کے حالات تحریر کئے ہیں، اوران کی درج ذیل تالیفات بیان کی ہیں، نفائس الملکوت شرح مسلم الثبوت، تفسیر معدن الجواھر، حاشیہ ھدایۃ الفقہ، حاشیہ بر حاشیۂ کمالیہ شرح عقائد جلالی، حاشیہ زوائد ثلاثہ، حاشیہ صدرا، شرح غایۃ العلوم، معارج العلوم، تذکرۃ المیزان، مولوی عبدالحق کی شرح مسلم کا تکملہ، ملاحسن مغفور کی شرح سلم کا تکملہ، رسالہ تشکیک، کشف الاسرار فی خصائص سید الابرار، مرأۃ المومنین وتنبیہ الغافلین فی مناقب آل سید المرسلین، آداب السلاطین، عمدۃ الوسائل اور اغصان اربعہ۔

۳۵۔ صدیق حسن خان نے ''حصول المامول من علم الاصول'' میں عدالت صحابہ کے سلسلے میں حدیث نجوم کو نقل تو کیا مگر اس کے دامن پر لگے دھبے کو نہ مٹا سکے اور مجبور ہو کر اس نے کا اعتراف کرلیا، چنانچہ وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں:

''ان راویوں کی عدالت کے بارے میں ہے جو صحابی نہیں ہیں، میں اس بحث کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ عدالت ان نے کہا ہے کہ بزرگان اور ان کے جانشینوں کا یہی

نظر یہ ہے، اور جوینی نے اس بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اور یہ بات قرآن وحدیث کی عمومات سے ثابت ہے، ارشاد الٰہی ہے ''کنتم خیر امة'' (آل عمران آیة ۱۱۰) اور ''و جعلنا کم امةً وسطا'' (بقرہ آیة ۱۴۳) یعنی عدولا، اور ''لقد رضی الله عن المومنین'' (فتح آیة ۱۸) اور ''والسابقون ....'' (توبہ آیة ۱۰۰) اور ''والذ ین اشدّاء علی الکفار رحماء بینهم'' (فتح آیة ۲۹) نیز ارشاد پیغمبرؐ ہے ''خیر القرون قرنی'' (بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے)'' لوانفق احدکم مثل احد ذهبا ما بلغ مدّ احدهم ولا نصیفه'' (یعنی تم میں سے اگر کوئی شخص کوہ احد کے برابر سونا انفاق کرے تو یہ ان میں کے ایک کی یا ان کے آدھے کی قیمت نہیں ہوگی) یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، رہی بات حدیث ''اصحابی کالنجوم'' کی تو اس حدیث کے بارے میں علماء کی کہی ہوئی باتیں مشہور ہیں''(۱)

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ صدیق حسن خان نے حدیث نجوم کے بارے میں علمائے کے کس نظریئے کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ نظریہ تضعیفِ حدیثِ نجوم کا ہے جس کا ثبوت اس کے قبل کے صفحات ہیں۔

۱۔ حصول المامول ص ۵۶

حدیث نجوم سے ملتی جلتی ایک حدیث کی حقیقت

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں آپ نے دیکھا کہ بعض علمائے اہلسنت نے ضمنی طور پر مسلم
کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں ستاروں کو آسمان کے لئے اور اصحاب کو امت کے لئے
ابتایا گیا ہے، گر چہ حدیثِ نجوم سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے اور نہ یہ کسی بھی صورت میں
ریثِ نجوم کی مؤید بن سکتی ہے، پھر بھی حقیقت جاننے کے لئے کچھ باتیں بیان
حلوم ہو جائے کہ سند اور دلالت کے لحاظ سے کتنا اس حدیث میں زور ہے

:ا

ر اور اسحاق بن ابراہیم اور عبد اللہ بن عمرو بن ابان
بیان کیا، ابوبکر کا کہنا ہے کہ ہم سے حسین
تحیی سے انہوں نے سعید بن ابی
سوسی اشعری) سے روایت کی ہے، ابی

بردہ کے باپ کا کہنا ہے کہ ہم نے رسولؐ خدا کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی اور پھر ہم لوگوں نے آپس میں کہا کہ بہتر ہوتا کہ یہیں بیٹھتے تا کہ نماز عشاء بھی حضرتؐ کے ساتھ پڑھ لیتے، چنانچہ ہم لوگ وہیں بیٹھ گئے اتنے میں حضرتؐ مسجد سے جانے لگے، جب ہم پر حضرتؐ کی نظر پڑی تو فرمایا تم لوگ ابھی یہیں بیٹھے ہو؟ ہم لوگوں نے جواب دیا یا رسولؐ اللہ نماز مغرب تو آپ کے ساتھ پڑھ لی ہے، اب چاہتے ہیں کہ نماز عشاء بھی آپ ہی کی اقتداء میں پڑھیں، حضرتؐ نے فرمایا: بہت اچھا ارادہ ہے، پھر حضرتؐ نے آسمان کی طرف سر بلند کیا (آپ اکثر ایسا کرتے تھے) اور فرمایا: النجوم امنة للسماء فاذاذهبت النجوم أُتى السماء ما توعد، و انا امنة لاصحابی، فاذا ذهبتُ أُتى اصحابی ما یوعدون، و اصحابی امنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما یوعدون" (۱) یعنی ستارے آسمان کے لئے باعث امن ہیں، اگر ستارے ختم ہو جائیں تو (اہل) آسمان پر وہ عذاب نازل ہو جس کا وعدہ کیا گیا ہے، اور میں امان کا باعث ہوں اپنے اصحاب کے لئے، جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر وہی بلائیں آئیں گی جن کا وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے اصحاب میری امت کے لئے باعث امن ہیں، جب وہ اس دنیا سے چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ

۱۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۰

نازل ہوگی جس کا وعدہ کیا گیا ہے''(۱)

راویان حدیث پر ایک نظر

اس حدیث کے مہرہ ابوموسی اشعری ہیں جن کی چند گری ہوئی باتوں کو''استقصاء الافحام'' میں بیان کیا ہے، اوران کی حدیث کو معتبر نہیں مانا گیا ہے، اس سلسلے میں بزرگ علمائے اہلسنت کی درج ذیل روایتیں ملاحظہ کیجئے

ابوداؤد سلیمان بن داؤد طیالسی اپنی''مسند''میں لکھتے ہیں:

''ہم سے وہب بن خالد نے بیان کیا انہوں نے داؤد سے انہوں نے ابی نضرہ سے اورانہوں نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ اشعری نے تین مرتبہ عمر سے ملنے کی اجازت مانگی، اور جب انہیں اجازت نہ ملی تو وہ واپس ہو گئے، عمر نے کسی کو بھیج کرانہیں بلوایا، اشعری نے عمر سے کہا میں نے تم سے تین اجازت مانگی، مگر تم نے اجازت نہیں دی، اور میں نے رسولؐ خدا کو فرماتے ہے کہ اگر کوئی شخص ملنے کے لئے اجازت مانگے اوراس کو اجازت نہ

ںانا چاہئے، عمر نے کہا اگراس حدیث پرشاہد نہ لائے تو تمھاری

ہے کہ اشعری میرے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا

گ زرد ہوگیا تھا، اصحاب کے درمیان کھڑے ہو

ے کر کہتا ہوں جس نے اس حدیث کو سنا

ہے وہ کھڑا ہو اور شہادت دے، کیونکہ میں اس شخص (عمر) سے ڈر گیا ہوں، میں (ابوسعید) نے کہا تم گھبراؤ نہیں میں تمھارے ساتھ ہوں، یہ سن کر دوسرے شخص نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی، اس طرح اشعری کا خوف رفع ہو گیا''

احمد اپنی ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے سفیان نے بیان کیا انہوں نے یزید بن حفصہ سے انہوں نے بسر بن سعید سے اور انہوں نے ابوسعید سے روایت کی ہے، ابوسعید کا کہنا ہے کہ میں انصار کے درمیان بیٹھا ہوا تھا کہ ابوموسی پریشاں حال ہمارے پاس آئے اور کہا کہ عمر نے مجھے بلایا تھا، میں گیا اور ان سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگی، اور جب اجازت نہ ملی تو میں واپس آ گیا، کیونکہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے جو شخص تین مرتبہ اذن ورود مانگے اور اس کو اذن نہ ملے تو وہ واپس ہو جائے، عمر نے مجھ سے کہا کہ اگر اس حدیث پر شاہد نہ لائے تو ڈنڈے ماروں گا، ابوسعید کا بیان ہے کہ ابوموسی (اشعری) بدحواس ہم لوگوں کے پاس آئے اور کہا تم لوگوں کو میں شاہد بناؤں گا، ابی ابن کعب نے کہا جو سب سے چھوٹا ہے صرف وہی گواہی دے گا، ابوسعید کا کہنا ہے کہ میں ہی سب میں چھوٹا تھا، لہذا میں ان کے ہمراہ چلا اور میں نے گواہی دی کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ جو شخص تین مرتبہ اذن دخول مانگے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو وہاں سے واپس چلا جانا چاہئے''(۱)

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج۳ ص۶

احمد ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے یزید نے بیان کیا انہوں نے داؤد سے انہوں نے ابی نضرہ سے اور انہوں نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے، خدری کا بیان ہے کہ ابوموسی نے عمر سے تین مرتبہ اجازت مانگی، مگر انہوں نے اجازت نہیں دی اور وہ (ابو موسی) واپس ہوگئے، جب عمر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا تم کیوں واپس چلے گئے تھے؟ ابوموسی نے جواب دیا میں نے رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی کے پاس جانے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو پلٹ جانا چاہئے، عمر نے کہا اس قول پیغمبرؐ پر شہادت پیش کرو ورنہ تمھاری پٹائی ہوگی، ابوموسی ایک گروہ کے پاس آئے اور انہیں خدا کی قسم دی، میں (ابوسعید) نے کہا گھبراؤ نہیں میں گواہی دوں گا، پس دو آدمیوں نے گواہی دی اور اس طرح قضیہ تمام ہوا''

نیز احمد اپنی ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے زید بن ہارون نے بیان کیا انہوں نے داؤد سے انہوں نے ابی نضرہ سے اور انہوں نے ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے، ابوسعید کا کہنا ہے کہ ابوموسی نے عمر سے تین مرتبہ اذن دخول مانگا مگر انہوں نے اجازت نہیں دی، ابو موسی وہاں سے واپس چلے گئے، جب ان سے عمر کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے واپس ہونے کا سبب دریافت کیا تو ابوموسی نے کہا میں نے رسولؐ خدا کو کہتے

ہوئے سنا ہے کہ جو شخص تین مرتبہ اذن ورود مانگے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو وہاں سے پلٹ جانا چاہئے، عمر نے کہا اس پر گواہ پیش کرو، ورنہ تمھاری پٹائی لکھی ہوئی ہے، ابو موسی ایک جماعت کے پاس آئے، اور ان کو خدا کی قسم دی، میں (ابو سعید) نے کہا میں گواہی دوں گا، چنانچہ ہم نے گواہی دی، اس طرح ابو موسی کی جان چھوٹی''

ابو عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سمرقندی اپنی ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے ابو نعمان نے بیان کیا انہوں نے یزید بن زریع سے انہوں نے داؤد سے انہوں نے ابی نضرہ سے اور انہوں نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ابو موسی نے عمر سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگی مگر انہیں اجازت نہیں ملی، لہذا وہ وہاں سے واپس چلے گئے، جب عمر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا تم کیوں چلے گئے تھے؟ ابو موسی نے جواب دیا کہ میں نے رسولؐ خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے تین مرتبہ اذن ورود مانگے اور اجازت مل جائے تو ملنے کے لئے جائے ورنہ واپس ہو جائے، عمر نے کہا اپنے ساتھ ایک شاہد لاؤ جو شہادت دے کہ حضرتؐ نے ایسا فرمایا ہے ورنہ تمھاری جم کی پٹائی کروں گا، ابو سعید کا بیان ہے کہ ابو موسی ہمارے پاس آئے اور ہم، اصحاب پیغمبرؐ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، ابو موسی، عمر کی دھمکی سے بری طرح ڈرے ہوئے تھے، ہمارے پاس کھڑے ہو کر وہ بولے جس نے یہ حدیث

پیغمبرؐ کی زبانی سنی ہے اس کو میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہ اس کی شہادت دے، میں (ابوسعید) نے سر اٹھایا اور کہا میں شہادت دوں گا، یہ سن کر دوسرے افراد بھی شہادت دینے کے لئے تیار ہو گئے، اس طرح ابوموسی کا اضطراب ختم ہوا "

بخاری اپنی "صحیح" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا انہوں نے مخلد بن یزید سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے عطا سے اور انہوں نے عبید بن عمر سے روایت کی ہے کہ ابوموسی اشعری نے عمر بن خطاب سے ملنے کی اجازت مانگی مگر انہیں اجازت نہیں ملی، شاید وہ کسی کام میں تھے، ابوموسی واپس چلے گئے، عمر جب اپنے کام سے فارغ ہوئے تو پوچھا کیا میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی؟ اس کو آنے دو، لوگوں نے کہا وہ تو واپس چلے گئے، عمر نے انہیں بلوایا ، اور واپس جانے کا سبب دریافت کیا، ابوموسی نے کہا میں نے اپنا وظیفہ ادا کیا، عمر نے کہا اپنے وظیفہ کی ادائیگی پر شہادت لاؤ، ابوموسی، انصار کے پاس گئے، اور ان سے گواہی دینے کے لئے کہا، انصار نے جواب دیا کوئی بھی گواہی نہیں دے گا سوائے اس شخص کے جو ہم میں سب سے چھوٹا ہے، اور وہ ابوسعید خدری ہے۔

پس وہ ابوسعید خدری کو لے کر عمر کے پاس گئے، عمر نے کہا تجارتی امور کی مشغولیت کی بناء پر یہ حدیث مجھ سے پوشیدہ رہ گئی تھی"

نیز بخاری اپنی ''صحیح'' میں لکھتے ہیں:

'' ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا انہوں نے سفیان سے انہوں نے یزید بن خصیصہ سے انہوں نے بسر بن سعید سے اور انہوں نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے، ابوسعید کا کہنا ہے کہ میں انصار کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ابوموسی گھبرائے ہوئے آئے اور کہا میں نے عمر سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگی مگر جب انہوں نے اجازت نہیں دی تو میں واپس ہوگیا، جب عمر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے واپس جانے کا سبب دریافت کیا، میں نے جواب دیا تم سے تین مرتبہ اجازت مانگی اور جب اجازت نہ ملی تو واپس چلا گیا کیونکہ رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو وہاں سے واپس چلا جانا چاہئے، عمر نے کہا اس حدیث پر شاہد لے کر آؤ، ابوموسی نے انصار سے کہا تم میں سے کوئی ہے جس نے حضرتؐ کی یہ حدیث سنی ہے؟! اُبی بن کعب نے کہا تمھارا کوئی بھی ساتھ نہیں دے گا، سوائے اس شخص کے جو سب سے چھوٹا ہے۔ (ابوسعید کا کہنا ہے کہ) میں سب سے چھوٹا تھا، لہذا میں ان کے ہمراہ گیا اور عمر سے کہا کہ رسولؐ خدا نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ اور ابن مبارک کا کہنا ہے کہ مجھ سے ابن عینیہ نے بیان کیا انہوں نے یزید سے اور انہوں نے بسر بن سعید سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ بات میں نے ابو

سعید سے سنی تھی، اور ابوعبداللہ کا بیان ہے کہ عمر ایسا کر کے یہ بتانا چاہ رہے تھے کہ ایسے کام میں دقت کرنی چاہیے، نہ یہ کہ خبر واحد ان کی نظر میں کافی نہیں تھی''

نیز بخاری اپنی ''صحیح'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے مسدود نے بیان کیا انہوں نے یحیی سے انہوں نے ابن جریح سے انہوں نے عطا سے اور انہوں نے عبید بن عمیر سے روایت کی ہے کہ ابوموسی نے عمر سے ملنے کی اجازت مانگی، مگر شاید انہیں کسی کام میں مشغول دیکھ کر وہاں سے واپس چلے گئے، عمر نے کہا کیا میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی، اس کو اجازت دو وہ میرے پاس آئے، لوگوں نے انہیں بلوایا، عمر نے انہیں دیکھ کر کہا یہ تم نے کیا کیا؟ ابوموسی نے جواب دیا میں نے دستور پیغمبرؐ پر عمل کیا ہے، عمر نے کہا یا تو اس کے بارے میں شاہد لاؤ نہیں تو مار کھانے کے لئے تیار ہو جاؤ، ابو موسی، انصار کی طرف دوڑے (اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا) انصار نے کہا جو ہم میں سب سے چھوٹا ہوگا وہی شہادت دے گا، ابوسعید خدری عمر کے پاس گئے اور کہا کہ پیغمبرؐ نے ایسا ہی حکم دیا تھا، عمر نے کہا کہ دنیاوی معاملات میں مشغولیت کی وجہ سے رسول خداؐ کا یہ دستور ہم کو معلوم نہیں تھا''

مسلم اپنی ''صحیح'' میں لکھتے ہیں:

''مجھ سے ابوطاہر نے بیان کیا انہوں نے عبداللہ بن وہب سے انہوں نے عمرو بن حرث سے اور انہوں نے بکیر بن اشجع سے روایت کی ہے کہ بسر بن سعید

نے ابوسعید خدری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم ابی بن کعب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بوکھلائے ہوئے ابوموسی اشعری پہونچے اور وہاں کھڑے ہوکر بولے میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کسی نے رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت لو، اگر اجازت مل جائے تو اس سے ملو ورنہ پلٹ جاؤ؟ اُبی نے پوچھا بات کیا ہے؟ ابوموسی بولے کل میں عمر بن خطاب کے پاس گیا تھا، اور ان سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگی، مگر انہوں نے اجازت نہیں دی اور میں واپس ہوگیا، اور آج میں پھر ان کے پاس گیا تھا اور ان سے کہا کہ میں کل آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کیا اور پھر پلٹ گیا، عمر نے کہا میں نے تمھارے سلام کی آواز سنی تھی، مگر اس وقت ہم ایک کام میں مشغول تھے، آخر تم نے کیوں نہیں تین مرتبے سے زیادہ اجازت مانگی؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے اتنی ہی مرتبہ اجازت مانگی تھی جتنی مرتبے کا رسولؐ خدا نے حکم دیا تھا، عمر نے کہا کہ اس دستور پیغمبرؐ پر شاہد لاؤ، ورنہ میں تمھاری ہڈی پسلی توڑ دوں گا، یہ سن کر اُبی بن کعب نے کہا خدا کی قسم تمھارا ساتھ وہی شخص دے گا جو عمر میں ہم میں سب سے چھوٹا ہے (پھر کہا) ابوسعید جاؤ، چنانچہ میں (ابوسعید) عمر کے پاس گیا، اور میں نے کہا کہ رسولؐ خدا سے میں نے ایسا ہی سنا تھا''

نیز مسلم اپنی ''صحیح'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے ابوعمار حسین بن حریث نے بیان کیا انہوں نے فضل بن موسی سے انہوں نے طلحہ بن یحیی سے انہوں نے ابی بردہ اور انہوں نے ابوموسی اشعری سے روایت کی ہے، ابو بردہ کا بیان ہے کہ ابوموسی، عمر بن خطاب کے پاس آئے اور کہا السلام علیکم میں عبداللہ بن قیس ہوں، السلام علیکم میں اشعری ہوں (اتنی مرتبہ کہنے کے بعد جب اجازت نہ ملی تو) ابوموسی واپس چلے گئے، عمر نے کہا اسے بلاؤ! اس کو میرے پاس لے کر آؤ! جب وہ آئے تو عمر نے کہا اے ابوموسی! کیوں چلے گئے تھے؟ ہم اس وقت اپنے کام میں مشغول تھے، ابوموسی نے جواب دیا میں نے رسولؐ خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ کسی سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت لو، اگر اجازت مل جائے تو ملاقات کرو ورنہ واپس ہو جاؤ، عمر نے کہا اس پر شاہد لاؤ، ورنہ تمھاری کھال ادھیڑ دوں گا! ابوموسی واپس ہو گئے، عمر نے لوگوں سے کہا اگر ابوموسی کو شاہد مل گیا تب تو اس کو کل منبر کے پاس دیکھو گے، ورنہ وہ یہاں نظر بھی نہیں آئے گا، دوسرے دن لوگوں نے ان کو دیکھا، عمر نے پوچھا اے ابوموسی تم کیا کہتے ہو کیا تم کو شاہد ملا؟ جواب دیا ہاں، شاہد ابی بن کعب ہیں، عمر نے کہا ہاں وہ عادل ہیں پھر کہا اے ابوالطفیل یہ (ابوموسی) کیا کہتا ہے؟ ابی بن کعب نے جواب دیا اے ابن خطاب جو بات ابوموسی نے کہی ہے اس کو میں نے رسولؐ خدا سے سنی تھی، لہذا اصحاب رسولؐ خدا کو اذیت نہ دو۔ عمر نے کہا سبحان اللہ میں نے ایسی بات سنی تو تھی مگر چاہتا تھا کہ زیادہ مطمئن ہو جاؤں''

ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی ''مشکل الآثار'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے یونس بن عبدالاعلی نے بیان کیا انہوں نے عبداللہ بن وہب سے انہوں نے عمرو بن حارث سے انہوں نے بکیر بن اشجع سے اور انہوں نے بسر بن سعید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابوسعید خدری کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم (ابو سعید) اُبی کعب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ابوموسی اشعری بڑے غصے میں آئے اور وہاں کھڑے ہو کر کہنے لگے تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کسی سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگو، اگر اجازت مل جائے تو اس سے ملو ورنہ واپس ہو جاؤ؟ ابی بن کعب نے پوچھا قضیہ کیا ہے؟ ابوموسی نے کہا کل میں نے عمر بن خطاب سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب اجازت نہ ملی تو واپس ہو گیا، اور آج جب میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ کل میں آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کیا تھا مگر جواب نہ ملنے کی وجہ سے واپس ہو گیا تھا، تو عمر نے کہا میں نے تمھاری آواز سنی تھی، لیکن اس وقت میں ایک کام میں مشغول تھا تم کیوں اتنی جلدی واپس چلے گئے اور مزید اجازت نہ مانگی؟ میں نے کہا کہ میں نے اتنی ہی مرتبہ اجازت مانگی جتنی مرتبے کا رسولؐ خدا نے حکم دیا ہے، عمر نے کہا اگر اس ارشاد پیغمبرؐ پر شاہد نہ لائے تو تمھاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا اُبی بن کعب نے کہا اس پر تو وہی شہادت دے گا جو ہم میں سب سے چھوٹا ہوگا اور وہ تمہارے پہلو میں

بیٹھا ہوا ہے، اے ابوسعید اٹھو اور جا کر شہادت دو، چنانچہ میں (ابوسعید) اٹھا اور جا کر عمر سے کہا کہ جو بات ابوموسیٰ نے کہی ہے اس کو میں نے بھی رسولؐ خدا سے سنی تھی''

نیز طحاوی ''مشکل الاثار'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے ابراہیم بن مرزوق نے بیان کیا انہوں نے ابوعاصم سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے عطا سے اور انہوں نے عبید بن عمیر سے روایت کی ہے کہ ابوموسیٰ نے عمر سے ملنے کی اجازت مانگی، اس وقت وہ کسی کام میں مشغول تھے، جب فارغ ہوئے تو کہا کیا میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی ہے، لوگوں نے کہا وہ تو واپس چلے گئے، عمر نے کہا اس کو بلایا جائے، ابوموسیٰ آئے اور کہا میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی تھی اور اسی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، عمر نے کہا اس پر شاہد لاؤ ورنہ تمھاری خبر لوں گا، ابوموسیٰ، انصار کے پاس آئے اور انہیں قضیے سے مطلع کیا، ان لوگوں نے کہا جو ہم میں سب سے چھوٹا ہے وہی تمہارے ساتھ جائے گا، چنانچہ ابوسعید خدری ان کے ہمراہ گئے، اور ابوموسیٰ کی باتوں کی تائید کی، عمر بولے دنیاوی معاملات میں مشغولیت کی بناء پر رسولؐ خدا کا یہ حکم مجھے معلوم نہیں تھا۔ اور ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے اپنی کتاب کی جلد پر عمر کا یہ جملہ لکھا ہوا دیکھا کہ بازار کے کاموں نے مجھے گھیرے میں لے لیا تھا''

طحاوی ''مشکل الآثار'' ہی میں لکھتے ہیں:

''ہم سے فہد بن سلیمان نے بیان کیا انہوں نے ابو غسان مالک بن اسماعیل سے انہوں نے عبد السلام بن حرب سے انہوں نے طلحہ بن یحیی قرشی سے انہوں نے ابی بردہ سے اور انہوں نے موسی سے روایت کی ہے، ابو موسی کا کہنا ہے کہ میں درِ عمر پر آیا اور کہا السلام علیکم کیا اجازت ہے کہ عبداللہ بن قیس گھر میں آ جائے؟ مگر اجازت نہیں ملی اور میں وہاں سے واپس چلا آیا، تھوڑی دیر بعد عمر متوجہ ہوئے اور کہا ابو موسی کو میرے پاس لایا جائے، میں عمر کے پاس آیا، عمر نے پوچھا کہاں چلے گئے تھے؟ جواب دیا میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب اجازت نہ ملی تو واپس ہو گیا کیونکہ میں نے رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے کسی دینی بھائی سے ملنے کے لئے تین مرتبہ اجازت مانگے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو پلٹ جانا چاہئے، عمر نے کہا جو تم نے کہا ہے اس کو ثابت کرو، اور اس پر شاہد پیش کرو، ورنہ تمہاری خبر لوں گا، (ابو موسی کا بیان ہے کہ) میں وہاں سے چلا، راستے میں ابی بن کعب سے ملاقات ہو گئی، میں نے سارا ماجرا بیان کیا: انہوں نے کہا کوئی بات نہیں ہے، چنانچہ وہ آئے اور حدیث ان کو سنا دی، عمر نے کہا اے ابو طفیل جس حدیث پیغمبرؐ کو ابو موسی نے بیان کیا ہے کیا تم نے خود اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کی زبانی سنا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے، اور میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ اصحاب محمدؐ کیلئے تم عذاب بنو، عمر نے کہا میں بھی اس سلسلے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں''

بغوی ''معالم التنزیل'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے احمد بن عبداللہ صالحی نے بیان کیا انہوں نے ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن بشران سے انہوں نے اسماعیل بن صفار سے انہوں نے احمد بن منصور مادی سے انہوں نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہوں نے سعید حریری سے انہوں نے ابی نضرہ سے اور انہوں نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے، ابوسعید کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن قیس (ابوموسی اشعری) نے عمر بن خطاب کو تین مرتبہ سلام کیا، مگر انہوں نے اس پر اصلاً دھیان نہیں دیا، جس کی وجہ سے وہ وہاں سے واپس ہو گئے، فوراً عمر نے ان کے پیچھے ایک آدمی کو بھیجا، جب ابوموسی واپس آئے تو عمر نے پوچھا تم کیوں واپس چلے گئے تھے؟ ابوموسی نے جواب دیا میں نے رسولؐ خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی کو تین مرتبہ سلام کرے اور اس کو جواب سلام نہ ملے تو اس کو وہاں سے واپس ہو جانا چاہیئے، عمر نے کہا اس ارشاد پیغمبرؐ پر شاہد لاؤ، ورنہ تم کو ٹھکانے لگا دوں گا اس کے علاوہ اور بھی دھمکی دی، ابوسعید کا کہنا ہے کہ ابوموسی اس حالت میں آئے کہ ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا، اور میں جماعت انصار کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، ہم لوگوں نے ابوموسی سے کہا یہ تمھاری کیسی حالت ہو رہی ہے؟ بولے میں نے عمر کو سلام کیا اور ایک حدیث سنائی، کیا تم لوگوں نے رسولؐ خدا سے وہ حدیث سنی ہے، سب نے کہا ہاں ہم نے تو سنی ہے، چنانچہ ایک شخص کو ان لوگوں نے عمر کے پاس بھیجا اور اس نے وہ

حدیث ان کو سنائی''

برہان الدین عبیداللہ بن محمد فرغانی عبری ''شرح منہاج بیضاوی'' میں لکھتے ہیں:

''ابوعلی بحث اشتراط عدد میں لکھتے ہیں: صحابہ ایک حدیث کو متعدد افراد سے دریافت کرتے تھے، ابوبکر نے جدّہ سے متعلق مغیرہ بن شعبہ کی روایت نہ مانی، اور جب محمد بن مسلمہ انصاری نے اس کی روایت کی تب اس کو قبول کیا، عمر نے اذنِ ورود سے متعلق ابوموسیٰ اشعری کی روایت ٹھکرا دی مگر جب ابوسعید خدری نے اس کی تائید کی تب تسلیم کیا، نیز ابوبکر اور عمر نے حکم بن عاص کے واپس ہونے سے متعلق روایت عثمان کو رد کر دیا تھا، اسی طرح کی بہت زیادہ روایتیں ہیں جو تعدد راوی کی حکایت کرتی ہیں کہ جو تعدد راوی کے شرط ہونے کی دلیل ہے۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ متعدد راویوں کی ان جگہوں پر ضرورت پڑتی تھی، جب پہلا راوی معتبر نہیں ہوتا تھا، نہ یہ کہ ہر موقع پر چند راویوں کے بیانات شرط ہیں، جب کہ ہمارا کہنا ہے کہ اگر ایک راوی ہو اور وہ عادل ہو تو اس کی روایت قابل قبول ہے، لہذا جو آپ نے خبر واحد کی حجیت پر اشکال کیا ہے، وارد نہیں ہوتا ہے''

ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:

''جو لوگ خبر واحد کو حجت نہیں مانتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ رسولؐ خدا

نے ذوالیدکی بات نہیں مانی تھی، مگران کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ خبر واحد ذوالیدین، حضرتؐ کے علم قطعی کی معارض بنی تھی، اور جب خبر واحد، علم ویقین کی معارض بن جائے تو وہاں خبر واحد اعتبار کے لائق نہیں ہے، نیز ان لوگوں نے استدلال کیا ہے اس سے کہ ابوبکر اور عمر نے جدّہ اور میراث جنین کے بارے میں مغیرہ کی دو حدیثیں اس وقت تک نہ مانیں جب تک ان دونوں حدیثوں کے بارے میں محمد بن مسلمہ نے شہادت نہ دی، اسی طرح عمر نے ابوموسی اشعری کی روایت کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جب تک ابوسعید نے شہادت نہ دی، نیز گریہ کرنے سے میت کو اذیت پہونچنے سے متعلق ابن عمر کی روایت کو عائشہ نے قبول نہیں کیا تھا، مگر ان سب کا جواب یہ ہے کہ ان حدیثوں کے نہ ماننے کی وجہ یا شک تھا، جیسا کہ ابوموسی کے بارے میں ہے کہ جب وہ درعمر سے واپس ہوئے اور عمر نے اس کی وجہ دریافت کی اور انہوں نے رسولؐ خدا کی ایک حدیث سنائی، تو عمر نے دھمکی دی اور اسی وجہ سے ان کو شک ہوا کہ کہیں ابوموسی ڈر کے مارے حدیث جعل کر کے تو بیان نہیں کر رہے ہیں، چنانچہ عمر نے اپنے اطمینان کے لئے ایسا کیا تھا، میں نے اس بات کو کتاب الاستیذان میں دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے، یا جب حدیث دلیل قطعی کی معارض ہو جیسا کہ عائشہ نے ابن عمر کی حدیث کے مقابلے میں اس آیت کی تلاوت کی تھی، " ولا تزرو ازرۃ وزر اخری "

ملا محبّ اللہ بہاری ''مسلم الثبوت'' میں خبر واحد پر عمل کرنے کے جواز کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اس پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ابوبکر نے مغیرہ کی حدیث رد کر دی تھی، اور ان کی بات اس وقت مانی جب اسی حدیث کی ابن مسلمہ نے روایت کی، عمر نے اجازۂ ورود سے متعلق ابوموسی کی حدیث کو رد کر دیا تھا، مگر جب اسی حدیث کی ابوسعید نے روایت کی تب اس کو عمر نے تسلیم کیا تھا، مفوضہ کے بارے میں علی نے ابوسنان کی حدیث نہیں مانی تھی، نیز میت پر گریہ کرنے سے میت پر عذاب نازل ہوتا ہے سے متعلق ابن عمر کی حدیث کو عائشہ نے رد کر دیا تھا، مگر ان سارے دلائل کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے خبر واحد پر اس لئے عمل نہیں کیا کہ انہیں اس حدیث کی صحت کے بارے میں شک تھا، اور جب اسی حدیث کی تائید ایک اور خبر واحد سے ہوگئی تو اس کو لوگوں نے مان لیا تھا''

آپ نے مذکورہ بالا روایتوں میں دیکھا کہ ابوموسی اشعری اس لائق نہیں تھے کہ خلیفۂ ثانی ان کی بات مانتے، لہذا انہوں نے ابوہریرہ کی طرح ان کو بھی نقل حدیث سے منع کیا تھا، اور خلیفہ ثانی کا نقل حدیث سے منع کرنا اتنی واضح بات ہے کہ اکابر علمائے اہلسنت نے اپنی اصولی کتابوں میں اس کو بیان کیا ہے، چنانچہ اہلسنت کے امام غزالی اپنی کتاب ''المستصفی'' میں خبر واحد پر عمل کے جواز کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس نظریئے کے مخالفین کہتے ہیں کہ خبر واحد کے حجت ہونے پر کوئی دلیل

نہیں ہے سوائے اجماع کے، مگر کیسے ادعائے اجماع کیا جا سکتا ہے جب کہ سارے صحابہ نے اس کو رد کیا ہے قبول نہیں کیا ہے، اسی وجہ سے رسولؐ خدا ئے خبر ذی الیدین کو قبول نہیں کیا جب تک محمد بن مسلمہ نے تائید نہ کر دیا، ابو بکر اور عمر نے حکم بن ابی العاص کے بارے میں خبر عثمان کو اس وقت تک نہ مانا جب تک دوسروں نے تائید نہ کر دی، اور یہ بات تو بہت مشہور ہے کہ عمر نے خبر ابو موسی کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جب تک ابو سعید خدری نے تائید نہ کر دی، نیز علی نے خبر ابی سنان کو ان کے قسم کھانے کے باوجود رد کر دیا تھا، اسی طرح میت پر گریہ کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے سے متعلق خبر ابن عمر کو عائشہ نے قبول نہیں کیا تھا، اور یہ بات واضح ہے کہ عمر نے ابو موسی اور ابو ہریرہ کو رسول خداؐ کی حدیث بیان کرنے سے منع کر دیا تھا..............''(۱)

اس حدیث کے ضعیف ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو ابو موسی اشعری کے بیٹے ابو بردہ نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے، اور ابو بردہ بن ابو موسی کے کرتوت تاریخ کے صفحات پر آج بھی موجود ہیں، صحابی جلیل القدر حجر بن عدی اور ان کے دوستوں کی شہادت میں اس کا بہت بڑا کردار ہے، اسی نے حجر بن عدی کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی، چنانچہ طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''زیاد نے یاران حجر بن عدی کو گرفتار کرنے کے لئے کچھ افراد بھیجے وہ لوگ

۱۔ المستصفی فی علم الاصول ج ۲ ص ۱۳۵

بارہ یاران حجر بن عدی کو گرفتار کر کے لائے اور انہیں قید خانے میں ڈال دیا گیا اور پھر قبائل کے سرداروں کو بلا کر ان سے حجر بن عدی کے بارے میں سوالات کئے گئے، عمرو بن حریث رئیس مدینہ، خالد بن عرفطہ رئیس قبیلہ تمیم ھمدان، قیس بن ولید بن عبد شمس بن مغیرہ رئیس قبیلہ ربیعہ اور ابو بردہ بن ابوموسی رئیس قبیلہ مذحج واسد نے گواہی دی کہ حجر بن عدی نے لوگوں کو اکٹھا کر کے خلیفہ پر سب و شتم کرایا تھا اور لوگوں کو خلیفہ کے خلاف جنگ کی دعوت دی تھی اور کہا تھا کہ حکومت آل ابی طالب کے لئے سزوار ہے اور انہوں نے مصر سے خلیفہ کے گورنر کو نکلوایا ہے، اور وہ (حجر بن عدی) ابوتراب (علی بن ابی طالب) سے دلسوزی اور ان کے دشمنوں اور ان سے جنگ کرنے والوں سے بیزاری کرتے ہیں، جتنے بھی افراد قید کئے گئے ہیں سب کے سب ان کی فوج کے سپہ سالار اور ان کے ہم فکر و ہم خیال ہیں'' (۱)

طبری نے اپنی تاریخ میں ابو بردہ کی اس طرح گواہی نقل کی ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ابو بردہ بن ابوموسی برائے خدا گواہی دے رہا ہے، اور گواہی دے رہا ہے کہ حجر بن عدی نے خلیفہ کی اطاعت سے سرپیچی کی ہے، جماعت سے جدا ہو گیا ہے، خلیفہ پر لعنت کی ہے، لوگوں کو جنگ پر ابھارا ہے اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے امیر المومنین معاویہ کی بیعت

۱۔ تاریخ طبری ج۴ ص۱۹۹

توڑوائی ہے، اوراس طرح واضح طور پر خدا پر کفر باندھا ہے۔ زیاد نے کہا کہ سبھی ابوبردہ کی عبارت میں شہادت دیں، خدا کی قسم (معاذ اللہ) اس خائن واحمق کی گردن اڑا کر رہوں گا، چنانچہ سارے رؤسائے قبیلہ نے ابوبردہ جیسی گواہی دی، اس کے بعد زیاد نے لوگوں سے کہا کہ وہ بھی ایسی ہی گواہی دیں" (۱)

ابوبردہ اپنے باپ کی طرح حضرت علیؑ سے بے حد دشمنی کرتا تھا، آپ کے دوستوں سے بغض وعناد رکھتا تھا اور آپ کے دشمنوں کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتا تھا، یہ بات گر چہ طبری کی عبارت سے آشکار ہوگئی، مگر مزید توضیح کے لئے ابن ابی الحدید کی یہ عبارت ملاحظہ کیجئے۔

"علی کے دشمنوں میں سے ایک ابوبردہ ہے جو ابوموسی اشعری کا بیٹا تھا، اس کو یہ دشمنی باپ سے میراث میں ملی تھی، عبدالرحمٰن بن جندب سے مروی ہے کہ ابوبردہ نے زیاد سے کہا میں گواہی دیتا ہوں کی حجر بن عدی نے واضح طور پر خدا پر کفر باندھا ہے، عبدالرحمٰن مسعودی نے ابن عباس منتوف سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابوبردہ کو دیکھا وہ قاتل عمار بن یاسر، ابوالغادیہ جہنی سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم ہی نے عمار بن یاسر کو قتل کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ ابوبردہ نے کہا اپنا ہاتھ بڑھاؤ، اس نے ہاتھ بڑھایا، ابوبردہ نے اس کے ہاتھ کو چومتے ہوئے کہا تجھ کو جہنم کی آگ کبھی نہیں چھوئے گی!! اور ابونعیم نے ہشام بن مغیرہ

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۰۰

سے اور انہوں نے غضبان بن یزید سے روایت کی ہے کہ ابو بردہ کو دیکھا کہ وہ (قاتل عمار) ابو الغادیہ سے کہہ رہا ہے مرحبا اے برادر، یہاں آؤ، یہاں آؤ اور اس کو اپنے پہلو میں بیٹھایا''(۱)

معنئ حدیث پر ایک نظر

واضح رہے کہ اس سے قطع نظر کہ حدیثِ ابو موسیٰ، سندی لحاظ سے ضعیف ہے، خود معنی حدیث صحابیوں کی منقصت کر رہی ہے ان کی خوبیاں بیان نہیں کر رہی ہے، کیونکہ حدیث کا یہ فقرہ'' فاذا ذهبتُ أتى اصحابى مايوعدون '' یعنی جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو گا میرے اصحاب کو ان بلاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا وعدہ کیا گیا ہے، بتا رہا ہے کہ حضرتؐ کے اصحاب جس طرح آپ کے زمانے میں تھے اس حالت پر آپ کے بعد نہیں رہیں گے، اور ان کے درمیان جنگ وجدال ہوگا، آراء ونظریات میں ٹکراؤ ہوگا، دل ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور نوبت یہاں تک پہونچے گی کہ ان میں سے بعض اپنی پرانی حالت کی طرف پلٹ جائیں گے اور مرتد ہو جائیں گے۔

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ شارحین صحیح مسلم، مصباح اور مشکواۃ نے ابو موسیٰ کی اس حدیث کی توضیح میں یہی بات کہی ہے، اتمام حجت کی خاطر چند کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں۔

نووی ''المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن حجاج'' میں لکھتے ہیں:

۱۔شرح نہج البلاغہ ج۴ص۹۹

''حضرت کا فرمانا کہ انا امنة لا صحابی فاذا ذھبت اتی اصحابی ما یوعدون ، اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد اصحاب کے درمیان فتنے سر اٹھائیں گے، جنگیں ہوں گی، لوگ مرتد ہوں گے، اور دل ایک دوسرے سے پھٹ جائیں گے، ان ہی چیزوں سے حضرت نے صریح الفاظ میں ڈرایا تھا، اور یہ سب کی سب واقع بھی ہوئی تھیں'' (۱)

طیبی ''الکاشف شرح مشکواۃ'' میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خیر کے جانے کے بعد شر کا ڈیرہ ہوگا ، کیونکہ جب تک رسول خداؐ اصحاب کے درمیان تھے ان کے اختلاف کو رفع کرتے تھے، اور اختلافی باتوں کو واضح کرتے تھے، مگر جب آپ کی وفات ہوگئی تو نظریات ٹکرانے لگے اور خواہشات کروٹ بدلنے لگیں''

قاری ''مرقاۃ'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت کا یہ فرمانا کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو میرے اصحاب کو ان چیزوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے ڈرایا گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ فتنے سر اٹھائیں گے، مخالفتیں سامنے آئیں گی ، اور ان کی آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا'' (۲)

مذکورہ حدیث کے ذیل میں ایسی ہی باتیں محمد بن خلیفہ وشتانی آبی نے ''شرح صحیح مسلم''

۱۔ المنھاج فی شرح صحیح مسلم بن حجاج ج ۹ ص ۳۲۴

۲۔ المرقاۃ شرح مشکواۃ ج ۵ ص ۵۱۹

میں، محمد بن محمد بن یوسف سنوی نے ''شرح صحیح مسلم'' میں، صدیق حسن خان نے ''سراج وھاج من کشف مطالب صحیح مسلم بن حجاج'' میں، شمس الدین خلخالی نے ''مفاتیح شرح مصابیح'' میں، سید شریف جرجانی نے ''حاشیہ مشکواۃ'' میں اور عبدالحق دہلوی نے ''لمعات شرح مشکواۃ'' اور ''اشعۃ اللمعات'' میں تحریر کی ہیں۔

ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ حدیث نہ تو حدیث نجوم کی مؤید بن سکتی ہے اور نہ ہی اس کا تعلق فضائل صحابہ سے ہوسکتا ہے۔

حدیث میں تحریف

مذکورہ حدیث کی سند و دلالت سے قطع نظر، جب خود حدیث کے بارے میں تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ تحریف کرنے والوں نے حدیث میں کتر بیونت کی ہے اور حدیث جو اہلبیتؑ کو باعث امن بتا رہی تھی، اس کو لفظ ''صحابی'' سے بدل کر یوں پیش کیا ہے ''میرے اصحاب میری امت کے لئے امان کا باعث ہیں، جب وہ اٹھ جائیں گے تو امت کو ان ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا وعدہ کیا گیا ہے'' جب کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے: ''میرے اہلبیتؑ میری امت کے لئے باعث امان ہیں کہ اگر وہ نہ رہیں تو ان ساری بلاؤں کا امت کو سامنا کرنا پڑے گا، جن کا وعدہ کیا گیا ہے'' ایسی کتر بیونت کیوں کی گئی، صرف اس لئے کہ حدیث، اہلبیتؑ کی عظمت کو بیان کر رہی ہے، اور دشمنان اہلبیتؑ ان کی اتنی بڑی عظمت کو کب دیکھ سکتے تھے، لہذا ان لوگوں نے تحریف کا سہارا لے کر بغض و حسد کی آگ کو خاموش کرنا چاہا، اصل حدیث کو حاکم نیشاپوری نے یوں نقل کیا ہے:

''ہم سے ہمدان کے قاضی ابوالقاسم عبدالرحمٰن نے اصل کتاب سے بیان کیا، انہوں نے محمد بن مغیرہ یشکری سے انہوں نے قاسم بن حکیم عرقی سے انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن مرہ سے انہوں نے محمد بن سوقہ سے انہوں نے محمد بن منکدر سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ ایک رات رسولؐ خدا نماز عشاء کے لئے تھوڑی دیر سے مسجد میں تشریف لائے، اصحاب آپ کے منتظر تھے، جب حضرتؐ داخل مسجد ہوئے تو آپ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ یہ نماز ایسی ہے جس جیسی تم سے پہلے والی امتوں نے نماز نہیں پڑھی ہوگی، پھر سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا: ستارے آسمان کے باشندوں کے لئے امان کا باعث ہیں، اگر ستارے ڈوب جائیں تو آسمان کے باشندوں پر وہ ساری بلائیں آئیں جن کا وعدہ کیا گیا ہے، اور میں امان ہوں اپنے اصحاب کے لئے، جب میری قبض روح ہوگی تو میرے اصحاب کو ان ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے اہلبیت میری امت کے لئے باعث امان ہیں، اگر وہ اس دنیا سے اٹھ جائیں تو وہ سارے عذاب امت پر نازل ہوں جن کا وعدہ کیا گیا ہے''(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث کے آخر میں لفظ'' اھلبیتی '' کو لفظ'' اصحابی '' سے یا تو ابوموسیٰ اشعری نے بدلا ہے یا دوسرے کتر بیونت کرنے والے نے

۱۔ المستدرک علی الصحیحین ج۳ص۴۵۷ (کتاب معرفۃ الصحابۃ)

،اور جب صحیح حدیث مل گئی تو اب اصحاب کی مذمت کے سوا کچھ اور سامنے نہیں آتا ہے، عنقریب (عبقات الانوار حدیث سفینہ میں) بیان کریں گے کہ پیغمبرؐ اسلام نے امت کی ہدایت اور ان کو اختلاف سے بچانے کے لئے اپنے اہلبیتؑ کو ستاروں جیسا قرار دیا ہے۔

حدیث نجوم معنی کے اعتبار سے

اکابر علمائے اہلسنت کے بیانات سے میں نے ثابت کر دیا ہے کہ حدیث ''اصحابی کالنجوم'' سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، کہ اس کے بعد پھر کسی اور بیان کی ضرورت نہیں تھی، مگر مزید اطمینان کے لئے متن حدیث پر بھی بحث کر رہا ہوں اور ثابت کروں گا کہ معنی حدیث اور کردار صحابہ میں اصلاً مطابقت نہیں ہے، ملاحظہ کیجئے

۱۔ حدیث نجوم اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ رسولؐ خدا کے سارے صحابہ ہدایت یافتہ تھے، جب کہ یہ بات بالکل غلط ہے، اگر شک ہو تو کتاب ''تشئید المطاعن'' کا مطالعہ کیجئے، اور جب ایسا ہے تو پھر کس طرح رسولؐ خدا اصحاب کے بارے میں ایسی حدیث ارشاد فرما سکتے ہیں؟

۲۔ حدیث نجوم سارے صحابہ کے ہادی ہونے کو بتا رہی ہے، مگر یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ جب سب کے سب ہدایت یافتہ نہیں تھے تو پھر کیسے وہ ہادی بن سکتے ہیں، اس لئے

کہ خلفائے ثلاثہ، طلحہ وزبیر، معاویہ اور عمرو عاص جیسوں کی گمراہیوں کی تو خود علمائے اہلسنت نے تصریح کی ہے، اس بات کو ''تشئید المطاعن'' میں دیکھا جاسکتا ہے، پھر کیسے ہم مان لیں کہ حضرتؐ نے اصحاب کے بارے میں ایسا بیان دیا ہوگا؟

۳۔ حدیث نجوم کے معنی یہ ہیں کہ حضرتؐ کے سارے اصحاب امت کے لئے لائق اقتداء تھے، جب کہ صاحبانِ بصیرت کی نظر میں یہ بات بھی حقیقت سے کوسوں دور ہے، کیونکہ دلائل کی روشنی میں جب اہلسنت کے رأس و رئیس خلفائے ثلاثہ میں اقتدا کی صلاحیت نہیں پائی جارہی تھی، تو پھر صحابہ میں یہ صلاحیت کیسے پائی جاسکتی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اس حدیث کا ربط سارے صحابہ سے نہیں ہوسکتا ہے۔

۴۔ حدیث نجوم کا مطلب یہ ہے کہ امت جس صحابی کی بھی اقتدا کرلے ہدایت پا جائے گی، جب کہ واضح دلائل سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ان میں بہت سارے صحابہ گمراہ تھے اور ان میں اقتداء کی صلاحیت نہیں پائی جاتی تھی، ملاحظہ کیجئے ''تشئید المطاعن''

۵۔ بہت سارے صحابہ قتل، زنا اور جھوٹی گواہی جیسے گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوئے تھے، کتب اہلسنت اس بات کی گواہ ہیں اور ''تشئید المطاعن'' میں اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، لہذا ہم کیسے مان لیں کہ جو افراد برائیوں کی جڑ تھے، ان کو رسولؐ خدا نے ستارۂ ہدایت اور لائق اقتدا بتایا ہوگا؟

۶۔ معنیٔ حدیث نجوم اور سورۂ انفال، سورۂ برائت، سورۂ احزاب، سورۂ جمعہ اور سورۂ

منافقین کی بہت ساری آیتوں میں تضاد پایا جاتا ہے، کیونکہ ان آیتوں میں بہت سارے صحابہ کی مذمت ہوئی ہے، اوران میں ان کے صحیح چہرے پیش کیے گئے ہیں، ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا کوئی عقلمند تسلیم کرسکتا ہے کہ حضرت نے سارے صحابہ کو امت کے لئے لائق اقتدا قرار دیا ہوگا؟!

۷۔ صحاح، جوامع حدیث اور اہلسنت کی معتبر مسانید میں رسولؐ خدا کی بہت زیادہ حدیثیں ہیں جو صحابہ کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، جیسے حدیث حوض، حدیث ارتداد، حدیث ''میرے بعد تم کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے'' حدیث ''تم میں شرک چیونٹی کی طرح رینگ رہا ہے'' حدیث ''نہیں معلوم میرے بعد تم لوگ کیا گن دیکھاؤ گے'' حدیث مربوط بہ پیروی از سنت یہود و نصارا، حدیث تنافس، حدیث ''میرے اصحاب کے درمیان ایسے بھی افراد ہیں جو نہ مجھے دیکھیں گے اور نہ میں انہیں دیکھوں گا'' حدیث ''میرے اصحاب میں منافقین ہیں'' حدیث ''میری طرف غلط باتوں کی نسبت دینے والے بہت زیادہ ہوگئے ہیں '' ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری حدیثیں ہیں، جو فردی یا اجتماعی طور پر صحابہ کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں جن کے مطالعہ کے لئے ''تشئید المطاعن'' ملاحظہ کیجئے، پس کس طرح حضرتؐ اپنے سارے اصحاب کو ستاروں سے تشبیہ دے سکتے ہیں، اس سے کیا اقوال پیغمبرؐ میں تضاد لازم نہیں آئے گا؟

۸۔ مستند علمائے اہلسنت کی کتابوں میں بعض ایسی حدیثیں بھی ہیں جو واضح لفظوں میں اصحاب کی اقتداء سے منع کرتی ہیں اور اقتداء کرنے والوں کو جہنمی بتاتی ہیں، ان کو دیکھتے

ہوئے کیسے کوئی عقلمند تسلیم کرے گا کہ حضرتؐ نے سارے صحابہ کی اقتداء کا حکم دیا ہوگا؟ اگر یقین نہ آئے تو میں ان حدیثوں کو پیش کرتا ہوں جن میں صحابہ کی اقتداء کرنے سے منع کیا گیا ہے، ملاحظہ کیجئے۔

علامہ عاصمی ''زین الفتی'' میں اصحاب جمل کی حمایت میں لکھتے ہیں:

''پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: جب بھی میرے اصحاب کی لغزشوں کا ذکر ہو تو اس میں زیادہ دلچسپی نہ لینا، کیونکہ کون ایسا بندۂ خدا ہوگا جس سے ہلکی سی بھی لغزش نہ ہوئی ہو؟ لہذا عقلمند کو چاہیئے کہ ان کے بارے میں جرح و بحث کرنے اور ان کی لغزشوں اور برائیوں کو بیان کرنے سے پرہیز کرے، میرے جد نے مجھ سے بیان کیا انہوں نے ابوعلی ہروی سے انہوں نے مامون سے انہوں نے عطیہ سے انہوں نے ابن مبارک سے انہوں نے ابن لہیعہ سے اور انہوں نے یزید بن ابو حبیب سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''میرے بعد میرے اصحاب نئے نئے کام انجام دیں گے'' کہ اس سے آپ کی مراد وہ فتنے تھے جو ان کے درمیان رونما ہوئے'' خدا انہیں زمانہ ماضی میں اچھے کارناموں کے انجام دینے کی وجہ سے بخش دے گا'' مگر کسی نے ان کے بعد ان کی اقتدا کی تو خدا اس کو جہنم میں اوندھے منھ ڈال دے گا، ابن لہیعہ کا بیان ہے کی جب سے یہ حدیث سنی میرا بھی یہی نظریہ ہو گیا''

ملا متقی ''کنز العمال'' میں لکھتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا:

''میرے اصحاب کے درمیان فتنے اٹھیں گے اور خدا ان کو ان کے سوابق کی بناء پر معاف کر دے گا، مگر اگر کسی نے ان کے بعد ان کی اقتدا کی تو خدا اس کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا، اس روایت کو نعیم نے یزید بن حبیب سے بطور مرسل نقل کیا ہے''(۱)

۹۔ عظیم المرتبت علمائے اہلسنت کی کتابوں میں بہت زیادہ روایتیں ہیں جن میں خود صحابہ نے اپنی نااہلیت کا اعتراف کیا ہے، یہاں صرف ابوبکر اور عمر کے اعترافات نقل کئے جا رہے ہیں۔

ابوبکر کے اعترافات

ان لی شیطانا یعترینی ،یعنی مجھ پر شیطان کا غلبہ ہے۔

لست بخیر من احدکم ، فراعونی ، فاذا رأیتمونی استقمت فاتبعونی و اذا رأیتمونی زغت فقومونی ۔یعنی میں تم میں سے کسی سے بہتر نہیں ہوں، ہوشیار رہنا اگر تم نے دیکھا کہ میں راہ راست پر جا رہا ہوں تو میری پیروی کرنا، اور اگر تم نے دیکھا کہ میں کج ہو گیا ہوں تو مجھے سیدھا کر دینا۔

اطیعونی ما اطعت الله فاذا عصیت الله فلا طاعة لی علیکم ۔ یعنی اس وقت تک تم میری اطاعت کرو، جب تک میں خدا کی اطاعت کر رہا ہوں، اور جب میں خدا کی نافرمانی کرنے لگوں تو میری اطاعت نہ کرنا۔

۱۔ کنز العمال ج ۲۲ ص ۱۷۴

افتظئون انی اعمل بسنة رسول الله ، اذاً لا اقوم بها ؟ یعنی کیا تم سمجھتے ہو کہ میں سنت رسولؐ خدا پر عمل کرتا ہوں، جب کہ ایسا نہیں ہے۔

عمر کے اعترافات

یا حذیفہ ! باالله انا من المنافقین ۔ یعنی اے حذیفہ! خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں

متعدد مقامات پر اعتراف کیا: لولا علی لهلك عمر ۔ یعنی اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہوگیا ہوتا۔

حضرت علیؑ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: لولاك لافتضحنا ۔ یعنی اے علیؑ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم رسوا ہو جاتے۔

مہر کے مسئلے میں " امرأة خاصمت عمر فخصمته " یعنی مہر کے مسئلہ میں ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور اس میں اس کو کامیابی ملی۔

امرأة اصابت و رجل اخطاء ۔ یعنی عورت تو صحیح راستے پر چلی مگر مرد (عمر) سے غلطی ہوگئی۔

الا تعجبون من امام اخطاء و من امرأة اصابت ؟ ناضلت امامکم فنضلة ۔ یعنی کیا تم لوگوں کو تعجب نہیں ہورہا ہے کہ امام تو غلطی کرے اور ایک عورت حق و حقیقت تک پہونچ جائے ؟! اس نے تمھارے امام سے مناظرہ کیا اور اس میں وہ کامیاب ہوگئی۔

تسمعوننی اقول مثل هذا فلا تنکرونه حتی ترد علی امرأة لیست من اعلم النساء ؟ ! یعنی تم لوگ مجھ سے ایسی ویسی باتیں سنتے ہو اور ٹوکتے نہیں ہو اور ایک عورت جو بہت زیادہ معلومات نہیں رکھتی اس بات کو رد کر دیتی ہے۔

کل احد افقه منی ! یعنی ہر ایک مجھ (عمر) سے افقہ ہے

کل احد افقه من عمر ! یعنی ہر ایک عمر سے افقہ ہے

کل احد اعلم من عمر ! یعنی ہر ایک عمر سے زیادہ جاننے والا ہے

کل احد اعلم و افقه من عمر ! یعنی ہر ایک عمر سے زیادہ جاننے والا وافقہ ہے

اپنے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں : کل احد اعلم منك حتی النساء ! یعنی تم (عمر) سے تو ہر ایک زیادہ جاننے والا ہے حتی عورتیں۔

کل الناس افقه من عمر حتی النساء ! سارے لوگ عمر سے افقہ ہیں حتی عورتیں۔

کل الناس اعلم من عمر حتی العجائز ! سارے لوگ عمر سے زیادہ جانتے ہیں حتی بوڑھی عورتیں۔

کل الناس افقه من عمر حتی المخدرات فی الحجال ! سارے لوگ عمر سے زیادہ جاننے والے ہیں حتی پردہ نشین عورتیں۔

موصوف کے یہ اعترافات کتب اہلسنت میں موجود ہیں، ملاحظہ کیجئے ''تشئید المطاعن'' وغیرہ، ان اعترافات کے بعد ہم کیسے مان لیں کہ رسولؐ خدا نے ایسے افراد کو ستاروں سے

تشبیہ دی ہوگی ؟!

نئی چال

شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے حاشیہ تحفہ پر حدیث نجوم کونقل کرنے بعد اپنے ہم خیالوں کی کتابوں سے بعض باتیں نقل کی ہیں، جو ان کی سراسیمگی و پریشانی کی عکاسی کر رہی ہیں، وہ شرح ارشاد سے نقل کرتے ہیں کہ:

''اگر کوئی شخص کہے کہ بعض صحابہ سے یقیناً اجتہاد میں غلطی ہوئی ہے، پھر کس طرح سب کی پیروی ہدایت کا باعث بن سکتی ہے؟ میں ان کو یہ جواب دوں گا کہ ان چیزوں میں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جن کا حکم قرآن وحدیث میں واضح طور پر بیان نہیں ہوا ہے، اور اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کسی بات کے غلط ہونے کا یقین اس وقت ہوسکتا ہے جب وہ بات واضح حکم کے خلاف ہو کہ اس صورت میں ان کی پیروی نہیں کی جاسکتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی پیروی اس وقت ہدایت کی باعث ہوگی جب ان کی باتیں قرآن وحدیث کے برخلاف نہ ہوں، کہ اس صورت میں کسی اشکال کی گنجائش نہیں ہے''

میں (میر حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ ''شرح ارشاد'' کی یہ باتیں درج ذیل وجوہات کی بناء پر غلط ہیں۔

ا۔ جب یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ سے یقینی طور پر اجتہاد میں غلطی ہوئی ہے، تو بعید ہے کہ رسولؐ خدا ایسوں کو ستارے جیسا قرار دیئے ہوں گے، اس لئے کہ نجوم سماء سے

غلطیاں محال ہے، لہذا خطا کاروں اور گمراہوں کو ستارۂ ہدایت سے تشبیہ دینا اچھی بات نہیں ہے، بلکہ یہ خود گمراہ کرنا ہے اور ہمارا رسولؐ ایسی صفت سے پاک تھا۔

۲۔ جب یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے واضح حکم کے خلاف فتوادیا تھا، اور جب ایسا ہے تو جو احکام قرآن وحدیث میں واضح طور پر بیان نہیں ہوئے ہیں ان میں غلطی کرنے کا امکان تو بہت زیادہ ہے، پھر کس طرح رسولؐ خدا اپنی امت کو ایسوں کی پیروی کا حکم دے سکتے ہیں؟

۳۔ حضرتؐ کے اہلبیتؑ یقیناً ہر خطا ولغزش سے محفوظ تھے، آیت تطہیر، حدیث ثقلین اور بہت ساری آیتیں اور حدیثیں ان کی عصمت کو ثابت کرتی ہیں، ان نفوس قدسیہ کے ہوتے ہوئے خطا کار اصحاب کو ستارے جیسے قرار دے کر ان کی پیروی کرنے کی دعوت دینا کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا، پھر کیسے رسولؐ خدا کے بارے میں ایسا سوچ سکتے ہیں جو اعقل خلائق اور اعلم عالمین تھے۔

۴۔ حضرتؐ کے اصحاب کے درمیان یقیناً بعض ایسے تھے جو مرتبہ کے لحاظ سے اہلبیتؑ کے مرتبے سے کم تھے، جیسے سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار مگر اوروں سے بہت بہتر تھے، ایسے اصحاب اطیاب کے ہوتے ہوئے ان اصحاب کی پیروی کا حکم دینا جو واضح حکم میں غلطیاں کرتے تھے، اور نص کے مقابلے میں اجتہاد کرتے تھے، ظلم ہے کہ جس رکیک صفت سے رسولؐ خدا کوسوں دور تھے۔

۵۔ اس میں شک نہیں کہ اصحاب کے درمیان احکام شرعی میں اختلاف پایا جاتا ہے، ان مسائل میں بھی جن کا حکم واضح ہے اور ان مسائل میں بھی جن کا حکم واضح نہیں ہے، چنانچہ اس سلسلے میں مخاطب کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے ایک مستقل کتاب ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' لکھی ہے، ان باتوں کے ہوتے ہوئے ایسوں کو امت کا پیشوا قرار دینا اور انہیں ستارۂ ہدایت سے تعبیر کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا اور رسولؐ خدا کے لئے تو ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

۶۔ اصحاب پیغمبرؐ ایک دوسرے پر غلط مسائل شرعی بتانے کا علنی الزام لگاتے تھے، ظاہر سی بات ہے کہ ایسا ناٹک کرنے والوں کو حضرتؐ ستارۂ ہدایت قرار نہیں دے سکتے۔

۷۔ بات صرف تخطٔہ پر ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ تکذیب، تجہیل، تکفیر اور تضلیل تک پہونچ گئی تھی، ہر ایک دوسرے کو جھوٹا، جاہل، کافر اور گمراہ کہتا تھا، ایسے واقعات جید علمائے اہلسنت کی کتابوں میں محفوظ ہیں، تو جب خود اصحاب ایک دوسرے کو اس لائق نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی اقتدا کی جا سکے تو پھر رسولؐ خدا کس طرح انہیں ستارۂ ہدایت قرار دے سکتے ہیں؟

۸۔ حضرتؐ کے اصحاب میں کچھ ایسے بھی افراد تھے جو آپؐ کے بزرگ صحابہ کی تکذیب کرتے تھے جیسے حضرت عمر جنہوں نے جناب عمار کو نقل حدیث تیمم پر جھٹلایا، جیسا کہ اس کے پہلے بیان کیا گیا ہے، کیا ایسے جسور کو رسولؐ خدا ستارۂ ہدایت اور امت کا پیشوا قرار دے سکتے ہیں؟

۹۔ حضرتؐ کے اصحاب کے درمیان کچھ ایسے افراد تھے جو دین میں قیاس کر کے ابلیس کی پیروی کرتے تھے، کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قیاس کیا تھا، اب جو افراد واضح احکام میں غلطی کریں، اور غیر واضح احکام میں قیاس سے کام لیں وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ حضرتؐ انہیں ستارۂ ہدایت اور پیشوائے امت کہیں؟

۱۰۔ اس میں شک نہیں کہ حضرتؐ کے اصحاب کے درمیان ایسے افراد تھے جو احکام شرعیہ سے ناواقف تھے، اور جب وقت پڑتا تھا تو دوسروں کی کنڈی کھٹکھٹاتے تھے، جیسے شیخین، عثمان، اور دیگر اصحاب جیسا کہ ''تشئید المطاعن'' وغیرہ میں ان کی داستانیں بیان ہوئی ہیں، تو جب صحابہ کے درمیان غلطیاں کرنے والے اور جاہل افراد تھے، پھر کیسے یہ بات حلق سے اتر سکتی ہے کہ حضرتؐ نے سارے صحابہ کو ستارۂ ہدایت اور لائق اقتدا کہا ہوگا؟

۱۱۔ حضرتؐ کے اصحاب میں بعض کی جہالت تو اس حد تک پہونچی ہوئی تھی کہ پردہ نشین عورتیں ان سے افقہ اور اعلم تھیں جیسے حضرت عمر کہ ان کی بے شمار غلطیاں ''تشئید المطاعن'' وغیرہ میں بیان ہوئی ہیں، ظاہری بات ہے کہ ایسوں کو ایک عام آدمی ستارۂ ہدایت اور قائد امت نہیں کہہ سکتا، چہ جائیکہ حضرتؐ ایسا کریں؟

۱۲۔ حضرتؐ کے اصحاب کے درمیان ایسے افراد بھی تھے جو ایک موضوع کے بارے میں مختلف متضاد حکم دیتے تھے کہ ان ہی میں حضرت عمر بھی ہیں، جیسا کہ صاحب تشئید المطاعن نے تفصیل سے بیان کیا ہے، ظاہری بات ہے کہ ایسے لوگوں میں صلاحیت ہے ہی نہیں کہ رسول خداؐ انہیں ستارۂ ہدایت اور قرآن و حدیث کے غیر منصوص احکام میں لائق

اقتدا اقرار دیں۔

۱۴۳۔ حضرتؑ کے بعض اصحاب ایسے غبی اور کند ذہن تھے کہ وہ مسئلہ ''کلالہ'' کو نہ سمجھ سکے اور قرآن کے بیان کرنے اور حضرتؑ کے سمجھانے کے باوجود ان کی سمجھ میں نہ آسکا، چنانچہ طبری اپنی تفسیر میں ابوبکر کے بیان کو نقل کرتے ہیں کہ:

''میں نے کلالہ کے بارے میں اپنی رائے تو دے دی ہے مگر نہیں معلوم صحیح ہے یا غلط، اگر اس کے معنی صحیح ہیں تو یہ خدائے وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے، اور اگر معنی غلط ہے تو یہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے خدا ان چیزوں سے بری ہے'' (۱)

اس سلسلے میں حضرت عمر کی عجیب وغریب باتیں ''تفسیر طبری'' میں منقول ہیں اور ''تشئید المطاعن'' میں متعدد کتب اہلسنت سے انہیں نقل کیا ہے، بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب خلیفہ صاحب اس آیت قرآنی کی قرائت کرتے تھے'' یبین اللہ لکم ان تضلوا ''(نساء آیت ۱۷۶) تو کہتے تھے'' خدایا تو نے کس کے لئے کلالہ کو بیان کیا ہے؟ میری سمجھ میں تو نہ آسکا، نیز رسولؐ خدا نے کلالہ کے بارے میں حفصہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''میں نہیں سمجھتا کہ کلالہ کے معنی تمھارے باپ کی سمجھ میں آیا ہوگا'' چنانچہ حضرت عمر نے اپنی لاچارگی کا اعتراف بھی اس طرح کیا'' ما ارانی اعلمھا ابدا و قد قال رسول اللہؐ ما قال '' بلکہ حضرت عمر کا یہ بیان منقول ہے'' تین چیزیں ایسی ہیں کہ رسولؐ خدا اگر انہیں

۱۔ تفسیر طبری ج ۴ ص ۲۸۴۔۲۸۳

بیان کردیتے تو وہ میری نظر میں دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہوتیں کلالہ، خلافت اور ربا''

اب آپ ہی بتایئے جو شخص نص قرآنی کے سمجھنے سے قاصر ہو اس کو کس طرح رسولؐ خدا غیر منصوص میں امت کے لئے لائق اقتدا اور ستارۂ ہدایت قرار دے سکتے ہیں؟

۱۴۔ بعض صحابہ تو اتنے کم فہم تھے کہ ہر مہینہ کو ۲۹ دن کا بتاتے تھے، اور اس بات کی رسولؐ خدا کی طرف نسبت دیتے تھے، چنانچہ سیوطی ''عین الاصابۃ'' میں لکھتے ہیں:

''احمد نے یحییٰ بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے ابن عمر سے اور انہوں نے نبیؐ سے روایت کی ہے کہ مہینے ۲۹ دن کے ہوتے ہیں، جب اس کا ذکر عائشہ سے کیا گیا تو انہوں نے کہا خدا ابو عبدالرحمٰن پر رحمت نازل کرے انہوں نے تو کہا تھا کہ مہینے کبھی ۲۹ دن کے ہوتے ہیں''

ظاہری بات ہے جب ابن عمر کا یہ حال ہے جنہیں اہلسنت کبار صحابہ میں شمار کرتے ہیں، تو پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے معاذ اللہ سارے صحابہ کو ستارے جیسا کہا ہوگا، اور غیر واضح احکام میں قرآن و حدیث سے کیئے ان کے اجتہاد کو اپنی امت کے لئے لائق اعتبار بتایا ہوگا؟

۱۵۔ بعض صحابہ ایسے تھے جو تجارت کرنے میں غلط راستے کا انتخاب کرتے تھے کہ ان کا یہ فعل جناب عائشہ کے بقول حج اور پیغمبرؐ کے ہمراہ جہاد کے باطل ہونے کا سبب بنتا تھا، ظاہری بات ہے کہ ایسے افراد کبھی بھی ستارۂ ہدایت نہیں بن سکتے اور حضرتؐ انہیں احکام شرعیہ میں اپنی امت کے لئے مرجع قرار نہیں دے سکتے ہیں، جس روایت میں فعل حرام کے

ذریعے اصحاب کے تجارت کرنے کا ذکر ہے اس کو محدثین، فقہاء، مفسرین اور اصولیوں نے اپنی حدیثی، فقہی، تفسیری اور اصولی کتابوں میں نقل کیا ہے، ملاحظہ کیجئے

عبدالرحمٰن بن قاسم مالکی ''المدونۃ الکبری'' میں لکھتے ہیں:

''مجھے ابن وہب نے بتایا انہوں نے جریر بن حازم سے انہوں نے ابو اسحاق ہمدانی سے اور انہوں نے ام یونس سے روایت کی ہے کہ زید بن ارقم کی کنیز ام محبہ نے زوجہ نبیؐ عائشہ سے پوچھا اے ام المومنین! کیا زید بن ارقم کو پہچانتی ہیں؟ جواب دیا ہاں، کہا میں نے ان سے اودھار اور زمانہ معین کئے بغیر ایک غلام ۸۸۰ درہم میں بیچا تھا، ان کو پیسوں کی ضرورت پڑی اور قیمت ادا کرنے سے پہلے میں نے اسی غلام کو ان سے چھ سو درہم میں خرید لیا، عائشہ نے کہا غلط طریقے سے تم نے بیچا اور غلط طریقے سے تم نے خریدا ہے، زید (بن ارقم) سے جا کر کہدو کہ اگر تم نے توبہ نہ کی تو رسولؐ خدا کے ساتھ جہاد کرنے میں جتنی زحمتیں اٹھائی ہیں ساری اکارت ہو جائیں گی، میں (ام محبہ) نے کہا اگر میں ان سے چھ سو درہم لے لوں اور دو سو درہم چھوڑ دوں تو؟ بولیں کوئی بات نہیں ہے، من جائه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف ''(یعنی جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت آ گئی اور اس نے سود کو ترک کر دیا تو گذشتہ کاروبار کا معاملہ خدا کے حوالے ہے۔ بقرہ آیت نمبر ۲۷۵)

عبدالرزاق بن ہمام صنعانی اپنی کتاب ''المصنف'' میں لکھتے ہیں:

''ہم کو معمر اور ثوری نے بتایا انہوں نے ابو اسحاق سبیعی سے اور انہوں نے اس عورت سے نقل کیا جو چند عورتوں کے ہمراہ عائشہ کے پاس گئی تھی اور ان سے اس نے کہا تھا کہ اے ام المومنین! میرے پاس ایک کنیز تھی اس کو میں نے زید بن ارقم سے (اودھار) آٹھ سو درہم میں بیچا پھر میں نے اسی کنیز کو ان سے نقد چھ سو درہم میں خرید لیا اور انہوں نے ایک نوشتہ دیا جس میں لکھا کہ میں آٹھ سو درہم کا مقروض ہوں، عائشہ نے کہا تم نے غلط طریقے سے کنیز خریدی ہے! زید بن ارقم سے جا کر کہہ دو کہ اگر توبہ نہ کیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرنا بیکار ہو جائے گا، اس عورت نے عائشہ سے پوچھا اگر میں اصل مال لوں اور اضافی رقم کو واپس کردوں تو؟ جواب دیا فمن جائه موعظة من ربه''

احمد بن حنبل شیبانی اپنی ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا انہوں نے شعبہ سے اور انہوں نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ ایک عورت اور زید بن ارقم کی کنیز، عائشہ کے پاس گئیں، زید بن ارقم کی کنیز نے عائشہ سے کہا کہ میں نے زید سے اودھار آٹھ سو درہم میں ایک غلام بیچا اور اسی غلام کو ان سے نقد چھ سو درہم میں خریدا ہے، عائشہ نے کہا زید بن ارقم سے جا کر کہدو کہ اگر توبہ نہ کیا تو رسولؐ خدا کے ساتھ جہاد کرنا بے سود ہو جائے گا، تو نے غلط طریقے سے خریدا اور غلط طریقے سے بیچا

ہے"

ابوبکر احمد بن محمد معروف بہ جصاص رازی حنفی "احکام القرآن" میں آیت ربا کی شرح میں لکھتے ہیں:

"آیت میں ربا سے مراد وہ چیز بھی ہے جس کو اودھار بیچا جائے اور اس کی قیمت ادا کرنے سے پہلے اسی کو کم قیمت میں خریدا جائے، اس پر دلیل وہ حدیث ہے جس کو یونس بن ابی اسحاق نے اپنے والد سے اور انہوں نے ابوعالیہ سے نقل کیا ہے، عالیہ کا بیان ہے کہ میں عائشہ کے پاس بیٹھی تھی کہ ایک عورت نے ان سے کہا کہ میں نے زید بن ارقم سے آٹھ سو درہم میں اودھار ایک کنیز بیچی، اور جب دیکھا کہ (قیمت ادا کرنے سے پہلے) وہ اسی کنیز کو بیچنا چاہتے ہیں، تو میں نے چھ سو درہم میں خرید لیا، عائشہ نے کہا تم نے بہت برا معاملہ کیا، بیچا بھی غلط طریقے سے اور خریدا بھی غلط راستے سے، زید بن ارقم سے جا کر کہدو کہ اگر توبہ نہ کیا تو وہ ساری زحمتیں اکارت ہو جائیں گی جنہیں رسولؐ خدا کے ساتھ جہاد کرنے میں اٹھائی تھیں، اس عورت نے کہا اے ام المومنین اگر میں اصل مال لے لوں تو؟ جواب دیا فمن جائه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف و امره الى الله، چونکہ عائشہ نے آیۂ ربا کی تلاوت عورت کے اس سوال کے جواب میں کی کہ "اگر میں اصل مال لے لوں تو؟" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا معاملہ ان کی نظر میں ربا تھا، اور یہ نام توقیفی ہے (جو

حدیث سے ثابت ہوتا ہے)''

ابوزید عبیداللہ بن عمر بن عیسی دبوس حنفی ''تاسیس النظر'' میں قیاس پر قول صحابی کے مقدم ہونے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ان ہی موارد میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک چیز کو کسی سے اودھار بیچے اور قیمت لینے سے پہلے اسی چیز کو اس سے کم دام میں خریدے تو یہ معاملہ صحیح نہیں ہے، میں نے یہ حکم حدیث عائشہ اور حدیث زید بن ارقم کی روشنی میں دیا ہے اور قیاس پر عمل نہیں کیا ہے، البتہ امام ابوعبداللہ شافعی کی نظر میں ایسا معاملہ صحیح ہے انہوں نے قیاس پر عمل کیا ہے''

اہلسنت کے فخر الاسلام، شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی ''المبسوط'' میں لکھتے ہیں:

''اگر ایک شخص اپنی کسی چیز کو کسی سے نقد بیچے یا اودھار بیچے مگر اس چیز کو اسی قیمت میں یا اس سے زیادہ قیمت میں خریدے تو یہ معاملہ صحیح ہے، مگر اگر اسی چیز کو اس کی قیمت سے کم دام میں خریدے تو یہ معاملہ صحیح نہیں ہے، یہی فتویٰ ہمارے علماء نے استحسان پر عمل کرتے ہوئے دیا ہے، مگر جنہوں نے قیاس پر عمل کیا ہے ان کے نزدیک یہ معاملہ صحیح ہے، اور یہی نظریہ شافعی کا ہے ۔ کیونکہ جب خریدار نے وہ چیز لے لی تو وہ اس کی ہوگئی، لہذا جس قیمت پر چاہے اس کو وہ بیچ دے، خواہ پہلے مالک کے ہاتھوں یا کسی اور کے ہاتھوں، جس طرح پہلے مالک کو

وہ چیز ہبہ کردے تو یہ جائز فعل ہوگا اسی طرح اگر اسی سے کم قیمت پر اس چیز کو بیچے تب بھی جائز ہونا چاہئے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے اس چیز کو کسی اور سے بیچے اور وہ اس کے پہلے مالک سے کم قیمت میں بیچے تو معاملہ صحیح ہے، لیکن ہم حدیث عائشہ کی بنیاد پر استحسان پر عمل کریں گے، اس لئے کہ اس روایت میں ہے کہ ایک عورت ان کے پاس گئی اور کہا کہ میں نے اودھار آٹھ سو درہم میں زید بن ارقم سے ایک کنیز بیچی تھی مگر قیمت ادا کرنے سے پہلے اسی کنیز کو ان سے چھ سو درہم میں خرید لیا ہے، یہ سن کر عائشہ نے کہا بہت غلط سودا کیا ہے، زید بن ارقم سے جا کر کہدو کہ اگر توبہ نہ کیا تو ان کا حج اور رسولؐ خدا کے ہمراہ کیا ہوا جہاد باطل ہو جائے گا! یہ سن کر عذر خواہی کے لئے زید بن ارقم آئے، اس وقت عائشہ نے اس آیت کی تلاوت کی'' فمن جائه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف '' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا معاملہ اس وقت غلط سمجھا جاتا تھا، ورنہ اتنے سخت لہجے میں (عائشہ) نہ کہتیں کہ حج باطل ہو گیا اور جہاد کی زحمتیں اکارت ہو گئیں، ایسا انہوں نے یقیناً رسولؐ خدا سے سنا ہوگا تب ہی تو زید بن ارقم عذر خواہی کے لئے دوڑے ہوئے آگئے، کیونکہ اصحاب اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کی مخالفت کرتے تھے، اور اس مخالفت پر عذر خواہی بھی نہیں کرتے تھے''

ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاشانی حنفی ''بدائع الضائع فی ترتیب الشرائع'' میں اودھار مال کو قیمت ادا کرنے سے پہلے کم قیمت پر بیچنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ ایک عورت عائشہ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ میں نے زید بن ارقم سے آٹھ سو درہم میں ایک غلام خریدا اور پھر اسی غلام کو ان سے چھ سو درہم میں بیچ دیا، عائشہ نے کہا تم نے غیر شرعی طریقے سے خریدا بھی اور غیر شرعی طریقے سے بیچا بھی، زید سے جا کر کہہ دو اگر توبہ نہ کیا تو خدا، رسولؐ خدا کے ہمراہ کئے جہاد کو باطل کر دے گا، اس روایت سے دو طریقے سے استدلال کیا جا سکتا ہے، ۔۱۔ انہوں نے زید کو ایسی چیز سے ڈرایا تھا جس کا ربط ان کی ذاتی رائے سے نہیں ہو سکتا، یہ بات انہوں نے رسولؐ خدا سے سنی تھی، اور جب اس معاملے کو دیکھا تو حضرتؐ کی بات دہرا دی اور وہ طاعت کا باطل ہونا ہے، اور وعید وسزا کا تعلق معصیت سے ہوتا ہے، ۔۲۔ عائشہ نے اس معاملے کو برے معاملے سے تعبیر کیا ہے، اور یہ لفظ صحیح معاملے کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے بلکہ فاسد معاملے کے لئے استعمال ہوتا ہے''

مذکورہ کتابوں کے علاوہ جن اور کتابوں میں یہ روایت بعینہ موجود ہے، حسب ذیل ہیں:

برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی کی ''الھدایۃ'' مجدالدین مبارک بن محمد معروف بہ ابن اثیر جزری شافعی کی ''جامع الاصول'' مجدالدین ابوالبرکات عبدالسلام حرانی کی ''المنتقی'' ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی کی ''جامع مسانید ابوحنیفہ'' ابوالبرکات عبداللہ بن احمد المعروف بہ حافظ الدین نسفی کی ''کشف الاسرار شرح المنار'' علاء الدین عبدالعزیز بن

احمد بخاری کی ''کشف الاسرار شرح اصول بزودی'' حسن بن طیبی کی '' کاشف شرح مشکواۃ '' فخر الدین عثمان بن علی زیلعی کی ''تبین الحقائق شرح کنز الدقائق'' ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی کی ''تفسیر القرآن'' اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی کی ''العنایۃ'' عبداللطیف بن عبدالعزیز جلال الدین خوارزمی کرمانی کی ''کفایۃ'' ابواسحاق ابراہیم بن موسی لخمی غرناطی معروف بہ شاطبی کی ''الموافقات فی اصول الاحکام'' بدر الدین محمد بن احمد عینی کی ''شرح ھدایۃ'' ابن الھمام کی ''فتح القدیر'' ابن امیر الحاج حلبی کی ''التقریر والتحبیر '' عبداللطیف بن عبدالعزیز حنفی معروف بہ ابن الملک کی '' شرح منار'' زین الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر معروف بہ ابن عینی کی ''شرح منار'' جلال الدین سیوطی کی تفسیر '' درمنثور'' اور ''عین الاصابۃ '' عبدالرحمٰن بن علی معروف بہ ابن دبیع شیبانی کی ''التیسیر الاصول'' زین الدین معروف بہ ابن نجیم مصری کی '' بحرالرائق شرح کنز الدقائق'' ملا علی قاری کی ''مرقاۃ شرح مشکواۃ'' ملا احمد بن ابی سعید بن عبیداللہ حنفی کی ''نورالانوار شرح منار'' مولوی عبدالعلی بن نظام الدین انصاری کی ''فواتح الرحموت'' مولوی محمد عبدالحلیم بن محمد امین اللہ لکھنوی کی ''قمر الاقمار حاشیہ نورالانوار''

۱۶۔ اصحاب کے درمیان ایسے بھی صحابی تھے جو شراب بیچنے کو جائز جانتے تھے، گرچہ یہ جواز ان کے اجتہاد کی وجہ سے تھا! مگر ان کے اس عمل نے حضرت عمر کو اتنی اذیت پہونچائی کہ ان کو کہنا پڑا خدا فلاں شخص کو مار ڈالے! وہ شراب بیچتا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ ایسے ملاعین کو رسولؐ خدا ہرگز ستارۂ ہدایت اور غیر واضح احکام میں ان کے اجتہادی فتاویٰ پر عمل

کرنے کے لئے امت کو نہیں کہہ سکتے ،تاریخ کے صفحات پر ایسے شواہد بے شمار پائے جاتے ہیں ،صرف چند کی عبارتیں ہدیہ قارئین ہیں۔

شافعی اپنی ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے سفیان نے بیان کیا انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب عمر بن خطاب کو خبر ملی کہ ایک شخص نے شراب بیچی ہے تو کہا: خدا فلاں شخص کو مار ڈالے! اس نے شراب بیچی ہے؟ کیا اس کو نہیں معلوم کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ خدا یہودیوں کو مار ڈالے (یعنی ان پر خدا کی لعنت ہو) کہ ان پر (میتہ کی) چربی حرام تھی ،مگر انہوں نے اس کو پگھلایا اور پھر بیچا''

ابو بکر بن ابی شیبہ بغدادی ''مصنف'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے ھشیم نے بیان کیا انہوں نے مطیع سے انہوں نے شعبی سے اور انہوں نے مسروق سے روایت کی ہے کہ عمر نے کہا خدا فلاں شخص پر لعنت کرے، وہی پہلا شخص ہے جس نے شراب بیچنے کی اجازت دی ہے'' (۱)

احمد بن حنبل اپنی ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے سفیان نے بیان کیا انہوں نے عمرو سے انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ عمر کو خبر دی گئی کہ سمرہ نے شراب

۱۔ المصنف ج ۸ ص ۱۹۵

بیچی ہے، انہوں نے کہا خدا سمرہ کا ستیاناس کرے، رسول خدا نے فرمایا ہے خدا یہودیوں پر لعنت کرے کہ ان پر (میتہ کی) چربی حرام تھی مگر ان لوگوں نے اس کو پگھلایا اور بیچا" (۱)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی اپنی "مسند" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے محمد بن احمد نے بیان کیا انہوں نے سفیان سے انہوں نے عمرو (یعنی ابن دینار) سے انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب عمر کو خبر ملی کہ سمرہ (ابن جندب) نے شراب بیچی ہے تو کہا خدا سمرا کو مار ڈالے، کیا اس کو نہیں معلوم کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ خدا کی لعنت ہو قوم یہود پر کہ ان پر (میتہ کی) چربی حرام تھی مگر انہوں نے اس کو پگھلایا اور پھر بیچا"

بخاری اپنی "صحیح" کے باب "لا یذاب شحم المیتة ولا یباع ودکه" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے حمیدی نے بیان کیا انہوں نے سفیان سے اور انہوں نے عمرو بن دینار سے روایت کی ہے کہ طاؤس نے ابن عباس کو کہتے ہوئے سنا کہ عمر تک یہ خبر پہونچی کہ فلاں شخص نے شراب بیچی ہے، انہوں نے کہا خدا فلاں شخص کو نابود کردے، کیا وہ نہیں جانتا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے: خدا قوم یہود کو تہس نہس کر

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۵

دے، ان پر (میتہ کی) چربی حرام کی گئی تھی، مگر انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچا اور اس سے ملی رقم سے اپنی ضروریات پوری کی، ابوعبداللہ کا بیان ہے کہ اس روایت میں جو یہ فقرہ ہے کہ " قاتلهم الله "اس سے مراد" لعنهم ' ہے یعنی خدا کی ان پر لعنت ہو"

نیز بخاری اپنی "صحیح" کے باب' ما ذکر عن بنی اسرائیل ' میں لکھتے ہیں:

"ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا انہوں نے سفیان سے انہوں نے عمر سے انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے، ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے عمر کو کہتے ہوئے سنا کہ خدا فلاں شخص کو نیست و نابود کرے، کیا وہ نہیں جانتا کہ نبیؐ نے فرمایا ہے خدا کی لعنت ہو یہودیوں پر کہ ان پر (میتہ کی) چربی حرام کی گئی تھی، مگر انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچا، اسی حدیث کو جابر اور ابوہریرہ نے نقل کیا ہے"

مسلم اپنی "صحیح" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے ابوبکر بن شیبہ اور زہیر بن حرب اور اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا (الفاظ ابوبکر کے ہیں) ان سب نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے عمرو سے انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ عمر کے پاس یہ خبر پہونچی کہ سمرہ نے شراب بیچی ہے، یہ سن کر انہوں نے کہا سمرہ کا خدا ستیاناس کرے کیا وہ نہیں جانتا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے، خدا یہودیوں پر لعنت

کرے کہ ان پر (میتہ کی) چربی حرام کی گئی تھی، مگر انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچا۔

اسی حدیث کو اسی سند کے ساتھ ہم سے امیہ بن بسطام نے انہوں نے یزید بن زریع سے انہوں نے روح (یعنی ابو القاسم) سے اور انہوں نے عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے"

ابن ماجہ اپنی "سنن" کے باب "التجارۃ فی الخمر" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے ابوبکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے سفیان سے انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ عمر کو پتہ چلا کہ سمرہ نے شراب بیچی ہے، یہ سن کر وہ بولے خدا سمرہ کو نیست و نابود کرے کیا اس کو نہیں معلوم کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ خدا لعنت کرے یہودیوں پر کہ ان پر (میتہ کی) چربی حرام تھی، مگر انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچا"

نسائی اپنی "سنن" کے باب " النهي عن الا نتفاع بما حرم الله عزوجل " میں لکھتے ہیں:

"ہم کو اسحاق بن ابراہیم نے بتایا انہوں نے سفیان سے انہوں نے عمرو سے انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ عمر تک خبر پہونچائی گئی کہ سمرہ نے شراب بیچی ہے، یہ سن کر وہ بولے، خدا سمرہ کو مار ڈالے کیا اس کو نہیں معلوم کہ رسول خدا نے فرمایا کہ خدا یہودیوں پر لعنت کرے

کہ ان پر (میتۃ کی) چربی حرام کی گئی، مگر انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچا''

مذکورہ کتابوں کے علاوہ جن اور معتبر کتابوں میں بعینہ یہ روایت موجود ہے، حسب ذیل ہیں۔ غزالی کی ''احیاء العلوم'' عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن مسرور جماعیلی مقدسی حنبلی کی ''عمدۃ الاحکام'' ابن اثیر جزری کی ''جامع الاصول'' علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی معروف بہ خازن کی تفسیر ''لباب التاویل'' عماد الدین اسماعیل بن احمد بن سعید بن محمد بن اثیر حلبی شافعی کی ''احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام'' ابن حجر عسقلانی کی ''تلخیص الخبیر'' ملا متقی ھندی کی ''کنز العمال'' شاہ ولی اللہ دہلوی کی ''ازالۃ الخفا''

سمرہ بن جندب کا اجتہادِ باطل اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ اس نے فئی مسلمین (وہ مال جو بغیر جنگ کئے غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے) میں شراب اور سور کا پیسہ ملا دیا تھا، اور جب اس کی خبر عمر کو ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے چنانچہ ملا علی متقی ھندی ''کنز العمال'' میں لکھتے ہیں:

''ابن عباس کا کہنا ہے کہ میں نے عمر کو دیکھا کہ وہ ہاتھ مل رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ خدا سمرہ کو نیست و نابود کرے، عراق میں وہ ہمارا چھوٹا حاکم تھا اور اس نے فئی مسلمین میں شراب اور سور کا پیسہ مخلوط کر دیا! شراب اور سور بھی حرام ہیں اور ان کی قیمت بھی حرام ہے، اس روایت کو عبدالرزاق نے ''المصنف'' میں اور بیہقی نے اپنی ''سنن'' میں نقل کیا ہے'' (۱)

۱۔ کنز العمال ج ۴ ص ۹۱

ظاہر سی بات ہے کہ سمرہ کا شراب اور سور سے ملے ہوئے مال کو فئی مسلمین میں ملا دینا پیغمبرؐ اسلام کی حدیث کی کھلی مخالفت کرنا ہے، کیونکہ حضرتؐ نے فرمایا ہے اور اس کو حفاظ اہلسنت نے نقل کیا ہے کہ '' من باع الخمر فليشقص الخنازير '' یعنی جو شخص شراب بیچنے کو جائز سمجھے اس کو چاہئے کہ وہ سور کے بیچنے کو بھی جائز سمجھے، کیونکہ دونوں حرام ہونے کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ اس حدیث کو اسی توضیح کے ساتھ علاء الدین علی بن محمد بغدادی معروف بہ خازن نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے، اور حدیث کو انہوں نے ابوداؤد سے نقل کیا ہے۔

شراب کے سلسلے میں سمرہ تو اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ وہ اس کے تلچھٹ کو اپنے بدن پر ملتا تھا جس کی وجہ سے حضرت عمر نے ممبر سے اس پر لعنت بھیجی، چنانچہ حنفی فقیہ شمس الائمہ، فخر الاسلام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی ''المبسوط'' میں لکھتے ہیں:

> ''شراب کا تلچھٹ پینا اور اس سے کوئی اور فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، کیونکہ ہر چیز کا تلچھٹ خود اسی جیسا ہوتا ہے، اور چونکہ شراب پینا حرام ہے لہذا اس کے تلچھٹ کا مصرف بھی حرام ہے، اس لئے کہ اس میں شراب کے اجزاء پائے جاتے ہیں، تو جب شراب کا ایک قطرہ پانی میں گر جانے سے اس کا پینا یا کسی اور کام میں اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہوتا، تو اگر اس کا تلچھٹ پانی میں گر جائے تو بدرجہ اولی اس کا مصرف ناجائز ہوگا، چنانچہ مروی ہے کہ سمرہ بن جندبؓ حمام میں اپنے بدن پر شراب کا تلچھٹ ملتے تھے، ان کی یہ حرکت عمر کو بری لگی، اور اس عمل

کی وجہ سے ممبر سے ان پر انہوں نے لعنت بھیجی، اور جب سے عمر نے لعنت بھیجی پھر کسی نے اس عمل کو جائز قرار نہیں دیا''(۱)

لگتا ہے کہ سمرہ نے بدن پر شراب ملنے کے متعلق اپنے اجتہاد کے علاوہ ان صحابہ کی بھی تقلید کی تھی جو صحابیت اور اجتہاد کے لحاظ سے اس سے بالاتر تھے، کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ خالد بن ولید جو اہلسنت کی نظر میں صحابہ کے درمیان بزرگ مجتہد سمجھے جاتے ہیں، وہ اس سلسلے میں سمرہ بن جندب پر سبقت لے گئے، اس عمل میں وہ بہت دلچسپی رکھتے تھے، ان کے اسی عمل کی وجہ سے حضرت عمر نے پہلے ان کو تنبیہ کی، مگر جب نہیں مانے تو انکو گورنری سے معزول کر دیا، چنانچہ طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''سری نے شعیب کے حوالے سے میرے پاس لکھا اور شعیب نے سیف سے اور انہوں نے ابوعثمان اور ابوحارثہ سے نقل کیا ہے، نیز سری نے شعیب کے حوالے سے میرے پاس خط لکھا انہوں نے شعیب سے انہوں نے سیف سے اور انہوں نے ابوالماجد سے نقل کیا ہے، ان سب کا کہنا ہے کہ جب عمر کو خبر ملی کہ خالد نے حمام میں نورہ لگانے کے بعد اپنے بدن پر ایسی چیز ملی ہے جس میں شراب ملی ہوئی تھی، تو انہوں نے ولید کے پاس لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو اپنے بدن پر شراب ملتا ہے، جب کہ خدا نے اس کو ہر طرح کے استعمال سے منع کیا ہے اور اس کو حرام قرار دیا ہے، اس کو پینا بھی حرام ہے اور اس کو چھونا بھی حرام

۱۔ المبسوط ج ۲۴ ص ۲۰

ہے، مگر یہ کہ ہاتھ دھولیا جائے، لہذا اپنے بدن کو شراب کی کثافت سے آلودہ نہ کرو کیونکہ یہ نجس ہے، اور اگر تم نے اس عمل کو انجام دیا ہے تو پھر اس کی تکرار نہ کرو، خالد نے جواب میں لکھا کہ میں نے اس (شراب) کی صورت بدل دی ہے اور اب وہ شراب نہیں رہی بلکہ وہ دھونے والی چیز (غسول) ہوگئی ہے، عمر نے پھر اس کے جواب میں لکھا کہ خاندان مغیرہ جفاؤں میں مبتلا ہوگیا ہے، خدا تجھے اس حال میں اس دنیا سے نہ اٹھائے! یہ خبر ولید تک پہونچ گئی تھی'' (۱)

ابن اثیر اپنی تاریخ میں حوادث ۱۷ھ میں لکھتے ہیں:

''خالد بن ولید فتح جزیرہ میں عیاض کے ساتھ آیا اور ''آمد'' کے حمام میں جا کر اپنے بدن پر ایسی چیز ملی جس میں شراب ملی ہوئی تھی، اس عمل کی وجہ سے عمر نے معزول کر دیا تھا'' (۲)

نیز ابن اثیر اسی سال کے حوادث میں لکھتے ہیں:

''خالد حمام میں گیا اور ایسی چیز بدن پر ملی جس میں شراب ملی ہوئی تھی، عمر نے اس کے نام خط میں لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنے بدن پر شراب ملی ہے، جب کہ خدا نے اس کے ہر طرح کے مصرف کو حرام قرار دیا ہے، لہذا اپنے جسم پر اس کو نہ ملو، خالد نے جواب میں لکھا میں نے اس کی صورت بدل دی ہے، اب وہ شراب نہیں رہی صابن بن گئی ہے، عمر نے جواب میں لکھا خاندان مغیرہ

۱۔ تاریخ طبری ج۳ ص۱۶۶ ۲۔ تاریخ کامل ج۲ ص۳۷۵

جفاؤں میں مبتلا ہو گیا ہے، خدا تجھے اس حال میں اس دنیا سے نہ اٹھائے''

ابن خلدون اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''خالد، عیاض کے ہمراہ فتح الجزیرہ آیا اور اس نے ''آمد'' کے حمام میں جا کر ایسی چیز بدن پر ملی جس میں شراب ملی ہوئی تھی''(۱)

نیز ابن خلدون لکھتے ہیں:

''خالد اور عیاض کے بارے میں لوگوں کے درمیان یہ خبر پھیل گئی کہ انہوں نے مال کا لوٹ گھسوٹ کیا ہے، لوگوں نے جن میں اشعث بن قیس بھی تھے اپنا حصہ مانگا، اشعث کو دس ہزار (درہم) دیئے گئے، عمر کو اس واقعے کی اور ولید کا اپنے بدن پر شراب ملنے کی خبر مل گئی، عمر نے ابوعبیدہ کو لکھا کہ اس کو مجمع عام میں کھڑا کرو، اور کے سر سے ٹوپی اتارو، اس کے ہاتھوں کو اس کے عمامہ سے باندھو اور پھر اس سے پوچھو کہ اشعث کو یہ رقم کہاں سے دی گئی تھی، اگر اپنے مال سے دی تھی تو اسراف کیا ہے لہذا اس کو معزول کر دو اور اس کا عہدہ خود اپنے ذمہ لے لو''

بڑے افسوس کی بات ہے کہ سمرہ بن جندب پر شراب بیچنے کی وجہ سے عمر کے لعنت بھیجنے کے باوجود اہلسنت کے مجتہد اعظم معاویہ نے سمرہ کی تقلید کی تھی اور خلیفۂ سوم کے زمانے میں علنی طور پر شراب بیچی تھی، چنانچہ ابو ہلال حسن بن عبداللہ عسکری اپنی کتاب ''الاوائل''

۱۔ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۹۵۶

میں لکھتے ہیں:

''ہم سے ابوالقاسم نے اپنی اسناد سے مدائنی سے نقل کیا انہوں نے ابومعشر سے انہوں نے محمد بن کعب سے اور انہوں نے بریدہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ عبادہ بن صامت کے پاس شام کا ایک قافلہ شراب لے کر پہونچا عبادہ نے پوچھا کیا تم روغن لئے ہوئے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں شراب ہے جس کو معاویہ کے لئے بیچنے جا رہا ہوں، عبادہ نے چاقو سے مشک میں سوراخ کر دیا، معاویہ نے ابو ہریرہ سے اس کی شکایت کی، ابو ہریرہ نے عبادہ سے کہا تم کیوں معاویہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟! جو کر رہا ہے کرنے دو، کیونکہ ارشاد الٰہی ہے'' تلك امة قد خلت لها ما كسبت و لكم ما كسبتم ''(بقرۃ آیت ۱۴۱) عبادہ نے کہا جب ہم نے رسول خداؐ کی بیعت کی تھی تو کیا تم ہمارے ساتھ نہیں تھے؟! ہم نے اس بات پر بیعت کی تھی کہ حضرتؐ کی بات سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے، اچھائیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے، اور حضرتؐ کی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، اس عمل کی جزا جنت ہے، پس جو وفا بعہد کرے گا خدا اس سے بھی وفا بعہد کرے گا، اور جو عہد شکنی کرے گا وہ خود اپنا گھاٹا کرے گا۔ معاویہ نے خط کے ذریعے عثمان سے عبادہ کی شکایت کی اور ان کو مدینہ بھجوا دیا، جب عبادہ عثمان کے پاس پہونچے تو کہا کہ رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے میں نے سنا

ہے کہ تمھارے امور کو ایسے افراد سنبھالیں گے جو اچھی چیزوں کو بری اور بری چیزوں کو اچھی بتائیں گے، پس جو شخص خدا کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے، اور عبادہ گواہی دیتا ہے کہ معاویہ ان ہی لوگوں میں سے ہے، پھر عثمان نے انہیں شام نہیں جانے دیا'' (۱)

۱۷۔ اصحاب رسولؐ خدا میں ایسے افراد بھی تھے جو بڑے غیر ذمہ دار تھے اور جانے بغیر فتوا دیا کرتے تھے، ظاہر سی بات ہے کہ ایسے لوگوں کو رسولؐ خدا کبھی بھی ستارۂ ہدایت قرار نہیں دے سکتے، نمونے ملاحظہ کیجئے

ملا متقی ھندی ''کنز العمال'' کے کتاب الصلواۃ میں لکھتے ہیں:

''عاصم بن ضمرہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ ابوموسی اشعری کے پاس آئے اور انہوں نے نماز وتر کے بارے میں سوال کیا، اشعری نے جواب دیا اذان کے وقت نماز وتر درست نہیں ہے، وہ لوگ علی کے پاس آئے اور اشعری کے جواب کو نقل کیا، علی نے کہا ابوموسی نے بڑا غیر ذمہ دارانہ جواب دیا ہے، نماز وتر جب چاہو پڑھو، اس روایت کو عبد الرزاق نے المصنف میں اور ابن جریر طبری نے تہذیب الآثار میں نقل کیا ہے'' (۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابوموسی اشعری جو اہلسنت کی نظر میں رسولؐ خدا کے کبار صحابہ میں سے ہیں، غلط فتویٰ دیا تھا، اور حضرت علیؑ نے ان کی جہالت کو بڑے بلیغ

۱۔ الاوائل ص ۵۳ ۲۔ کنز العمال ج ۸ ص ۴۷

انداز میں یوں بیان کیا تھا" اغرق فی النزع و افرط فی الفتیا " کیسے ہم ابوموسی کو جاہل نہ کہیں جب کہ رسول خدا نے اذان صبح کے وقت نماز وتر پڑھی تھی (اور بھائی صاحب کہہ رہے تھے کہ اذان صبح کے وقت نماز وتر نہیں پڑھی جا سکتی) ملاحظہ کیجئے احمد بن حنبل کی روایت جس کو انہوں نے اپنی "مسند" میں نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ہم سے اسود نے بیان کیا انہوں نے شریک سے انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے عاصم سے اور انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبیؐ اذان کے وقت نماز وتر اور اقامت کے وقت دو رکعت نماز پڑھتے تھے" (۱)

ابوموسی اشعری کے عجیب وغریب فتاویٰ میں سے ایک یہ ہے کہ نیند، وضو کو باطل نہیں کرتی ہے، جب کہ ان کا یہ فتوا مشہور حدیث اور واضح دلائل کے مخالف ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسی "مبسوط" میں لکھتے ہیں:

"ابوموسی اشعری کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص باوضو کروٹ ہو کر سو جائے اور اس کو یقین ہو کہ کوئی ایسی چیز خارج نہیں ہوئی ہے جو وضو کو باطل کرتی ہے (جیسے پیشاب، پاخانہ، ریاح) تو اس سونے کی وجہ سے وضو باطل نہیں ہوگا، چنانچہ ابو موسی جب سونا چاہتے تھے تو کسی کو اپنے پاس بیٹھا دیتے تھے اور جب وہ خواب سے بیدار ہوتے تھے تو اس سے پوچھتے تھے (کہ کوئی مبطل وضو تو خارج نہیں ہوئی) اگر اس نے کہہ دیا کہ ہاں مبطل وضو خارج ہوئی ہے تب دوبارہ وضو

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۱۱

کرتے تھے''(۱)

غزالی ''مستصفی'' میں لکھتے ہیں:

''ابوموسی اشعری کے اس فتوا پر کہ نیند، وضو کو باطل نہیں کرتی، اعتراض ہوا ہے کیونکہ ان کا یہ فتوا مشہور حدیث اور واضح دلائل کے مخالف ہے''(۲)

ابوموسی اشعری کے بے بنیاد فتاویٰ میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی سن رسیدہ شخص اپنی بیوی کا دودھ پی لے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے، چنانچہ امام مالک کی ''موطا'' میں ہے:

''مالک نے یحیی بن سعید سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ابوموسی اشعری سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کے پستان کو چوسا جس کی وجہ سے اس کا دودھ میرے شکم میں چلا گیا ہے، ابوموسی اشعری نے کہا تمھاری بیوی تم پر حرام ہے، عبداللہ بن مسعود نے کہا دیکھو یہ شخص کتنی دلیری سے فتوا دے رہا ہے؟! ابو موسی نے (ابن مسعود سے) پوچھا تم کیا کہہ رہے ہو؟ عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا کہ رضاعت (یعنی دودھ پینے اور پلانے) کا ربط صرف شروع کے دو سال سے ہے (یعنی جب بچہ پیدا ہو اور دو سال کی عمر تک پہونچے) ابوموسی نے کہا جب تک تمھارے درمیان یہ دانشور (عبداللہ بن مسعود) ہے مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے''(۳)

۱۔ المبسوط ج ۱ ص ۷۸   ۲۔ المستصفی ج ۱ ص ۱۸۶   ۳۔ الموطا ج ۲ ص ۶۰۷

اب جب کہ آپ نے ابوموسیٰ اشعری کا بغیر جانے فتوٰ ادینے کے نمونے ملاحظہ کر لئے تو مناسب سمجھتا ہوں کہ ان احادیث کو بھی پیش کردوں جو اس فعل کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔

ابوالقاسم حسین بن محمد معروف بہ راغب اصفہانی اپنی کتاب ''المحاضرات'' میں '' کراهية تولی الفتيا و الجلوس للناس '' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''رسول خداؐ نے فرمایا: فتوادینے کی جرئت وہی کرتا ہے جو جہنم میں جانے کی جرئت کرتا ہے، نیز آنحضرتؐ نے فرمایا: جو بغیر جانے فتوادے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں''

مجدالدین ابن اثیر جزری ''جامع الاصول'' میں لکھتے ہیں:

''عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں نے رسول خداؐ کو کہتے ہوئے سنا کہ خدا لوگوں سے بالکل علم کو سلب نہیں کرتا (اور ایک روایت میں لوگوں کے بجائے لفظ بندگان آیا ہے) مگر علماء کو اٹھا کر علم اٹھا لیتا ہے، اور پھر علماء کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگ جہلاء کو اپنا رأس ورئیس بنا لیتے ہیں، اور جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھتے ہیں تو بغیر جانے فتوادیتے ہیں، اس طرح خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں: نیز مروی ہے کہ عروہ کا بیان ہے کہ شروع سال میں عبداللہ بن عمرو سے میری ملاقات ہوئی، میں نے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے اسی طرح نقل کیا جس طرح عمرو نے بیان کیا تھا، اور کہا کہ میں نے

اس حدیث کو اسی طرح رسولؐ خدا سے سنا تھا، اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے''(۱)

نیز ابن اثیر لکھتے ہیں کہ اس روایت کو ترمذی نے اختصار کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

''رسولؐ خدا نے فرمایا: خدا لوگوں کے درمیان سے بالکل علم نہیں اٹھاتا ہے بلکہ علماء کو ان کے درمیان سے اٹھا لیتا ہے، کہ پھر ان کے درمیان کوئی بھی عالم نہیں بچتا ہے جس کی وجہ سے لوگ جہلاء کو اپنا رأس ورئیس بنا لیتے ہیں، اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو بغیر جانے فتوا دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود تو گمراہ ہوتے ہی ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کر بیٹھتے ہیں''(۲)

مجد الدین عبدالسلام بن عبداللہ حرانی ''المنتقی'' میں لکھتے ہیں:

''ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: جو شخص ایسا فتوا دے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اس کا گناہ فتوا دینے والے کی گردن پر ہے، اس حدیث کو احمد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص بغیر علم کے فتوا دے اس کا گناہ فتوا دینے والے کی گردن پر ہے، احمد اور ابو داؤد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے''

سیوطی ''جمع الجوامع'' میں لکھتے ہیں:

''جس نے بغیر جانے فتوا دیا اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے

۱۔ جامع الاصول ج۹ ص۲۳ ۲۔ جامع الاصول ج۹ ص۲۵

ہیں، اس حدیث کوابن عسا کر نے (حضرت) علی سے نقل کیا ہے''

سیوطی نے بعینہ اسی حدیث کو''جامع صغیر'' میں نقل کیا ہے، ان کے علاوہ عبدالرحمٰن بن علی معروف بہ ابن دبیع شیبانی یمنی نے ''تیسیر الوصول'' میں، مناوی نے ''التیسیر فی شرح الجامع الصغیر'' ج ۲ ص ۴۰۲ پر، علی بن احمد عزیزی نے ''سراج المنیر شرح الجامع الصغیر'' میں اور قاضی القضاۃ محمد بن علی شوکانی نے ''نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار'' میں اس حدیث کونقل کیا ہے اوران میں بعض نے اس حدیث کی توضیح بھی کی ہے۔

۱۸۔ رسولؐ خدا کے اصحاب کے درمیان ایسے افراد بھی تھے جو واضح احکام سے جاہل اور حضرتؐ کی سنت سے ناواقف تھے، جس کی وجہ سے وہ غلط سلط فتوے دیا کرتے تھے ،ظاہری بات ہے کہ ایسے افراد اس کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ وہ ستارۂ ہدایت قرار پائیں، اور حضرتؐ انہیں غیر منصوص احکام میں اپنی امت کا پیشوا بتائیں، ان اصحاب کی جہالت کے اتنے زیادہ واقعات تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں جن کے بیان کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، یہاں بعض واقعات کے بیان پر اکتفا کر رہا ہوں۔

ابن حزم اندلسی ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں لکھتے ہیں:

''حضرتؐ کے اصحاب میں ایسے صحابہ تھے جو حدیث کی ایسی توجیہ کرتے تھے جو اس کے ظاہری معنی کے برخلاف ہوتی تھی اور وہ صحابہ اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ ان کو اکثر حدیثوں کی خبر نہیں ہے، ابو ہریرہ کی یہ بات تو مشہور ہے کہ مہاجرین کو بازاری کاروبار نے مشغول کر رکھا ہے اور انصار کو مال کی حفاظت

نے، براء نے بھی یہی بات کہی ہے، چنانچہ ہم سے محمد بن سعید بن نبات نے بیان کیا انہوں نے احمد بن عون سے انہوں نے قاسم بن اصبغ سے انہوں نے محمد بن عبدالسلام خشنی سے انہوں نے ابو اسحاق سبیعی سے نقل کیا ہے کہ براء بن عازب نے کہا کہ ایسا نہیں ہے کہ جو حدیثیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں رسولؐ خدا سے سنا ہے بلکہ انہیں صحابہ سے سنا ہے، کیونکہ اونٹ چرانے کی وجہ سے اتنا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ حضرتؐ کی زبانی حدیثیں سنتے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھئے وہ جدہ کی میراث کو نہیں جانتے تھے، محمد بن مسلمہ اور مغیرہ بن شعبہ نے انہیں بتایا تھا، اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عائشہ سے پوچھا کہ رسولؐ خدا کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔

عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھئے انہوں نے حدیث استیذان (جس کے راوی ابو موسی اشعری ہیں اور اس کا تفصیلی بیان چند صفحے قبل ہوا ہے) کے بارے میں کہا کہ دنیاوی کاروبار کی وجہ سے حضرتؐ کی یہ حدیث نہ سن سکا۔

وہ (عمر) سقط جنین کا مسئلہ نہیں جانتے تھے دوسروں نے انہیں بتایا تھا، وہ عیینہ بن حصین سے جب غضبناک ہوئے تو حر بن قیس بن حصن نے اس آیت کی تلاوت کر کے ان کے غصے کو ٹھنڈا کیا "واعرض عن الجاھلین" (اعراف آیت ۱۹۹) نیز عمر کو نہیں معلوم تھا کہ جس جگہ وبا آئی ہو وہاں کے بارے میں حضرتؐ کا کیا حکم ہے، اس بارے میں عبدالرحمٰن بن عوف نے انہیں بتایا تھا

نیز عمر نے ابو واقدی سے پوچھا کہ رسولؐ خدا نماز عید فطر اور نماز عید اضحیٰ میں کون سا سورہ پڑھتے تھے، جب کہ سالوں حضرتؐ نے یہ نمازیں پڑھیں تھی، نیز وہ نہیں جانتے تھے کہ مجوسیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے، چنانچہ ان کے بارے میں حضرتؐ کے دستور سے عبدالرحمٰن نے مطلع کیا وہ بھول گئے تھے کہ حضرتؐ بحرین کے مجوسیوں سے جزیہ لیتے تھے، جب کہ یہ بات بہت مشہور تھی بلکہ عجب نہیں کہ دوسروں کی طرح خود انہوں نے وہاں کے جزیہ سے کچھ لیا ہو۔

وہ (عمر) بھول گئے تھے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے کہ (اگر پانی نہ ہو تو) مجنب کے لئے تیمّم ہے، چنانچہ وہ کہہ بیٹھے کہ تیمّم کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، اور اگر پانی نہ ملے تو نماز پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، عمار نے اس سلسلے میں ان کو متنبہ کیا تھا۔

وہ (عمر) اموال کعبہ کو تقسیم کرنا چاہ رہے تھے، مگر جب اُبی بن کعب نے دلیل پیش کی کہ رسولؐ خدا نے ایسا نہیں کیا تب وہ اپنے ارادے سے باز آئے۔

انہوں نے ان عورتوں کو واپس بلانے کا حکم دے دیا تھا جو حائض ہو گئی تھیں اور بیت اللہ کو وداع کرنے سے پہلے وہ واپس چلی گئی تھیں، مگر جب انہیں بتایا گیا کہ رسولؐ خدا نے انہیں اجازت دے رکھی ہے تب وہ واپس بلانے کے ارادے سے منصرف ہوئے۔

وہ (عمر) انگلیوں کی ایک جیسی دیت کے قائل نہیں تھے، بلکہ ہر انگلی کی الگ الگ دیت بتاتے تھے، مگر جب ان کو بتایا گیا کہ رسولؐ خدا انگلیوں کے درمیان فرق نہیں کرتے تھے، اور ہر ایک کی ایک ہی جیسی دیت بیان کرتے تھے، تب اپنی بات کو چھوڑ کر دیت کے مساوی ہونے کے قائل ہوئے۔

وہ (عمر) دیت کو صرف رشتہ داروں کا حق سمجھتے تھے، مگر جب ضحاک بن سفیان نے انہیں بتایا کہ رسولؐ خدا نے بیوی کو دیت سے ارث دیا تھا تب اپنے نظریئے سے منصرف ہوئے۔

وہ (عمر) زیادہ مہر سے روکتے تھے اور استدلال میں رسولؐ خدا کے مہر کو پیش کرتے تھے، مگر جب کسی عورت نے اس آیت کی تلاوت کی" و آتیتم احداھن قنطارا" (نساء آیت ۲۰) تب انہوں نے روکنا چھوڑا۔

انہوں نے ایک دیوانی کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تھا، اور جب بتایا گیا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے" تین افراد سے قلم تکلیف ساقط ہے" (انہی میں دیوانی بھی ہے) تب اپنے حکم کو منسوخ کیا۔

انہوں نے کنیز حاطب کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تھا، مگر جب عثمان نے کہا کہ جاہل پر حد نہیں ہے تب اس کو اس سزا سے بری کیا۔

انہوں نے حسان کو مسجد میں اشعار پڑھنے سے روکا، مگر جب حسان اور ابو ہریرہ نے کہا کہ میں نے حضرتؐ کے سامنے مسجد میں اشعار پڑھے تھے تب عمر

خاموش ہو گئے''

نیز ''الاحکام'' میں لکھتے ہیں:

''عمر لوگوں کو انبیاء کے نام پر نام رکھنے سے روکتے تھے، جب کہ وہ صبح و شام جلیل القدر صحابی محمد بن مسلمہ کو دیکھتے تھے، اسی طرح ابوایوب انصاری اور ابو موسی اشعری سے ان کی ملاقات ہوتی رہی تھی، بلکہ یہ دونوں کنیت ہی سے پہچانے جاتے تھے، نیز محمد بن ابی بکر صدیق سے ملتے رہتے تھے، جب کہ ان کی ولادت زمانہ پیغمبرؐ میں حجۃ الوداع میں ہوئی تھی، اور ان کی ماں نے حضرتؐ سے دریافت کیا تھا کہ احرام کا کیا کروں حالت نفاس میں ہوں؟ یقیناً عمر جانتے تھے کہ رسولؐ خدا مذکورہ افراد کو ان کے نام اور کنیت کے ساتھ جانتے تھے، بلکہ ان ہی ناموں سے پکارتے تھے مگر حضرتؐ نے کبھی بھی نام بدلنے کے لئے نہیں کہا، جب طلحہ اور زبیر نے کہا کہ حضرتؐ اس طرح کی اسم گزاری کو جائز سمجھتے تھے تب انہوں نے منع کرنا چھوڑا، انہوں نے اعمال حج سے رمی الجمرات کو ترک کرنا چاہا مگر جب ان (عمر) سے کہا گیا کہ رسولؐ خدا نے تو اس عمل کو انجام دیا تھا تب وہ اپنے ارادے سے باز آئے۔

عثمان رضی اللہ عنہ پر نظر ڈالئے، مروی ہے کہ انہوں نے ابوسعید خدری کی بہن فریعہ کے پاس ان کی عدہ کے بارے میں حضرتؐ کا حکم معلوم کرنے کے لئے کسی کو بھیجا اور ان کے بتائے ہوئے حکم پر انہوں نے عمل کیا۔ انہوں (عثمان

) نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا جس کو چھ مہینے میں ولادت ہوئی تھی، حضرت علی نے ان کے سامنے آیۂ قرآنی کی تلاوت کی جس کا مطلب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بھی ولادت ہوتی ہے، چنانچہ وہ اپنے نظریئے سے منصرف ہوئے''

نیز وہ ''الاحکام'' میں لکھتے ہیں:

''عائشہ اور ابو ہریرہ کو دیکھئے انہیں جوراب پر مسح کرنے کا حکم نہیں معلوم تھا، اسی طرح ابن عمر بھی اس مسئلے سے ناواقف تھے اور انہیں جریرہ نے بتایا تھا جو وفات پیغمبرؐ سے چند ماہ قبل مسلمان ہوئے تھے، عائشہ نے بھی اس مسئلے کے نہ جاننے کا اقرار کیا تھا، اور ان سے معلوم کرنے کے لئے کہا تھا جن کے بارے میں یقین تھا کہ وہ اس مسئلے سے واقف ہیں کہ وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ام المومنین حفصہ کو دیکھئے جب ان سے پوچھا گیا کہ وطی کرنے والا اگر وطی کرنے کی وجہ سے مجنب ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہے کہ نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا میں نہیں جانتی۔

ابن عمر پر نظر ڈالئے، رسولؐ خدا کی وفات کے بعد ان سے رسولؐ خدا کی وہ حدیث پوچھی گئی جو زمین کو کرایہ پر دینے سے منع کرتی ہے، مگر انہوں نے نہیں بتائی، صرف اس کا اقرار کیا کہ ابو بکر و عمر و عثمان کے زمانے میں لوگ کرایہ پر زمین دیتے تھے، گرچہ وہ کہہ سکتے تھے کہ جن باتوں کو رافع، جابر اور ابو ہریرہ جانتے تھے ممکن نہیں ہے کہ وہ نہیں جانتے ہوں گے، وہ (رافع وغیرہ) جو چاہتے ہیں کہہ

دیتے ہیں، اگر ان کی بات صحیح ہوتی تو عمر ضرور اس سے آگاہ ہوتے، اسی طرح زید بن ثابت، ابن عمر اور بہت سارے مدینہ کے رہنے والے نہیں جانتے تھے کہ رسولؐ خدا نے زن حائض کو مکہ سے جانے کی اجازت دے رکھی ہے، جب ابن عباس اور ام سلیم نے ان لوگوں سے بتایا تب انہیں معلوم ہوا اور پھر ان لوگوں نے اپنی رائے بدلی۔

دفن میت تک کھڑے رہنے کا مسئلہ ابن عمر نہیں جانتے تھے، اور جب ابو ہریرہ اور عائشہ نے انہیں بتایا تو بولے کہ بہت ساری چیزوں میں ہم نے کوتاہی کی ہے، ابن عمر سے پوچھا گیا تم نے حج تمتع کو حج افراد پر کیوں ترجیح دی؟ تم نے اپنے باپ کی مخالفت کی ہے! بولے کتاب خدا پیروی کی اہلیت رکھتی ہے یا عمر؟! اس روایت کو عبد الرزاق نے معمر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سالم سے اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کی ہے، عبداللہ بن عمر نہیں جانتے تھے کہ بغیر وضو کے قرآن کے حروف کو نہیں چھوا جا سکتا، جب بسرہ بنت صفوان نے انہیں اس کے بارے میں حکم پیغمبرؐ سے باخبر کیا تب وہ اس پر عمل کرنے لگے، مذکورہ افراد میں بعض حضرات حدیث کو یاد کرتے تھے مگر بھول جاتے تھے، جس کی وجہ سے الٹا سیدھا فتوا دیتے تھے، اور کبھی قرآن کے ساتھ بھی ایسا ہی ظلم کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ عمر ممبر پر جا کر بولے مہر کی رقم جتنی معین کی گئی ہے اس سے زیادہ عورتیں مہر نہ رکھیں، ایک عورت بولی ارشاد الٰہی تو یہ ہے" و آتیتم احد یھن

sabeelesakina@gmail.com 03333589401

قنطارا ' یہ سن کر عمر نے اپنی بات واپس لے لی اور اپنے سے مخاطب ہو کر بولے "اے عمر تجھ سے تو ہر شخص افقہ ہے" نیز کہا "عورت تو صحیح بات بولے اور امیرالمومنین غلطی کر بیٹھے"

ایک مرتبہ عمر نے ایک عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا اس نے چھ مہینے میں وضع حمل کیا تھا، حضرت علی نے ان کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی " وحمله و فصاله ثلاثون شهر ' اور اس کے ساتھ اس آیت کی قرائت کی " والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين " یہ سن کر عمر نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

عینیہ بن حصین نے جب عمر سے کہا کہ اے عمر تم عدالت سے کام نہیں لے رہے ہو اور ہمارا وظیفہ نہیں بڑھا رہے ہو، تو عمر نے اس کی تنبیہ کرنی چاہی، حر بن قیس بن حصن بن حذیفہ نے عمر کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی " واعرض عن الجاهلين ' اور ان سے کہا اے امیرالمومنین یہ جاہل و نادان شخص ہے، پس عمر اس کو تنبیہ کرنے سے باز آگئے، عمر نے وفات رسولؐ خدا کے دن کہا: خدا کی قسم محمدؐ نہیں مرے ہیں بلکہ جب تک ہم میں کا ایک بھی زندہ ہے اس وقت تک نہیں مریں گے (یا رسی جیسی بات کہی تھی) مگر جب اس آیت کی تلاوت کی گئی " انك ميت و انهم ميتون " (زمر آیت ۳۰) تو شمشیر ہاتھ سے چھوٹ گئی اور خود زمین پر گر پڑے اور کہا گویا میں نے کبھی اس آیت کی تلاوت نہیں کی

تھی۔

جب ان سے قرآن کے سلسلے میں بھول چوک ہوتی تھی تو حدیث میں تو اور بھولتے ہوں گے بلکہ اس کی غلط تفسیر وتوجیہ کرتے ہوں گے، اوران میں کسی کی بھی پیروی نہیں کی جاسکتی، مگر یہ کہ کوئی نص یا اجماع ہو، کیونکہ وہ تفسیر وتوجیہ ان کی طرف سے ہوگی جس کی تقلید جائز نہیں ہے.............."(۱)

ابن قیم جوزی نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں اصحاب کی نادانیوں کے نمونے پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "اگر ہم سارے واقعات کو بیان کرنا چاہیں تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے"

شاہ ولی اللہ دہلوی نے تو اس سلسلے میں "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" نامی ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کو مزید معلومات حاصل کرنی ہے اس کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

۱۹۔ حضرتؑ کے اصحاب کے درمیان ایسے افراد بھی تھے جو حکم پیغمبرؐ کے خلاف فتوا دیتے تھے اور جب ان کو ٹوکا جاتا تھا تو تازیانے مار کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرتے تھے، چنانچہ جلال الدین سیوطی "مفتاح الجنۃ" میں لکھتے ہیں:

"بیہقی نے ہشام سے اور انہوں نے یحییٰ مخزومی سے روایت کی ہے کہ قبیلۂ ثقیف کا ایک شخص عمر بن خطاب کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ ایک زن

۱۔ الاحکام فی اصول الاحکام ج ۲ ص ۱۲

حائض ہے جس نے خانہ خدا کی زیارت کرلی ہے کیا وہ پاک ہونے سے پہلے مکہ سے جاسکتی ہے؟ عمر نے کہا نہیں، اس ثقفی نے کہا کہ رسولؐ خدا نے تو اس جیسی عورت کے بارے میں تمھارے برخلاف فتوا دیا تھا؟ عمر اپنی جگہ سے اٹھے اور تازیانے مارنے لگے اور کہہ رہے تھے کہ جس چیز کے بارے میں رسولؐ خدا نے فتوا دیا ہے اس کے بارے میں مجھ سے کیوں سوال کیا؟''

ظاہری بات ہے کہ ایسے لوگ اس کی اہلیت نہیں رکھتے کہ انہیں ستاروں سے تشبیہ دی جائے اور منصوص یا غیر منصوص احکام میں امت کے لئے مرجع قرار دیا جائے۔

۲۰۔ بعض اصحاب ایسے بھی تھے جو شراب کے جوش کھانے کی وجہ سے دو ثلث کے بخار ہونے کے بعد جو ایک ثلث بچے اس کے پینے کو جائز سمجھتے تھے، اور اگر کوئی شخص اس بچے ہوئے ایک ثلث کو نہیں پیتا تھا تو اس کو احمق کہتے تھے، ایسے نظریئے کے حامل کب ستارۂ ہدایت اور مرجع امت ہوسکتے ہیں، چنانچہ حنفی فقیہ شمس الائمہ سرخسی اپنی کتاب ''المبسوط'' میں ایک روایت نقل کرنے کے بعد اس سے چند نتائج اخذ کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''محمد بن زبیر سے مروی ہے کہ عمر نے پتلی شراب کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا، ایک عیسائی نے کہا روزے کے دنوں میں ہم اپنے لئے شراب بناتے ہیں اور اس کو پیتے ہیں، عمر نے کہا اس میں سے تھوڑی سی میرے لئے بھی لیتے آنا دیکھوں کیسی ہے، عیسائی تھوڑی سی شراب عمر کے پاس لے کر آیا، عمر نے دیکھ کر کہا یہ اونٹ کے خون سے بہت مشابہ ہے کس طرح بناتے ہو؟ عیسائی نے

جواب دیا شراب کو اتنا جوش دیتا ہوں کہ دو تہائی بخار ہو جاتا ہے اور ایک تہائی بچتا ہے، عمر نے اس میں تھوڑا پانی ملا کر پیا اور پھر داہنی طرف بیٹھے عبادہ بن صامت کو پیش کیا، عبادہ نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ آگ کسی چیز کو حلال کر دے، عمر نے کہا اے احمق جب شراب سرکہ ہو جائے تو کیا ہم اس کو نہیں کھاتے؟ یہ روایت دلیل ہے اس بات کی کہ شراب کا اگر ایک تہائی بچے تو اس کا پینا جائز ہے گرچہ وہ تند ہو، اس لئے کہ عمر نے لوگوں سے تند شراب کے بارے میں مشورہ کیا تھا نہ کہ شیریں شراب کے بارے میں، کیونکہ اسی شراب سے غذا ہضم ہوتی ہے اور شبہائے ماہ رمضان کی عبادت کے لئے طاقت پیدا ہوتی ہے، اور عمر مسلمانوں کے بارے میں نیک خیالات رکھتے تھے اور دینی امور میں سب سے زیادہ مشورہ لیتے تھے، خاص طور سے اگر اس چیز کا ربط سارے مسلمانوں سے ہو............"(۱)

اسی واقعے کو فخر الاسلام علی بن محمد بزودی نے "کتاب الاصول" میں اور عبد العزیز بن احمد بخاری نے "کشف الاسرار شرح اصول بزودی" میں نقل کیا ہے۔

۲۱۔ حضرتؑ کے اصحاب کے درمیان بدعت گزار افراد بھی تھے کہ ان سب کے سرغنہ معاویہ بن ابوسفیان تھے، ان ہی بدعت گزاریوں کی وجہ سے وہ صحابہ کی تنقید کا نشانہ بنتے تھے، اس بارے میں محمد معین سندھی اپنی کتاب "دراسات اللبیب" میں لکھتے ہیں:

"صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص حدیث پیغمبرؐ کے خلاف کوئی بات

۱۔ المبسوط ج ۲۴ ص ۷

کہے تو اس کو رد کر دینا چاہئے، اور سب سے زیادہ بدعتیں معاویہ بن ابوسفیان کے یہاں دیکھنے میں آتی ہیں کہ ان ہی میں سے چند یہ ہیں۔

انہوں نے رکن یمانی کے چومنے کو مستحب قرار دیا جس پر ابن عباس نے یہ کہتے ہوئے اعتراض کیا کہ یہ عمل برخلاف سنتِ پیغمبرؐ ہے۔

انہوں نے جہری نمازوں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو حذف کر دیا اور جب معاویہ مدینہ پہونچے تو بہت سارے انصار ومہاجرین نے ان پر اعتراض کیا اور کہا اے معاویہ تم نے بسم اللہ چرا لیا ہے!

انہوں نے لوگوں کو حج تمتع سے منع کیا تھا، چنانچہ ترمذی اپنی جامع میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا، ابوبکر، عمر اور عثمان نے حج تمتع کیا تھا، معاویہ بن ابوسفیان تھے جنہوں نے اس سے منع کیا تھا یا یہ کہا جائے کہ عمر اور عثمان اس نظریئے سے منصرف ہو گئے تھے اور ابن عباس نے صرف پہلی حدیث کی روایت کی تھی، یا یہ کہا جائے کہ عمر اور عثمان کے منع کرنے کے بعد سب سے پہلے معاویہ نے اس سے منع کیا تھا، جیسا کہ ضحاک نے سعد بن وقاص سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب نے حج تمتع سے منع کیا تھا، اور اس روایت کو ترمذی نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے۔ مگر دونوں کے منع کرنے کے ہدف میں فرق ہے۔ عمر اور عثمان نے اس لئے منع کیا تھا کہ ان کی نظر میں یہ فعل جائز نہیں تھا، مگر معاویہ نے اس لئے منع کیا تھا کہ اس فعل کو علی والے اور دیگر اصحاب پیغمبرؐ

انجام دیتے تھے (گویا ان دونوں کی ضد میں معاویہ نے منع کیا تھا) اور اس ہدف سے حج تمتع سے منع کرنے والے معاویہ ہیں۔ واللہ اعلم

معاویہ کی بدعتگذاریوں میں سے یہ ہے کہ انہوں نے زکواۃ فطرہ کے بارے میں کہا کہ شام کا ڈیڑھ کلو گیہوں، تین کلو خرما کے برابر ہے، اس پر ابوسعید خدری نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ معاویہ کی قیمت گزاری ہے اس کو میں نہیں مانتا اور اس پر عمل نہیں کروں گا، چنانچہ ارباب صحاح ستہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ زمانہ پیغمبرؐ میں چھوٹے بڑے اور آزاد و غلام تین کلو گیہوں یا تین کلو جو یا تین کلو خرما یا تین کلو کشمش دیتے تھے اور اس کا سلسلہ زمانہ معاویہ تک رہا، مگر جب معاویہ حج یا عمرہ کے لئے مکہ آئے تو انہوں نے بالائے ممبر لوگوں سے مخاطب ہو کر اپنی تقریر میں کہا کہ میری نظر میں ڈیڑھ کلو شام کا گیہوں.......... ابوسعید کا بیان ہے کہ میں اپنے آخر عمر تک زمانہ پیغمبرؐ کی روش پر عمل کرتا رہا اور معاویہ کے اس نظریئے کی خبر جب ابن زبیر کو ہوئی تو انہوں نے کہا " بئس الاسم الفسوق بعد الایمان " (حجرات آیت ۱۱) فطرہ تین کلو ہے، تین کلو۔

معاویہ کی بے شمار بدعتیں محدثین کی نظر میں پوشیدہ نہیں ہیں" (۱)

کیا ایسے حضرات ستارۂ ہدایت بن سکتے ہیں؟

۲۲۔ اصحاب پیغمبرؐ کے درمیان ایسے افراد بھی تھے جو کھلم کھلا حکم پیغمبرؐ کی مخالفت کرتے

۱۔ دراسات اللبیب ص ۹۶۔۹۵

تھے اور ٹوکنے پر بھی اپنے عمل سے باز نہیں آتے تھے، چنانچہ مالک کی ''الموطا'' میں ہے

''مالک نے زید بن اسلم سے اور انہوں نے عطاء بن یسار سے روایت کی ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان نے سونا یا چاندی کا ایک کاسہ اس کے وزن سے زیادہ میں بیچا، ابودرداء نے ان سے کہا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ اس طرح کا معاملہ صحیح نہیں ہے، جتنا وزن ہو اتنے ہی کا معاملہ ہونا چاہئے، معاویہ نے جواب دیا ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ابودرداء نے کہا کون ہے جو میری بات کی تائید اور معاویہ کی سرزنش کرے؟! میں تو ان کو حدیث پیغمبرؐ سنا رہا ہوں اور وہ اپنی بات مجھ پر تھوپ رہے ہیں! اے معاویہ جس جگہ تم رہو گے میں وہاں نہیں رہوں گا! ابودرداء عمر بن خطاب کے پاس آئے اور سارا ماجرا بیان کیا، عمر نے معاویہ کے نام خط میں لکھا کہ سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے معاملہ کرو اور وزن کی بھی رعایت کیا کرو'' (۱)

واضح سی بات ہے کہ ایسے باغی اور طاغی شخص کو پیغمبر اسلامؐ کبھی بھی ستارۂ ہدایت قرار نہیں دے سکتے، نہ منصوصات میں نہ ہی غیر منصوصات میں۔

تعجب کی بات ہے کہ بعض محدثین اہلسنت نے اس حدیث کو مالک سے نقل تو کیا ہے، لیکن حدیث کا آخری فقرہ جو معاویہ کی جسارت کی نشاندہی کرتا ہے، حذف کر دیا ہے، مگر انہیں نہیں معلوم کہ جب یہ حدیث پوری کی پوری مالک کی ''الموطا'' اور اس کی شروح میں

۱۔ الموطا ج ۲ ص ۶۳۴

موجود ہے تو حقیقت کے متلاشی اس کو جان ہی جائیں گے، ملاحظہ کیجئے

نسائی اپنی ''سنن'' میں بحث ''بیع الذھب بالذھب'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے قتیبہ نے بیان کیا انہوں نے مالک سے انہوں نے زید بن اسلم سے اور انہوں نے عطا بن یسار سے روایت کی ہے کہ معاویہ نے سونے یا چاندی کا ایک کاسہ اس کے وزن سے زیادہ میں بیچا، اور ابودرداء نے معاویہ سے کہا کہ میں نے رسولؐ خدا کو ایسا معاملہ کرنے سے منع کرتے ہوئے دیکھا تھا'' (۱)

ابوالولید باجی ''شرح موطا'' میں لکھتے ہیں:

''ابودرداء کی بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ خبر واحد، قیاس اور رائے پر مقدم ہے، اور ابودرداء کا معاویہ سے یہ کہنا کہ ''جس جگہ تم رہو گے وہاں میں نہیں رہوں گا'' نفرت اور ان سے دوری کا اظہار تھا، کیونکہ معاویہ نے نہ یہ کہ حدیث پیغمبرؐ پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ اس کی صریح مخالفت کی تھی''

ابن اثیر ''جامع الاصول'' میں لکھتے ہیں:

''عطا بن یسار سے مروی ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان نے سونے یا چاندی کا ایک کاسہ اس کے وزن سے زیادہ میں بیچا، ابودرداء نے کہا کہ میں نے رسولؐ خدا کو ایسے معاملہ سے منع کرتے ہوئے دیکھا تھا، معاویہ نے جواب دیا ایسا کرنے میں کوئی بات نہیں ہے، ابودرداء نے کہا کون ہے جو معاویہ کی سرزنش اور

۱۔ سنن نسائی ج۲ ص۲۲۳

میری بات کی تائید کرے؟! میں تو انہیں حدیث رسولؐ سنا رہا ہوں اور وہ اپنی بات کہے جا رہے ہیں! اے معاویہ جس سرزمین پر تم رہو گے میں وہاں نہیں رہ سکتا۔ پھر ابو درداء عمر کے پاس آئے اور ساری بات بتائی، عمر نے معاویہ کے نام خط میں لکھا کہ مثل کا مثل سے اور جتنا وزن ہو اتنے ہی وزن کا معاملہ کرو، اس روایت کو (مالک نے) الموطا میں بیان کیا ہے اور ان سے نسائی نے " مثلا بمثل " تک نقل کیا ہے"(۱)

ان محدثین کے علاوہ فخر الدین رازی نے "المحصول" میں، ابو الحسن آمدی نے "الاحکام فی اصول الاحکام" میں، جلال الدین سیوطی نے "مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ" اور "تنویر الحوالک شرح موطای مالک" میں، عبدالرحمٰن بن علی معروف بہ ابن الدبیع شیبانی نے "تیسیر الوصول" میں، محمد بن محمد بن سلیمان فاسی رودانی مغربی مالکی۔ نے "جمع الفوائد" میں، محمد بن عبدالباقی زرقانی نے "شرح موطا" میں اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے "المسوی من احادیث الموطا" میں مذکورہ بالا حدیث کو نقل کیا ہے۔

۲۲۔ اصحاب پیغمبرؐ میں ایسے افراد بھی تھے جو جانتے ہوئے بھی حکم پیغمبرؐ کی علانیہ طور سے مخالفت کرتے تھے، غیر منصوص میں امت کے لئے ایسوں کا مرجع نہ ہونا اظہر من الشمس ہے، جس کے پاس تھوڑا سا بھی شعور ہوگا وہ یہی کہے گا کہ ایسا شخص کبھی بھی ستارۂ ہدایت نہیں بن سکتا۔ چنانچہ سندھی "دراسات اللبیب" میں لکھتے ہیں کہ معاویہ جس حدیث پیغمبر سے

۱۔ جامع الاصول ج ۱ ص ۴۶۸

واقف تھے خود اسی کی مخالفت کرتے تھے ملاحظہ کیجئے

"معاویہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ اگر ایک روایت کو نقل کرنے کے بعد خود اسی کی مخالفت کریں تو وہ حدیث منسوخ ہو جائے گی، (البتہ یہ بات کسی بھی راوی کے لئے نہیں کہی جا سکتی ہے) ورنہ مقدام، معاویہ پر اتنے زیادہ اعتراض نہیں کرتے، میں یہاں معاویہ سے ان کے نوک جھوک کا ایک واقعہ نقل کر رہا ہوں، کیونکہ یہ واقعہ دوستداران اہلبیت عترت طاہرہ کے لئے جائے تأمل ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو بہت سارے نتائج ان کے سامنے آئیں گے، مگر میں ائمہ طاہرین کی تأسی میں سکوت اختیار کر رہا ہوں، اور یہ حدیث خالد کی ہے، ان کا بیان ہے کہ مقدام بن معدیکرب اور (قبیلہ بنی اسد کے) عمر بن اسود، معاویہ بن ابوسفیان کے پاس آئے ، معاویہ نے کہا تمہیں نہیں معلوم کہ حسن بن علی رضی اللہ تعالی عنھما اس دنیا میں نہ رہے؟ یہ سن کر مقدام نے کلمہ استرجاع (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون) زبان پر جاری کیا، معاویہ نے مقدام سے پوچھا اے شخص کیا تو اس حادثے کو مصیبت سمجھتا ہے؟ مقدام نے جواب دیا کیوں نہ اس کو مصیبت سمجھوں، کیونکہ رسولؐ خدا نے انہیں (امام حسن کو) اپنی آغوش میں بیٹھا کر ارشاد فرمایا تھا " یہ مجھ سے ہے اور حسین، علی سے ہے " اس اسدی (یعنی عمرو بن اسود) نے کہا وہ (امام حسنؑ) ایک چنگاری تھے جس کو (معاذ اللہ) خدا نے خاموش کر دیا ہے، مقدام نے کہا آج میں یہاں سے اس

وقت تک نہیں جا سکتا جب تک تجھے غضبناک نہ کر دوں اور ایسی بات تجھے سناؤں گا جس سے تو جل بھن کر رہ جائے گا، اس کے بعد کہا اے معاویہ اگر میری بات صحیح ہے تو تو تصدیق کرنا اور اگر غلط ہے تو اس سے انکار کر دینا، معاویہ نے کہا بولو، مقدام نے کہا اے معاویہ تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ رسولؐ خدا نے درندہ جانوروں کی کھال پہننے اور اس پر سوار ہونے سے منع کیا ہے؟ معاویہ نے جواب دیا ہاں ایسا ہی ہے! مقدام نے کہا اے معاویہ یہ ساری چیزیں میں نے تمھارے گھر میں دیکھی ہیں! معاویہ نے جواب دیا اے مقدام میں سمجھتا تھا کہ تم سے مجھے نجات نہیں مل پائے گی! خالد (یعنی راوی) کا بیان ہے کہ معاویہ نے حکم دیا کہ مقدام کو اس کے دوست سے زیادہ انعام دیا جائے اور اس کے بیٹے کا نام ان لوگوں کے فہرست میں رکھا جائے جنہیں ماہانہ دوسو دینار وظیفہ دیا جاتا ہے، مقدام نے ملی رقم کو اپنے دوستوں کے درمیان تقسیم کر دی، مگر اسدی کو جو رقم ملی تھی اس میں اس نے کسی کو کچھ نہیں دیا، جب اس بات کی خبر معاویہ تک پہونچی تو کہا مقدام کریم شخص ہے اس کا ہاتھ کھلا ہوا ہے، مگر اسدی کنجوس آدمی ہے" (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ معاویہ جانتے تھے کہ درندہ جانوروں کی کھال پہننے اور اس پر سوار ہونے سے رسولؐ خدا نے منع کیا ہے، مگر وہ اس پر عمل نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے وہ

۱۔ دراسات اللبیب ص ۹۹۔۹۸

مقدام کی تنقید کا نشانہ بنے اور جواب دیئے بغیر مقدام کا منھ دیکھتے رہے، صرف اتنا بولے کہ میں جانتا تھا کہ مجھے تجھ سے چھٹکارا نہیں ملے گا۔

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں

ا۔ محمد معین سندھی جو مشاہیر علمائے اہلسنت میں سے ہیں، انہوں نے تصریح کی ہے کہ معاویہ اس جماعت میں سے نہیں ہیں کہ اگر وہ حدیث کے برخلاف عمل کریں تو حدیث منسوخ ہو جائے گی۔

۲۔ معاویہ نے مقدام سے بہت خوش ہو کر کہا کہ "تمہیں نہیں معلوم کہ حسن بن علی وفات پا گئے" کہ یہ عمل ان کے اسلام سے دوری اور خاندان نبوت سے عداوت کی علامت ہے۔

۳۔ جب مقدام نے کلمہ استرجاع زبان پر جاری کیا تو معاویہ نے کہا تھا تم اس واقعے کو مصیبت سمجھتے ہو، کہ یہ کلام بغض اہلبیتؑ پر ایک واضح دلیل ہے۔

۴۔ جب مقدام نے کہا کہ میں وفات (شہادت) امام حسنؑ کو کیوں نہ مصیبت سمجھوں اس لئے کہ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا ہے حسن مجھ سے ہے اور حسین علی سے، تو معاویہ خاموش رہے، گویا وہ عظمت امام حسن سے آگاہ تھے، اس کے باوجود انہوں نے بغض و عداوت سے ہاتھ نہیں کھینچا۔

۵۔ مقدام نے معاویہ سے کہا تھا جب تک تجھے میں غضبناک نہ کرلوں گا اس جگہ سے ہٹوں گا نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے ورنہ ایسی بات نہ کہتے،

کیونکہ علمائے اہلسنت کے بقول صحابہ، کفار کے لئے غیظ کا سبب بنتے تھے نہ کہ مسلمانوں کے لئے ملاحظہ کیجئے آیۃ ''لیغیظ بھم الکفار'' کی تفسیر میں ان علماء کے اقوال۔

واضح رہے کہ بعض علمائے اہلسنت نے معاویہ کی عزت بچانے کی خاطر اس واقعے کو کاٹ چھانٹ کر نقل کیا ہے، مگر پھر بھی وہ معاویہ کی عزت نہ بچا سکے۔ حافظ محمد بن یوسف گنجی ''کفایۃ الطالب'' میں اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

مقدام بن معد یکرب اور عمرو بن اسود، قنسرین گئے، معاویہ نے مقدام سے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ حسن بن علی وفات پا گئے؟ مقدام نے کلمۂ استرجاع (انا للّٰہ و انا الیہ راجعون) زبان پر جاری کیا، یہ سن کر معاویہ نے کہا کیا تم اس کو مصیبت سمجھتے ہو؟ مقدام نے جواب دیا کیوں نہ مصیبت سمجھوں اس لئے کہ رسولؐ خدا نے انہیں (امام حسن کو) اپنی آغوش میں بیٹھا کر فرمایا تھا یہ مجھ سے ہے اور حسین علی سے ہے۔ میں (گنجی) کہتا ہوں کہ طبرانی نے اس حدیث کو اپنی معجم کبیر میں نقل کیا ہے''(۱)

اسی روایت کو ملا متقی ھندی نے ''کنز العمال'' میں باب فضائل امام حسنؑ میں نقل کیا ہے۔

۲۴۔ اصحاب پیغمبرؐ کے درمیان ایسے بھی طواغیت تھے جو کفار کے ہاتھوں بتوں کے بیچنے کو جائز سمجھتے تھے، ظاہر سی بات ہے کہ کوئی بھی انسان نہیں سوچ سکتا کہ ایسوں کو حضر

۱۔ کفایۃ الطالب ص ۴۱۴

نے ستارۂ ہدایت قرار دیا ہوگا۔ سرخسی اپنی کتاب ''المبسوط'' میں کتاب الاکراہ میں لکھتے ہیں:

''مسروق سے منقول ہے کہ معاویہ نے پیتل کے مجسمے ہندوستان بیچنے کے لئے بھیجے تھے اور مسروق بھی ساتھ تھے، مگر جب انہیں مجسمے کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے کہا اگر میں جانتا کہ معاویہ مجھے قتل کر دے گا تو میں ان مجسموں کو غرق کر دیئے ہوتا، مگر مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ شکنجہ کر کے فتنہ نہ برپا کر دے۔ خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ معاویہ کس گروہ سے ہے، اس گروہ سے جس کے لئے برے کام آراستہ کئے گئے ہیں یا اس گروہ سے جو آخرت سے ناامید ہو گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ جنگ میں یہ مجسمے کفار سے غنیمت میں ہاتھ آئے تھے اور معاویہ نے انہیں ہندوستان بھیجا تھا تاکہ اس کو بیچ کر اسلحے خریدے جائیں، اسی کو دیکھتے ہوئے ابوحنیفہ نے بت اور صلیب کو ان کے پرستاروں سے بیچنے کو جائز قرار دیا ہے..............''(۱)

۲۵۔ حضرتؐ کے اصحاب کے درمیان ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے بعض آیات قرآنی کو ٹھکرا دیا تھا، واضح سی بات ہے کہ ایسے افراد ستارۂ ہدایت اور کتاب وسنت کے غیر منصوص احکام میں امت کے لئے مرجع قرار نہیں پاسکتے، چنانچہ علامہ غزّالی جنہیں اہلسنت، حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، اصحاب کے اس عمل کو اپنی کتاب ''مستصفی'' میں بحث خبر واحد میں یوں بیان کرتے ہیں:

۱۔ المبسوط فی فقہ الحنفیہ ج۲۴ ص۴۶

''جو لوگ خبر واحد کو حجت نہیں مانتے ہیں وہ اس پر دو اعتراض کرتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ خبر واحد کی حجیت پر سوائے اجماع کے کوئی اور دلیل نہیں ہے، اور اجماع کو ہم کیسے مان لیں جب کہ سارے صحابہ نے خبر واحد کو رد کیا ہے (اس کے بعد غزالی نے مخالفین کی طرف سے پیش کئے گئے ان واقعات کو نقل کیا ہے جنہیں اصحاب نے خبر واحد کی وجہ سے رد کیا تھا اور پھر ان کا غزالی نے یوں جواب دیا ہے) ہم ان کو جواب دیں گے کہ جن کی ہم نے روایت کی ہے ان پر قطعاً عمل ہوا ہے، اور جن روایتوں کو رد کیا گیا ہے اس رد کی کوئی اور وجہ ہوگی، لہذا اس رد کرنے کی وجہ سے خبر واحد پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، جیسا کہ صحابہ نے بھی بعض آیات قرآنی کو رد اور بعض اقسام قیاس کو ترک کر دیا تھا، اسی طرح قاضی نے بعض شہادات کو رد کر دیا تھا، مگر ان رد و ترک کی وجہ سے اصل قضیہ پر اثر نہیں پڑتا'' (۱)

۲۶۔ زمانۂ حضرت عمر میں اصحاب پیغمبرؐ کتاب خدا سے اتنا دور ہو گئے تھے کہ حضرت عمر ان کی مذمت کرتے تھے، چنانچہ ابن حزم اندلسی ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں لکھتے ہیں:

''مجھ سے احمد بن عمر عذری نے بیان کیا انہوں نے احمد بن محمد بن عیسیٰ بلوی غندر سے انہوں نے خلف بن قاسم سے انہوں نے ابو المیمون عبد الرحمٰن بن عبد

۱۔ المستصفی ج ۱ ص ۱۳۶۔۱۳۵

اللہ بن عمر بن راشد بجلی سے انہوں نے ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمر ونظری دمشقی سے انہوں نے ابومسہر سے انہوں نے سعید بن عبدالعزیز سے انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ سے اور انہوں نے سائب بن یزید بن اخت نمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عمر بن خطاب کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ لوگوں سے کہہ رہے تھے تم لوگوں کی حدیثیں بری حدیثیں ہیں اور تم لوگوں کا کلام برا کلام ہے، تم لوگوں نے اتنی حدیثیں بیان کیں کہ بس یہی کہا جا رہا ہے کہ فلاں نے ایسا کہا فلاں نے ایسا کہا، اور کتاب خدا کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔ یہ تھا عمر کا بیان جو روئے زمین کی بہترین فرد تھے، اگر وہ آج ہوتے اور قرآن و حدیث کو چھوڑ کر مالک نے یہ کہا، ابوحنیفہ نے ایسا کہا اور شافعی نے یوں کہا کہتے ہوئے ہمیں دیکھتے تو کیا کرتے ؟! و حسبنا اللہ و نعم الوکیل و إنا للہ و انا الیہ راجعون (۱)"

بعینہ اسی روایت کو ابن قیم نے ابوزرعہ سے ''اعلام الموقعین'' ج ۲ ص ۱۷۶ پر نقل کیا ہے۔

ظاہری بات ہے کہ حضرت عمر کے بقول جن کی حدیثیں بدترین حدیثیں اور جن کی باتیں بدترین باتیں ہوں، اور قرآن کو انہوں نے چھوڑ رکھا ہو، وہ کیسے ستارۂ ہدایت بن سکتے ہیں۔

۱۔ الاحکام فی اصول الاحکام ج ۶ ص ۹۷

۲۷۔ روایات اہلسنت کی رو سے ابن عباس کے بقول اصحاب پیغمبر نے حضرتؐ سے صرف تیرہ مسئلوں کے بارے میں سوال کیا تھا اور وہ سب کے سب قرآن مجید میں موجود تھے، کہ اتنے کم مسائل کے بارے میں حضرتؐ سے سوال کرنا ان کے احکام شرعی میں عدم دلچسپی کی علامت ہے، ورنہ حضرتؐ سے جوارتقائے علمی کے لئے بہترین ذریعہ تھے بہت زیادہ معلومات حاصل کر سکتے تھے، اس روایت پر توجہ کیجئے جس کو مخاطب (مؤلف تحفہ) کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے رسالہ ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' میں نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب رسول خداؐ سے بہتر کوئی قوم نہیں دیکھی، مگر انہوں نے حضرتؐ کی قبض روح تک ان سے صرف تیرہ مسئلے پوچھے تھے اور وہ سب کے سب قرآن میں موجود تھے کہ ان ہی سوالات میں سے یہ ہیں ''یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه'' (بقرہ آیة ۲۱۷) اور ''یسئلونك عن المحیض'' (بقرہ آیه ۲۲۲) ابن عباس کا کہنا ہے کہ اصحاب صرف ان ہی چیزوں کے بارے میں سوال کرتے تھے جو ان کے لئے سودمند ہوتی تھیں''(۱)

تتمہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب ان ہی تیرہ مسئلوں کو مفید سمجھتے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے اور سوالات نہیں کئے۔

۱۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۱۳

۲۸۔اصحاب پیغمبرؐ اتنے غافل تھے کہ حجۃ الوداع میں حضرتؐ کے ہمراہ ہونے کے باوجود انہیں خبر نہیں تھی کہ حضرتؐ نے کونسا حج کیا تھا، حج تمتع یا حج قران یا حج افراد، اور ہر شخص بغیر تحقیق کئے اپنی رائے دیتا تھا، اس روایت کو بھی ولی اللہ دہلوی نے رسالہ ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' (ص ۲۸) میں نقل کیا ہے، ایسے مغفل انسان کیسے ستارۂ ہدایت بن سکتے ہیں اور احکام غیر منصوص میں امت کے لئے کیسے فتوادے سکتے ہیں؟

۲۹۔زمانہ پیغمبرؐ میں آپ کے اصحاب ایسے بھی تھے جو الٹا سیدھا فتوادیا کرتے تھے، اور جہالت کے باوجود مدینۂ علم کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے، اور جب ان کی حرکتوں سے حضرتؐ باخبر ہوتے تھے تو ان پر بددعا کرتے تھے جو لعنت کے مترادف ہوتا تھے، چنانچہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

''اس حدیث کی ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نے میرے لئے قرائت کی اور انہوں نے محمد بن معاویہ قرشی سے انہوں نے اسحاق بن حسان انماطی سے انہوں نے ہشام بن عمار سے انہوں نے عبدالحمید سے انہوں نے اوزاعی سے اور انہوں نے عطاء بن ابی ریاح سے نقل کیا ہے کہ عطاء نے ابن عباس کو کہتے ہوئے سنا کہ زمانہ پیغمبرؐ میں ایک شخص جو مجروح ہوگیا تھا محتلم ہوگیا، اصحاب نے اس کو غسل کرنے کے لئے کہا غسل کرنے کی وجہ سے وہ مریض ہوگیا اور اسی میں اس کی موت ہوگئی، جب حضرتؐ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: انہوں نے (اصحاب نے) اس کو مار ڈالا، خدا انہیں مار ڈالے! کیا جہالت کا علاج پوچھنا نہیں

ہے؟!''(۱)

ہر ذی شعور انسان سمجھ سکتا ہے کہ ایسوں کو حضرتؐ ستارۂ ہدایت قرار نہیں دے سکتے۔

۳۰۔ اصحاب پیغمبرؐ میں ایسے افراد بھی تھے جو ایک حالت پر نہیں رہے، ایک وقت ان کا عمل جنتیوں جیسا تھا مگر دوسرے وقت جہنمیوں جیسا ہو گیا، اور ایسے الٹ پھیر والوں کو رسولؐ خدا ستارۂ ہدایت قرار نہیں دے سکتے، چنانچہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

''ہم سے عبد الوارث بن سفیان اور یعیش بن سعید نے بیان کیا انہوں نے قاسم بن اصبغ سے انہوں نے بکر بن حماد سے انہوں نے بشر بن حجر سے انہوں نے خالد بن عبد اللہ واسطی سے انہوں نے عطاء (یعنی ابن السائب) سے اور انہوں نے ابو البختری سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: لوگوں کی آنکھ بند کر کے پیروی مت کرو، کیونکہ ایک شخص ایک وقت میں اہل بہشت جیسا کام کرتا ہے مگر بعد میں اسی کی رائے بدل جاتی ہے اور وہ جہنمیوں جیسا کام کرنے لگتا ہے اور اس حال میں وہ اس دنیا سے جاتا ہے کہ وہ جہنمی ہوتا ہے، اسی طرح ایک شخص ایک وقت میں جہنمیوں جیسا کام کرتا ہے مگر بعد میں اپنے کو سدھار لیتا ہے اور جنتیوں جیسا کام کر کے جنتی ہو جاتا ہے، لہذا اپنے لئے نمونہ عمل ان کو قرار دو جن کو اچھے اعمال انجام دیتے ہوئے موت آئی نہ کہ ہر زندہ کو''۔(۲)

اسی روایت کو ابن قیم نے ''اعلام الموقعین'' میں نقل کیا ہے۔

۱۔ جامع بیان العلم ص ۱۱۵ ۲۔ جامع بیان العلم ص ۳۹۰

حدیث نجوم کے متعلق مزّنی کی بات پر ایک نظر

اب جب کہ مخاطب (مؤلف تحفہ) کی پیش کی ہوئی ''حدیث نجوم'' کی سند اور متن پر بحث کر چکا تو مناسب سمجھا کہ ان لوگوں کا بھی جواب دے دوں جنہوں نے اس حدیث کے بارے میں اپنا اظہار خیال کیا ہے، تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان کا یہ خیال کتنا غلط ہے۔

حدیث نجوم کے بارے میں امام شافعی کے شاگرد رشید، مزّنی کے اظہار خیال کو ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''جامع البیان'' میں یوں نقل کیا ہے:

''مزنی رحمہ اللہ حدیث رسولؐ خدا، اصحابی کالنجوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

اگر یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میرے اصحاب جن باتوں کو مجھ سے نقل کریں اور ان کے بارے میں گواہی دیں ان میں ان کی اقتدا کرو، کیونکہ وہ سب کے سب ثقہ ہیں اور جن چیزوں کو مجھ سے وہ نقل کریں

ان میں وہ امین ہیں، اس کے علاوہ اس حدیث کے کوئی اور معنی میری (مزنی کی) نظر میں صحیح نہیں ہے، لیکن جو باتیں وہ اپنی طرف سے کہیں اور کوئی ان کی مخالفت نہ کرے نہ ہی انکار کرے اور نہ ہی اپنے نظریئے سے منصرف ہو جائے تو اس صورت میں ان کی باتوں پر غور کرنا چاہیئے"

مزنی کی یہ توجیہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

ا۔ حضرت علیؑ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ابوبکر اور عمر کو حدیث "لا نورث ما ترکنا صدقة" بیان کرنے پر انہیں جھٹلایا اور انہیں خائن کہا تھا، اس بات کو مسلم نے اپنی "صحیح" ج ۲ ص ۵۴ پر نقل کیا ہے، اور دوسری حدیث کی کتابوں میں بھی یہ نظر آتی ہے، اور میں نے عبقات الانوار حدیث مدینہ میں اس پر بحث کی ہے۔ پس کیسے کہا جاسکتا ہے کہ روایت کرنے والے اصحاب میں سے ہر ایک ثقہ اور امین تھا۔

۲۔ ابوبکر اور عمر نے عثمان کی اس بات کو رد کر دیا تھا کہ رسولؐ خدا نے حکم بن عاص کو مدینہ سے شہر بدر کرنے کے بعد دوبارہ واپس آنے کی اس کو اجازت دے دی تھی، اس بات کو غزالی نے "المستصفی" ج ا ص ۱۳۵ پر اور عبری نے "شرح منہاج" میں لکھی ہے۔

۳۔ حضرت عمر نے ابوموسی اشعری کو حدیث استیذان نقل کرنے پر مورد الزام قرار دیا تھا اور ان کی بات رد کر دی تھی، جیسا کہ اس کے پہلے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۴۔ حضرت عمر نے مشہور صحابی ابوہریرہ کی تکذیب کی تھی اور ان کو بہت زیادہ حدیثیں گڑھنے کی وجہ سے تازیانے مار کر مدینہ سے نکال دیا تھا، اور حضرت عمر کے زندہ رہنے تک

وہ ''قال رسول اللہ'' کہنے سے محروم ہو گئے تھے، اس سلسلے میں چند مستند علمائے اہلسنت کی عبارتیں نقل کر رہا ہوں۔

ابن ابی الحدید، اسکافی کی کتاب ''التفضیل'' سے نقل کرتے ہیں:

''ابو ہریرہ ہمارے شیوخ و اساتید کی نظر میں معتبر نہیں ہے، عمر نے اس کو تازیانے مارتے ہوئے کہا تھا، تو بہت زیادہ حدیثیں سناتا ہے اور ان کی رسولؐ خدا کی طرف غلط نسبت دیتا ہے'' (۱)

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری اپنی کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' میں لکھتے ہیں:

''نظام کا ابو ہریرہ پر اعتراض یہ ہے کہ عمر، عثمان، علی اور عائشہ نے ان کو جھوٹا کہا ہے، اس لئے کہ ابو ہریرہ کو صرف تین سال رسولؐ خدا کی صحبت کا شرف ملا مگر بہت زیادہ حدیثیں ان سے نقل کیں، حضرتؐ کی وفات کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہے اور ۵۹ھ میں انتقال کیا، اسی سال زوجۂ نبیؐ ام سلمی کا انتقال ہوا تھا اور ایک سال پہلے عائشہ نے وفات پائی تھی، مگر جب لوگوں نے دیکھا کہ ابو ہریرہ کی روایتیں دیگر اصحاب سے بہت زیادہ ہیں تو انہیں مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے اور پھر ان کی حدیثیں رد ہونے لگیں، اور ان سے لوگ کہنے لگے تم نے اکیلے اتنی حدیثیں کس طرح حضرتؐ سے سن لی؟ کیا تمھارے علاوہ کسی اور نے سنی ہے؟ سب سے زیادہ عائشہ ان سے چڑھی رہتی تھیں، اور عمر تو ہر اس شخص

۱۔ شرح نہج البلاغہ ج۴ ص ۶۷

سے تپے رہتے تھے جو زیادہ حدیثیں بیان کرتا تھا، یا ایسی حدیث بیان کرتا تھا جس پر وہ شاہد نہیں رکھتا تھا، اور عمر نے دستور دے رکھا تھا کہ حدیثیں کم بیان کی جائیں، اس دستور سے ان کا ہدف یہ تھا کہ لوگ کم حدیثیں نقل کریں تا کہ منافقین وفجار واعرابی سوء استفادہ نہ کرنے پائیں'' (۱)

ابن عبدالبر تحریر کرتے ہیں:

''ابو ہریرہ نے ایک دن لوگوں سے کہا کہ میں آج ایسی حدیثیں تمھیں سناؤں گا کہ انہیں اگر زمانۂ عمر میں بیان کرتا تو کوڑے کھاتا'' (۲)

شمس الائمہ سرخسی ''کتاب الاصول'' میں لکھتے ہیں:

''جب عمر کو خبر ملی کہ ابو ہریرہ ایسی حدیثیں بیان کر رہا ہے جو مجہول و ناشناختہ ہیں تو انہیں بلوا کر کہا اگر تو اپنی حرکت سے باز نہ آیا تو تجھے دوس (جو ابو ہریرہ کا وطن تھا) کی پہاڑیوں میں بھیج دوں گا'' (۳)

ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''ابو زرعہ دمشقی نے محمد بن زرعہ رعینی سے انہوں نے مروان بن محمد سے انہوں نے سعید بن عبدالعزیز سے انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ سے اور انہوں نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے، ان کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن خطاب کو ابو ہریرہ سے کہتے ہوئے سنا کہ یا تو حدیثِ رسولؐ خدا بیان کرنا چھوڑ

۱۔ تاویل مختلف الحدیث ص ۴۸ ۲۔ جامع بیان العلم ص ۳۹۹ ۳۔ الاصول ج ۱ ص ۳۴۱

دے یا پھر دوس جانے کے لئے تیار ہو جا، اور کعب سے کہتے تھے تو حدیثیں بیان کرنا چھوڑ دے ورنہ بندروں کی سرزمین پر بھیج دوں گا۔ ابوزرعہ کا بیان ہے کہ میں نے اسی روایت کو ابومسہر سے اور انہوں نے سعید بن عبدالعزیز سے سنی تھی "(۱)

ابن کثیر اپنی اسی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"صالح بن ابی الاخضر نے زہری سے اور انہوں نے ابوسلمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابوہریرہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جب تک عمر زندہ رہے قال رسول اللہ کہنے کو میں ترستا رہا "(۲)

ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" میں حالات عمر میں لکھتے ہیں:

"ابوسلمہ نے ابوہریرہ سے پوچھا جس طرح تم آج کل حدیثیں بیان کرتے ہو کیا زمانہ عمر میں بھی حدیثیں بیان کرتے تھے؟ بولے جس طرح آج میں تم لوگوں سے حدیثیں بیان کر رہا ہوں، اگر زمانہ عمر میں بیان کرتا تو وہ میری تازیانے سے خبر لیتے "(۳)

حضرت عمر کا ابوہریرہ کو نقل حدیث سے منع کرنا اس حد تک مشہور ہے کہ سنیوں کے امام، ابوحامد غزالی نے اس کو اپنی کتاب "المستصفی" میں بیان کیا ہے۔

مذکورہ بالا باتوں کو دیکھتے ہوئے کیسے کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ سارے اصحاب پیغمبر نقل

۱۔ البدایۃ والنھایۃ ج۸ ص ۱۰۶ ۲۔ البدایۃ والنھایۃ ج۸ ص ۱۰۷ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص ۷

احادیث میں ثقہ اور عادل تھے۔

ابو ہریرہ کی عثمان نے تکذیب کی تھی، جیسا کہ ابن قتیبہ نے ''تاویل مختلف الحدیث'' ص ۲۸ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ تو جب عثمان کی نظر میں ابو ہریرہ کی یہ حیثیت تھی تو پھر سارے صحابہ کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ نقل حدیث میں ثقہ اور امین تھے۔

حضرت علیؑ نے بھی ابو ہریرہ کی تکذیب کی تھی جیسا کہ ابن قتیبہ نے ''تاویل مختلف حدیث'' میں اس کا ذکر کیا ہے، اور ابن ابی الحدید نے اسکافی کی کتاب ''التفصیل سے نقل کیا ہے کہ:

''حضرت علی نے فرمایا کہ لوگوں میں یا زندوں میں سب سے زیادہ رسولؐ خدا پر جھوٹ باندھنے والا ابو ہریرہ دوسی ہے''(۱)

اس بات کو دیکھتے ہوئے کیا کہہ سکتے ہیں کہ نقل حدیث میں سارے صحابہ ثقہ اور امین تھے؟

جناب عائشہ تو سب سے زیادہ ابو ہریرہ سے چڑھی رہتی تھیں اور اس کو پکا جھوٹا کہتی تھیں، جیسا کہ ابن قتیبہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا۔ اب جس کو تھوڑی سی بھی جنابِ عائشہ سے عقیدت ہوگی وہ کبھی بھی مزنی کی بات نہیں مانے گا۔ میں نے ابو ہریرہ کی تکذیب سے متعلق عائشہ کے کچھ واقعات عبقات الانوار حدیث غدیر میں بیان کئے ہیں، اگر سارے واقعات کو جمع کرنا چاہوں تو ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۶۸

ابن عمر جن کی عظمت اہلسنت کی نظر میں مسلم ہے، نے ابو ہریرہ کے اس قول کی تکذیب کی ہے'' ولد الزنا شر الثلاثه ''اور کہا ہے کہ'' ولد الزنا خیر الثلاثه '' صحیح ہے، چنانچہ ملا متقی ھندی ''کنز العمال'' میں لکھتے ہیں:

''میمون بن مروان سے مروی ہے کہ ابن عمر نے ایک ولد الزنا کے پیچھے نماز پڑھی، ان سے کہا گیا کہ ابو ہریرہ ایسوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ ولد الزنا تین شر میں سے ایک ہے، ابن عمر نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ تین خیر میں سے ایک ہے، اس کی عبد الرازق نے روایت کی ہے''

جب ابن عمر کی نظر میں ابو ہریرہ جھوٹے تھے، تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ نقل احادیث پیغمبرؐ میں سارے صحابہ ثقہ اور بھروسے کے لائق تھے۔

زبیر نے جو اہلسنت کی نظر میں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بڑی عظمت کے حامل ہیں، ابو ہریرہ کے کذب کو آشکار کیا تھا۔ چنانچہ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''ابن ابی خیثمہ نے ہارون بن معروف سے بیان کیا انہوں نے محمد بن ابی سلمہ سے انہوں نے محمد بن اسحاق سے انہوں نے عمر (یا عثمان) بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے والد (یعنی عروہ بن زبیر بن عوام) سے نقل کیا ہے کہ میرے باپ زبیر نے مجھ سے کہا کہ اس یمنی شخص (یعنی ابو ہریرہ) کو میرے پاس لے کر آؤ، وہ بہت زیادہ حدیث پیغمبرؐ سنا رہا ہے، عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ میں ابو ہریرہ کو لے کر اپنے باپ کے پاس آیا، اس نے حدیث پیغمبرؐ سنانی شروع کی اور

زبیر کہتے تھے یہ حدیث صحیح ہے یہ حدیث جھوٹی ہے، یہ حدیث صحیح ہے یہ حدیث جھوٹی ہے، میں نے اپنے باپ سے پوچھا آپ کیوں کہہ رہے ہیں یہ حدیث صحیح ہے یہ حدیث جھوٹی ہے؟ جواب دیا اے بیٹے بعض حدیثیں ہیں جن کے صحیح ہونے میں شک نہیں ہے، مگر بعض ایسی ہیں جن کی وہ الٹی سیدھی نسبت دے رہا ہے''(۱)

ظاہر سی بات ہے کہ حدیث کی اِدھر اُدھر نسبت دینے سے وثاقت خطرے میں پڑ جاتی ہے، پس کیسے سارے اصحاب نقل حدیث میں ثقہ اور امین ہو سکتے ہیں۔

ابراہیم بن یزید تیمی نے جو مشہور تابعی ہیں اور ''تہذیب الکمال'' اور ''تہذیب التہذیب'' اور دیگر کتب رجالی کے مطالعے سے ان کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے، ابوہریرہ کی تکذیب کی ہے، اور ان کی بہت ساری حدیثوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈالا ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید، اسکافی کی کتاب ''التفصیل'' سے نقل کرتے ہیں:

''سفیان ثوری نے منصور سے اور انہوں نے ابراہیم تیمی سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہ کی کوئی حدیث قبول نہیں کی جاتی تھی، سوائے ان حدیثوں کے جو جنت و جہنم سے متعلق ہوتی تھیں، اور ابو اسامی نے اعمش سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم صحیح الحدیث ہے، میں جب بھی کوئی حدیث سنتا تھا تو ان (ابراہیم) کے پاس جاتا تھا اور ان کو وہ حدیث سناتا تھا، ایک دن میں ان کے پاس گیا اور ان سے ان

۱۔البدایۃ والنھایۃ ج۸ص۱۰۹

حدیثوں کے بارے میں دریافت کیا جنہیں ابوصالح نے ابوہریرہ سے نقل کیا تھا ،انہوں نے جواب دیا: ابوہریرہ کی بات چھوڑو، اس کی بہت ساری حدیثوں کو محدثین اور رجالیوں نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے''(۱)

ابراہیم بن یزید نخعی نے جو عظیم المرتبت تابعی اور مشہور ائمہ میں سے ہیں، ابوہریرہ کی تضعیف کی ہے اور اس کی جنت وجہنم اور ان اوامر ونواہی سے متعلق حدیثوں کے سوا جن کا قرآن میں ذکر ہے، چھوتے نہیں تھے، ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''شریک نے مغیرہ سے اور انہوں نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ محدثین ابو ہریرہ کی حدیثیں نہیں نقل کرتے تھے، اعمش نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ محدثین ،ابوہریرہ کی ساری کی ساری حدیثیں نقل نہیں کرتے تھے، ثوری نے منصور سے اور انہوں نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہ کی حدیثوں میں کھوٹ ہے، اسی وجہ سے اس کی ساری حدیثیں نقل نہیں کی جاتیں سوائے ان حدیثوں کے جو جنت وجہنم اور ان اوامر ونواہی سے متعلق ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے (۲)''

ابراہیم نخعی کی بات کو سامنے رکھتے ہوئے کون ہے جو مزّنی کی بات کو حقیقت سے قریب مانے گا، اور نقل احادیث پیغمبرؐ میں سارے صحابہ کو ثقہ وامین کہے گا۔

بسر بن سعید نے جو مشہور تابعی ہیں، ابوہریرہ کی تضعیف کی ہے اور کہا ہے کہ وہ حدیث

۱۔شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۶۸ ۲۔البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۰۹

پیغمبرؐ کو کعب کے توسط سے نقل کرتا تھا، ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''مسلم بن حجاج نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سے انہوں نے مروان دمشقی سے انہوں نے لیث بن سعد سے اور انہوں نے بکیر بن اشجع سے روایت کی ہے کہ بسر بن سعد نے کہا: تقوائے الٰہی اختیار کرو اور حدیث کی حفاظت و نگہداری کرو، میں ابو ہریرہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، بخدا دیکھا وہ کبھی حدیث رسولؐ کو کعب سے نقل کر رہا ہے اور کبھی کعب کی بات کو رسولؐ خدا سے منسوب کر کے بیان کر رہا ہے، اور ایک روایت میں وہ رسولؐ خدا کی بات کو کعب سے منسوب کر رہا ہے اور کعب کی بات کو رسولؐ خدا سے منسوب کر رہا ہے، لہذا تقوائے الٰہی اختیار کرو اور حدیث پیغمبرؐ کی حفاظت کرو'' (۱)

ان کے علاوہ جن محدثین و مؤرخین نے ابو ہریرہ کی تکذیب کی ہے یہ ہیں: شعبہ بن حجاج، امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی، ابو حنیفہ کے شاگرد خاص محمد بن حسن شیبانی، قاضی عیسی بن ابان بصری حنفی، ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بلخی ہندوانی، ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی، عمر بن عبدالعزیز بن عمر بخاری معروف بہ صدر شہید، ابو جعفر محمد بن عبداللہ اسکافی، ان کی آراء جاننے کے لئے ملاحظہ کیجئے ابن کثیر کی البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۰۹، ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۶۸۔۶۷، کتائب اعلام الاخیار من علماء مذھب النعمان المختار، ابن حزم کی المحلی، علی بن یحیی زندویسی کی روضۃ العلماء، جصاص کی

۱۔ البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۰۹

احکام القرآن ج۱ص ۱۹۵، فتح الباری ج ۴ص ۲۹۰، المرقاۃ شرح المشکواۃ ج ۵ص ۴۵۸

۵۔حضرت عمر نے مشہور صحابہ اُبی بن کعب کی تکذیب کی تھی اور قول و عمل دونوں سے ابی کی توہین کی تھی، چنانچہ نورالدین سمہودی ''الوفا باخبار دار المصطفی ''میں لکھتے ہیں:

''ابن سعد نے یزید بن ہارون سے انہوں نے ابو امیہ بن یعلی سے اور انہوں نے سالم بن ابونضر سے نقل کیا ہے کہ زمانہ خلافت عمر میں جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور مسجد النبی ان کے لئے چھوٹی ہوگئی تو عمر نے عباس بن عبد المطلب اور ازواج پیغمبر کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد کے اطراف کے سارے گھر خرید لئے اور عباس سے کہا اے ابوالفضل مسلمانوں کے لئے مسجد کی جگہ تنگ ہو گئی ہے، میں نے اطرافِ مسجد کے سارے گھروں کو خرید لیا ہے سوائے تمہارے اور مومنین کی ماؤں (ازواج پیغمبرؐ) کے گھروں کے، امہات المومنین (یعنی ازواج پیغمبرؐ) کے گھروں کو تو نہیں لے سکتا، مگر تم جتنی رقم میں اپنا گھر بیچنا چاہو بیچو میں بیت المال سے وہ رقم دوں گا تا کہ مسجد کی توسیع ہو جائے، عباس نے کہا میں اپنا گھر نہیں بیچوں گا، عمر نے کہا تین باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو یا رقم لے کر اپنا گھر بیچ دو، یا اس کے عوض مدینہ میں جس جگہ چاہو ایک گھر لے لو یا فی سبیل اللہ اپنا گھر دیدو تا کہ مسجد کی توسیع ہو سکے، عباس نے عمر سے کہا تمہاری کوئی بھی بات نہیں مانوں گا، عمر نے کہا میرے اور اپنے درمیان جس کو چاہو قاضی بنالو تا کہ جو وہ کہے اس پر عمل کیا جائے، عباس نے کہا اُبی بن

کعب کو میں منتخب کرتا ہوں، چنانچہ دو آدمی ابی بن کعب کے پاس گئے اور سارا ماجرا ان سے بیان کیا، اُبی نے کہا اگر تم اجازت دو تو تم کو پیغمبرؐ کی ایک حدیث سناؤں، انہوں نے کہا سنایئے اُبی نے کہا میں نے رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خدا نے داؤد پر وحی نازل کی کہ میرے لئے ایک گھر (معبد) بناؤ جس میں میری عبادت کی جائے اور داؤد کو بیت المقدس کے حدود بتا دیئے، مگر اسی حدود میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا گھر پڑ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا احاطہ مربع نما نہیں ہو پا رہا تھا۔ چنانچہ داؤد نے اس شخص کو گھر بیچنے کے لئے کہا مگر اس نے منع کر دیا جس کی وجہ سے داؤد نے بغیر معاملے کے اس کا گھر لینا چاہا، خدا نے داؤد پر وحی نازل کی کہ اے داؤد! میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے لئے ایک گھر بناؤ جس میں میرا ذکر ہو اور تم مجھے غصبی گھر میں لے جانا چاہ رہے تھے؟ (یعنی غصبی جگہ پر عبادت ہو) کسی کا مال غصب کرنا میری شان کے خلاف ہے، اور چونکہ تم نے ایسا خیال پیدا کیا لہذا اس کام کو تم سے نہیں لوں گا۔ داؤد نے عرض کیا پروردگارا میری اولاد سے یہ کام لے گا؟ آواز آئی ہاں، اس کام کو تیری اولاد انجام دے گی، یہ سن کر عمر نے اُبی کا گریبان پکڑ کر کہا میں تو اپنی مشکل حل کرانے آیا تھا، مگر تو نے مشکل حل کرنے کے بجائے اس میں اور اضافہ کر دیا، اور پھر اُبی کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں اصحاب کے پاس لائے، ابوذر بھی وہاں موجود تھے، ابی نے اصحاب کی طرف مخاطب ہو کر کہا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جس نے بیت

المقدس کے بارے میں رسولؐ خدا کی حدیث سنی ہے وہ بیان کرے، ابوذر نے کہا میں نے سنی ہے، یہ دیکھ دوسرا شخص بولا میں نے بھی یہ حدیث سنی ہے، جب کئی اصحاب نے گواہی دی تب عمر نے اُبی کی جان چھوڑی، ابی نے عمر سے مخاطب ہو کر پوچھا اے عمر! کیا تم مجھ پر جھوٹی حدیث بیان کرنے کا الزام لگا رہے ہو؟ عمر نے کہا اے ابومنذر بخدا میں تم پر الزام نہیں لگا رہا تھا بلکہ چاہ رہا تھا کہ رسولؐ خدا کی یہ حدیث لوگوں کے سامنے آشکار ہو جائے، پھر عمر نے عباس سے کہا جاؤ میں تم سے گھر کے بارے میں اب کچھ نہیں کہوں گا، عباس نے جواب دیا اب جب کہ تم اس انداز میں بول رہے ہو تو میں اپنا گھر راہ خدا میں دے رہا ہوں تاکہ مسجد کی توسیع ہو جائے، لیکن اگر تم طاقت کے زور پر لینا چاہتے تو کسی صورت میں گھر نہیں دیتا، راوی کا بیان ہے کہ آج جو عباس کا گھر موجود ہے وہ بیت المال سے بنایا گیا تھا'' (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کی نظر میں مشہور صحابی اُبی بن کعب نقل حدیث میں مؤثق و امین نہیں تھے، اسی وجہ حضرت عمر ان کا گریبان پکڑ کر مسجد تک لائے تھے۔

۶۔ روایات اہلسنت سے یہ بات واضح ہے کہ انس بن مالک نے حدیث غدیر کا کتمان کیا تھا اور جب اس واقعے کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو نسیان کا بہانہ کیا، جس پر حضرت علیؑ نے انہیں بددعا دی اور اسی دنیا میں عذاب کا انہوں نے مزہ چکھا، ایسے

۱۔ وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ ج ۱ ص ۴۸۲

شخص کو کون موثق وامین کہہ سکتا ہے؟

انس بن مالک نے حدیث یوم البساط کو بھی چھپایا تھا اوران سے پوچھنے پر نسیان کا بہانہ کیا تھا، واقعہ یوم البساط کو اسعد بن ابراہیم اربلی نے اپنی کتاب ''الاربعین'' میں اپنے استاد ابن دحیہ کلبی کے توسط سے سالم بن ابی الجعد سے یوں نقل کیا ہے:

''سالم بن ابی الجعد کا بیان ہے کہ میں انس بن مالک کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت وہ نابینا تھے اور انہیں سفید داغ تھا، ایک شخص جوان سے خار کھائے ہوئے تھا، اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کہا اے صحابی رسول تمھارا یہ سفید داغ کیسا ہے اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو نبی بنا کر بھیجا میرے باپ نے رسولؐ خدا کی یہ حدیث بیان کی تھی کہ خدا مومن کو برص و جذام میں مبتلا نہیں کرتا، جب کہ یہ علامت تم میں پائی جارہی ہے! انس بن مالک نے شرم سے سر جھکا لیا اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبانے لگیں اور پھر کہا: میں جو مبروص ہوا ہوں یہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کی بددعا کا نتیجہ ہے، لوگوں میں کرید پیدا ہوئی اور انھوں نے اس کی وجہ جاننی چاہی، چنانچہ لوگوں کے پوچھنے پر اس طرح ماجرا بیان کیا: جب سورۂ کہف نازل ہوا تو اصحاب نے رسولؐ خدا سے اصحاب کہف کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، حضرتؐ نے وعدہ کرلیا، ایک دن حضرتؐ اصحاب کے درمیان بیٹھے تھے کہ قریہ ھندف سے جو شام کا ایک دیہات ہے حضرتؐ کے لئے ہدیہ میں ایک فرش لایا گیا، اصحاب نے حضرت کو آپ کا وعدہ یاد دلایا، آپ

نے علی کو بلوایا، جب علی آئے تو آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا: اے انس اس فرش کو بچھاؤ اور ان اصحاب کو اس پر بیٹھاؤ، جب اصحاب فرش پر بیٹھ گئے تو تھوڑی دیر تک ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور خدا سے دعا کی اور علی سے فرمایا کہ تم ان لوگوں (اصحاب) کی سرپرستی کرو، اور جس طرح میں نے دعا کی ہے اسی طرح تم بھی دعا کرو کہ خدا چار فرشتوں کو بھیجے تا کہ وہ اس فرش کو بلند کریں جس پر اصحاب بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ اصحاب کہف کا دیدار کر لیں، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ فرش بلند ہوا، انس کا بیان ہے کہ میں بھی اصحاب کے ہمراہ تھا اور ہم ظہر تک فضا کی سیر کرتے رہے، پھر فرش ایک جگہ رکا اور زمین پر اترا اور ہم نے اصحاب کہف کی زیارت کی، علی نے ہم سب کو حکم دیا کہ فرش سے اتریں اور نماز پڑھیں، چنانچہ ہم سب فرش سے اترے اور علی کی اقتداء میں نماز پڑھی، پھر چند نورانی شخصیتوں کو دیکھا جن کا چہرہ قندیل میں چراغ کی مانند چمک رہا تھا اور وہ سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کا کتا غار تک اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا، یہ دیکھ کر ہم لوگ خوف زدہ ہو گئے، مگر علی بن ابی طالب آگے بڑھے اور کہا السلام علیکم، انہوں نے جواب سلام دیا، پھر ہماری جماعت آگے بڑھی اور سلام کیا مگر کوئی جواب نہیں ملا، علی نے پوچھا تم اصحاب پیغمبرؐ کے سلام کا کیوں جواب نہیں دے رہے ہو؟ ان میں سے ایک نے کہا یہ بات اپنے چچازاد بھائی اور اپنے پیغمبرؐ سے پوچھنا۔ پھر علی نے کہا سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں، جب سب اپنی جگہ بیٹھ گئے تو علیؑ نے کہا

اے ملائکۂ خدا فرش کو فضا کی طرف لے چلو، چنانچہ فرش فضا کی جانب چلا اور ہم فضا کی سیر کرتے رہے پھر علی نے حکم دیا کہ فرش زمین پر اترے تا کہ نماز ظہر پڑھیں، فرش ایک ایسی زمین پر اترا جہاں پانی نہ پینے کا تھا نہ وضو کرنے کا، علی نے زمین پر ٹھوکر ماری اور پانی جوش مارتا ہوا نکلا، ہم نے اس پانی کو پیا اور اس سے وضو کر کے نماز پڑھی، اس کے بعد علی نے کہا ہم بہت جلد رسولؐ خدا کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے، پھر فرش فضا میں اڑنے لگا یہاں تک کہ ٹھیک عصر کے وقت مسجد النبی میں وہ اترا اور جب رسول خداؐ نے ہمیں دیکھا تو مبارکباد دیا سلام کیا اور ساری باتیں اس طرح بیان کرنے لگے جیسے وہ ہمارے ساتھ تھے ،اور پھر کہا اے علی جب تم نے اصحاب کہف کو سلام کیا تو انہوں نے جواب سلام دیا مگر جب میرے اصحاب نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب سلام نہیں دیا ،اور جب تم نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا یہ سوال تم اپنے چچازاد بھائی اور اپنے پیغمبرؐ سے کرنا ،تو سنو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جواب سلام یا پیغمبر کو دیتے ہیں یا وصی پیغمبر کو، اس کے بعد حضرتؐ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: اے انس، علی کے لئے شاہد رہنا! سقیفہ کے دن علی نے مجھ سے گواہی مانگی اور فرمایا: اے انس فرش والے ماجرا کی گواہی دو، میں نے کہا بھول گیا ہوں، علی نے کہا حضرتؐ کی اس وصیت کے بعد بھی تم ماجرا چھپا رہے ہو، خدا تمھاری آنکھ اور چہرے پر سفید داغ، پیٹ میں آگ اور آنکھوں کو اندھا کر دے، اس بددعا کی وجہ سے میں

مبروص اور اندھا ہو گیا۔

انس ماہ رمضان یا دیگر ایام میں حرارت کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتے تھے، بصرہ میں ان کا انتقال ہوا، وہ ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلاتے تھے“

ابن ابی الحدید ”شرح نہج البلاغہ“ میں لکھتے ہیں:

”بغداد کے ہمارے اساتید کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ بہت سارے صحابہ، تابعین اور محدثین علی سے منحرف ہو گئے تھے اور ان کے بارے میں غلط باتیں کہتے تھے اور ان میں بعض، علی کے فضائل و مناقب چھپاتے تھے اور حصول دنیا کی خاطر آپ کے دشمنوں کی مدد کرتے تھے اور آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے تھے کہ ان ہی میں انس بن مالک تھے۔ چنانچہ علی نے کوفہ میں ایوان قصر (یا ایوان جامع) میں لوگوں کو قسم دی کہ جس نے رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ”من کنت مولاہ فعلی مولاہ“ اٹھ کر گواہی دے۔ بارہ آدمی کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس کی گواہی دی، مگر انس بن مالک جو وہاں موجود تھے کھڑے نہیں ہوئے، علی نے ان سے کہا اے انس تم کیوں نہیں گواہی دیتے ہو، تم تو وہاں موجود تھے؟ انس نے جواب دیا اے امیر المومنین میں بوڑھا ہو گیا ہوں جس کی وجہ سے بھول گیا ہوں، علی نے کہا بارالہا اگر انس جھوٹ بول رہا ہے تو اس کی پیشانی پر ایسا سفید داغ ہو جائے جس کو اس کا عمامہ بھی نہ چھپا سکے۔ طلحہ بن عمیر کا بیان ہے کہ اس بددعا کے بعد میں نے انس کی دونوں آنکھوں

کے درمیان سفید داغ دیکھا تھا۔ عثمان بن مطرف سے مروی ہے کہ ایک شخص نے انس بن مالک سے ان کی زندگی کے آخری ایام میں علی بن ابی طالب کے بارے میں سوال کیا، انس نے جواب دیا میں نے واقعہ رحبہ کے بعد قسم کھائی ہے کہ علی کے بارے میں جو حدیثیں ہیں انہیں نہیں چھپاؤں گا۔ سنو! قیامت کے دن علی، متقیوں کے امام ہیں، بخدا اس بات کو میں نے تمہارے نبیؐ سے سنی ہے''(۱)

انس بن مالک کی ابوحنیفہ نے بھی تکذیب کی ہے اور ان کو دائرہ عدالت سے خارج کیا ہے ملاحظہ کیجئے ابوجعفر اسکافی کی کتاب ''التفضیل'' کفوی کی ''الکتائب'' اور علی بن یحیی زند وبستی کی ''روضۃ العلماء'' پھر کس طرح ہم مزّنی کی یہ بات مانیں کہ نقل حدیث میں سارے کے سارے صحابہ ثقہ اور امین تھے۔

۷۔ مشہور صحابی زید بن ارقم نے واقعۂ غدیر کو چھپانے کی کوشش کی تھی اور خدا نے ان کی بینائی لے کر اس دنیا میں اس کی سزا دی تھی، واضح سی بات ہے کہ ایسے افراد نقل حدیث میں ہرگز موثق و امین نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ابن مغازلی ''مناقب علی ابن ابی طالب'' میں لکھتے ہیں:

''ہم کو ابوالحسین علی بن عمر بن عبداللہ بن شوذب نے بتایا انہوں نے احمد بن یحیی بن عبدالحمید سے انہوں نے اسرائیل ملائی سے انہوں نے حکم بن ابی

۱۔ شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۷۴

سلیمان مؤذن سے اور انہوں نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے، زید کا بیان ہے کہ علی نے مسجد میں لوگوں کو قسم دے کر کہا کہ جس نے نبی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللهم وال من والاہ و عاد من عاداہ" وہ اس بات کی گواہی دے، میں (زید) بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے حضرت کی یہ بات سنی تھی، مگر میں نے گواہی نہیں دی اور خاموش بیٹھا رہا جس کی وجہ سے میری بصارت زائل ہوگئی"(۱)

اسی بات کو حلبی نے "سیرۂ حلبیہ" ج ۳ ص ۳۳۷ پر اور جامی نے "شواھد النبوۃ" میں کرامات امام علیؑ میں بیان کیا ہے۔

۸۔ مشہور صحابی براء بن عازب نے واقعہ غدیر کا کتمان کیا جس کی وجہ سے وہ اپنی بینائی کھو بیٹھے، ظاہری بات ہے کہ ایسے چور صفت انسان کب ثقہ و امین ہو سکتے ہیں! چنانچہ عطاء اللہ بن فضل اللہ بن عبدالرحمٰن محدث شیرازی "الاربعین فی فضائل امیر المومنین" میں لکھتے ہیں:

"زرین جیش سے مروی ہے کہ علی، قصر سے برآمد ہوئے، کچھ سوار تلواریں حمائل کئے چہرے پر نقاب ڈالے اور گرد میں اٹے آپ کی خدمت میں آئے اور کہا السلام علیک یا امیر المومنین و رحمۃ اللہ و برکاتہ، السلام علیک یا مولانا ۔حضرت نے جواب سلام کے بعد فرمایا: بتاؤ ان

۱۔ مناقب امیر المومنین ص ۲۳

میں اصحاب پیغمبرؐ کتنے ہیں؟ بارہ آدمی کھڑے ہوئے جن میں خالد بن زید، ابو ایوب انصاری، خزیمہ بن ثابت ذوالشھادتین، ثابت بن قیس بن شماس، عمار بن یاسر، ابوالہیثم بن تیہان، ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص اور حبیب بن بدیل بن ورقاء تھے، ان سب نے گواہی دی کہ غدیر کے دن ہم نے رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے سنا ہے " من کنت مولاہ فعلی مولاہ "علی نے انس بن مالک اور براء بن عازب سے پوچھا تم کو کھڑے ہو کر گواہی دینے میں کونسی چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے؟! تم نے بھی تو دوسروں کی طرح اس حدیث کو سنا تھا! پھر فرمایا: خدایا اگر ان دونوں نے عناد میں گواہی چھپائی ہے تو انہیں اذیت میں مبتلا کر دے، چنانچہ براء بن عازب اندھے ہو گئے اور جب ان سے ان کے مکان پر خیریت معلوم کی جاتی تھی تو وہ کہتے تھے وہ شخص کیا بتائے جس کو بددعا نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو، اور انس کے دونوں پیر مبروص ہو گئے تھے، انس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علی نے حضرتؐ کے اس ارشاد " من کنت مولاہ فعلی مولاہ " کے بارے میں جب ان سے گواہی طلب کی تو انہوں نے نسیان کو بہانہ بنایا تھا اور علی نے بددعا دی کہ بارالہا اگر یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے تو ایسی سفیدی سے دوچار کر دے کہ پھر عمامہ بھی اس کو نہ چھپا سکے، چنانچہ ان کے چہرے پر برص کے داغ نمایاں ہو گئے اور اس کو چھپانے کے لئے وہ چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے"

۹۔ جریر بن عبداللہ بجلی جو اعیان صحابہ میں تھے، نے حضرت علیؑ کے استشہاد پر حدیث غدیر کو چھپایا جس کی وجہ سے انہوں نے عذاب آخرت سے پہلے عذاب دنیا کا مزہ چکھا تھا ایسوں کو ثقہ وامین اور حدیث نجوم کا مصداق سمجھنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا، چنانچہ احمد بن یحیی بن جابر بلاذری اپنی کتاب ''انساب الاشراف'' میں لکھتے ہیں:۔۔۔۔۔

''علی نے ممبر سے کہا میں ہر اس شخص کو قسم دے کر کہہ رہا ہوں جس نے غدیر خم میں رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا'' اللهم وال من والاه وعاد من عاداه '' وہ اٹھ کر اس کی گواہی دے، زیر ممبر انس بن مالک، براء بن عازب اور جریر تھے، مگر کسی نے جواب نہیں دیا، علی نے دوبارہ قسم دی مگر جب کسی نے جواب نہیں دیا تب علی نے بددعا کی خدایا جو بھی اس گواہی کو جان بوجھ کر چھپائے اس کو اس وقت تک اس دنیا سے نہ اٹھانا جب تک کوئی علامت اس کے لئے قرار نہ دے دینا جس سے وہ پہچانا جائے، راوی کا بیان ہے کہ انس مبروص اور براء اندھے ہوگئے اور جریر جو بیابان سے شہر کی طرف ہجرت کر چکے تھے دوبارہ بادیہ نشین ہوگئے اور ''سراۃ'' (یمن وشام کے درمیان پہاڑی علاقے) میں ماں کے گھر میں مر گئے''(۱)

۱۰۔ مشہور صحابی سمرہ بن جندب نے دنیا کی خاطر دین بیچا اور آخرت پر دنیا کو ترجیح دیا اور اس دنیا کی خاطر ایسا جھوٹ بولا جس کے بیان سے قلم میں رعشہ پڑ رہا ہے۔ ابن ابی

۱۔ انساب الاشراف ج ۲ ص ۱۵۶

الحدید تحریر کرتے ہیں:

''ابو جعفر کا بیان ہے کہ معاویہ نے سمرہ بن جندب کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجا تا کہ وہ کہیں کہ یہ آیت علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے '' و من الناس من يعجبك قوله فی الحیاة الد نيا و يشهد الله على ما فی قلبه و هو الد الخصام ....'' (یعنی اے رسول بعض لوگ (منافقین سے ایسے بھی ہیں) جن کی چکنی چپڑی باتیں (اس ذرا سی) دنیوی زندگی میں تمہیں بہت بھاتی ہیں اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو گواہ مقرر کرتے ہیں، حالانکہ وہ تمھارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ بقرہ آیت ۲۰۴) اور یہ آیت (قاتل حضرت علیؑ) ابن ملجم کے بارے میں نازل ہوئی ہے'' و من الناس من يشری نفسه ابتغاء مرضات الله '' (یعنی لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ دیتے ہیں۔ بقرۃ آیت ۲۰۷) مگر سمرہ نے قبول نہیں کیا، پھر دو لاکھ درہم کی پیشنہاد کی گئی مگر اس کو بھی رد کر دیا پھر تین لاکھ درہم کی پیش کش کی گئی مگر اس کو بھی ٹھکرا دیا، مگر جب چار لاکھ درہم کی بات کہی تو قبول کر لیا اور پہلی آیت کے بارے میں کہا کہ یہ علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور دوسری آیت ابن ملجم کے بارے میں''(۱)

۱۔ شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۷۳

نیز ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

''شریک نے عبید اللہ بن معد سے اور انہوں نے حجر بن عدی سے روایت کی ہے، حجر کا بیان ہے کہ میں مدینے آیا اور ابو ہریرہ کے پاس گیا، ابو ہریرہ نے پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا اطراف بصرہ کا رہنے والا ہوں، انہوں نے پوچھا سمرہ بن جندب کیا کر رہا ہے؟ میں نے جواب دیا وہ زندہ ہیں، ابو ہریرہ نے کہا میں سب سے زیادہ اس کی طولانی عمر کا خواہاں ہوں، میں نے پوچھا کیوں؟ بولے رسول خداؐ نے مجھ سے اس سے اور حذیفہ یمانی سے فرمایا تھا: تم تینوں میں جو سب کے آخر میں مرے گا وہ جہنم میں جائے گا، حذیفہ کا تو انتقال ہو گیا اور میں سمرہ سے پہلے مرنا چاہتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ سمرہ قتل حسین بن علی میں شریک رہا، اور احمد بن بشیر نے مسعر بن کدام سے روایت کی ہے کہ حسین جب کوفہ کی طرف حرکت کر رہے تھے تو سمرہ (بن جندب) عبید اللہ بن زیاد کی پولیس کا انچارج تھا اور لوگوں کو حسین کے خلاف جنگ کرنے کی ترغیب دلاتا تھا'' (۱)

ظاہر سی بات ہے کہ ایسے کاذب و بے باک اور ظالم و سفاک شخص کو کوئی بھی عقلمند نقل حدیث پیغمبرؐ میں ثقہ و امین نہیں کہہ سکتا۔

اہلسنت کے امام اعظم یعنی ابو حنیفہ نے ابو ہریرہ اور انس بن مالک کی طرح سمرہ کی بھی

۱۔ شرح نہج البلاغہ ج۴ ص۷۸

تضعیف وتکذیب کی ہے جیسا کہ اس کے قبل کتاب ''روضۃ العلماء'' کی عبارت سے معلوم ہوا۔

۱۱۔مشہور صحابی مغیرہ بن شعبہ کی بیان شدہ حدیث میراث جدّہ کو ابوبکر نے رد کر دیا تھا، اور جب محمد بن مسلمہ انصاری نے اس کی صحت کی تائید کی تب انہوں نے قبول کیا جیسا کہ عبری نے ''شرح منہاج الاصول'' میں اور غزالی نے ''المستصفی'' ج۱ص۱۳۵پر تحریر کیا ہے۔پس جس شخص پر اہلسنت کے خلیفۂ اول جھوٹی حدیثیں بیان کرنے کا الزام لگائیں، پھر کس طرح کوئی عقلمند تسلیم کر سکتا ہے کہ نقل حدیث پیغمبرؐ میں سارے کے سارے صحابہ ثقہ و امین اور لوگوں کے لئے ستارۂ ہدایت تھے،مغیرہ تو اتنا بڑا جھوٹا تھا کہ اس نے معاویہ کو خوش کر کے کچھ مال حاصل کرنے کی خاطر حضرت علیؑ کے خلاف حدیثیں جعل کی تھیں،اس بات کو ابو جعفر اسکافی نے بیان کیا ہے۔

۱۲۔اہلسنت کے مشہور صحابی عمرو بن عاص نے معاویہ کی ایماء پر حضرت علیؑ کے خلاف حدیثیں جعل کی تھیں،جیسا کہ اسکافی کی عبارت سے معلوم ہوا جھوٹ بولنا تو اس کی عادت تھی،اس نے ایک مرتبہ اپنی تقریر میں ایسی غلط بات کہی کہ بعض سامعین اس کی تکذیب پر مجبور ہو گئے تھے،چنانچہ طبری لکھتے ہیں:

''جب طاعون نے شدت پکڑی تو ابو عبیدہ لوگوں سے مخاطب ہو کر بولے اے لوگو!یہ درد والم تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے،تمہارے نبی کی دعا کا نتیجہ ہے اور تم سے پہلے صالحین کے مرنے کا وسیلہ ہے،ابو عبید بھی خدا سے چاہتا

ہے کہ اس کو اس رحمت سے محروم نہ رکھے، چنانچہ اس کو بھی طاعون نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ مر گیا، معاذ بن جبل، ابو عبید کا جانشین ہوا تو اس نے بھی کہا اے لوگو! یہ درد والم تمہارے پروردگار کی رحمت، تمہارے نبی کی دعا کا نتیجہ اور تم سے پہلے صالحین کے مرنے کا وسیلہ ہے، معاذ خدا سے چاہتا ہے کہ اس خاندان کو بھی اس رحمت میں شامل کر لے، چنانچہ معاذ کا بیٹا عبدالرحمٰن طاعون میں مبتلا ہوا اور مر گیا، پھر معاذ نے اپنے لئے بھی ایسی ہی دعا کی اور طاعون نے اس کی ہتھیلی میں اثر کیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا وہ اپنی ہتھیلی کو دیکھتا تھا اور کہتا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ تیرے پاس دنیا کی کوئی چیز ہوتی، جب وہ مر گیا تو عمرو بن عاص اس کی جگہ آیا اور اس نے اپنی تقریر میں کہا اے لوگو! یہ درد و بلا آگ کی مانند شعلہ ور ہوگی، تم لوگ پہاڑوں میں پناہ لو۔ ابو واثلہ ہذلی نے کہا: تو جھوٹ بولتا ہے! میں نے رسولؐ خدا کی صحبت اختیار کی ہے اور تو میرے اس گدھے سے بدتر ہے۔ عمر بن عاص نے کہا خدا کی قسم جو کہہ رہے ہو اس کا جواب نہیں دوں گا۔" (۱)

اسی بات کو احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور بخاری نے اپنی تاریخ صغیر میں نقل کیا ہے۔

۱۳۔ معاویہ بن ابوسفیان نے جن کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے، اپنے پیروکاروں سے

۱۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۶۳۔۱۶۲

جھوٹ بلوایا تھا، تہمت ڈلوائی تھی اور حدیثیں جعل کرائی تھیں، حتی انہوں نے رسول خداؐ کو بھی نہیں چھوڑا اور حضرتؐ کی طرف غلط بات کی نسبت دی تھی، چنانچہ احمد بن حنبل اپنی "مسند" میں لکھتے ہیں:

"معاویہ نے چند اصحاب پیغمبرؐ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسولؐ خدا نے طلائی لباس پہننے سے منع کیا تھا مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو؟ سب نے کہا ہاں۔ معاویہ نے پوچھا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ حضرتؐ نے چیتے کی کھال پر بیٹھنے سے منع کیا تھا؟ سب نے کہا ہاں۔ معاویہ نے پوچھا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ حضرتؐ نے سونے اور چاندی کے ظروف میں پانی پینے سے منع کیا تھا؟ سب نے کہا ہاں۔ معاویہ نے پوچھا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ حضرتؐ نے حج تمتع سے منع کیا تھا؟ سب نے کہا ایسا نہیں ہے"(۱)

معاویہ نے قیس بن سعد کی طرف بھی غلط بات کی نسبت دی تھی، ملاحظہ کیجئے تاریخ طبری، تعزی بردی کی النجوم الزاھرہ فی ملوک مصر والقاھرہ در بحث حکومت قیس بن سعد بر مصر اور اس کے معاویہ سے مکاتبات اور ابن اثیر کی تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۳۸

معاویہ نے قیس کے علاوہ اور بھی عظیم شخصیتوں کی طرف غلط بات کی نسبت دی تھی جیسے امام حسینؑ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمن بن ابی بکر، عائشہ، چنانچہ انہوں نے یزید کی بیعت کے سلسلے میں اپنی تقریر میں کہا کہ عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، حسین بن علی اور

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۹۵

عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے یزید کی بیعت کر لی ہے جب کہ ان لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور کہا کہ ہم نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے ابو ہلال کی ''الاوائل'' ذہبی کی ''تاریخ الاسلام'' ج ا ص ۲۳۶، سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' ص ۱۹۷، مرزا محمد معتمد بدخشانی کی ''نزل الابرار''۔

محبان علیؑ نے تو ان کے منہ پر ان کی ملامت کی تھی۔ چنانچہ مسعودی اپنی تاریخ ''مروج الذھب'' میں لکھتے ہیں:

''منصور بن وحشی نے ابوالغیاض عبداللہ بن محمد ہاشمی سے انہوں نے ولید بن بختری عبسی سے اور انہوں نے حرث بن مسمار بہرانی سے نقل کیا ہے کہ معاویہ نے صعصعہ بن صوحان، عبداللہ بن کوّاء یشکری اور چند دیگر اصحاب علی کو چند قریشیوں کے ساتھ قید کر دیا اور ایک دن ان کے پاس آیا اور کہا تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جو پوچھوں اس کا صحیح صحیح جواب دینا اور وہ یہ کہ میں تمہاری نظر میں کیسا خلیفہ ہوں؟ ابن الکوّاء نے جواب دیا اگر تم اپنے بارے میں ہم سے نہ پوچھتے تو ہم کچھ نہیں کہتے، کیونکہ تم ایک سرکش اور لجوج انسان ہو اور تم کو نیک آدمیوں کو قتل کرنے میں کوئی عار نہیں ہے، لیکن پھر بھی جو کچھ ہم جانتے ہیں بیان کر رہے ہیں، تو ایسا شخص ہے جو اپنی دنیا پھیلانے کی خاطر اپنی آخرت تنگ کرتا ہے، مٹی سے نزدیک اور چراگاہ سے دور ہے، اندھیرے کو اجالا اور اجالے کو اندھیرا کہتا ہے۔ معاویہ نے کہا خدا نے اہل شام کو یہ شرف بخشا ہے کہ

انہوں نے محرمات الٰہی کو ترک کر رکھا ہے، اور وہ اہل عراق کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حرام الٰہی کو حلال الٰہی میں اور حلال الٰہی کو حرام الٰہی میں بدل دیا ہے۔ عبداللہ بن کوا نے کہا اے پسر ابوسفیان تیری ہر بات کا میرے پاس جواب ہے مگر تیرے ظلم سے ڈرتا ہوں، اگر تو میرے بند منھ کو کھولنے اور آزادیٔ بیان کی اجازت دے دے تو ٹکڑے کر دینے والی زبان سے اہل عراق کا دفاع کروں اور اس سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں، ورنہ صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا ہمیں آزادی عنایت کرے۔ معاویہ نے کہا بخدا نہ تو تمہاری زبان کھولنے دوں گا نہ ہی آزادیٔ سخن دوں گا! پھر صعصہ نے کہا اے پسر ابوسفیان تجھے جو کہنا تھا تو نے کہا، مگر یاد رکھ کہ ان باتوں کا حقیقت سے کوئی ربط نہیں ہے،۔ کیسے وہ شخص خلیفہ ہو سکتا ہے جو زور و طاقت کے بل بوتے پر لوگوں کے امور کو اپنے ہاتھوں میں لے اور کبر و نخوت اور دروغ و فریب کے ساتھ ان پر حکومت کرے؟! خدا کی قسم جنگ بدر میں تو نے نہ تو تلوار چلائی نہ ہی تیر، تو۔نے اور تیرے باپ نے رسول خداؐ کے مقابلے میں لشکر کشی کی تھی، تو خود تو آزاد شدہ ہے ہی آزاد شدہ کا بیٹا بھی ہے، رسول خداؐ نے تجھے آزاد کیا تھا اور آزاد شدہ کا خلافت سے کیا ربط ہے؟ یہ سن کر معاویہ نے کہا اگر میرے سامنے ابو طالب کا یہ شعر نہ ہوتا تو تجھے قتل کر دیتا، شعر ابو طالب یہ ہے:

قابلت جهلهم حلماً و مغفره ، العفو عن قدرة ضرب من

الکرم (یعنی ان کے جہل و نادانی کا مقابلہ حلم و بردباری سے کیا، کیونکہ بردباری ،بزرگواری و کرم کی ایک قسم ہے'' (۱)

معاویہ کذب و بہتان میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ امیر المومنین جو صدیق اکبر تھے نے ان کو کذّاب کے لقب سے یاد کیا تھا، چنانچہ سلیمان بن ابراہیم بلخی لکھتے ہیں:

''مناقب میں حسن بن ابرہیم بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب سے منقول ہے اور انہوں نے اپنے آباء واجداد سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین نے جب محمد بن ابی بکر کو مصر بھیجا تو وہاں کے لوگوں کے نام خط میں لکھا: ابن ھند کذّاب (معاویہ) کی باتوں سے ہوشیار رہنا اور یہ جان لو کہ امام ہدایت اور امام ہوس نیز وصی نبی اور دشمن نبی برابر نہیں ہوسکتے'' (۲)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ معاویہ بعض اصحاب پیغمبرؐ کی نقل حدیث میں تکذیب کرتے تھے، چنانچہ مسلم اپنی ''صحیح'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے عبیداللہ بن عمر قواریری نے بیان کیا انہوں نے حماد بن زید سے انہوں نے ایوب سے اور انہوں نے ابو قلابہ سے روایت کی ہے کہ ....عبادہ بن صامت نے کہا کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ گیہوں کے عوض گیہوں، جو کے عوض جو، خرما کے عوض خرما اور نمک کے عوض نمک کا اگر مساوی طور پر معاملہ کیا جائے تو یہ معاملہ صحیح نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص

۱۔ مروج الذھب ج ۳ ص ۴۱۔۴۰ ۲۔ ینابیع المودۃ ص ۸۰

اسی جنس کو زیادہ دیتا تھا یا زیادہ لیتا تھا تو اس کو حضرتؑ ربا شمار کرتے تھے، لہذا جس نے بھی اضافی جنس لی تھی اس کے مالک کو واپس کر دی تھی۔ جب اس کی خبر معاویہ تک پہونچی تو انہوں نے لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا: میں نے بھی حضرت کو دیکھا ہے اور آپ کی صحبت اختیار کی ہے، مگر جس حدیث کو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں میں نے نہیں سنی ہے۔ عبادہ بن صامت کھڑے ہوئے اور دوبارہ حدیث دہرائی اور پھر کہا جو حدیثیں ہم نے رسولؐ خدا سے سنی ہیں بیان کریں گے گرچہ معاویہ کو برا لگے یا یہ کہا کہ خواہ معاویہ کی ناک زمین پر رگڑی جائے ....''(۱)

اس روایت کو نسائی نے اپنی ''سنن'' میں، طحاوی نے ''مشکل الآثار'' میں، ابن اثیر نے ''جامع الاصول'' میں اور فخر الدین رازی نے ''المحصول'' میں نقل کیا ہے۔

احمد اپنی مسند میں ''مسند معاویہ'' میں اور بخاری اپنی ''صحیح'' میں کتاب مناقب قریش اور کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں:

''محمد بن جبیر بن مطعم حدیث بیان کر رہے تھے کہ معاویہ کو جو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ محو گفتگو تھے، خبر ملی کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص کہہ رہا ہے کہ حکومت بہت جلد ایک قحطی کے ہاتھ میں پہونچے گی، یہ سن کر معاویہ غصے میں آگئے اور کھڑے ہو کر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد بولے: مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض

۱۔ صحیح مسلم ج۱ ص۴۶۵

لوگ تم سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کا ذکر نہ تو کتاب خدا میں ہے نہ ہی رسولؐ خدا سے ہم تک پہونچی ہے، یہ جاہل و نادان لوگ ہیں، ان سے ہوشیار رہنا، ایسی ہی باتوں سے وہ اپنوں کو گمراہ کرتے ہیں، کیونکہ میں نے رسولؐ خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ حکومت، قریش کے ہاتھ میں پہونچے گی اور جو بھی ان سے اس سلسلے میں اختلاف کرے گا خدا اس کو سرنگوں کر دے گا بشرطیکہ وہ دین کو باقی رکھیں"

۱۴۔ خداوند عالم سورۂ نور کی آیت ۱۸۔۱۱ میں فرماتا ہے:" ان الّذین جاء و با الافک عصبة منکم ، لاتحسبوه شراً لکم ، بل هو خیر لکم ، لکل امریءٍ منهم ما اکتسب من الاثم ، والّذی تولی کبره منهم له عذاب عظیم ، لولا اذ سمعتموه ظن المومنون والمومنات بانفسهم خیراً و قالوا هذا افک مبین ، لولا جاؤ علیه باربعة شهداء ،فاذا لم یاتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الکاذبون ، ولولا فضل الله علیکم و رحمة فی الدنیا و الآخرة لمسکم فی ما افضتم فیه عذاب عظیم ، اذ تلقونه بالسنتکم و تقولون بافواهکم ما لیس لکم به علم و تحسبونه هیناً وهو عند الله عظیم ،و لولا اذ سمعتموه قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بهذا سبحانك هذا بهتان عظیم، یعظکم الله ان تعودوا لمثله ابداً ان کنتم مومنین ، و یبیّن الله لکم الآیات والله علیم حکیم

،،یعنی بیشک جن لوگوں نے جھوٹی تہمت لگائی وہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے، تم اپنے حق میں اس تہمت کو برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے ان میں سے جس شخص نے جتنا گناہ سمیٹا وہ اس کی سزا کو خود بھگتے گا اور ان میں سے جس شخص نے اس تہمت کا بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑی سخت سزا ہوگی اور جب تم لوگوں نے اس کو سنا تھا تو اسی وقت ایمان دار مردوں، اور ایماندار عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ بول اٹھے کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے اور جن لوگوں نے تہمت لگائی تھی اپنے دعوے کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ پیش کیے، پھر جب ان لوگوں نے گواہ نہ پیش کیے تو خدا کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں، اور اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں خدا کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم لوگوں نے چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑا سخت عذاب آ پہونچتا کہ تم اپنی زبانوں سے اس کو ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے اور اپنے منھ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں علم و یقین نہ تھا اور لطف یہ ہے کہ تم نے اس کو ایک آسان بات سمجھی تھی حالانکہ وہ خدا کے نزدیک بڑی سخت بات تھی اور جب تم نے ایسی بات سنی تھی تو تم نے لوگوں سے یہ کیوں نہ کہدیا کہ ہم کو ایسی بات منھ سے نکالنی مناسب نہیں، سبحان اللہ یہ بڑا بھاری بہتا ہے، خدا تمہاری نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو خبر دار پھر کبھی ایسا نہ کرنا اور خدا تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور خدا تو بڑا واقف کار حکیم ہے ۔(ترجمہ مولانا فرمان علی صاحبؒ)

ان آیات کی روشنی میں اصحاب میں سے جنہوں نے دوسرے پر بہتان باندھا کیا

انہیں ثقہ وامین کہہ سکتے ہیں؟ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ نقل حدیث پیغمبرؐ میں سارے کے سارے صحابہ ثقہ وامین ہیں۔

۱۵۔اصحاب پیغمبرؐ میں سے ایک ولید بن عقبہ (عثمان کا مادری بھائی) ہے جس کے فاسق ہونے اور اس پر اعتماد نہ کرنے کی قرآن نے تصریح کی ہے۔ارشادالٰہی ہے'' یا ایھا الّذین آمنوا ان جائکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین '' (یعنی اے ایمان والو اگر کوئی بدکار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہونچاؤ پھر اپنے کیے پر نادم ہو حجرات آیت ٦) چنانچہ ابن عبدالبر'' استیعاب'' میں لکھتے ہیں :

''علماء کا اتفاق ہے کہ یہ آیت (ان جائکم ....) ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے''(۱)

اسی طرح یہ آیت'' افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستئوون '' ولید کے فاسق ہونے کی شاہد ہے، چنانچہ ابن عبدالبر اس کے حالات میں لکھتے ہیں:

''حکم نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جس قصے کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق علی بن ابی طالب اور ولید بن عقبہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے '' افمن کان مومنا کمن کان

۱۔الاستیعاب ج۴ص۱۵۵۳

فاسقا لا یستئوون ''(۱)

علامہ محمد بن طلحہ شافعی نے ''مطالب السئول فی مناقب آل الرسول'' کی فصل ۶ باب اول میں ان آیات کو پیش کیا ہے جو حضرت علیؑ کے علم و فضل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ان آیات میں سے یہ آیت ہے'' افمن کان مومناً کمن کان فاسقا لا یستئوون '' اس کے بارے میں امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نے اپنی تفسیر ''اسباب النزول'' میں مرفوعاً ابن عباس سے روایت کی ہے اور اسی کو ابواسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت علی اور ولید بن عقبہ جو عثمان کا مادری بھائی تھا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ علی اور ولید کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہوگیا، ولید نے علی سے کہا خاموش ہو جاؤ تم بچے ہو اور میں تم سے بڑا ہوں، علی نے جواب میں فرمایا: تم چپ ہو جاؤ کیونکہ تم فاسق ہو، اس وقت علی کی تائید میں خدا نے یہ آیت نازل کی '' افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستئوون '' جو علی کے مومن ہونے اور ولید کے فاسق ہونے کو بیان کر رہی ہے۔ اس واقعے کو شاعر رسولؐ خدا حسان نے یوں پیش کیا ہے۔

انزل اللہ والکتاب عزیز فی علی و فی الولید قرآنا

۱۔ الاستیعاب ج ۴ ص ۱۵۵۴

فتبوّی الولید من ذاك فسقا وعلی متبوء ایمانا

لیس من کان مومنا عرف ال له کمن کان فاسقا خوّانا

سوف یجزی الولید خزیا و نارا وعلی لا شك یجزی جنانا

فعلی یلقی لدی الله عزّا وولید یلقی هناك هوانا (۱)

ان باتون کو مدنظر رکھنے کے بعد کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ سارے کے سارے صحابہ ثقہ وامین اور حدیث نجوم کے مصداق ہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں جو صحاح ستہ میں سے ایک ہے، ولید کی حدیث نقل کی ہے اور اس کو صحاح کے راویوں میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے، مزّی کی ''تہذیب الکمال'' ذہبی کی ''الکاشف'' اور ابن حجر عسقلانی کی ''تہذیب التہذیب'' اور ''تقریب التہذیب'' وغیرہ

ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں لکھتے ہیں: ''ولید بن عقبہ نے نبیؐ سے روایت کی ہے اور اس سے ابوموسی عبد اللہ ہمدانی اور عامر شعبی اور حارثہ بن مضرب نے راویت کی ہے'' ابن حجر نے ''الاصابۃ'' میں ولید کے حالات میں بھی یہ بات کہی ہے۔

۱۶۔ خود حضرتؐ نے بعض اصحاب کی مختلف مقامات پر تکذیب کی ہے۔ حضرت عمر اور ان کی تأسی کرنے والوں کی حضرتؐ نے اس وقت تکذیب کی جب ان لوگوں نے اسماء بنت عمیس کو مہاجرین میں شمار نہیں کیا، اور جعفر طیار کی شہادت کے بعد اسماء نے حضرتؐ سے

۱۔ مطالب السؤول ص ۵۷

اس کی شکایت کی۔ چنانچہ ملا متقی ھندی ''کنز العمال'' میں لکھتے ہیں:

''شعبی سے مروی ہے کہ جب حضرتؐ کو جعفر بن ابی طالب کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا ان کی بیوی اسماء بنت عمیس کو رونے دیا جائے تا کہ کچھ غم ہلکا ہو، پھر آپ ان کے پاس آئے اور انہیں پرسہ دیا اور اولادِ جعفر کو بلا کر ان کے حق میں دعا کی اور عبداللہ بن جعفر کے لئے یہ دعا کی کہ ان کی تجارت میں برکت ہو، چنانچہ جب بھی وہ کوئی معاملہ کرتے تھے فائدہ ہوتا تھا، حضرتؐ سے اسماء نے کہا یا رسولؐ اللہ یہ لوگ ہم کو مہاجر نہیں سمجھتے! آپ نے فرمایا یہ سب جھوٹ بولتے ہیں، تم نے دو مرتبہ ہجرت کی، ایک مرتبہ نجاشی کی طرف اور دوسری مرتبہ میری طرف، اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' میں نقل کیا ہے''(۱)

اسی طرح جب حضرت عمر نے ہجرت کرنے میں اسماء پر اپنی سبقت کو بیان کیا تو رسولؐ خدا نے حضرت عمر کی تکذیب کی تھی ملاحظہ کیجئے ''صحیح بخاری'' کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر اور ''صحیح مسلم'' کتاب فضائل الصحابہ۔

حضرتؐ کے زمانے میں بعض صحابہ نے جب عامر بن اکوع کی زحمتوں کو بے ثمر بتانا چاہا تو آپ نے ان سب کی تکذیب کی تھی، اس واقعے کو دیکھنے کے بعد کس طرح کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ سارے اصحاب پیغمبر مؤثق وامین تھے۔ چنانچہ بخاری اپنی ''صحیح'' کے باب غزوۂ خیبر میں سلمہ بن اکوع سے نقل کرتے ہیں کہ:

۱۔ کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۹۴

''جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرائی کر لی تو عامر نے جن کی تلوار تھوڑی چھوٹی تھی چاہا کہ ایک یہودی کے پیر پر وار کریں، مگر تلوار کی نوک خود ان ہی کے زانو میں پیوست ہوگئی جس کی وجہ سے ان کی موت ہوگئی، راوی کا بیان ہے کہ جنگ کے بعد سلمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا جب حضرتؐ کی نظر مجھ پر پڑی اور دیکھا کہ میں خاموش ہوں کچھ بول نہیں رہا ہوں تو پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ عامر کے اعمال حبط اور ان کی زحمتیں اکارت ہوگئیں اور ان کو کوئی اجر نہیں ملے گا، حضرتؐ نے فرمایا جو لوگ ایسا کہہ رہے ہیں وہ جھوٹ بول رہے ہیں، اور اپنی دو انگلیوں کو جوڑ کر کہا اس کو دو اجر ملیں گے، وہ ایسا مجاہد ہے جس کی مثال عربوں میں کم ملتی ہے''

مسلم نے بھی اس روایت کو اپنی ''صحیح'' میں نقل کیا ہے۔

توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل میں سید شہاب الدین احمد کے بقول جب آیۃ'' انما ولیکم اللہ و رسولہ ....'' نازل ہوئی تو حضرتؐ نے ایک فصیح و بلیغ خطبے میں ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو، اور جب اس دنیا سے جاؤ تو مسلمان جاؤ اور جان جاؤ کہ خدا ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے، میرے مرنے کے بعد عنقریب ایک قوم پیدا ہوگی جو مجھ پر جھوٹ باندھے گی اور غلط سلط باتوں کی میری طرف

نسبت دے گی اوران کی بات بھی مانی جائے گی، میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ سوائے حق کے کچھ کہوں یا اس کے حکم کے سوا کچھ زبان پر جاری کروں، سوائے خدا کے کسی اور کی طرف تمہیں دعوت نہیں دیتا ہوں، سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون '' یہ سن کر عبادہ بن صامت کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ یارسولؐ اللہ یہ سب کب ہوگا؟ اور کون لوگ ایسا کریں گے؟ آپ ان کا چہرہ پہچنوایئے تا کہ ان سے ہم ہوشیار رہیں۔ حضرتؐ نے جواب دیا وہ لوگ پوری تیاری میں ہیں اور جیسے ہی میری آنکھ بند ہوجائے گی اپنے کو وہ لوگ ظاہر کر دیں گے۔ عبادہ نے کہا اس وقت ہم لوگ کس کی طرف رجوع کریں گے؟ حضرتؐ نے فرمایا: میری عترت کے سابقین اور میری نبوت کے ساتھ تمسک کرنے والوں کی بات کو سنا اوران کی اطاعت کرنا، کیونکہ تم کو وہی گمراہی سے بچائیں گے اور خیر ونیکی کی طرف دعوت دیں گے، وہی اہل حق اور گنجینہ صدق و صفا ہیں، وہی تمہارے درمیان کتاب وسنت کو زندہ رکھیں گے، اور بدعت والحاد سے تمہیں بچائیں گے اور حق کے ذریعے اہل باطل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گیں۔ وہ جہلاء کی طرف جھکاؤ نہیں رکھیں گے''

حضرتؐ کی اس فرمائش کے بعد کیا اب بھی کوئی شخص مزنی کی اس بات کو مان سکتا ہے کہ سارے کے سارے صحابہ ثقہ وامین تھے؟

حضرت علیؑ نے اپنے کلام بلاغت نظام میں بعض صحابہ کے جھوٹ بولنے اوران کے

ائمہ ضلال سے قریب ہونے کو بڑے فصیح انداز میں بیان کیا ہے، چنانچہ علامہ سبط ابن جوزی ''تذکرۃ الخواص الامۃ'' میں لکھتے ہیں:

''احادیث پیغمبرؐ کے بارے میں حضرت علی کے بیانات میں سے ایک یہ ہے کہ جس کو شعبی نے اس شخص کے حوالے سے نقل کیا ہے جس نے خود حضرت علی سے اس کو سنا تھا کہ جب آپ سے حضرتؐ کی حدیث کے بارے میں لوگوں کے اختلاف کے سلسلے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: چار طرح کے لوگ حدیث بیان کرنے والے ہیں، ایک منافق ہے جو ایمان کا تو اظہار کرتا ہے مگر اسلام کو نیست و نابود کرتا ہے، نہ تو گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ ہی کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے، وہ جان بوجھ کر رسول خداؐ پر جھوٹ باندھتا ہے، کہ اگر لوگ اس کی اس حرکت کو جان جائیں تو کبھی اس کی بات نہ مانیں، مگر چونکہ لوگ انہیں صحابہء رسول خداؐ کہتے ہیں لہذا ان کی بات مان لیتے ہیں، حالانکہ خدا نے منافقوں کے بارے میں خبر دے رکھی ہے اور ان کے خدوخال بیان کر دیئے ہیں، رسولؐ خدا کے بعد وہ باقی رہے اور کذب و بہتان کے ذریعے ائمہ ضلال اور جہنم کی طرف دعوت دینے والوں کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا، چنانچہ ائمہ ضلال نے انہیں اچھے اچھے عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا، اور ان کے ذریعے اچھی طرح دنیا کو حلق سے اتارا، اور لوگ تو بادشاہوں کا ساتھ دیتے ہی ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہیں خدا اپنے امن و امان میں

رکھے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے رسول خداؐ سے سنا تو مگر آپ کی بات کو پوری طرح حافظے میں محفوظ نہ رکھ سکا اور اس میں اس سے سہو ہوگئی، یہ شخص جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا کہ اگر اس کو اپنے سہو کا علم ہو جائے تو پھر وہ حدیث بیان نہ کرے، تیسرا شخص وہ ہے جس نے رسولؐ خدا کی زبانی کسی بات کو سنا مگر وہ کسی وہم میں مبتلا ہو گیا کہ اگر اس کو اس وہم کا علم ہو جائے تو پھر وہ حدیث بیان نہ کرے، چوتھا شخص وہ ہے جو جھوٹ نہیں بولتا نہ ہی کوئی بات اس کے حافظے سے محو ہوتی ہے جو سنتا ہے وہی بیان بھی کرتا ہے اور اسی پر عمل بھی کرتا ہے......... یہ تھی شعبی کی راویت۔ اور کمیل بن زیاد سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، واضح اور مبہم، صحیح اور غلط سب ہی کچھ ہیں، خود رسول خداؐ کی زندگی میں آپ پر بہتان لگائے گئے یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر کہنا پڑا کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر بہتان باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے، تمہارے پاس چار طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں ہے۔ میں (سبط ابن جوزی) کہتا ہوں کہ رسول خداؐ کی اس حدیث "من کذّب علیّ متعمداً فلیتبوء مقعده من النار" یعنی جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر بہتان باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے، کی ایک سو بیس صحابہ نے راویت کی ہے، میں نے اپنی کتاب "حق الیقین" میں ان کے اسماء بیان کئے ہیں، اور حضرت علی سے جس

سلسلۂ سند سے یہ حدیث نقل ہوئی ہے یہ ہے: ہم سے کئی ایک نے عبد الاول صوفی سے بیان کیا انہوں نے ابن المظفر داؤدی سے انہوں نے ابن اعین سرخسی سے انہوں نے فربری سے انہوں نے بخاری سے انہوں نے علی بن جعد سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے منصور سے اور انہوں نے ربعی بن خراش سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے علی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں (علیؑ) نے نبی کو فرماتے ہوئے سنا کہ "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوء مقعده من النار" اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں، احمد بن حنبل نے اپنی "مسند" میں اور محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے"(۱)

اس روایت کو دیکھنے کے بعد کیسے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ سارے صحابی ثقہ و امین تھے۔

حضرت علیؑ نے معقل بن سنان اشجعی کی حدیث رد کر دی تھی، اسی طرح حضرت عمر نے فاطمہ بن قیس کی راویت ٹھکرا دی تھی، ملاحظہ کیجئے ابوالولید سلیمان بن خلف باجی اندلسی کی "المنتقی" غزالی کی "المستصفی" آمدی کی "الاحکام فی اصول الاحکام" عبدالعزیز بخاری کی "کشف الاسرار" ابن الھمام حنفی کی "التحریر" ملا متقی ھندی کی "کنز العمال" محب اللہ بہاری کی "مسلم الثبوت"

مشہور صحابی اُبی بن کعب کی خلیفہ ثانی نے بعض آیات کی قرائت میں تکذیب کی جس کے جواب میں انہوں نے خلیفۂ ثانی کی تکذیب کی، اس فرق کے ساتھ کہ خلیفۂ ثانی نے

۱۔ تذکرۃ خواص الامۃ ص ۱۴۲

ابی بن کعب کو " کذبت " کہا مگر انہوں نے خلیفۂ ثانی کے لئے مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا اور کہا " انت اکذب " ملاحظہ کیجئے سیوطی کی "درمنثور" آیت " من الذین استحق علیہم الاولیان " اور ملا متقی ھندی کی "کنز العمال" کتاب الاذکار۔ اسی طرح حضرت عمر نے جلیل القدر صحابی ہشام بن حکم کی تکذیب کی جس کو بخاری نے اپنی "صحیح" میں بیان کیا ہے، نیز انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کو بھی نہیں بخشا، ملاحظہ کیجئے ذہبی کی "تذکرة الحفاظ" حالات عمر۔

اس کے علاوہ حضرت عمر اپنی حکومت کے دوران لوگوں کو نقل حدیث سے منع کرتے تھے اور بیان کرنے والوں کو ڈراتے دھمکاتے تھے، اس کی وجہ اصحاب کا جھوٹی حدیثیں بیان کرنا بتایا جاتا ہے، اسی وجہ سے معاویہ جو بہتان باندھنے میں بہت ماہر تھے، ان ہی حدیثوں کو معتبر مانتے تھے جو زمانۂ عمر میں بیان کی جاتی تھیں۔ چنانچہ ذہبی "تذکرة الحفاظ" میں حالات عمر میں لکھتے ہیں:

"ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے نقل کیا ہے کہ معاویہ نے لوگوں سے کہا کہ ان ہی حدیثوں کو معتبر مانو جو زمانۂ عمر میں بیان کی جاتی تھیں، کیونکہ وہ لوگوں کو حدیث پیغمبرؐ بیان کرنے سے منع کرتے تھے"

حضرت عمر اصحاب پیغمبرؐ سے کہتے تھے کہ حدیث پیغمبرؐ کم بیان کرو میں بھی ایسا ہی کروں گا، جس کی توجیہ ابن عبدالبر نے یہ کی ہے کہ:

''عمر نے لوگوں کو اس لئے زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے روکا تھا کہ انہیں ڈر تھا کہ لوگ کہیں رسولؐ خدا پر بہتان نہ باندھنے لگیں'' (۱)

جب حضرت عمر کو اصحاب پر بھروسہ نہیں تھا تو مزّنی نے کیسے کہہ دیا کہ سارے صحابی ثقہ و امین تھے۔

شعبی نے جو اجلۂ تابعین میں تھے، نقل حدیث پر ایک صحابی کی تکذیب کر دی تھی، اس واقعے کو ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حالات شعبی میں نقل کیا ہے۔

عوف بن مالک جو صحابی تھے نے صحابہ کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور وہ جماعت باوجودیکہ حضرت عمر کی مدح وثنا کر رہی تھی، حضرت عمر نے بھی اس جماعت کی تکذیب کی، چنانچہ ابن ابی الحدید ''شرح نہج البلاغہ'' میں سیرۂ عمر میں لکھتے ہیں:

''صحابہ کی ایک جماعت عمر کے پاس آئی اور ان کی اس طرح مدح وثنا کی:
اے امیر المومنین بخدا آپ جیسا عدل و انصاف سے قضاوت کرنے والا، اچھے انداز میں گفتگو کرنے والا مگر منافقین کے ساتھ سختی سے پیش آنے والا شخص ہم لوگوں نے نہیں دیکھا، یہ سن کر عوف بن مالک نے کہا تم لوگ جھوٹ بولتے ہو، بعد پیغمبرؐ ابوبکر ان سے بہتر تھے اور ہم نے ابوبکر کو دیکھا بھی ہے، عمر نے کہا بخدا عوف سچ کہتا ہے اور تم جھوٹ بول رہے ہو، ابوبکر تو مشک سے زیادہ معطر تھے جب کہ میں اپنے خاندان کے اونٹ سے زیادہ گمراہ ہوں'' (۲)

۱۔ جامع بیان العلم ص ۴۰۰ ۲۔ شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۶

ظاہر سی بات ہے جس بات کو صحابہ قسم کھا کر کہیں اور عوف بن مالک اور حضرت عمر تکذیب کریں، پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ سارے کے سارے صحابہ نقل احادیث میں ثقہ وامین تھے۔

طلحہ، زبیر اور عبداللہ بن زبیر جو مشاہیر اصحاب میں سے ہیں وہ جنگ جمل میں جاتے وقت مقام حواب پر خود بھی جھوٹ بولے اور دوسروں کو بھی جھوٹ بلوایا۔ چنانچہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری اپنی کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' ج ۱ ص ۶۳ پر واقعہ جمل میں لکھتے ہیں :

''جب لشکر، عائشہ کے ہمراہ چشمۂ حواب پر پہونچا اور وہاں کے کتے بھونکے تو عائشہ نے محمد بن طلحہ سے پوچھا یہ کونسا چشمہ ہے؟ جواب دیا گیا چشمۂ حواب ہے یہ سن کر عائشہ نے کہا مجھے یہاں سے واپس لے چلو، پوچھا گیا کیوں؟ جواب دیا میں نے رسولؐ خدا کو اپنی ازواج کے بارے میں کہتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ایک پر حواب کے کتے بھونکیں گے، اور اے عائشہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم ہی ہو، محمد بن طلحہ نے ان سے کہا آگے بڑھئے اور یہ باتیں چھوڑیئے، اتنے میں عبداللہ بن زبیر آ گئے اور قسم کھا کر بولے اس جگہ کو تو ہم پیچھے چھوڑ چکے ہیں اور اس کے آگے بڑھ گئے ہیں اور اپنی بات کی تائید میں چند اعرابی سے جھوٹی گواہی دلوائی، اسلام میں سب سے پہلی جھوٹی گواہی یہی تھی''

اس واقعے کو طبری نے اپنی تاریخ میں ج ۳ ص ۴۷۵ پر، مسعودی نے ''مروج

الذھب'' ج۲ص ۳۵۸پر، سمعانی نے''الانساب'' میں، حموی نے''معجم البلدان'' میں، ابن اثیر نے'' تاریخ کامل'' میں، سبط ابن جوزی نے''تذکرۃ خواص الامۃ'' میں، ابن ابی الحدید نے''شرح نہج البلاغہ'' ج۹ص۳۱۱پر، ایوبی نے''المختصر فی تاریخ بشر'' حوادث ۳۶ھ میں، وردی نے''تتمہ المختصر فی اخبار البشر'' میں، ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں، محب الدین ابوالولید محمد بن محمد بن سحنہ حلبی حنفی نے''روض المناظر فی علم الاوائل والاواخر'' وقائع ۳۶ھ میں، ہروی نے''روضۃ الصفا'' میں، غیاث الدین نے''حبیب السیر'' میں، جمال الدین محدث شیرازی نے''روضۃ الاحباب'' میں اور بدخشانی نے''مفتاح النجا'' میں نقل کیا ہے۔ مذکورہ بالا مورخین نے اپنی تاریخوں میں اس واقعے کو واقعۂ جمل میں بیان کیا ہے۔

صحابی پیغمبر رفاعہ کی زوجہ نے جو قطعاً صحابیات میں سے تھیں، پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں اپنے دوسرے شوہر عبدالرحمٰن بن زبیر کی تکذیب کی تھی، اس واقعے کو بخاری نے اپنی ''صحیح'' کے کتاب اللباس میں اور آیت'' فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره '' کی تفسیر میں، بغوی نے''معالم التنزیل'' میں، زمخشری نے'' کشاف'' میں، فخر الدین رازی نے''تفسیر مفاتیح الغیب'' میں، خازن نے تفسیر''لباب التاویل'' میں، سیوطی نے''درمنثور'' میں، خطیب شربینی نے تفسیر''سراج منیر'' میں اور ابن حجر عسقلانی نے''الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف'' میں نقل کیا ہے

غمیصا (یا رمیصا) جو صحابیہ تھیں نے بھی اپنے دوسرے شوہر کی پیغمبرؐ کی خدمت میں تذلیل و تکذیب کی تھی۔ ملاحظہ کیجئے نسائی کی''سنن'' باب احلال المطلقة الثلاثه

''تفسیر طبری، ابن حجر عسقلانی کی ''فتح الباری'' کتاب الطلاق

حضرت عمر نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث رد کر دی تھی جو جلیل القدر صحابیہ تھیں ملاحظہ کیجئے طحاوی کی ''معانی الآثار'' کتاب الطلاق، جصاص کی کتاب ''احکام القرآن'' فخر الاسلام علی بن محمد بن حسن بزودی کی ''کتاب الاصول'' سرخسی کی ''المبسوط'' غزالی کی ''المستصفی'' مسئلہ تعبد بخبر واحد، مرعینانی کی ''ھدایۃ'' آمدی کی ''کتاب الاحکام'' بحث روایت مجہول، عبدالعزیز بخاری کی ''کشف الاسرار'' باب معرفۃ احکام العموم و باب تقسیم الراوی و باب بیان قسم الانقطاع، شاہ ولی اللہ دہلوی کی ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' در ذکر وجوہ اجتہاد صحابہ، عبدالعلی بن نظام الدین انصاری کی ''فواتح الرحموت'' مسئلہ تخصیص کتاب بخبر واحد۔ حضرت عمر کے علاوہ اوروں نے بھی فاطمہ بنت قیس کی تکذیب کی ہے، ان کا بھی ذکر مذکورہ بالا کتابوں میں موجود ہے۔

جناب عائشہ کی شادی کے وقت چند صحابیات نے پیغمبر سے جھوٹ بولا تھا، چنانچہ احمد بن حنبل اپنی ''مسند'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے عبدالرازق نے بیان کیا انہوں نے سفیان سے انہوں نے ابن ابی الحسین سے انہوں نے شہر بن حوشب سے اور انہوں نے اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے، اسماء کا بیان ہے کہ ہم ان عورتوں کے ساتھ تھے جو عائشہ کی شادی میں شرکت کے لئے آئی تھیں، حضرتؐ نے ہمارے سامنے دودھ پیش کیا، ہم

لوگوں نے کہا دل نہیں چاہ رہا ہے، حضرتؑ نے فرمایا: بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو"(۱)

نیز ملاحظہ کیجئے ابن قتیبہ دینوری کی "عیون الاخبار" ابن اثیر کی "اسد الغابہ" حالات اسماء، ذہبی کی "تجرید الصحابہ"

عائشہ اور حفصہ نے صفیہ پر اپنی برتری دکھائی، پیغمبرؐ اسلام نے ان کی تکذیب کر دی، چنانچہ حاکم نیشاپوری اپنی کتاب "المستدرک علی الصحیحین" میں لکھتے ہیں:

"ہم سے دعلج بن احمد سجزی نے بیان کیا انہوں نے عبدالعزیز بن معاویہ بصری سے انہوں نے شاذ بن فیاض ابو عبیدہ سے انہوں نے ہاشم بن سعید سے انہوں نے کنانہ سے اور انہوں نے صفیہ سے روایت کی ہے، صفیہ کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا وارد خانہ ہوئے اور میں رو رہی تھی، آپ نے پوچھا اے بنت حی تم کیوں رو رہی ہو!؟ میں نے کہا کہ حفصہ اور عائشہ کہہ رہی ہیں کہ ہم صفیہ سے افضل ہیں، کیونکہ ہم رسولؐ خدا کے چچا کی بیٹیاں اور ان (رسول خداؐ) کی ازواج ہیں، حضرتؐ نے فرمایا: تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ تم کیسے مجھ (صفیہ) سے افضل ہو سکتی ہو جب کہ میرا باپ ہارون، چچا موسیٰ اور شوہر محمد ہیں"(۲)

اس روایت کو ابن عبدالبر نے "استیعاب" میں، ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں اور ابن حجر عسقلانی نے "الاصابۃ" میں نقل کیا ہے۔

۱۔ مسند احمد حنبل ج ۶ ص ۴۵۹ ۲۔ المستدرک ج ۴ ص ۲۹

عائشہ اور حفصہ نے قصۂ عسل میں بھی حضرتؐ پر بہتان باندھا تھا۔ ملاحظہ کیجئے ''صحیح بخاری'' کتاب التفسیر، کتاب الطلاق، کتاب الایمان والنذور ''صحیح مسلم'' کتاب الطلاق، سیوطی کی ''درمنثور'' جمال الدین محدث شیرازی کی ''روضۃ الاحباب'' بحث ہجرت پیغمبرؐ کے بارے میں ازواج کے اقوال۔ جب ایسا ہے تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سب کے سب خواہ صحابہ ہوں یا صحابیات نقل حدیث میں ثقہ وامین تھے۔

خود ازواج پیغمبر کے درمیان اتنی حسادت پائی جاتی تھی کہ بعض ازواج پیغمبرؐ نے حضرتؐ کی ایک زوجہ سے جو بہت خوبصورت تھیں کہا کہ جب حضرت آئیں تو کہنا ''میں آپ سے خدا سے پناہ مانگتی ہوں'' تاکہ حضرتؐ ان کو طلاق دیدیں۔ تفصیل جاننے کیلئے ملاحظہ کیجئے ابن سعد کی ''الطبقات الکبری'' ج ۸ ص ۱۴۵، طبری کی ''ذیل المذیل'' در ذکر ازواج پیغمبر، حاکم نیشاپوری کی ''المستدرک علی الصحیحین'' کتاب معرفۃ الصحابہ، قصۂ کندیۂ شقیہ، ابن عبدالبر کی ''استیعاب'' حالات اسماء بنت قیس، ابن اثیر کی ''اسد الغابہ'' حالات اسماء بنت عمیس، ابن حجر عسقلانی کی ''الاصابۃ'' حالات اسماء بنت نعمان اور ''فتح الباری'' کتاب الطلاق در شرح حدیث عائشہ ''ان ابنۃ الجون لما ادخلت'' عینی کی ''عمدۃ القاری'' کتاب الطلاق، قسطلانی کی ''ارشاد الساری'' در شرح ابی اسید۔

جناب عائشہ کی دروغ پردازیوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کے وصی ہونے سے انکار کیا تھا۔ چنانچہ احمد بن حنبل اپنی مسند میں ''مسند عائشہ'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے ابن عون سے انہوں نے ابراہیم

سے اور انہوں نے اسود سے روایت کی ہے کہ جب عائشہ کے سامنے اس بارے میں گفتگو ہوئی کہ علی وصی رسول خدا ہیں، تو انہوں نے کہا کہ کب ان کے بارے میں حضرتؐ نے وصیت کی تھی؟! میں تو آپ کے سر کو اپنے سینے یا اپنی گود میں رکھے ہوئے تھی، آپ نے طشت مانگا اور کچھ آہستہ سے کہا جس کو میں نہ سمجھ پائی اور آپ کا انتقال ہو گیا، پھر کس وقت آپ نے وصیت کی؟!''

جناب عائشہ کی اس دروغ پردازی پر اگر بحث کرنا چاہیں اور ان کی بات کو مفصل دلائل سے رد کریں تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، یہاں صرف فضل بن روز بہان کی بات پر اکتفا کر رہے ہیں، جو ان کی بات کے غلط ہونے کے لئے کافی ہے۔ ابن روز بہان ''کتاب الباطل'' میں علامہ حلی کی کتاب ''نہج الحق'' کے جواب میں علم علیؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مصنف (علامہ حلی) نے جو علم علی کے بارے میں کہا ہے تو اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ (علیؑ) امت کے سب سے بڑے عالم ہیں جن کے علم کے سبھی محتاج ہیں، اور کیوں نہ ایسا ہو اس لئے کہ وہ ابلاغ علم اور حقائق و معارف کے بیان کرنے میں وصی نبیؐ ہیں، اس بارے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے''

اور جناب عائشہ کا یہ کہنا کہ زندگی کے آخری لمحوں میں حضرتؐ کا سر میرے سینے پر تھا، تو یہ بات بھی غلط ہے، کیونکہ انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ حضرتؐ نے اپنی زندگی کے

آخری لمحات میں حضرت علیؑ کو اپنے پاس بلوایا تھا۔ چنانچہ حافظ گنجی ''کفایۃ الطالب'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے ابو محمد عبدالعزیز بن محمد بن حسن صالحی نے بیان کیا انہوں نے حافظ ابوالقاسم دمشقی سے انہوں نے ابو غالب بن بنّاء سے انہوں نے ابوالغنائم بن مامون سے انہوں نے امام اہل حدیث ابوالحسن دارقطنی سے انہوں نے ابو القاسم حسن بن محمد بن بشر بجلی سے انہوں نے علی بن الحسین بن عبدکعب سے انہوں نے اسماعیل بن دیان سے انہوں نے عبداللہ بن مسلم ملائی سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے اسود سے اور انہوں نے عائشہ سے روایت کی ہے، عائشہ کا بیان ہے کہ جب رسولؐ خدا کا آخری وقت آیا تو آپ نے فرمایا: میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ، میں نے ابوبکر کو بلوایا، جب وہ آئے تو آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر تکیہ پر سر رکھ لیا، اور پھر فرمایا: میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ، میں نے عمر کو بلا بھیجا، جب وہ آئے تو آپ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر تکیہ پر سر رکھ لیا اور پھر فرمایا: میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ تب میں نے لوگوں سے کہا ویل ہو تم پر، ارے علی بن ابی طالب کو بلاؤ، کیونکہ ان کے سوا کسی اور کو آپ بلانا نہیں چاہتے، جب علی پر آپ کی نظر پڑی تو جو کپڑا اپنے جسم پر ڈالے ہوئے تھے اٹھا لیا اور علی کو اس میں

داخل کرلیا، اور علی کو اپنے سینے سے لگائے رہے یہاں تک کہ آپ نے انتقال کیا اور آپ کا ہاتھ علی کے اوپر تھا'' (۱)

خلاصہ یہ کہ جناب عائشہ کی دروغ پردازی اور کتمان حقائق سے تاریخ وتفسیر وحدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں، کن کن باتوں کو بیان کیا جائے، اور ایسی حرکتوں کو انجام دینے والی صرف یہی تو نہیں ہیں، بے شمار صحابہ وصحابیات ہیں جنہوں نے کذب وافترا اور دوسروں پر بہتان باندھا تھا، اور جب ایسا ہے تو پھر کس طرح کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ نقل حدیث میں سارے کے سارے صحابہ ثقہ وامین تھے۔

آخر میں حسن بصری اور مزنی کے استاد امام شافعی کی بات پر بحث کو تمام کرتا ہوں جو مزنی کے نظریئے کے غلط ہونے کے لئے کافی ہے، علامہ ابوالفداء اسماعیل بن علی ایوبی اپنی کتاب ''المختصر فی اخبار البشر'' میں حوادث ۴۵ھ میں لکھتے ہیں:

> ''قاضی جمال الدین واصل کا بیان ہے کہ ابن جوزی نے اپنی اسناد سے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ معاویہ نے چار ایسے کام انجام دیئے کہ اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کو انجام دیتا تو وہ اس کے ہلاک ہونے کے لئے کافی تھا ۔۱۔ کسی سے صلاح ومشورہ لئے بغیر تلوار کے زور پر خلافت وحکومت کو لینا جب کہ بہت سارے صحابہ زندہ تھے۔ ۲۔ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنا دینا جو شراب خوار اور مست رہتا تھا، ریشم کے کپڑے پہنتا تھا اور طبل بجاتا رہتا تھا۔ ۳۔ زیاد کو

۱۔ کفایۃ الطالب ص ۲۶۲

اپنا بھائی بنانا جب کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے جائز طریقے سے پیدا ہونے والا بچہ باپ کا ہے اور زنا کار کو سنگسار ہونا چاہیئے۔ ۴۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا افسوس ہے حجر پر اور ان کے ساتھیوں پر! اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ربیع سے چپکے سے کہا صحابہ میں سے چار کی گواہی قابل قبول نہیں ہے، معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ اور زیاد'' (۱)

جب امام شافعی کی نظر میں بزرگ اصحاب ایسے تھے جنہیں وہ مؤثق و امین نہیں سمجھتے تھے تو پھر ان کے شاگرد مزنی کی یہ بات غلط ہے کہ سارے صحابہ ثقہ و امین تھے۔

۱۔ المختصر فی اخبار البشر ج ۱ ص ۱۸۶

معنیٔ حدیث نجوم کے متعلق ابن عبدالبر کی بات پر ایک نظر

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب (جامع بیان العلم) میں حافظ بزّار کی تضعیف حدیث نجوم کو اس طرح نقل کیا ہے:

''پیغمبرؐ اسلام کی یہ حدیث (نجوم) منکر و ناشناختہ ہے، اور پیغمبرؐ اسلام سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین بعدی ، فعضوا علیها با النواجذ ۔ کہ یہ حدیث، عبدالرحیم کی حدیث (نجوم) کی معارض ہے، بشرطیکہ عبدالرحیم والی حدیث کی سند صحیح ہو کہ اس (حدیث نجوم) کی سند صحیح نہیں ہے، اس کے علاوہ (اس حدیث کا ضعیف ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ) نبیؐ نے اپنے اصحاب کے درمیان اختلاف کو جائز قرار نہیں دیا ہے'' (جب کہ یہ حدیث اختلاف اصحاب کو جائز بتاتی ہے)

بزار کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد عبد البر نے بزار کے آخری فقرے پر یہ اعتراض کیا ہے:

''بزار کی یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اصحاب میں سے ہر ایک کی جدا جدا اقتدا کرنے کا حکم امت کے جاہل افراد کے لئے ہے، کیونکہ ایسے افراد پر تقلید واجب ہے، اور اصحاب کو حضرتؐ نے حکم نہیں دیا ہے کہ جب تک وہ بتائے ہوئے صحیح اصولوں پر اجتہاد کر سکتے ہوں ایک دوسرے کی تقلید کریں، اس لئے کہ ان میں کا ہر ایک ستارہ ہے جس کی ہر وہ شخص اقتدا کرے جو دینی امور سے نا واقف ہے، نیز سارے علماء ان کی اقتداء کریں'' (۱)

میں (میر حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ بزار نے حدیث نجوم کی تضعیف میں بڑی محکم دلیل دی ہے اور وہ یہ کہ حدیث نجوم اختلاف کو جائز قرار دیتی ہے، جب کہ حضرتؐ نے اپنے بعد اصحاب کے درمیان اختلاف سے منع کیا ہے، اور ابن عبد البر نے بزار پر اس لئے اعتراض کیا ہے کہ وہ بزار کی بات نہ سمجھ سکے ورنہ اعتراض نہ کرتے، اس لئے کہ حدیث نجوم کہتی ہے کہ احکام شرعیہ میں اصحاب کا اختلاف صحیح ہے اور عام انسان جس کی بھی تقلید کرے ہدایت یافتہ ہے، جب کہ حضرتؐ نے مسائل شرعیہ میں اختلاف کو جائز قرار نہیں دیا ہے، اور حضرت کی سیرت اس کے برخلاف تھی، کیونکہ آپ اختلاف کو مذموم نگاہ سے دیکھتے تھے اور اصحاب کو سختی سے اس سے منع کرتے تھے اور اس کو امم سابقہ کی ہلاکت کا باعث بتاتے تھے، پس کس

۱۔ جامع بیان العلم ص ۳۵۸

طرح ہم مان لیں کہ آپ نے اپنی سیرت کے برخلاف اپنی زندگی میں حدیث نجوم کے ذریعے اپنی وفات کے بعد اس کو جائز قرار دیا ہوگا۔ اسی بات کو بزار نے بیان کیا ہے، اور سندی لحاظ سے حدیث نجوم کی تضعیف کے بعد مذکورہ بات کی روشنی میں بھی حدیث نجوم کو ضعیف ثابت کیا ہے۔ مگر ابن عبد البر نے جو توجیہ کی ہے وہ بزار کے ذہن میں بھی نہیں رہی ہوگی، اور اگر ہم ابن عبد البر کی یہ بات مان لیں کہ اس حدیث میں اقتدا کا حکم امت کے جاہل لوگوں سے ہے اور صحابہ میں سے بعض کو بعض کی اقتدا کا حکم نہیں دیا گیا، تب بھی حدیث کی روشنی میں اختلاف کے جائز ہونے والا اعتراض اپنی جگہ پر باقی ہے، اس لئے کہ حدیث نجوم واضح لفظوں میں کہتی ہے کہ ہر صحابی میں اقتدا کی صلاحیت پائی جاتی تھی اور ان کا اختلاف اقتداء میں رکاوٹ نہیں بن سکتا اور اختلاف کرنے والوں میں سے کسی کی بھی اقتداء کی جاسکتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دین میں اختلاف جائز ہے کہ جو امت اسلامی کے ٹکڑوں میں بٹنے کا موجب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ سارے اصحاب کی اقتدا کی جاسکتی ہے اور دوسری طرف خود اصحاب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، جس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ ا۔ مسائل شرعیہ اور احکام دینی میں اصحاب کا اختلاف کرنا جائز ہے، ۲۔ امت کے درمیان اختلاف پیدا کرنا بھی جائز ہے، جب کہ قرآن و حدیث میں اختلاف کی مذمت میں بے شمار آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ خود ابن عبد البر اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں لکھتے ہیں:

''مزنی نے اس سلسلے میں (اختلاف کی مذمت میں) چند دلیلیں پیش کی ہیں جو یہ ہیں: (مزنی کہتے ہیں) ارشاد الٰہی ہے: لوکان من عندغیر اللہ لو جدوا فیہ اختلافا کثیراً (نساء آیت ۸۲) اور خدا نے اختلاف کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ولا تکونوا کالّذ ین تفرقوا و اختلفوا (آل عمران آیت ۱۰۵) نیز فرمایا: فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون با اللہ و الیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا (نسائی آیت ۵۹) مجاہد اور عطا اور دیگر مفسرین نے اس آیت کی تاویل میں کہا ہے کہ اختلاف کے مواقع پر قرآن وسنت کی طرف رجوع کرو۔ (مزنی کا کہنا ہے کہ) خدا نے اختلاف کی مذمت کی ہے اور اختلاف کی صورت میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے اگر اختلاف دین کا جز ہوتا تو خدا اس کی مذمت نہیں کرتا اور اگر اس کو وہ پسند کرتا تو اختلاف کے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ (مزنی کہتے ہیں) اور رسولؐ خدا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: عالم کی لغزشوں سے ہوشیار رہنا، اور عمر اور معاذ اور سلمان سے بھی ایسی ہی بات منقول ہے۔

(مزنی کا بیان ہے کہ) رسولؐ خدا کے اصحاب ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے، بعض بعض کی بات کو غلط بتاتے تھے، اور بعض بعض کی بات کی چھان بین کرتے تھے، اگر سب کی باتیں صحیح ہوتیں تو وہ ایسا نہیں کرتے، اور ابن مسعود

نے تو بارہا کہا تھا کہ میں اپنی رائے پیش کررہا ہوں اگر یہ صحیح ہے تو یہ خدا کی بات ہے اور اگر غلط ہے تو میری بات اور اس پر استغفار کرتا ہوں، ایک مرتبہ ایک لباس میں نماز پڑھنے پر ابی بن کعب اور ابن مسعود کے درمیان اختلاف ہو گیا اس پر عمر غضبناک ہو گئے، اُبی کا کہنا تھا کہ ایک لباس میں نماز پڑھنا بہتر ہے جب کہ ابن مسعود کا کہنا تھا کہ دوسرا لباس نہ ہو تو ایسا کرنا چاہئے، عمر غصے میں نکلے اور کہا کہ اصحاب رسولؐ خدا میں سے دو ایسے اصحاب نے اختلاف کیا ہے جن کی طرف مسائل شرعی میں رجوع کیا جاتا ہے اور ان سے مسائل پوچھے جاتے ہیں، اس مسئلے میں اُبی کی بات صحیح ہے مگر ابن مسعود نے بھی کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، البتہ اس کے بعد اگر کسی کو اس مسئلے میں اختلاف کرتے دیکھا تو اس کی خبر لوں گا۔

اسی طرح ایک عورت کا شوہر کہیں چلا گیا تھا اس کے پیچھے اس کی بیوی کو کچھ لوگ اس کے خلاف ورغلا رہے تھے، اس کی خبر عمر کو ملی، انہوں نے اس کے پاس ایک شخص کو بھیجا جس نے اس کو موعظہ ونصیحت کیا اور عمر کا تہدید آمیز پیغام پہونچایا کہ اگر اس کے بعد ایسی خبر ملی تو اچھی طرح خبر لوں گا، عورت کو (جو حاملہ تھی) ڈر کے مارے دردِ زہ ہوا اور ایک بچہ پیدا ہوا جو تھوڑی دیر کے بعد ہی مر گیا، عمر نے اپنے اصحاب سے اس کے بارے میں مشورہ کیا، انہوں نے کہا اس میں آپ کا کیا قصور ہے، آپ کی نیت تو صحیح تھی، علی بھی وہاں موجود تھے، عمر نے کہا

اے ابوالحسن آپ کیا کہتے ہیں؟ جواب دیا اگر یہ لوگ اپنے اجتہاد اور تمھاری خوشنودی حاصل نہ کرنے کے لئے ایسا کہہ رہے ہیں تو ان کی رائے صحیح ہے ورنہ وہ لوگ خیانت کر رہے ہیں، اور میری رائے یہ ہے کہ چونکہ تمہاری نیت بری نہیں تھی لہذا خدا اس کو گناہ شمار نہیں کرے گا، لیکن جو بچہ مرا ہے اس کی دیت دینی ہوگی، عمر نے کہا جیسا آپ نے کہا ہے ویسا ہی کروں گا''

سارے صحابہ کی باتوں کا صحیح نہ ہونا تو اتنا واضح ہے کہ بالآخر ابن عبدالبر کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا، جس سے حدیث نجوم کا باطل ہونا اور تضعیف حدیث نجوم کے بارے میں بزار کے نظریئے کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ابن عبدالبر ''جامع بیان العلم'' ہی میں لکھتے ہیں:

''مجھ سے قاسم بن محمد نے بیان کیا انہوں نے خالد بن سعید سے انہوں نے محمد بن وطیس سے اور انہوں نے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم سے روایت کی ہے کہ اشہب نے کہا کہ مالک سے اصحاب کے اختلاف کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں نے جواب دیا صحابہ کے نظریئے صحیح بھی ہیں اور غلط بھی۔ لہذا ان میں اچھی طرح جانچ پڑتال کرنی چاہیئے۔

یحییٰ بن ابراہیم بن حزین نے اصبغ اور انہوں نے ابوالقاسم سے نقل کیا ہے کہ میں (ابوالقاسم) نے مالک اور لیث کو اصحاب رسولؐ خدا کے درمیان اختلاف کے بارے میں کہتے ہوئے سنا کہ اصحاب کے بارے میں جیسا لوگ

کہتے ہیں ویسا نہیں ہے کہ جس کی بھی بات پر عمل کر لیا ہدایت پا گئے، بلکہ ان کے درمیان صحیح نظریئے والے بھی تھے اور غلط نظریئے والے بھی۔

یحییٰ کا بیان ہے کہ لیث بن سعد نے کہا کہ جب بھی ہم کو مختلف نظریئے نظر آتے ہیں تو جو احتیاط والا راستہ ہوتا ہے اختیار کرتے ہیں"

نیز ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

"اسی طرح اصحاب پیغمبرؐ، تابعین اور ان کے بعد آنے والوں نے اتنے مسائل شرعیہ میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے جن کو ایک کتاب میں بیان نہیں کیا جا سکتا ، ایک فصل میں پیش کرنا تو دور کی بات ہے، جو بیان کیا ہے وہ نمونہ ہیں، اس کے علاوہ بعض اصحاب بعض مسائل میں دوسروں کی طرف رجوع کرتے تھے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نظریات صحیح بھی ہوتے تھے اور غلط بھی کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر ایک یہی کہتا کہ میری بھی بات صحیح ہے اور تمہاری بھی، اس لئے کہ ہم بھی ستارۂ ہدایت ہیں، ہمارے اختلاف کرنے سے کچھ بگڑنے والا نہیں ہے، ابو عمر کا کہنا ہے کہ جب دو کے درمیان اختلاف ہو تو حق ایک ہی کے ساتھ ہوگا کیونکہ اگر دونوں حق پر ہوتے تو پھر اجتہاد و قضاوت و فتوا دینے میں ایک دوسرے کو غلط ثابت نہ کرتے ، اور عقل بھی دو متضاد باتوں کے حق ہونے کو تسلیم نہیں کرتی............"(۱)

۱۔ جامع بیان العلم ص ۳۴۹۔ ۳۴۸

اس کے بعد ابن عبدالبر نے بہت ساری مثالیں پیش کی ہیں مثلاً عمر اور عثمان وغیرہ نے علی کی طرف، عمر نے معاذ اور ابوموسی اشعری کی طرف، ان کے علاوہ اوروں نے دوسروں کی طرف مسائل شرعیہ میں رجوع کیا تھا۔

ان باتوں کو دیکھتے ہوئے خود ابن عبدالبر پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے کس طرح کہد یا کہ عام انسان کسی بھی صحابی کی تقلید کر سکتے ہیں، جب کہ مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ سارے صحابیوں میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں پائی جاتی تھی، اور بغیر جانے فتوا دینا بہت بڑا گناہ ہے، اور جب ان میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں تھی تو پھر کس طرح ایک جاہل ان کی تقلید کرسکتا تھا، اور مزنی کی باتوں سے معلوم ہوا کہ بہت سارے صحابہ بہتان باندھتے تھے، کیا عقل ایسوں کی تقلید کو خواہ جاہل انسان ہی کے لئے جائز کہتی ہے؟

نویں معارض حدیث کا جواب

مخاطب (مؤلف تحفہ) نے کہا ہے "اگر یہ حدیث (ثقلین) عترت کی امامت پر دلالت کرے تو پھر حضرت امیر (علیؑ) سے مروی یہ حدیث جو شیعوں کے نزدیک متواتر ہے کہ" انما الشوری للمهاجرين و الانصار " کس طرح درست ثابت ہوگی"

میں (میر حامد حسینؒ) کہتا ہوں کہ مذکورہ حدیث کو حدیث ثقلین کا معارض قرار دینا درج ذیل وجوہات کی بناء پر غلط ہے۔

ا۔ ہم نے بارہ اماموںؑ کی امامت کو حدیث ثقلین سے محکم دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے، لہذا اس کے مقابلے مذکورہ حدیث کو پیش کرنا غلط ہے۔

۲۔ حضرت علیؑ کا یہ جملہ" انما الشوریٰ للمهاجرين و الانصار "بعض سیر و تاریخ کی کتابوں میں معاویہ کے نام آپ کے خط میں نظر آتا ہے، جس کو اس لئے آپ نے بیان کیا تھا کہ اس بات کو وہ قبول کرتے تھے، بذات خود یہ جملہ حدیث نہیں ہے۔

۳۔ اس جملے کے بارے میں یہ کہنا کہ شیعوں کے نزدیک یہ حدیث متواتر ہے، سراسر جھوٹ ہے، اگر ایسا ہوتا تو اس پر دلیل پیش کرنا چاہئے تھا۔

۴۔ اس جملے (انما الشوریٰ ....) اور امامت اہلبیتؑ پر حدیث ثقلین

کی دلالت میں تضاد نہیں ہے، اس لئے کہ سارے مہاجرین وانصار کو ثقلین کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، لہذا اگر قرآن و عترت کی راہنمائی سے کسی کی امامت پر وہ اجماع کر لیں تو اس کی امامت صحیح ہے، اور ایسا اجماع سوائے حضرت علیؑ کے جو اہلبیتِ عصمت کی ایک فرد ہیں کسی اور کو نصیب نہیں ہے، اسی سے اوروں کی خلافت کا باطل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ جس چیز پر مہاجرین وانصار اجماع کر لیں وہ حق ہے، اور اہلبیتؑ مہاجرین میں سے ہیں بلکہ اجماعی طور پر مہاجرین کے امام و پیشوا ہیں، لہذا ایسے اجماع کی پیروی کرنا حدیث ثقلین کی روشنی میں عترت کے ساتھ بھی تمسک کرنا ہے اور قرآن کے ساتھ بھی لہذا ان دونوں میں تعارض نہیں ہے۔

۶۔ یہ جملہ بتا رہا ہے کہ سارے مہاجرین وانصار سے مشورہ لینا ضروری ہے، اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ابوبکر کی بیعت مشورے سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ حضرت عمر کے بقول ''وہ بیعت ناگہانی طور پر ہوئی پھر بھی خدا نے اس کے شر سے محفوظ رکھا' اور اگر آئندہ کسی نے اس راہ کو اختیار کیا تو اسے قتل کر دینا، بیعت کرنے والے کو بھی اور اس کو بھی جس کی بیعت کی گئی ہے' لہذا مخاطب (مؤلف تحفہ) کا اس جملے (انما الشوریٰ.......) کو پیش کرنا مفید ثابت نہیں ہوا۔ اس ناگہانی واقعے کو بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں یوں بیان کیا ہے:

''ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا انہوں نے ابراہیم بن سعد سے انہوں نے صالح سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے عبیداللہ بن عبداللہ

بن عتبہ بن مسعود سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے، ابن عباس کا کہنا ہے کہ میں چند مہاجرین کو جن میں عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے، قرآن کی تعلیم دیتا تھا، ایک روز منیٰ میں میں ان کے گھر پر تھا، عمر بن خطاب بھی وہاں تھے ان کا یہ آخری حج تھا، عبدالرحمٰن میرے پاس آئے اور بولے اے کاش تم اس شخص کو دیکھتے جو آج امیر المومنین کے پاس آکر کہہ رہا تھا: اے امیر المومنین فلاں شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جس نے مجھ سے کہا اگر عمر مر گئے تو میں فلاں کی بیعت کروں گا، اس لئے کہ ابو بکر کی بیعت بھی ناگہانی طور پر ہوئی تھی۔ عمر نے غصے میں کہا آج رات میں میں لوگوں سے خطاب کروں گا، اور جو لوگ لوگوں کے حقوق کو غصب کرنا چاہتے ہیں ان سے لوگوں کو ہوشیار کروں گا۔ عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں نے کہا اے امیر المومنین ایسا ابھی نہ کیجئے، اس لئے کہ یہ حج کا موسم ہے اور لوگوں کا اژدہام ہے اور اکثر لوگ آپ ہی کے ماننے والے ہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ تقریر میں ایسی بات کہیں جنہیں وہ لوگ صحیح طور پر نہ سمجھ سکیں اور اپنی فکر کے مطابق نتیجہ اخذ کریں، لہذا ابھی اس بات کو چھوڑیئے اور مدینہ چلئے وہ دار الہجرۃ و سنت ہے وہاں فقہاء اور عظیم شخصیتیں رہتی ہیں انہیں جمع کیجئے اور جو کچھ کہنا ہو کہئے، کیونکہ اہل علم آپ کی بات سنیں گے اور اس سے صحیح نتیجہ اخذ کریں گے، عمر نے کہا انشاءاللہ اس بات کو مدینے کی پہلی تقریر میں کہوں گا۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ ذی الحجہ کے آخر میں ہم مدینہ آئے اور اس کے بعد

جوسب سے پہلا جمعہ آیا تو زوال کے وقت ہی میں مسجد پہونچ گیا، ممبر کے پاس سعید بن زید بن عمر بن نفیل بیٹھے ہوئے تھے میں بھی ان سے چپک کر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد عمر بن خطاب آئے، جیسی ہی ان پر میری نظر پڑی سعید بن زید بن عمر بن نفیل سے میں نے کہا آج عمر ایسی تقریر کریں گے جیسی اس سے پہلے نہیں کی ہوگی، سعید نے کہا ہم کو امید نہیں ہے، چنانچہ عمر ممبر پر گئے اور مؤذن کے اذان ختم کرتے ہی کھڑے ہو کر خدا کی حمد وثنا کے بعد کہا میں تم سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں، شاید یہ میری آخری تقریر ہو، لہذا جو شخص میری بات کو اچھی طرح سمجھے وہ جہاں جائے وہاں اس کو منتقل کرے، اور جو شخص میری بات نہ سمجھ پائے اس کو میں اجازت نہیں دیتا کہ اس کو بیان کر کے مجھ پر بہتان باندھے۔ اللہ نے محمدؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اور ان پر کتاب نازل کی، جن چیزوں کو خدا نے آپ پر نازل کیا ان میں ایک آیۂ رجم ہے، ہم نے اس کی قرائت کی اور اس کو اچھی طرح سمجھا، چنانچہ حضرتؐ نے بھی اس حد کو جاری کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی اس کو جاری کیا، لیکن مجھے ڈر ہے کہ زمانے کے گزرنے کے بعد کوئی شخص کہے کہ بخدا میں نے قرآن میں آیت رجم نہیں دیکھا ہے! اور جس فضیلت کو خدا نے نازل کیا ہے اس کو ترک کر کے گمراہ ہو جائے۔ قرآن میں رجم کا حکم اس مرد اور عورت کے لئے ہے جو شادی شدہ ہوں، اور یہ اس وقت ثابت ہوگا جب شاہد شہادت دیں یا وہ خود اعتراف کریں، نیز قرآن میں ہے کہ اپنے ماں باپ سے

منھ نہ پھیرو اس لئے کہ یہ کفر ہے.........اسی طرح رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میرے بارے میں اس طرح غلو نہ کرنا جس طرح عیسیٰ بن مریم کے بارے میں غلو کیا گیا، مجھے صرف بندۂ خدا اور اس کا رسول کہنا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ کہنے والے نے کہا ہے کہ اگر عمر مر جائیں تو میں فلاں شخص کی بیعت کروں گا، اور دیکھو اس شخص کے فریب میں نہ آجانا جو کہتا ہے کہ ابوبکر کی بیعت ناگہانی ہوئی تھی، آگاہ ہو جاؤ، ہے تو ایسا ہی مگر خدا نے اس کے شر سے بچائے رکھا، اور تم میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس کی طرف ابوبکر کی طرح گردنیں بلند ہوں۔ لہذا جو شخص بھی مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کی بیعت کرے گا تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا جو بیعت کرے گا اور اس کو بھی جس کی بیعت کی جائے گی۔

قضیہ یوں ہے کہ جب رسولؐ خدا نے وفات پائی تو انصار نے ہماری مخالفت کی، وہ سب کے سب سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، علی زبیر اور ان کے ساتھیوں نے ہمارا ساتھ نہیں دیا، مہاجرین ابوبکر کے پاس جمع ہوئے اور میں نے کہا ذرا انصار کے پاس چلئے، پس ہم چلے راستے میں دو صالح آدمی ملے اور انہوں نے پوچھا اے قوم مہاجرین تم کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا گیا انصار کے پاس جا رہے ہیں، انہوں نے کہا انصار کے پاس نہ جایئے اور جو کرنا ہے کیجئے، میں نے کہا بخدا اب میں تو ضرور جاؤں گا۔ جب سقیفہ میں ہم لوگ پہونچے تو

دیکھا چادر اوڑھے ایک شخص بیٹھا ہے، میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا سعد بن عبادہ ہیں، میں نے پوچھا کیا ہو گیا ہے؟ جواب ملا بخار کا غلبہ ہے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ان (انصار) میں سے ایک نے تقریر کرنی شروع کی اور خدا کی حمد وثنا کے بعد کہا ہم اللہ کے مددگار اور اسلام کا لشکر ہیں، اور اے قوم مہاجرین تم ہم میں سے ایک گروہ ہو، اب تم خفیہ طور پر یہ ارادہ رکھتے ہو کہ ہمارے اصل سے ہم کو جدا کر دو اور خلافت سے ہم کو روک دو، جب وہ کہہ چکے تو میں (عمر) نے کچھ کہنا چاہا مگر ابو بکر میرے ارادے بھانپ گئے اور مجھے خاموش بیٹھے رہنے کو کہا اور خود کھڑے ہو کر میری بات کو مجھ سے بہتر طریقے سے بیان کیا اور کہا جس خلافت کا ذکر کر رہے ہو بے شک تم اس کے لائق ہو، مگر لوگ اس کو قریش ہی کے لئے موزوں سمجھتے ہیں، کیونکہ حسب اور گھر کے لحاظ سے عربوں میں وہی سب سے افضل ہیں، میں تمھارے لئے ان دو میں سے ایک کو (خلافت کے لئے) پسند کرتا ہوں جس کی چاہو بیعت کر لو اور میرا اور ابو عبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا لیکن مجھے یہ تو گوارا تھا کہ کوئی میرا سر کاٹ لے مگر یہ گوارا نہیں تھا کہ ابو بکر کے ہوتے ہوئے مجھے خلیفہ بنایا جائے، اس پر گروہ انصار نے کہا ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے، اس پر ہر طرف سے شور وغل شروع ہوا، میں ڈرا کہ کہیں اختلاف نہ پیدا ہو جائے، لہذا میں نے ابو بکر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تا کہ بیعت کروں، ابو بکر نے ہاتھ بڑھا دیا اور ہم نے فوراً بیعت کر لی، میرے

بعد مہاجرین نے بیعت کی ان کے بعد انصار نے بیعت کی اور سعد بن عبادہ منہ تکتے رہ گئے، جس پر انصار میں سے ایک نے کہا تم لوگوں نے سعد بن عبادہ کا قتل کر دیا ہے! خدا انہیں مار ڈالے! عمر کا بیان ہے کہ بخدا جس کام کے لئے ہم اکٹھا ہوئے تھے اس کے لئے ابوبکر سے زیادہ مناسب شخص کسی کو ہم نہیں پائے تھے، ہمیں ڈر ہوا کہ اگر ہم لوگ چلے گئے اور کسی کی بیعت نہیں ہوئی تو یہ لوگ کہیں کسی اور کی بیعت نہ کر لیں، جس کی وجہ سے ہم کو کسی ایسے شخص کی بیعت کرنی پڑے گی جس کو ہم پسند نہیں کرتے، اور اگر ان کی مخالفت کرتے ہیں تو فساد ہوگا۔ لہٰذا جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو بیعت کرنے والا اور جس کی بیعت کی گئی ہے دونوں قتل کئے جائیں گے'' (۱)

بعینہ اس روایت کو ابن ہشام، یعقوبی، طبری، ابن حبان، شہرستانی، سیوطی اور ابن حجر مکی نے نقل کیا ہے، ملاحظہ کیجئے سیرۂ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۸، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۸۔ ۱۴۷، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۴۷۔ ۴۴۵، ابن حبان کی ثقات، شہرستانی کی الملل والنحل، سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور ابن حجر مکی کی الصواعق المحرقہ۔

۷۔ حضرت علیؑ، خلافت ابوبکر کو باطل سمجھتے تھے، کیونکہ مسلمانوں کے مشورے کے بغیر تشکیل پائی تھی، اس پر شاہد وہ روایت ہے جس کو سید رضیؒ نے ''نہج البلاغہ'' میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بڑے تعجب کی بات ہے کہ خلافت صرف صحابی ہونے کی وجہ سے تو مل

۱۔ صحیح بخاری ج ۸ ص ۲۱۰

جائے مگر صحابی اور قرابتدار ہونے کی وجہ سے نہ ملے؟!" اس سلسلے میں حضرت علیؑ کے شعر بھی نقل کیے گئے ہیں کہ :

فان کنت بالشوریٰ ملکت امورھم
فکیف بهذا والمشیرون غیّب
وان کنت بالقربیٰ حججت خصیمهم
فغیرك اولی بالنبی و اقرب

یعنی اگر شوریٰ کے ذریعے خلافت ہاتھ لگی تو یہ کیسی شوریٰ تھی جس میں مشورہ دینے والے غائب تھے؟! اگر مخالف کے سامنے رشتہ داری سے احتجاج کیا تو تمہارے علاوہ دوسرے ہیں جو نبی سے تم سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

"نثر و نظم میں حضرت کا یہ خطاب ابوبکر اور عمر سے ہے۔ نثر میں آپ نے عمر سے مخاطب ہو کر کہا تھا، کیونکہ جب ابوبکر نے عمر سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ تمہاری بیعت کروں تو عمر نے جواب دیا تم ہی اچھے اور برے حالات میں حضرتؐ کے ساتھ تھے لہذا تم ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں تمہاری بیعت کروں، اس پر علی نے کہا اگر کسی کا پیغمبرؐ کے ساتھ رہنا ہی خلافت کا معیار ہے تو پھر خلافت کیوں نہیں اس شخص کے حوالے کر دیا جو اچھے برے حالات میں حضرتؐ کے ساتھ بھی تھا اور ان کا رشتہ دار بھی۔ مگر نظم میں خطاب ابوبکر سے تھا، اس لئے کہ

انہوں نے سقیفہ میں انصار کے سامنے اس طرح احتجاج کیا تھا کہ ہم خاندان پیغمبرؐ سے ہیں اوران کے وجود کا ایک حصہ ہیں، مگر بیعت کے بعد انہوں نے کہا کہ اس کام کو اہل حل وعقد نے انجام دیا ہے جس پر علی نے فرمایا: تمہارا انصار سے یہ کہنا کہ تم رسولؐ خدا کے رشتہ دار ہو تو تمہارے علاوہ دوسرے بھی ہیں جو قرابت میں حضرتؐ سے تم سے زیادہ نزدیک ہیں، اور تمہارا یہ کہنا کہ لوگوں نے تمہارا انتخاب کیا اور تم ہی پر رضایت دی تو یہ بھی صحیح بات نہیں ہے، کیونکہ بہت سارے صحابہ غائب تھے اور بیعت کے وقت وہاں موجود نہیں تھے، پس کس طرح تمہاری خلافت ثابت ہوتی ہے؟!'' (۱)

۸۔ابوبکر نے مسلمانوں سے مشورہ لئے بغیر عمر کو اپنا جانشین بنایا تھا، بلکہ بغیر ان کی رضا کے ان کا امیر بنادیا تھا۔ چنانچہ قاضی ابویوسف لکھتے ہیں:

''جب ابوبکر بستر مرگ پر پڑ گئے تو عمر کو بلوایا تا کہ انہیں اپنا جانشین بنادیں ،لوگوں نے ان سے کہا کیسے بدمزاج آدمی کو اپنا جانشین بنا رہے ہیں، زمام حکومت ہاتھ میں آنے کے بعد تو وہ اور بدمزاج ہو جائیں گے؟ اور جب خدا سے آپ ملاقات کریں گے تو عمر کو جانشین بنانے کا کیا جواب دیں گے؟ ابوبکر بولے تم لوگ مجھے خدا سے ڈراتے ہو؟ میں خدا سے کہوں گا پروردگارا بہترین انسان کو میں نے امیر بنایا ہے'' (۲)

۱۔ شرح نہج البلاغہ ج ۱۸ص ۴۱۶ ۲۔الخراج ص ۱۱

ابن سعد لکھتے ہیں:

''بعض اصحاب نبیؐ سے سنا گیا کہ عبدالرحمٰن اور عثمان تنہائی میں ابو بکر کے پاس گئے اور ان میں سے ایک نے ابو بکر سے کہا تم خدا کو کیا جواب دو گے جب وہ تم سے پوچھے گا کہ عمر کی بدمزاجی کو جانتے ہوئے کیسے تم نے اس کو اپنا جانشین بنا دیا؟!........''(۱)

نیز ابن سعد اپنی سند سے عائشہ سے روایت کرتے ہیں:

''جب میرے باپ کی طبیعت بگڑنے لگی اور فلاں فلاں ان کے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے خلیفۂ رسول خداؐ، پسر خطاب کو اپنا جانشین بنا دیا ہے، کل آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟ ابو بکر نے کہا مجھے بیٹھاؤ اور پھر کہا تم مجھے خدا سے ڈراتے ہو؟ ارے کہدوں گا کہ ایک اچھے آدمی کو اپنا خلیفہ بنا کر آیا ہوں ۔ اور عائشہ ہی سے مروی ہے کہ جب ابو بکر کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے عمر کو اپنا جانشین بنا دیا، علی اور طلحہ ان کے پاس آئے اور پوچھا کس کو اپنا جانشین بنایا ہے؟ جواب دیا عمر کو، ان لوگوں نے کہا تم خدا کو کیا جواب دو گے؟ ابو بکر نے کہا تم مجھے خدا سے ڈراتے ہو؟ میں خدا اور عمر کو تم سے اچھی طرح سے پہچانتا ہوں ۔ میں خدا سے کہدوں گا کہ میں نے ایک اچھے آدمی کو اپنا جانشین بنایا ہے''(۲)

اسی بات کو محبّ الدین طبری نے ''الریاض النضرہ'' ج ۱ ص ۲۳۷ پر، ملا متقی ھندی نے

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۹۹

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۷۴

''کنز العمال'' ج ۵ ص ۳۹۸ پر، وصابی نے ''الاکتفافی فضل الاربعۃ الخلفاء'' میں، مخاطب کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے ''قرۃ العینین'' ص ۲۷ پر اور ''ازالۃ الخفا'' مقصد اول فصل چہارم اور مقصد دوم مآثر ابوبکر میں، طبری نے اپنی تاریخ کی ج ۲ ص ۶۲۰۔۶۱۷ پر، ابن عبد البر قرطبی نے ''اعجاز القرآن'' مطبوع برحاشیہ الاتقان ص ۱۸۴ پر اور دیار بکری نے ''تاریخ الخمیس'' درقصہ استخلاف ابوبکر وعمر میں نقل کیا ہے، اور طبری اور ابن عبدربہ قرطبی نے اپنی مذکورہ کتابوں میں ابوبکر کا وہ افسوس بھی نقل کیا ہے کہ اے کاش در فاطمہؑ کو دھکا نہ دیا ہوتا خواہ اس کو بہ عنوان جنگ بند کیا تھا۔

۹۔ اصحاب پیغمبرؐ کی ایک جماعت ابوبکر کی خلافت اور عمر بن خطاب کی جانشینی کو صحیح نہیں سمجھتی تھی، کیونکہ دونوں ہی کام مسلمانوں کے مشورے کے بغیر انجام پائے تھے، چنانچہ ابن عبدربہ قرطبی ''العقد الفرید'' میں لکھتے ہیں:

''مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے کہ میں عمر بن خطاب کے پاس تنہا بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے امیر المومنین آپ کو کچھ خبر ہے کہ چند اصحاب پیغمبرؐ کہہ رہے ہیں کہ ابوبکر نے جو کام اپنے لئے اور تمہارے لئے انجام دیئے تھے، ان کا وہ حق نہیں تھا اور بغیر مشورے کے انہوں نے یہ کام انجام دیئے تھے، اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ ہم عہد و پیمان باندھیں کہ ایسی حکومت کے چکر میں نہیں پڑیں گے، عمر نے پوچھا وہ لوگ کہاں ہیں؟ جواب دیا طلحہ کے گھر میں ہیں، عمر ان کی طرف چلے میں بھی ان کے ہمراہ ہو گیا، مگر میں نہیں سمجھتا

کہ غصے میں ان کو میرے ساتھ چلنے کا احساس ہوا ہوگا، جب عمر پر ان لوگوں کی نظر پڑی تو وہ سمجھ گئے کہ کسی نے راہنمائی کی ہے، عمر نے ان سے کہا تم لوگوں نے کچھ کہا ہے، خدا کی قسم تم لوگ کبھی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے، مگر اس صورت میں جب یہ چار چیزیں ایک دوسرے کی دوست بن جائیں، انسان اور شیطان کہ شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے، اور انسان اس پر لعنت بھیجتا ہے اور آگ اور پانی کہ پانی آگ کو بجھاتا ہے اور آگ پانی کو جلاتی ہے، ابھی تمہارا وقت نہیں آیا ہے، جب مسیح ظہور کریں گے اس وقت تمہارا وقت آئے گا! راوی کا بیان ہے کہ وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔

مغیرہ کا کہنا ہے کہ عمر نے مجھ سے کہا کہ علی بن ابی طالب کو جا کر روکو، میں نے کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کیجئے، عمر نے کہا اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو تجھے ابن دباغہ کہوں گا، مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے علی کو روکا، عمر ان کے پاس آئے اور ان سے کہا یہ سارے کام تمہارے ہی زیر نگرانی ہو رہے ہیں! علی نے جواب دیا اس بات سے ڈرو کہ کہیں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جن کا ہم خیال کریں اور پھر اس کے مقابلے پر اتر آئیں؟ عمر نے پوچھا کیا تم ایسا ہی کرنا چاہتے ہو؟ فرمایا نہیں، لیکن ہم تمہیں بھولی باتیں یاد دلا رہے ہیں، عمر نے مجھ (مغیرہ) سے کہا جاؤ، غصے میں جو باتیں تم نے سنی ہیں وہی تمہارے لئے کافی ہیں، میں تھوڑی دور چلا گیا، دیکھا دونوں ہنستے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، عمر میرے پاس

آئے اور پھر ہم دونوں ساتھ چلے، راستے میں میں نے پوچھا کیا آپ غضبناک ہو گئے تھے؟ عمر نے علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا خدا کی قسم اگر اس شخص کے مزاج میں مزاح نہ ہوتا تو اس کی ولایت میں شک تک نہیں کرتا ...."(۱)

۱۰۔ یہ کلام (انما الشوری...............) اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ مہاجرین وانصار سے مشورہ لینا ضروری ہے، جب کہ عثمان کی خلافت مشورے سے وجود میں نہیں آئی تھی، بلکہ حضرت عمر نے خلافت کو چھ آدمیوں میں محصور کر دیا تھا جو سب کے سب مہاجر تھے اور وہ علیؑ بن ابی طالب، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، سعد بن وقاص اور عبد الرحمٰن بن عوف ہیں۔ اس روشنی میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ عثمان کی خلافت مہاجرین وانصار کی شوریٰ کا نتیجہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! سعد، عبد الرحمٰن کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؑ کے دشمن تھے، عبد الرحمٰن عثمان کے بہنوئی تھے اور طلحہ عثمان کے چاہنے والوں میں تھے، اور حضرت عمر نے وصیت کی تھی کہ ان میں پانچ آدمی اگر کسی پر اتفاق کریں اور ایک مخالفت کرے تو اس ایک کی گردن اڑا دینا، اور اگر چار آدمی ایک طرف ہوں اور بقیہ ان کے ہم خیال نہ ہوں تو ان دونوں کی گردن اڑا دینا، اور اگر ان میں تین کسی کو چاہیں اور بقیہ تین کسی اور پر اتفاق کریں تو ان تین کی بات ماننا جن میں عبد الرحمٰن بن عوف ہوں اور بقیہ تین کی گردن اڑا دینا، اس طرح پہلے سے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت عثمان تخت

۱۔ العقد الفرید ج ۴ ص ۲۸۲۔۲۸۱

خلافت پر بیٹھ گئے اور شوریٰ منہ تکتی رہ گئی۔

طبری لکھتے ہیں:

''عمر نے ابوطلحہ انصاری سے کہا: اے ابوطلحہ تم انصار میں سے پچاس آدمیوں کا انتخاب کرو اور جب تک وہ کسی ایک کا انتخاب نہ کر لیں ان پر کڑی نظر رکھو، اور مقداد سے کہا جب تم مجھے دفن کر لینا تو اس وقت تک ان لوگوں کو ایک گھر میں بند رکھنا جب تک وہ کسی ایک کو نہ چن لیں، اور صہیب سے کہا تین دن تک تم نماز پڑھانا اور علی، عثمان، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ اگر آئیں تو انہیں گھر میں لے آنا اور عبداللہ بن عمر کو بھی ساتھ رکھنا لیکن خلافت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے اور تو بھی ان لوگوں کے پاس رہنا، اگر ان میں پانچ کسی پر اتفاق کر لیں اور ان میں ایک اس پر راضی نہ ہو تو اس کی گردن توڑ دینا یا سر قلم کر دینا، اور اگر چار آدمی کسی پر متفق ہو جائیں اور ان میں دو مخالف ہوں تو ان دونوں کی گردنیں اڑا دینا، اور اگر ان میں تین آدمی کسی پر متحد ہو جائیں مگر تین مخالفت کریں تو عبداللہ بن عمر کو حکم بنانا جس گروہ کے بارے میں وہ کہے وہی کسی ایک کا انتخاب کرے، لیکن اگر عبداللہ بن عمر کی حکمیت پر وہ لوگ راضی نہ ہوں تو جس گروہ میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں ان کے ساتھ ہو لینا اور بقیہ اگر اس کو قبول نہ کریں تو ان کی گردنیں اڑا دینا......''(۱)

۱۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۹۷

ایوبی لکھتے ہیں:

''۲۴ھ میں عمر کے انتقال کے بعد افراد شوریٰ کہ وہ علی، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص اور عبداللہ بن عمر ہیں، ایک جگہ جمع ہوئے، عمر نے شرط کردی تھی کہ ان کا بیٹا عبداللہ رائے تو دے سکتا ہے مگر خلافت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے، بات طول پکڑتی چلی گئی، عمر نے صرف تین دن کی مہلت دی تھی اور کہا تھا کہ تین دن کے اندر خلافت کا مسئلہ حل ہو جانا چاہئے چوتھا دن نہ آنے پائے مگر یہ کہ اس دن تمہارا کوئی امیر ہو، اور اگر تم کسی پر اتفاق نہ کر پاؤ تو جس گروہ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف ہوں ان کے ساتھ ہو جانا۔

علی نے عباس سے کہا خلافت ہم سے چھین لی گئی کیونکہ سعد، عبدالرحمٰن کی مخالفت نہیں کریں گے اس لئے کہ وہ ان کے چچازاد بھائی ہیں اور عبدالرحمٰن، عثمان کے بہنوئی ہیں لہذا وہ بھی ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کریں گے اور حکومت ایک دوسرے کے حوالے کردیں گے ....عبدالرحمٰن نے اپنے کو خلافت سے جدا کرلیا اور علی سے کہا کہ آپ عہد کیجئے کہ خلیفہ بننے کے بعد قرآن و سنت پیغمبر اور سیرت شیخین پر عمل کریں گے، علی نے جواب دیا ہم اپنے علم کے مطابق عمل کریں گے انہوں نے عثمان سے اسی بات کی پیشنہاد کی، عثمان نے فوراً قبول کرلیا، اس کے بعد عبدالرحمٰن نے کہا خداوندا تو گواہ رہنا جو ذمہ داری میری گردن پر تھی اس کو عثمان کے حوالے کردیا اور پھر انہوں نے عثمان کی بیعت کرلی۔

علی نے کہا یہ پہلا موقع نہیں ہے جب تم نے ہمارے خلاف کام کیا ہے اور اپنے مقصد کی خاطر ایک دوسرے کی پشتیبانی کی ہے، میں صبر کر رہا ہوں اور جو تم نے کہا ہے اس کے لئے خدا سے مدد چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم تم نے عثمان کو خلافت صرف اس لئے حوالے کی کہ وہ اس کو اپنے بعد تمہارے سپرد کردے........ جب عثمان نے زمام حکومت ہاتھ میں لیا اور سارے عہدے اپنے رشتہ داروں کے حوالے کر دیئے تو لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا یہ سب کچھ تمہارا کیا ہوا ہے، انہوں نے جواب دیا مجھے عثمان سے اس کی امید نہیں تھی اور اب میں کبھی بھی ان سے بات نہیں کروں گا، چنانچہ عبدالرحمٰن اس حال میں اس دنیا سے گئے کہ وہ عثمان سے رابطہ قطع کئے ہوئے تھے، اور جب عثمان ان کی عیادت کو آئے تو انہوں نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور ان سے بات نہیں کی"(۱)

مزید تفصیل جاننے کے لئے ملاحظہ کیجئے طبقات ابن سعد شرح حال عمر ج ۳ ص ۲۳۹۔۲۳۸، ابن ابی شیبہ کی "المصنف"، "صحیح بخاری" "تاریخ یعقوبی" ج ۲ ص ۱۵۲، ایوبی کی تاریخ "المختصر فی اخبار البشر" ج ۱ ص ۱۶۶ واقعات ۲۴ھ، ابن الوردی کی "تتمۃ المختصر" شرح حال موت عمر، ملا متقی ھندی کی "کنز العمال"۔

خدا کا شکر کہ عبقات الانوار مجلد ثقلین کا ترجمہ مکمل ہو گیا، معبود مترجم کو ثقلین کے دامن سے وابستہ رکھنا۔

۱۔ المختصر فی احوال البشر ج ۱ ص ۱۶۶ حوادث ۲۴ھ